بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بسلسلہ چہاردہ صد سالہ یادگار شہادت امیرالمومنینؑ (۴۰ھ۔۱۴۴۰ھ)، اشاعت نو

نفسِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد (۶)

معروف بہ

حضرت امیرالمومنین علیہ السلام، حصہ ثالثہ

مصنفہ

مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ

(سابق مدیر مجلۂ اصلاح)

ابن علامہ سید علی حیدر نقوی اعلی اللہ مقامہ

ناشرین

ولایت پبلیکیشنز

نئی دہلی (انڈیا)

E-mail:welayatpublications@gmail.com

www.welayat.in

Contact: 09958225575

ادارۂ اصلاح

مسجد دیوان ناصر علی، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳

E-mail: islah_lucknow@yahoo.co.in

www.islah.in

Ph. : 0091 522 4077872

مشخصات

کتاب کا نام	:	نفس رسولؐ جلد (۶) ،حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثالثہ
مؤلف	:	مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ
کمپوزنگ	:	------------------
طبع	:	عنبر پریس، لکھنؤ
تاریخ طبع	:	شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ، اپریل ۲۰۱۹ء
صفحات	:	۴۰۰
قیمت	:	290روپیے
ناشرین	:	ولایت پبلیکیشن (دہلی) ،ادارۂ اصلاح لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۳ (انڈیا)

ISBN-13 : 978-93-87479-37-1
ISBN-10 : 93-87479-37-4

فہرست کتب

بسمہ تعالیٰ

عرض ناشر

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ علی اھلہا

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سابق سربراہ علامہ سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے سیرت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام پر "المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ" نامی کتاب لکھی تھی جس کے متعدد ایڈیشن اب تک شائع ہو چکے ہیں۔اس کے دیباچہ کی ابتدا میں انہوں نے عمومی الفاظ میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

"یہ ایک تلخ تاریخی حقیقت ہے کہ بہت سی تاریخ ساز، عہد آفریں، اور نادرہ روزگار شخصیات ایسی بھی ہیں جن کی مکمل سیرت (جو ان کی روشن ترین خصوصیات پر حاوی اور ان کے مرکزی اور اہم کمالات و محاسن پر روشنی ڈالتی ہو) عرصۂ دراز تک مرتب نہیں ہوئی اور یہ بات ان کے ماننے والوں اور عقیدت مندوں پر ایک اخلاقی دینی وعلمی قرض کی نوعیت رکھتی ہے۔جس کی ادائیگی بعض اوقات انہوں نے بھی نہیں کی جو ان کی تعظیم میں غلو اور مبالغہ سے کام لیتے اور ان سے محبت و وابستگی کو سرمایہ ایمان و آگہی سمجھتے ہیں۔(سخن ہائے گفتنی)

آخری سطور میں اشارہ کس گروہ کی طرف ہے ان کے علم میں بہتر رہا ہوگا اسی تحریر میں آگے انہوں نے اپنے برادر بزرگ مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبد العلی کے ایک حکم کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے ایک روز بڑے دادا کے ساتھ گلو گیر لہجہ میں کہا علی تم کو سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی سیرت پر کتاب لکھنا چاہئے اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ صلاحیت بخشی ہے کہ تم یہ کام کرسکو"(سخنہائے گفتنی)

اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت جب تین دہائیوں کے بعد آئی تو اس سلسلہ میں مزید اقدام سے پہلے ان کا یہ تجزیہ تھا:

"مجھے اسلامیات کے کتابی ذخیروں میں اک شدید کمی کا احساس پیدا ہوا اور یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ سیدنا حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مکمل سوانح حیات (جو بقدر امکان) ان کے اہم اور مرکزی خصائص و کمالات پر روشنی ڈالتی ہو موجود نہیں ہے"(سخنہائے گفتنی)

المرتضیٰ کی پہلی ہی اشاعت کے بعد منقولہ جملے جب میری نظر سے گزرے تھے تو مجھے مشہور اہل علم کی غفلت پر سخت تعجب ہوا تھا۔اس لئے کہ خود ادارہ اصلاح سے دس ضخیم جلدوں میں "نفس رسول" کے نام سے سیرت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام شائع ہو چکی تھی جو ایک کارنامہ ہے لیکن چونکہ یہ شیعی حلقہ کا کام ہے لہٰذا اسے نظر انداز کیا گیا۔ادعا کے باوجود المرتضیٰ 20x26 8 سائز

پر 500 صفحات تک بھی نہیں پہنچ سکی جبکہ "نفس رسول" ہزاروں صفحات پر مشتمل ہونے کے باوجود نامکمل رہی اور جو منصوبہ تھا اس کی حد آخر کو حاصل نہیں کرسکی ہے جو اس حدیث پیغمبر ﷺ کی صداقت کا اعلان ہے کہ:

عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم لو ان الریاض اقلام، البحر مدادو الجن حساب والانس کتاب ما احصوا فضائل علی ابن ابی طالب علیه السلام (بحار الانوار جلد ۴۰ صفحہ ۴۰)

"اگر باغات قلم بن جائیں اور سمندر، روشنائی بن جائیں اور تمام جن شمار کرنے والے بن جائیں اور تمام انسان لکھنے والے بن جائیں پھر بھی فضائل علیؑ کا احصا نہیں کر سکتے"۔

اوصاف علی، به گفتگو ممکن نیست

گنجایش بحر در سبو، ممکن نیست

من ذات علی به واجبی نشناسم

امادانم که مثل او ممکن نیست

جب مجلہ اصلاح کے مدیر اول اور بانئ اصلاح فخر الحکماء علامہ سید علی اظہر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ کے قابل فخر فرزند حجۃ الاسلام علامہ سید علی حیدر طاب ثراہ نے دس جلدوں پر مشتمل سیرت امیرالمومنینؑ "نفس رسولؐ" کو قلم بند کرنے کا ارادہ کیا تو دل میں شدید بے چینی تھی۔ اس سلسلہ میں ان کا جو منصوبہ تھا وہ نفس رسولؐ کی پہلی جلد "اعجاز الولی" میں موجود ہے۔ اپنے منصوبہ کا اعلان انہوں نے بذریعہ مجلہ اصلاح کرنا شروع کر دیا تھا جیسا کہ اپنے وصیت نامہ میں انہوں نے ذکر بھی کیا ہے کہ:

"میں ماہ مئی ۱۹۵۰ء سے رسالہ اصلاح میں ایک عظیم الشان تاریخی اور تحقیقی کتاب لکھنے اور شائع کرنے کا ڈھنڈھورا پیٹ رہا ہوں اور وہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی سب سے بڑی سب سے زیادہ جامع سوانح عمری گویا حضرت علی علیہ السلام کے حالات کی انسائیکلوپیڈیا ہوگی جو سات آٹھ جلدوں غالباً چار ہزار صفحوں میں پوری اور سات آٹھ سال میں ختم کی جائے گی۔ اس طرح میں نے ابھی سات آٹھ برس اور اس دنیا میں اپنے کو زندہ سمجھنے کا سامان کرلیا ہے کیا بغیر اس سوانح عمری کے مکمل شائع ہوئے جناب ملک الموت کو میرے پاس آجانے میں افسوس نہیں ہوگا۔ لیکن اگر نہ مانے تو میں کیا کروں گا۔

"کار دنیا کسے تمام نہ کرد" اس حالت میں آپ میرے کل خطوط کی تعمیل کرتے رہئے گا۔"

والسلام احقر علی حیدر عفی عنہ (ایک عزیز کے نام مکتوب اصلاح نومبر دسمبر ۱۹۵۰ء)

"چونکہ ہم کو علمی خدمتیں کرتے بفضل تعالیٰ ۴۵ سال گزر گئے اور اب اس عظیم الشان سوانح مبارکہ نفس رسولؐ دس جلدوں پر مشتمل سوانح امیر المومنینؑ کے مکمل شائع ہو جانے کے لئے بہت بے چین ہیں۔ مگر معلوم نہیں ہماری عمر یا قوت وفا کر سکے یا نہیں۔ اس وجہ سے بندہ زادوں مولوی سید محمد باقر صاحب ادیب فاضل (الہ آباد) فاضل ادب لکھنؤ یونیورسٹی مولوی فاضل (پنجاب یونیورسٹی) اور صدر الافاضل سے جن کی بہت مفید مقبول کتاب "مذہبی تعلیم" کے پانچ حصوں کی خدا کے فضل سے ہر طرف دھوم ہوگئی ہے۔ اور مولوی سید آغا جعفر سلمہ متعلم مدرسہ سلطان المدارس لکھنؤ سے وصیت بھی کر رکھی ہے کہ اس سوانح مبارکہ کو صرف خدائے کریم وقدیر کی تائید پر بھروسہ کر کے ہم نے شروع تو کر دیا ہے لیکن جب ہم زندہ نہ رہیں تو "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" اور "الولد سرّ لابیه" کے مطابق اس کو ضرور مکمل کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ دونوں فرزند قادر مطلق پر توکل کر کے اس کے مکمل کرنے میں جناب مولانا علی نقی صاحب قبلہ، جناب مولانا سید محمد سعید صاحب قبلہ لکھنؤ، مولانا سید رضی صاحب زنگی پوری، جناب مولانا سید عدیل اختر صاحب، جناب مولوی سید سبط الحسن صاحب ہنسوی، جناب ڈاکٹر مولوی سید مجتبیٰ حسن صاحب کامون پوری، جناب الحاج پرنس سید محمد عباس صاحب صفوی تعلقہ دار شمس آباد، جناب سید فقیر حسین صاحب بخاری ایم اے پروفیسر علی گڑھ، جناب ڈاکٹر مولوی سید اعجاز حسین صاحب مینجر وقف ہوگلی، جناب خواجہ غلام السیدین صاحب پانی پتی، جناب آغا سلطان مرزا صاحب جج پنشنر کراچی، جناب ڈاکٹر محمد علی الحاج سالمین صاحب بمبئی، جناب مولانا حافظ کفایت حسین صاحب لاہور، اور جناب مولانا محمد بشیر صاحب ٹیکسلا سے پوری مدد لیتے رہیں۔"

(احقر علی حیدر عفی عنہ، ۷ر صفر ۱۳۷۰ھ ہجری مطابق ۱۸ر نومبر ۱۹۵۰ء)

وصیت میں مزید تحریر فرمایا ہے:

"سوانح مبارکہ کے لئے وصیت کا مضمون بھی ہم اصلاح میں شائع کر چکے ہیں۔ چند ناموں کا اضافہ اس میں بھی ضروری ہے جن سے مدد اور مشورہ لیتے رہنا بہت مفید اور اہم ہے۔:

۱) جناب سید امتیاز حسین صاحب ترمذی وکیل پٹنہ۔ ۲) جناب سید حسن عسکری صاحب پروفیسر پٹنہ۔ ۳) جناب مولوی سید ابن حسن صاحب جارچوی لکھنؤ۔ ۴) جناب مولوی سید اختر علی صاحب تلہری۔ ۵) جناب مولوی مرزا احمد علی صاحب امرتسری۔ اور ۶) جناب مولوی محمد مصطفیٰ صاحب جوہر کراچی۔

مذکورہ بالا حضرات نیز ان حضرات سے جن کے اسمائے گرامی دسمبر کے اصلاح میں شائع ہو چکے ہیں التماس ہے کہ ہماری عمر ۶۵ سال کی ہو چکی ہے اور علمی خدمات کرتے ہوئے تقریباً ۵۰ سال گزر چکے ہم کو بہت افسوس ہے کہ سوانح مبارکہ کے

مرتب کرنے کی توفیق بہت دیر کر کے ہوئی جب آفتاب لب بام پہنچ گیا ہے اس وجہ سے ہم بے چین ہیں کہ سوانح مبارکہ کیونکر اچھی سے اچھی ہوگی۔ آپ کل حضرت اس اہم دینی خدمت میں ہماری علمی اور قلمی مدد کر کے شکرگزار کریں اس طرح کہ کل حضرات سوانح مبارکہ کی دسوں جلدوں کے لئے جن قیمتی مضامین نادر تحقیقات، مفید مباحث اور ضروری افادات کا اندراج پسند کریں۔ ان سب کو جلد از جلد ہمارے پاس ارسال فرمانا شروع کر دیں۔ تاکہ ہم سب کو مرتب کرتے جائیں۔ اور دسوں جلدوں کے مسودات کو آپ حضرات کی اعانت سے اپنی زندگی ہی میں مکمل کر ڈالیں۔ اس کے بعد اگر اجل نے مہلت دی تو انشاء اللہ خود چھپوا کر شائع کریں گے۔ ورنہ خود آپ حضرات دفتر اصلاح سے شائع کراتے رہیں گے۔" (اصلاح مئی جون ۱۹۵۱ء)

علامہ علی حیدر صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ نے پہلے ۶۔ ۷ جلدوں میں پھر دس جلدوں میں سوانح عمری امیرالمومنینؑ کا ارادہ اس وقت کیا جب عمر ڈھل رہی تھی۔ جب اندازہ ہوا کہ عین حیات میں یہ کام پورا نہیں کر سکوں گا تو یہ کام اپنی اولاد کے سپرد کیا۔ مدیر دوم اصلاح مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی طاب ثراہ نے اس کام کو آگے بڑھایا۔ ۴ جلدیں خود لکھیں مگر اپنے والد مرحوم کے نام سے باقی دیگر مصنفین و مبلغین کی کتابوں کو شامل کر کے دس جلدیں پوری کر دیں۔ والد مرحوم مولانا سید محمد باقر جو راسیؒ ان کے ہم نام بھی تھے اور چالیس سال تک گہرے رفیق رہے تھے ان کی وفات کے بعد اپنے ایک مضمون "امام عصرؑ کا ایک خادم" کے عنوان سے مضمون میں تحریر فرمایا ہے:

"ان کے تالیفات و تصنیفات اور مضامین و تراجم کی تعداد تو بہت ہے جن کی فہرست پیش کرنا میرے لئے بھی دشوار ہے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان سب سے زیادہ نمایاں اور امتیازی حیثیت دس جلدوں میں مکمل ہونے والی حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی عظیم و ضخیم سوانح عمری کو حاصل ہے یہ بات میرے علم میں ہے کہ مرحوم کے پدر بزرگوار مولانا سید علی حیدر صاحب اعلی اللہ مقامہ نے اس کی صرف ابتدائی دو جلدیں ہی اپنے قلم سے تحریر فرمائی تھیں۔ اس کے بعد یہ اہم کام اپنے ہونہار فرزند کے سپرد کر دیا تھا۔ جسے مرحوم نے ان کے اعتماد اور توقعات کے مطابق پوری مہارت اور کامیابی کے ساتھ پایہ تکمیل کو پہنچایا۔

(اصلاح صدی نمبر جنوری تا مارچ ۱۹۹۹ء صفحہ ۲۰۷)

۳ سے ۷ جلدوں تک کی محنت مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقوی اعلی اللہ مقامہ کی کاوش ہے۔ ایک لائق فرزند ہونے کی حیثیت سے اور اپنے والد مرحوم کے جذبہ اخلاص کی قدردانی میں انہوں نے اس محنت کو بھی اپنے والد علام سے منسوب رکھا لیکن اب جبکہ اس کا انکشاف ہو چکا ہے کہ بعد کی جلدیں ان کا کارنامہ ہیں لہٰذا مناسب یہی ہے کہ ان جلدوں کو انہیں سے منسوب کیا جائے۔ ۷ جلدوں کے بعد دس جلدیں مکمل کرنے کے لئے مقبول و معروف جن تین کتابوں کا سہارا لیا گیا ان کے ترجمہ کی

زحمت بھی مرحوم ہی نے فرمائی تھی۔

چونکہ شہادت امیرالمومنین کی چودہ سو سال مکمل ہونے کی یادگار منائی جارہی ہے لہٰذا اس مناسبت سے ترتیب میں معمولی تبدیلی اور دیگر تالیفات وتراجم کو شامل کر کے نفس رسولؐ کی ۱۴ جلدیں پیش ہیں۔اس کا افسوس ہے کہ مرحوم نے جو خاکہ مرتب فرمایا تھا کام کا تکملہ اس نہج کے عین مطابق تو نہیں ہوسکا لیکن پھر بھی اس نفس رسولؐ کی ۱۴ جلدوں کی اشاعت کے ذریعہ ایک غیر معمولی کام انجام پاگیا ہے۔

اب تمام ۱۴ جلدوں کی ترتیب اس طرح ہے:

جلد (۱): اعجاز الولی (حجۃ الاسلام علامہ علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۲): قرآن ناطق (حجۃ الاسلام علامہ علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۳): ثقل اکبر (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۴): حضرت امیرالمومنینؑ، حصہ اولیٰ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۵): حضرت امیرالمومنینؑ، حصہ ثانیہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۶): حضرت امیرالمومنینؑ، حصہ ثالثہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۷): حضرت امیرالمومنینؑ، حصہ رابعہ (مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ زیر رہنمائی علامہ سید علی حیدر نقویؒ)۔

جلد (۸): ندائے عدالت انسانی ترجمہ: صوۃ العدالۃ الانسانیہ، جارج جرداق (مترجم مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ)۔

جلد ۹): تہذیب المتین فی سیرت امیرالمومنینؑ (مولانا مظہر حسن سہارنپوریؒ)۔

جلد (۱۰): "ضیاء الغدیر، مصنفہ: ضیاء الواعظین مولانا وصی محمد صاحب قبلہ طاب ثراہ۔مع اضافہ خلاصہ الغدیر علامہ امینی اعلی اللہ مقامہ۔

جلد (۱۱): امیرالمومنینؑ کے فیصلے، مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ۔

جلد (۱۲): علیؑ وفرزندان علیؑ ترجمہ: علیؑ وبنوہ، ڈاکٹر طٰہٰ حسین (مترجم مجاہد اسلام مولانا سید محمد باقر نقویؒ)۔

جلد (۱۳): اصحاب امیرالمومنینؑ، (آیۃ اللہ ناظم زادہ) (مترجم حجۃ الاسلام سلیم علوی)۔

جلد (۱۴): صفات شیعیان امیرالمومنینؑ، ترجمہ صفات الشیعہ شیخ صدوقؒ۔(مترجم حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید رضی جعفر نقوی مدظلہ)

نفس رسولؐ کی اس جلد (۶) ''حضرت امیرالمومنینؑ'' حصہ ثالثہ میں واقعہ قتل عثمان کے بعد جمہور مسلمین کا حضرتؑ پر ہجوم

خلافت قبول کرنے پر اصرار اور ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبودی کی خاطر مجبوراً حضرت کا متمکن مسند خلافت ہونا بیان کر کے عہد خلافت کے حالات پیش کئے گئے ہیں۔

کے خاندان کے حالات اور آپ کی ولادت باسعادت سے وفات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ تک کے حالات درج ہیں۔

میں نے جب المرتضیٰ کے پہلے ایڈیشن کا مطالعہ کیا تھا اور شروع میں منقولہ جملے نظر سے گزرے تھے تو یہ جذبہ پیدا ہوا تھا کہ کیوں نہ نفس رسولؐ کی تمام جلدیں سامنے آجائیں تاکہ ان لا علم لوگوں کو معلوم ہوسکے جو نہیں جانتے کہ سیرت امیر المومنینؑ پر متعدد ضخیم جلدوں میں ایک قابل قدر کتاب موجود ہے۔ لیکن مالی وسائل کی دقت کی وجہ سے اس سلسلے میں اقدام کی ہمت نہیں پڑی۔ مگر جب امیر المومنینؑ کی شہادت کے چودہ سو سالہ یادگار کے منصوبے بننا شروع ہوئے تو مجلہ اصلاح کے مدیر اعزازی مولانا محمد حسنین باقری نے یہ عزم کیا کہ اس موقع کے اوپر نفس رسولؐ کی جلدوں کی اشاعت نو ہو جانا چاہئے اور اس سلسلے میں انہوں نے محنت بھی بہت کی۔ جس کا ثمرہ آپ کے سامنے ہے۔ ناظرین سے التماس ہے کہ اوقات دعا میں ادارہ اصلاح کو شامل کرنے کو فراموش نہ فرمایا کریں۔

فقط

سید محمد جابر جوراسی

مسئول ادارہ اصلاح لکھنؤ

۱۳؍رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

پنجشنبہ ۲۱ مارچ ۲۰۱۹ء

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء والمرسلین ابی القاسم محمد وآلہ الطیبین الطاھرین

منعم حقیقی کا لاکھوں شکر کہ سوانح حضرت امیر المومنینؑ جلد چہارم کا حصہ ثانیہ 572 صفحات (اشاعت جدید میں جلد پنجم، صفحات 672) پر تمام ہوا اس جلد میں وفات پیغمبرؐ سے قتل حضرت عثمان تک کے حالات انتہائی تحقیق و جامعیت سے لکھے جا چکے ہیں خلاف معمول اس جلد کی تکمیل میں دو برس کا عرصہ ضرور لگ گیا مگر ہم نے اسکی ترتیب و تدوین میں جتنی مشقت اٹھائی ہے اسکو دیکھتے ہوئے اتنی تاخیر امید ہے کہ قابل معافی سمجھی جائے گی۔

اب ہم حصہ ثالثہ کا آغاز کر رہے ہیں جس میں واقعہ قتل عثمان کے بعد جمہور مسلمین کا حضرت پر بجوم خلافت قبول کرنے پر اصرار اور ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبودی کی خاطر مجبوراً حضرت کا متمکن مسند خلافت ہونا بیان کر کے عہد خلافت کے حالات مؤرخانہ دیانت اور محققانہ حیثیت سے درج کرینگے خدا کرے یہ جلد بھی سابقہ جلدوں کی طرح مومنین کی نگاہوں میں شرف قبولیت پائے اور ہماری محنت سوارت ہو وھو حسبی و نعم الوکیل و نعم المولی نعم النصیر۔

باسمہ سبحانہ

مقدمہ

از جناب خانصاحب آغا محمد سلطان مرزا صاحب دام مجدہ، ایم، اے، ایل، ایل، بی، ریٹائرڈ ڈسرکٹ سیشن جج (پنجاب)
مصنف البلاغ المبین التفریق والتحریف فی الاسلام، نور المشرقین، سیدہ فاطمہ الزہرا، فلسفہ اسلام وغیرہ

عالیجناب علامہ مولوی سید محمد باقر صاحب مدظلہ العالی نے مجھ سے فرمائش کی کہ سوانح عمری حضرت امیرالمومنینؑ جلد چہارم حصہ ثالثہ کے لئے مقدمہ لکھوں۔ میں نے اپنی نااہلیت، کثرت مشاغل عوارض اور سب سے بڑے مرض کبرسنی کے عذرات پیش کئے کوئی قبول نہ ہوا۔ جو عزت وعظمت اس خاندان کی میرے دل میں ہے اور جو کار عظیم جس کو قبلہ وکعبہ جناب مولانا مولوی سید علی حیدر صاحب مدظلہ العالی نے اپنے ذمہ صرف حب اہلبیتؑ کی وجہ سے لیا ہے ان کو دیکھتے ہوئے میرے دل نے انکار گوارا نہ کیا۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ جیسا کہ جناب امیر علیہ السلام نے حضرت عبداللہ بن عمر سے فرمایا تھا کہ اگر تمہارا باپ نہ ہوتا تو کوئی میری مخالفت نہ کرتا۔ جناب امیرالمومنینؑ کی خلافت ظاہری کی تکالیف اور آنجناب کے مقصد کی کامیابی کا اندازہ کرنے کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ جناب عمر نے (خداوند تعالیٰ ان سے بہت خوش ہو) جو مخالفت حضرت علیؑ اور خاندان رسالت کی کی ہے اس کے ہر پہلو سے واقفیت حاصل کرلیجائے۔ یہ واقفیت جناب علامہ مولانا سید علی حیدر صاحب قبلہ وکعبہ کی پہلی دو سوانح عمریوں اور میری کتاب البلاغ المبین حصہ اول و دوم اور کتاب۔ التفریق والتحریف کے مطالعہ سے اچھی طرح ہو جائے گی، یہ مقدمہ اس یقین پر مبنی کر کے لکھا گیا ہے کہ ناظرین اس سے پہلے سوانح عمری حضرت ابوبکر، سوانح عمری حضرت عمر اور البلاغ المبین حصہ اول و دوم اور کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام کا اچھی طرح مطالعہ فرما چکے ہیں اور حضرت عمر کے دل عمیق ترین گہرائیوں سے واقف ہو چکے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ کفار قریش کا یہ اعتراض کہ محمدؐ نے (معاذاللہ) یہ نبوت کا کھیل محض اپنی اور اپنے خاندان کی عظمت ووجاہت بڑھانے کے لئے کھیلا ہے کچھ ایسی گھڑی سے کہا گیا تھا کہ حضرت عمر کے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔ یہ ہی خیال تھا جس نے جناب عمر کو آں حضرتؐ کے قتل پر آمادہ کیا اور وہ اپنی بہن کے گھر سے اٹھ کر بغیر مزید سوچے سمجھے آں حضرتؐ کے گھر کی طرف ہو لئے کہ انھیں قتل کریں لیکن وہاں بنو ہاشم کا مجمع دیکھ کر جس میں حضرت حمزہؑ وحضرت علی مرتضیؑ اور جناب ابوطالبؑ موجود تھے

آپکی ہمت نے آپکے ارادہ کی مدد نہ کی وہ معاملہ تو گیا گذرا ہوا۔آپ ایمان بھی لے آئے۔کاہنان عرب سے مشورہ بھی کیا۔بڑھتی ہوئی عظمت رسول کو بھی دیکھا۔اور مدینہ میں آں حضرتؐ کی حکومت کی ابتدا کو بھی ملاحظہ کیا۔فتح بدر نے کفاران عرب کے تو دل توڑ ہی دیئے لیکن حضرت عمر کے لئے بھی غور وخوض کا بہت بڑا موقعہ پیدا کیا۔غرضکہ واقعات ایسے ہی ہوتے گئے جنھوں نے حضرت عمر کے دل سے کفاران عرب کا اعتراض محو ہی نہ ہونے دیا۔جناب رسولؐ خدا جانتے تھے لیکن کیا کرتے۔مشیت الٰہی جاری ہو چکی تھی کہ امامت خاندان رسالت ہی میں رہے۔حضرت عمر بھی جانتے تھے کہ جن اصول پر امامت مبنی کی گئی ہے ان اصول تک ہم نہیں پہونچ سکتے۔وہ دیکھتے تھے کہ حضرت علیؑ امامت کے ایسے حصن حصین میں محفوظ ہیں کہ ہمارا ان تک پہونچنا محال ہے لہٰذا انھوں نے اس قلعہ کی ارد گرد کی مٹی کھودنی شروع کی تا کہ یہ قلعہ یوں کا یوں بھی رہے اور گر بھی پڑے۔انھوں نے اسلامی امامت کو یونانی حکومت میں تبدیل کرنا شروع کر دیا اور لوگوں کی توجہ اسی طرف منعطف کر دی۔یہ بڑا طویل قصہ ہے اور اس کو ہم نے تفصیل سے اپنی کتاب فلسفہ اسلام حصہ دوم میں بیان کیا ہے۔یہاں اس کا خلاصہ نقل کریں گے۔لیکن ذرا ٹھر کر۔

ایک اور مشکل کا ذکر کریں۔سواد اعظم نے اگر چہ مذہبی عقیدہ تو اپنا یہ قائم کیا ہے کہ امامت جزو ایمان نہیں ہے۔لیکن باوجود اس کے حضرات خلفاء ثلاثہ کی حکومت کو ایمان میں داخل کر دیا۔جو ان پر ایمان نہیں رکھتا اس کا ایمان واسلام مکمل نہیں۔یہ اچھا لطیفہ ہوا۔یہ کیوں ہوا؟۔یہ اس لئے ہوا کہ اگر امامت کو جزو ایمان رکھیں تو یہ حضرات خلفاء ان اصول پر پورے نہیں اترتے جن پر امامت مبنی ہے اور اگر انکی حکومت کو جزو ایمان قرار نہیں دیتے تو ان کے لئے وہ محفوظ قلعہ تیار نہیں ہوتا جہاں بیٹھ کر یہ نکتہ چینی سے محفوظ رہیں اس نکتہ چینی سے انھیں محفوظ کرنا اس زمانہ میں ان کی حکومت کے استقلال کے لئے بھی ضروری تھا اور اس مذہب کے لئے بھی ضروری تھا جو حضرت عمر نے اپنی ان ہی کوششوں کے سلسلہ میں اسلام کی ترمیم اور کہیں سے تنسیخ کرکے قائم کیا تھا۔اس مذہب کی ابتدا اور درجہ بدرجہ ترقی کی تفصیلات ہماری کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام میں اچھی طرح بیان کی گئی ہے۔اس نئے مذہب سے تو مذہب والوں کو غرض ہوگی ہمیں تو اس سے غرض ہے کہ مورخین نے اس کو اپنے مذہب کا جزو سمجھ کر ان بزرگواروں کی تاریخی تنقید سے گریز کیا۔یہ گریز بھی غنیمت ہوتا۔لیکن انھوں نے تواریخ کو مناقب خلفاء اور مناظرہ کلامیہ میں تبدیل کر دیا۔بقول حضرت شبلی مرحوم مسلمانوں کے بڑے بڑے مورخین سب سنی ہی ہوئے ہیں۔دیکھو شبلی کا المامون جہاں انھوں نے مامون کو حضرت امام رضا علیہ السلام کو زہر دینے کے الزام سے بچانیکی کوشش ناروا محض یہ کہہ کر کی ہے کہ کسی سنی مورخ نے مامون پر یہ الزام نہیں لگایا اور دیکھو ہماری کتاب نور المشرقین من حیاۃ الصادقین، جہاں ہم نے اس الزام کو

ثابت کیا ہے، بات کہاں سے کہاں چلی گئی۔ ہاں تو ہم کہہ رہے تھے کہ مسلمانوں کی تاریخ جہاں حضرت علیؑ اور اہلبیت رسالتؐ کا ذکر آیا صحت سے مطلقاً عاری ہو گئی۔

اگر مذہب کو فقط اپنی مدد کے لئے بلاتے تو اس کو بھی ہم سمجھ لیتے۔ خرابی یہ ہوئی کہ سلطنت اور اس کے سارے ذرائع ترہیب وترغیب کو اس طرف کامیابی کے ساتھ آمادہ کرلیا اور وہ خود بھی اپنی حفاظت کے لئے آمادہ ہو گئی کہ تاریخ اپنے ہی موجہ میں وضع بھی ہو، اور مرتب بھی ہو اور مروج بھی ہو۔ اس کو تفصیل سے ہمنے ضمیمہ ' البلاغ المبین' میں بیان کیا ہے۔ یہاں اس کو بہت اختصار کے ساتھ دوہراتے ہیں۔

سواد اعظم نے بہت سے قاعدے منطق او عقل کو دور رکھ کر بنائے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ جس راوی میں ذرا سا بھی تشیع پایا گیا اس کو مجروح سمجھا گیا اور اب وہ پایہ اعتبار سے ساقط ہو گیا جہاں تک اہلبیت علیہم السلام کے بیان فضائل وفقہ کا تعلق ہے لیکن یہ اصول ان راویوں کے متعلق نہیں برتتے جو صریحاً فراسنی ہیں۔ انکی روایات کو جو حکام متغلبہ اور حکومت سقیفہ کے حق میں ہوتی ہیں اسی اصول پر رد کرنی چاہیے لیکن نہیں انکو قبول کر لیتے ہیں۔

یہ امر مسلمہ ہے، مولوی شبلی تک مانتے ہیں کہ تدوین تاریخ وحدیث برنامہ معاویہ اور عبدالملک سلاطین بنی امیہ ہوئی۔ دیکھو سیرۃ النبی تقطیع کلاں جلد اول ص ۱۳۔ آگے چل کر اسی کتاب کے ص ۱۵ پر مولوی شبلی یہ عنوان قائم کرتے ہیں تصنیف وتالیف کی ابتداء سلطنت کیوجہ جس سے ہوئی۔ اس کے تحت میں امام زہری کا ذکر کیا ہے جو مسلمانوں کی تاریخ نویسی کا جد اول ہے یہ امام بخاری کے شیوخ میں سے تھے فقہ وحدیث وتاریخ کو انھوں نے منضبط کیا۔ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے اور مقربین خاص میں داخل تھے۔ عبدالملک نے ان کی بڑی قدر کی اور ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچوں کی تعلیم ان کے سپرد کی تھی امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے۔ ان کے دو شاگرد موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق ہیں جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ بعد کی کتب تواریخ سب ان ہی کی کتب تاریخ سے ملخص ہیں اور اس پر مبنی ہیں۔ [1]

سیرۃ النعمان میں مولوی شبلی لکھتے ہیں:

حدیث کو ضبط تحریر میں لانے والے سب سے پہلے یہی امام زہری ہیں جنھوں نے حاکم وقت کے حکم سے حدیثوں کا ایک

۱۔ سیرۃ النبی مجلد حصہ اول تقطیع کلاں ص ۱۵ الغایت ۱۷

مجموعہ مرتب کیا جسکی نقلیں سلطنت کی طرف سے تمام ممالک اسلامی میں شائع کی گئیں۔ [۱]

یہ امام زہری حضرت علیؑ کے مخالفین میں سے تھے۔ (دیکھو ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ الجلد اول ص ۳۷۰)

علم الکلام میں مولوی شبلی تحریر فرماتے ہیں:

"اختلاف عقائد کے اگرچہ یہ سب اسباب فراہم تھے لیکن ابتداء پالیٹکس یعنی ملکی ضرورت سے ہوئی۔ بنو امیہ کے زمانہ میں چونکہ سفاکی کا بازار گرم رہتا تھا، طبیعتوں میں شورش پیدا ہوئی، لیکن جب کبھی شکایت کا لفظ کسی کی زبان پر آتا تھا تو طرفداران حکومت یہ کہہ کر اس کو چپ کر دیا کرتے تھے کہ جو کچھ ہوتا ہے خدا کی مرضی سے ہوتا ہے ہم کو دم نہیں مارنا چاہیئے۔ اٰمنّا بالقدر خیرہٖ و شرّہٖ۔ [۲]

مولوی شبلی کا آبائی مذہب بروئے کار آگیا۔ اور ان کا منہ بند کر دیا، اور عقل پر پردہ ڈالدیا۔ ورنہ وہ یہ تو سوچتے کہ خود پالیٹکس کی ابتداء کب ہوئی۔ یہ ابتداء سقیفہ سے ہوئی اور فقہ و حدیث میں وہ وہ ترمیمیں ہوئیں جنھوں نے اسلام کو مسخ کر دیا۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ ایسے نظریات اور اصول قائم کیئے جائیں جن سے حکومت کے لئے جواز پیدا ہو کر اس کو استحکام اور استقلال حاصل ہو جائے۔

یہ لوگ حکومت کے وظیفہ خوار تھے اور بادشاہ کی خواہش کے مطابق تاریخ لکھتے تھے اور فتویٰ دیتے تھے۔

علامہ سیوطی اپنی تاریخ الخلفاء میں اسکی کئی مثالیں دیتے ہیں۔ ایک یہ ہے:۔

ابن المبارک سے مروی ہے کہ جب ہارون الرشید کو خلافت ملی تو یہ اپنے باپ کی لونڈیوں سے ایک پر عاشق ہوگیا۔ اور اس سے مقاربت کی خواہش کی اس لونڈی نے کہا کہ میں تمہارے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ میں تمہارے باپ کی مدخولہ ہوں لیکن ہارون الرشید کا عشق زیادہ بھڑکا اور اس نے ابو یوسف (شاگرد امام ابوحنیفہ) کو بلایا اور کہا کہ اس لونڈی کے حلال ہونے کے لئے کوئی حیلہ کرو۔ ابو یوسف نے کہا کہ حیلہ تو یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ جو یہ لونڈی کہتی ہے اس کو سچ سمجھو ابن مبارک کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ کس پر زیادہ تعجب کروں اس بادشاہ پر جس نے اپنے باپ کی حرمت کا خیال نہ کیا یا اس لونڈی پر جس نے بادشاہ کی خواہش سے انکار کیا یا اس قاضی شہر اور فقیہ زمانہ پر جس نے اجازت دیدی کہ اپنے باپ کی ہتک حرمت کر کے اپنی خواہش پوری کرے، ابو یوسف نے اور بھی کئی ایسے ہی فتوے بادشاہ کی خواہش کے پورے کرنے کے لئے دیئے ہیں جو اس جگہ درج ہیں۔ [۳]

۱۔ سیرۃ النعمان شبلی ص ۴۳

۲۔ علم الکلام حصہ اول ص ۱۷

۳۔ تاریخ الخلفاء، مطبوعہ مطبع مجتبائی، ص ۲۰۲،۲۰۶

خارجیوں کا ذکر کرتے ہوئے مولوی عبد السلام ندوی لکھتے ہیں:۔

"یہ لوگ صرف قرآن مجید کے ظاہری معنی کو لیتے تھے اور حدیثوں میں صرف ان ہی احادیث کو قبول کرتے تھے جن کی روایت ان لوگوں نے کی تھی جن کو یہ لوگ دوست رکھتے تھے۔ چنانچہ ان کی قابل اعتماد حدیثیں صرف وہ تھیں جن کی روایت شیخین حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے دور خلافت میں کی گئی تھی۔"[1]

یہ عبارت بہت غور کے قابل ہے۔ اس سے ہمارا مدعا پورا ہو گیا خارجی حضرت علی علیہ السلام کے سخت ترین دشمن تھے۔ وہ حضرت علیؑ کے فضائل کی احادیث قبول نہیں کرتے تھے یہ تو ان احادیث کو قبول کرتے تھے جو ان کے بخیال دوست روایت کرتے تھے زمانہ خلافت شیخین میں جو احادیث بیان کی گئیں یہ خوارج ان کو قبول کرتے تھے۔ دو اور دو چار کی طرح ثابت ہو گیا کہ دوران خلافت شیخین میں فضائل اور حقوق علیؑ کی احادیث بیان نہیں کیجاتی تھیں، ممنوع تھیں۔ اس زمانہ میں تو وہی احادیث رائج تھیں جو خوارج کے دوستان یعنی دشمنان علی علیہ السلام بیان کرتے تھے۔ اس ہی اصول کے تتبع میں جناب معاویہ نے وہ فرامین جاری کئے جن کا ذکر نیچے کیا جاتا ہے:

ابن ابی الحدید معتزلی اپنی شرح نہج البلاغہ میں شیخ ابو الحسن المدائنی اور تاریخ ابن عرفہ المعروف بہ نفطویہ سے مندرجہ ذیل واقعات نقل کئے ہیں۔ ہم نے اصل عربی عبارت معہ ترجمہ "البلاغ المبین حصہ دوم ص ۲۵۴ لغایت ۲۵۸" پر نقل کی ہے اور اس کا صرف ترجمہ ضمیمہ البلاغ المبین میں نقل کیا ہے یہاں ہم صرف اس کے خلاصہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:۔

"ابو الحسن علی بن محمد بن ابی سیف لمدائنی نے کتاب الاحداث میں روایت کی ہے کہ معاویہ نے مضمون واحد کے حکم نامے صلح حسنؑ کے بعد اپنے تمام عمال کے پاس بھیجے جن میں اس نے تحریر کیا اس شخص کا خون حلال ہے جو علیؑ اور اولاد علیؑ کے فضائل بیان کرے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر منبر پر واعظ کھڑے ہو گئے جو حضرت علیؑ پر لعنت کرتے تھے اور ان کی اور انکی اولاد کی مذمت کرتے۔ اس مصیبت میں سب سے زیادہ اہل کوفہ گرفتار تھے کیونکہ وہاں شیعیان علیؑ بہت زیادہ تھے۔ لہذا معاویہ نے کوفہ پر زیاد ابن سمیہ کو حاکم مقرر کر دیا اور بصرہ بھی اس کے ساتھ شامل کر دیا۔ وہ شیعوں کو جہاں بھی وہ ہوتے تھے نکال لیتا تھا وہ ان سے واقف تھا۔ کیونکہ وہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں ان ہی میں سے تھا۔ لہذا ہر ایک پتھر اور کنکر کے نیچے سے شیعوں کو تلاش کر کے اس نے قتل کیا۔ ان کے ہاتھ پیر کاٹے آنکھیں نکال ڈالیں، درختوں کی شاخوں پر سولی دی۔ اور شیعوں کو عراق سے بالکل جلاوطن کر دیا۔ معاویہ نے اپنے تمام عاملوں کو ہدایات بھیجیں کہ کسی شیعہ اور اہلبیت علیؑ کی گواہی کو جائز نہ رکھو۔ اور عثمان کے پیروان اور

۱۔ تاریخ فقہ اسلامی، ص ۳۳۹

دوستداران پر مہربانی کرو۔ اور ان پر مہربانی کرو اور اپنا مقرب بناؤ جو فضائل و مناقب عثمان بیان کریں۔ اور ان کی بیان کردہ احادیث و روایات مجھے لکھو اور بیان کرنے والے کا نام معہ ولدیت و پتہ لکھو۔ عاملوں نے اس پر عمل کیا۔ اور معاویہ مناقب عثمان بیان کرنے والوں کو صلہ از قسم باغات و اراضیات و ملبوسات بھیجتا تھا اور ان کی بیان کردہ روایات و احادیث کو عرب میں شائع کرتا تھا اور دوستداران عثمان کے پاس بھیجتا تھا۔ جو ایسی روایا تو احادیث لاتا تھا عاملان معاویہ میں سے ہو جاتا تھا اور معاویہ اس کو مقرب بنالیتا تھا اور اسکی سفارش قبول کرتا تھا۔ اس کو ایک زمانہ ہو گیا اور احادیث فضائل و مناقب عثمان کی کثرت ہوگئی۔ لوگ وجاہت دنیا کی طرف مائل ہو گئے۔ پھر معاویہ نے اپنے عمال کو لکھا کہ اب عثمان کی احادیث و روایات منقبت و فضائل کی کثرت ہوگئی ہے اب تم کو چاہیئے کہ اسی طرح لوگوں کو صحابہ و خلفاء ثلاثہ کے فضائل بیان کرنے پر مائل کرو۔ اور اگر تم کوئی حدیث ابوتراب کے حق میں سنو تو ویسی ہی اور اس کے مثیل و نظیر دوسری حدیث صحابہ کے حق میں بنا کر دو، یہ امر مجھے محبوب ہے، معاویہ کے یہ خطوط لوگوں کو پڑھ کر سنائے گئے پس تعریف صحابہ میں بہت سی جھوٹی احادیث بنائی ہوئی بیان کی گئیں جن کی کوئی حقیقت نہ تھی اور لوگوں نے اس قسم کی خبروں کے بیان کرنے میں کوشش کی یہاں تک کہ یہ سب موضوعہ احادیث منبروں پر بیان اور مشتہر کی گئیں اور وہ موضوعہ احادیث استادوں کو مکتبوں میں دی گئیں۔ انھوں نے اپنے شاگردوں اور لڑکوں کو یہ احادیث تعلیم کیں اور اپنی بیٹیوں، عورتوں اور نوکروں کو سکھایا۔ اس ہی حال پر ایک زمانہ گذر گیا۔ پھر معاویہ نے اپنے عاملوں کو لکھا کہ جو شخص علیؑ اور اہلبیت علیؑ کو دوست رکھتا ہے اس کا نام دفتر سے مٹادو۔ اس کا رزق بند کردو، اور اس حکم کی تائید میں ایک پروانہ ثانی لکھا کہ جس شخص کے اوپر محبت علیؑ و اہلبیت علیؑ کا اتہام تمہارے نزدیک ثابت ہو جائے تو اس کو قتل کردو۔ اس کے گھر کو گرادو۔ اور اس شخص کے دوستوں سے بھی یہ یہی سلوک کرو پس بہت سی جھوٹی موضوعہ احادیث حق صحابہ میں ظاہر ہوئیں اور بہت سی بہتان پھیلانے والی احادیث برخلاف علیؑ شائع ہوئیں۔ اور اس ہی روش پر سب فقہا اور قضاۃ و حکام چلے۔ سب سے زیادہ اس روش پر چلنے والے قاریان قرآن دریا کنندگان اور متضعفین تھے جو اظہار خضوع و خشوع و عبادت کرتے تھے پھر وہ جھوٹی احادیث بناتے تاکہ ان کے سبب سے اپنے والیان ملک کے نزدیک بہرہ مند ہوں اور قرب حاصل کریں اور بہ سبب تقرب کے مال و جائداد اور مکانات ان کو حاصل ہوں۔ اسی حال پر زمانہ گذر گیا۔ پھر یہ جھوٹی احادیث ان دینداروں کے پاس آئیں جو جھوٹ کو حلال نہیں جانتے تھے۔ انھوں نے ان احادیث کو سچا گمان کیا۔ امام حسن ابن علیؑ کی وفات کے بعد یہ بلا اور زیادہ ہوگئی۔ یہاں تک کہ کوئی شخص دوستدار علیؑ باقی نہیں رہا مگر یہ کہ ڈرتا تھا اپنے قتل سے یا جلاوطن ہونے سے۔ امام حسینؑ کی شہادت کے بعد زمانہ عبدالملک و حجاج ابن یوسف میں یہ بلا اور زیادہ ہوگئی۔ ابن عرفہ نفطویہ نے بھی اپنی تاریخ میں وہی خبر لکھی

ہے جو اس کی تصدیق کرتی ہے۔ ابن عرفہ کہتے ہیں کہ فضائل و خلفاء ثلاثہ میں بہت سی احادیث موضوعہ زمانہ بنو امیہ میں بنائی گئیں ہیں تا کہ انکے ذریعہ سے نزدیکی و تقرب حاصل کیا جائے۔ (دیکھو ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ الجزء الثالث ص ۱۶،۱۵ بہ تشریح خطبہ: ”ان فی ایدی الناس حقاً و باطلاً وصدقاً وکذباً“

ابو عثمان جاحظ نے کتب عثمانیہ لکھی ہے جس میں فضائل علیؑ کے اخفا کی بے حد کوشش کی ہے اور ان کے مقابلہ میں دیگر خلفا اور صحابہ کے فضائل میں بہت سی بناوٹی احادیث تحریر کی ہیں اسکا جواب خود سواد اعظم کے ایک عالم معتبر ابو جعفر اسکافی نے اپنی کتاب نقض عثمانیہ میں دیا ہے اس میں ایک جگہ ابو جعفر اسکافی تحریر کرتے ہیں جس کی اصل عربی عبارت مع ترجمہ ہم نے البلاغ المبین حصہ دوم ص ۲۶۲ لغایت ۲۶۰ میں نقل کی ہے اور اس کا محض ترجمہ ہم نے ضمیمہ البلاغ المبین ص ۱۱ لغایت ۱۴ میں درج کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

”اگر لوگوں کے اوپر جہل اور اپنے سلف کی تقلید کرنے کے شوق کا غلبہ ہوتا تو ہمیں ضرورت ہی نہ پڑتی کہ کتاب عثمانیہ کی رد میں بحث کریں سب کو معلوم ہے کہ دولت وغلبہ مصنف کتاب عثمانیہ جیسے لوگوں کا رہا ہے اور سب کو انکے روساء وعلماء وامراء کے اقتدار کا علم ہے۔ اور نیز جانتے ہیں کہ ان لوگوں کی بات اچھی طرح مشتہر ہو جاتی ہے۔ جو شخص فضائل ابی بکر وعمر میں اخبار و احادیث بیان کرتا تھا اس کو اکرام ملتا تھا اور یہی بنو امیہ کی تاکید تھی۔ لہذا محدثین نے انعام حاصل کرنے کی غرض سے کوشش کی کہ اس قسم کی احادیث وضع کریں اور ذکر علیؑ و اولاد سے باز رہیں۔ ان کے نور کو بجھائیں۔ ان کے فضائل ومناقب وسوابق کو چھپائیں۔ لوگوں پر زبردستی کی گئی کہ منبروں پر علیؑ و اولاد علیؑ پر لعنت کریں اور سب وشتم کریں۔ فقیہ، محدث ومورخ ومتکلم کو رشوت دی جاتی اور شدید عذاب وسزا کی دھمکی سے ڈرایا جاتا تھا کہ وہ فضائل علیؑ و اولاد علیؑ میں سے ایک شمہ بھی بیان نہ کریں۔ ان سب باتوں کا نتیجہ ہم نے یہ دیکھا کہ تمام مختلف جماعتوں نے اس امر پر اجماع کر لیا کہ علیؑ کے فضائل گھٹائیں۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ معاویہ اور یزید اور ان کے بعد بنو مروان نے اپنے زمانہ سلطنت میں جو تقریباً اسی سال تھا لوگوں کو زبردستی کر کے علیؑ اور اولاد علیؑ پر لعن وسب وشتم کرنے اور انکے فضائل وسوابق ومناقب کے چھپانے میں کوئی فروگذاشت نہیں کی۔ جب بادشاہوں میں سے کسی نے اپنی خواہش کی پیروی میں ایک نیا قول یا نیا دین ایجاد کیا ہے تو لوگوں پر زبردستی وجبر کر کے کوشش کی ہے کہ لوگ سوائے ان کے دین وقول کے کچھ اور نہ جانیں مثال کے طور پر دیکھو حجاج ابن یوسف نے لوگوں کو مجبور کیا کہ عثمان کے جمع کیئے ہوئے قرآن کو اختیار کریں اور ابن مسعود اور ابی ابن کعب کی قرات کو ترک کر دیں۔ اسکی سلطنت تقریباً بیس سال رہی اور وہ نہیں مرا جب تک کہ اہل عراق حضرت عثمان کے قرآن پر جمع نہ ہو گئے اور اب وہ سوائے قرآن عثمان اور کسی قرات کو نہیں

جانتے تھے۔ اسی طرح اس امر میں رعایا کے اوپر استبداد غالب ہو گیا سلطنت کا زمانہ دراز ہو گیا اور انکے دل میں تقیہ اور ڈر نے گھیر کر لیا۔ یہاں تک کہ وہ اس امر پر جمع ہو گئے کہ مرور زمانہ کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں حضرت علیؑ کی وہ قدر و منزلت نہ رہی۔ انکے دلوں سے ان کی عزت جاتی رہی اور حضرت علیؑ کے محاسن نہاں ہو گئے۔ یہاں تک کہ یہ بدعت (سبّ وشتم علیؑ) ان کے لئے سنت ہو گئی۔ کیونکہ حجاج اور وہ لوگ جنھوں نے اس کو مقرر کیا تھا عبدالملک، ولید اور نیز وہ فراعنہ بنی امیہ جو ان سے پہلے تھے اور بعد میں ہوئے۔ بہت شدت و جور کے ساتھ اس پر تلے ہوئے تھے کہ حضرت علیؑ کے محاسن اور انکی اولاد اور شیعوں کے فضائل کو چھپائیں اور انکے اقتدار و عزت کو محو کر دیں۔ ان کی یہ خواہش اس سے کہیں زیادہ تیز اور طاقتور تھی جو انکو عبداللہ و ابی کی قرآت کو محو کرنے کے لئے تھی۔ کیونکہ ان قرآتوں سے ان کے ملک کو زوال نہیں آتا تھا۔ فضائل علیؑ و اولاد علیؑ کے مشہور ہونے میں اور ان کے محاسن ظاہر ہونے میں تو ان لوگوں کے ملک و سلطنت کی بربادی تھی۔ لہٰذا انھوں نے فضائل علیؑ کے اخفاء کی بہت کوشش کی اور جور و ظلم کے ساتھ لوگوں کو مجبور کیا کہ فضائل علیؑ اور حقوق علیؑ کو چھپائیں۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت علیؑ اور انکی اولاد کا نور چمکے اور پھیلے، ان کی محبت زیادہ ہو، ان کا ذکر اطراف عالم میں منتشر ہو، ان کے حقوق لوگوں پر ظاہر ہوں، ان کے فضائل و محاسن لوگوں پر آشکارا ہوں یہاں تک کہ جوں جوں بنو امیہ نے ان کی اہانت کی انکی عزت زیادہ ہوئی۔ جوں جوں بنی امیہ نے انکے ذکر کو چھپانا چاہا توں توں وہ لوگوں میں پھیلا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علیؑ و اولاد علیؑ کے فضائل و محاسن و سوابقات کا ذکر ہم تک پہونچا۔ اور حضرت علیؑ کے یہ محاسن و صفات ایسی ہیں کہ جن میں علیؑ کی برابری نہ آگے بڑھنے والوں نے کی اور نہ ان کی حد تک طلب و تلاش کرنے والے پہونچ سکے۔ ان کو اخفاء و مردہ کرنے کے لئے تو اتنے زبردست طریقے استعمال کئے گئے تھے کہ اگر یہ صفات و محاسن بہت اعلیٰ درجہ کے نہ ہوتے اور انکی شہرت رسولؐ خدا کے وقت میں اتنی عام نہ ہو گئی ہوتی تو ہم تک انکی ایک صفت بھی نہ پہونچتی۔ اور ایک فضیلت کا ذکر بھی ہم تک نہ آتا۔"

جب اتنا معلوم ہو گیا تو اب فرمایئے کہ آپ کی عقل سلیم کیا کہتی ہے۔ حضرت علیؑ کے فضائل کی سچی احادیث بیان کرنے پر تو یہ ظلم و ستم ہوتا تھا تو پھر کوئی ان کے حق میں جھوٹی احادیث کیوں وضع کریگا۔ اور کس لالچ سے وضع کریگا۔ علاوہ اس کے تمام کتب احادیث و تاریخ تو حکومت کے زیر اثر لکھی گئیں۔ حکومت کے حکم سے ان کی تدوین ہوئی۔ ان کتابوں میں حضرت علیؑ کے فضائل کی جھوٹی احادیث کے رہنے کا کیا امکان ہو سکتا ہے؟

ہم نے اپنے ناظرین کی توجہ اس طرف اس وجہ سے منعطف کرائی ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ جب حضرت علیؑ نے خلافت ظاہری کو قبول کیا تھا تو مسلمانوں کی حالت کیا ہو چکی تھی۔ اسلام سے کتنے دور تھے۔ دنیا کے لہو و لعب سے کتنے نزدیک۔ ان کو

خلیفہ سے کیسے انعامات کی توقع تھی۔ کس صورت میں اور کس حالت میں وہ ان توقعات کے پورا ہونے کے عادی ہو چکے تھے۔

حکومت سابقہ کے قیام و استحکام کے لئے کن غیر اسلامی اور مضر نظریات کو اختراع کیا جا چکا تھا۔ اہلبیتؑ رسالت خصوصاً علی مرتضی علیہ السلام کی کتنی تحقیر و تذلیل ہو چکی تھی۔ ان کی ساری عظمت کو برباد کرنے کی کوششیں حکومت کی طرف سے جاری ہو چکی تھیں اور بہت کچھ اپنا عمل کر چکی تھیں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جناب معاویہ کے (خدا ان سے بہت بہت خوش ہو) یہ فرامین صلح حسنؑ کے بعد جاری ہوئے لیکن یہ اجراء دراصل اعلان تھا ان اصول کا جو سقیفہ کے زمانہ ہی سے بر روئے کار آ چکے تھے۔ پہلے ان کا خفیہ عمل کرنا مناسب سمجھا گیا۔ اب زمانہ بدل گیا تھا لہٰذا ان کا اعلانیہ اظہار ہی اس سابقہ پالیسی کے آگے چلانے کے لئے ضروری سمجھا گیا۔ اور جب اور بھی زمانہ بدلا تو یہ پالیسی اور بھی عریاں ہو کر کربلا پر منتج ہوئی امر واقعہ یہ ہے کہ سقیفہ، جمل، صفین، صلح حسنؑ اور کربلا ایک ہی سیدھی زنجیر میں منسلک ہیں اور فریقین کی طرف سے ایک ہی پالیسی بر روئے کار، ہے ایک فریق کا مقصد یہ تھا کہ بہر صورت خلافت کو اہلبیت رسالتؑ میں سے نکالا جائے۔ دوسرے فریق کا عزم تھا کہ کچھ ہی ہو، اپنی جان یا عزت رہے یا جائے، محمدؐ کے اسلام پر آنچ نہ آئے دونوں کا تصادم ہونا تھا اور ہوا۔ اور دونوں اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔ ایک فریق کا دنیاوی مقصد تھا وہ اس میں کامیاب ہو گیا۔ دوسرے کا دینی مقصد تھا وہ اس میں کامیاب ہوا۔ اور یہ ہی ہمیشہ سے دنیا کا طریقہ رہا ہے اور یہ ہی سنت الہیہ رہی ہے قرآن شریف میں فرمادیا گیا ہے کہ اگر تم دنیا (عاجل) کے طلبگار ہو تو وہ تم کو مل جائے گی۔ اس میں کافر و مسلمان کا فرق نہیں ہے۔ دنیا کو تو ایک ہی قسم کے لوگ طلب کرتے ہیں لیس للانسان الا ما سعیٰ ہر ایک کے لئے کارگر ہے جولیس سیزر قیصر ہنی بال، چارلس پنجم جرمنی کا جس کو شارلمین کہتے ہیں۔ نپولین، ہٹلر وغیرہ وغیرہ سیکڑوں ہیں جنھیں دنیا ملی۔ کیوں نہ ملتی اس کے لئے انھوں نے کوشش کی تھی۔ ابراہیمؑ، یعقوبؑ، عیسیٰؑ، محمد علیہم السلام کو دین ملا کیوں نہ ملتا۔ اس کے لیے انھوں نے کوشش کی تھی۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہنی بال و ہٹلر وغیرہ تو مسلم نہ تھے انھیں کیوں عروج ملا۔ عام روزانہ کی پرائیوٹ زندگی میں دیکھو کفار اور مسلم نما کفار کتنا عروج اور ترقی پا رہے ہیں۔ انکے مقابلہ میں دیندار روٹیوں کو محتاج ہیں دنیا کی یہ ہی روش دیکھ کر اہل ظلمت دہریئے ہو گئے کہ خدا ہوتا تو اپنے ماننے والوں کی مدد کرتا۔ اہل نور اپنے ایمان میں راسخ ہو گئے کہ بغیر امتحان اور ابتلاء کے آدمی انسان نہیں بنتا ایک ہی جگہ راحت لے لو۔ یا یہاں، یا وہاں۔ اچھا ہوا کہ ہم کو عجلت سے گذرنے والی جگہ نہ ملی۔ اب ہم عیش دائمی کریں گے۔ دہریئے کہتے ہیں کہ اپنا دل بہلاؤ جس طرح بہلانا چاہتے ہو۔ ع

سرمایہ نیز در ہوس سود میرود

ہم کہتے ہیں ع

شمع کشتند وزخرشید بشانم دادند

حکماء کہہ گئے ہیں:۔کہ پایندگی ندارد دل بستگی رانشاید۔دنیا میں یہ ہی ہوتا ہے۔ع

خزاں برسر بام و یوسفؑ بچاہے

غالبؔ نے خوب کہا ہے:

یزیدرا بہ بساط خلیفہ بنشاند کلیم را بہ لباس شباں بگرداند

غالب کی شوخی ملاحظہ کے قابل ہے۔خداوند تعالیٰ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

بزم ترا شمع وگل خستگی بوتراب ساز ترا زیر و بم واقعہ کربلا

تدوین حدیث و تاریخ میں جو شاہانہ سیاسیانہ مداخلت بجا ہوئی وہ ہی اسلام کے آئندہ مصائب کی ذمہ دار ہے۔اس طویل قصہ کو یہاں چھیڑنے کا موقع نہیں ہے۔ہاں تاریخ میں جو غلط بیانیاں عمداً داخل کی گئی ہیں۔ان کا ذکر یہاں ضروری ہے کیونکہ ان غلطیوں کا تعلق براہ راست اس زمانہ سے ہے جس کی تاریخ اس حصۂ سوانح عمری کا موضوع ہے۔ان میں چند غلطیاں یہ ہیں:۔

۱۔جناب رسولؐ خدا نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔

۲۔بستر مرگ رسولؐ پر آخری وقت میں حضرت عباس نے حضرت علیؑ کو صلاح دی کہ چلو آں حضرتؐ سے دریافت کرلیں کہ آپ کے بعد امر خلافت کا حقدار کون ہے۔حضرت علیؑ نے جواب دیا کہ میں نہ دریافت کروں گا۔اگر آں حضرتؐ نے ہمارے خلاف کہہ دیا تو پھر کوئی ہمیں یہ خلافت نہ دے گا۔

۳۔حضرت علیؑ نے اپنے سے پہلے ہر سہ خلفاء کی بیعت کرلی۔

۴۔حضرت علیؑ ان کی خلافت سے رضامند اور ان سے خوش تھے۔

۵۔اس خلافت کے لئے حضرت علیؑ موزوں نہ تھے۔بلکہ حضرت عمر بہترین خلیفہ تھے۔

۶۔فتوحات بکری و عمری اسلام کے لئے۔بہت مفید تھیں۔

۷۔حضرت علیؑ کی غلطی تھی کہ انھوں نے فتوحات کی طرف توجہ نہ دی۔

۸۔حضرت علیؑ نے۔بہت سی سیاسی غلطیاں کیں جن میں سے ان کا رویہ معاویہ،طلحہ،زبیر کے ساتھ خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

۹۔حضرت علیؑ پہلے خلیفہ ہیں جنھوں نے خانہ جنگی کی ابتداء ڈالی،اس سے اسلام کو بہت نقصان ہوا۔

۱۰۔عبدالرحمن ابن ملجم نے حضرت علیؑ کو عشق و مذہب کی سازش سے قتل کیا۔

۱۱۔حضرت علیؑ اندرون مسجد میں بحالت نماز شہید نہیں ہوئے۔بلکہ راستہ میں یا مسجد میں داخل ہوتے وقت شہید ہوئے۔

۱۲۔حضرت علیؑ اور حضرت فاطمہؑ کے ازدواجی تعلقات اچھے نہ تھے۔

تقریباً ان تمام غلط بیانیوں کی تردید و تصحیح ہم اپنی مؤلفات میں کر چکے ہیں۔ یہاں ان جوابات کو دہرانا ان کتابوں کا دوبارہ نقل کرنا ہوگا۔ہم یہاں حوالجات لکھ دیتے ہیں۔جہاں جہاں کچھ مزید کہنا ہوگا اس کو بھی اختصار کے ساتھ بیان کر دیں گے۔

غلطی ۱۔یہ بہت پرانہ قضیہ ہے۔اس کے لئے ہمنے دو ضخیم کتابیں تحریر کی ہیں۔البلاغ المبین حصہ اول و دوم۔

غلطی ۲۔دیکھو ہماری مؤلفات البلاغ المبین حصہ دوم سکنڈ اڈیشن۔ص ۱۳۳، ۱۳۵، ۱۳۴ اور تحریک حسین علیہ السلام ص ۱۹ الغایت ۳۶۔

غلطی ۳ و ۴۔البلاغ المبین حصہ دوم سکنڈ اڈیشن ص ۴۰۸ لغایت ۴۰۸ سیرۃ فاطمۃ الزہراؑ سکنڈ اڈیشن مطبوعہ اصلاح پریس کھجوہ ص ۱۵۴ تا ۱۵۸۔

اسلام میں بیعت کو ایک خاص اہمیت ہے۔دراصل بیعت کا تخیل اور وجود محض اسلام کی ایجاد ہیں اور خداوند تعالیٰ نے خود اپنے مقرر و منتخب کردہ دین میں اس کو داخل کیا ہے یہ بیع وشری پر منحصر ہے۔

مندرجہ آیات ملاحظہ ہوں:

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ (بقرہ ۲۰۷) ترجمہ: اور آدمیوں میں سے ایک ایسا ہے جو رضا خدا حاصل کرنے کے لئے اپنے نفس کو فروخت کرتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ...وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ۔(سورہ توبہ ۱۱۱) ترجمہ: بیشک اللہ مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات کے معاوضہ میں خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے...اور اللہ سے زیادہ اپنا عہد پورا کرنے والا کون ہوگا۔ پس سودا جو تم نے اللہ سے کیا ہے اس سے خوش ہو جاؤ۔

بیعت میں عہد و پیمان کا مفہوم ہے۔یہ بیعت خدا کے ساتھ ہے خداوند تعالیٰ نے مومنین سے ان کی جانیں اور اموال خرید لئے۔اب ان کے پاس کچھ اور نہیں رہا؟ اس کے عوض میں خداوند تعالیٰ نے جنت ان کو عطا کر دی۔دراصل یہ بیع وشری خدا سے تھا۔اور خدا کا رسولؐ یہ بیعت خدا کی طرف سے لیتا تھا۔اس کو بھی خداوند تعالیٰ نے صاف فرمادیا۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَن نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ (سورہ الفتح آیت ۱۰) ترجمہ: بیشک جولوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خدا ہی سے بیعت کرتے ہیں، خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر یعنی قوت وقدرت خدا کی سب کی قوت پر غالب ہے تو عہد کو توڑے وہ اپنے نقصان کے لئے عہد توڑتا ہے۔

یہ بیعت خداوند تعالیٰ کی تھی اور جناب رسولؐ خدا کی رحلت پر وہ قائم رہی زائل نہ ہو پائی۔ وہ بیعت کنندہ کے عمر بھر کے لئے تھی۔ جنت کا وعدہ تھا۔ غالباً اسی ہی خیال کے ماتحت صوفیائے کرام کا عقیدہ ہے کہ پیر کے مرنے کے بعد بھی جو بیعت اس نے لی ہے وہ قائم رہتی ہے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکام سقیفہ نے دوبارہ کیوں بیعت لی اور کیا ان کو بیعت کرنے کا حق حاصل تھا۔ اس عہد بیعت میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے جو ان کے جان ومال کا عوض دیا گیا وہ محض خداوند تعالیٰ کی رجا اور جنت تھی، حکام سقیفہ کو خداوند تعالیٰ نے مقرر نہیں کیا تھا۔ ان کا اور انکے پیروان کا تو دعویٰ اور عقیدہ ہی یہ ہے کہ لوگوں نے اپنے اختیار سے انھیں خلیفہ بنایا تھا۔ خدا کی طرف سے تو وہ مقرر ہی نہیں ہوئے تھے لہذا خدا نے انھیں بیعت لینے کا مجاز ہی نہیں کیا تھا حکام سقیفہ تو اس بیعت کے عوض جنت دے ہی نہیں سکتے تھے اور نہ انھوں نے یا ان کے پیروان نے کبھی دعویٰ کیا کہ انھوں نے ان لوگوں کو جنت دی جنھوں نے ان سے بیعت کر لی۔ اس سے کیا نتیجے پیدا ہوئے ؟ اس سے مندرجہ ذیل نتائج پیدا ہوئے۔

۱۔ حکام سقیفہ کو بیعت لینے کا حق نہ تھا۔

۲۔ جو بیعت لی وہ ناقص تھی کیونکہ انھوں نے بدل اور معاوضہ (نجات) اپنے بیعت کرنے والوں کو نہ دیا۔

۳۔ جنھوں نے ان سے بیعت کی انھوں نے نئی بیعت کر کے اپنے عمل سے پہلے رسولؐ خدا کی بیعت کو توڑ دیا اور ''فمن نکث'' کے پھیر میں آگئے۔

۴۔ جو اس عرصہ میں مرگئے وہ تو بغیر کسی کی بیعت کے گئے اور ''فمن مات ولم یعلم امام زمانہ فقد مات میتۃ جاہلیۃ'' کی گردش میں آگئے۔

۵۔ حضرت علی منصوص من اللہ تھے، اور رسولؐ خدا فرما چکے تھے کہ ''من کنت مولاہ فہذا علی مولاہ۔'' لہذا انھوں نے ان لوگوں کو جو زندہ باقی رہ گئے ایک اور موقعہ خدا اور رسولؐ کی طرف آنے کا دیا اور ان سے بیعت لی۔

۶۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان سے ہی بیعت لی جو بیعت نکث کر چکے تھے۔ جنھوں نے یہ جدید سقیفہ والی بیعت کر کے پہلی بیعت کو نہیں توڑا تھا ان سے حضرت علیؑ نے بیعت نہیں لی چنانچہ کسی روایت سے نہیں پایا جاتا کہ حضرت علیؑ نے امام حسنؑ، امام حسینؑ، عمار ابن یاسر، ابوذر یا سلمان وغیرہ ہم اس قسم کے آدمیوں سے بیعت لی ہو۔ وہ اپنی پہلی ہی حالت پر قائم تھے۔

۷۔ چونکہ حضرت علیؑ نے شیخین کی بیعت نہیں کی تھی۔ لہذا انکی پہلی بیعت خدا سے رسولِ خدا کی معرفت کی ہوئی قائم ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے انھوں نے شوریٰ میں سیرت شیخین پر چلنے سے انکار کر دیا۔ حضرت عثمان چونکہ شیخین کی بیعت کر چکے تھے لہذا فوراً بغیر سوچے سمجھے سیرت شیخین سے کیسے انکار کر سکتے تھے وہ لوگ نہ کہتے تھے کہ تم نے تو اپنے تئیں ان کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا یعنی انکی بیعت کر لی تھی اب انکی سیرت پر چلنے سے کیونکر انکار کر سکتے ہو، یہ نہایت بیّن ثبوت ہے، اس بات کا کہ حضرت علیؑ نے حضرات شیخین کی بیعت نہیں کی تھی۔

غلطی نمبر ۵۔ حضرت علیؑ کی افضلیت تو اب قرآن و حدیث و عقل و اجماع سے مسلم ہے۔ اگر آپ اس اجماع ثلاثہ علیا کو نہیں مانتے تو فوراً ہماری کتاب البلاغ المبین حصہ اول سکنڈ اڈیشن ص ۸۵۴ لغایت ص ۹۶۳ کا مطالعہ فرمائیے جہاں اس اجماع کا ذکر تفصیل سے ہے۔

غلطی ۶، ۷

عظمت و نافعیت فتوحات:

جن انگریزی داں اصحاب نے زمانہ حال کے سب سے بڑے مورخ Toyn Feel کی نہایت عمدہ کتاب The Study of History پڑھ لی ہے وہ تو ان فتوحات کے مصائب سے اچھی طرح واقف ہو گئے ہوں گے۔ ان فتوحات سے ملک کمزور اور مذہب مسخ ہو جاتا ہے فاتحان اپنی سیاسی قابلیت کے فقدان کو ان لڑائیوں اور فتوحات کی چمک سے چھپاتے ہیں اور بسا اوقات جیسا کہ مسلمانوں کی تاریخ میں ابتداء سے ہوا اندرونی نکتہ چینیوں اور کمزوریوں سے عاجز آ کر لوگوں کو اس طرف لگا دیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی ان فتوحات سے اسلام نہیں پھیلا بلکہ اسلام سے نفرت پھیلی، اسلام کی توسیع نہیں ہوئی بلکہ اسلام کی تنسیخ ہو گئی۔ قرآن اور رسولِ خدا کا منشا اسلام کی تبلیغ دلوں کو فتوحات سے کرنے کا تھا جسم کی فتح دل کی نفرت پر منتج ہوتی ہے۔ تفصیلی بحث کے لئے دیکھو البلاغ المبین حصہ اول سکنڈ اڈیشن ص ۹۳۳ لغایت ۹۳۹ البلاغ المبین حصہ دوم سکنڈ اڈیشن ص ۵۵۹ لغایت ۶۲۸۔ مسلمانوں کے مذہب پر غیر اسلامی تقاضوں کے اثرات ص ۵۹ لغایت ۱۴۱۔

غلطی ۸، ۹۔

جناب امیر علیہ السلام کی سیاست کا ذکر ہم نے البلاغ المبین حصہ اول سکنڈ اڈیشن ص ۹۰۲ لغایت ۹۴۲ پر کیا ہے جہاں اس اعتراض کا مکمل جواب دیا گیا ہے اکثریت نے اپنی تعداد کے زعم میں یہ بھول جانا مناسب سمجھا کہ اسلام میں سب سے پہلی خانہ جنگی حضرت ابوبکر نے شروع کی جب اپنے سیاسی مخالف مسلمانوں کو مرتدین کا لقب دیکر ان کو تباہ و برباد کیا۔ اور ان کے کمانڈر

انجیف حضرت خالد نے اسکو اپنی خواہشات نفسانی کے پورا کرنے کا اچھا موقعہ سمجھا۔

ہم نے اس پہلی خانہ جنگی کا ذکر تفصیل سے اپنی کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام ص ۴۵ تا ۱۵۷ میں کیا ہے۔ یہاں ہم بیعت کے ذکر کے عوض کے سلسلہ میں جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں صرف ایک آیت قرآنی کا ذکر کرتے ہیں زکوٰۃ بھی مسلمانوں سے لی جاتی تھی۔ اس کا عوض اور بدل دیا جاتا تھا۔ ارشاد ہوتا:۔

خُذْ مِنْ أَمْوَٰلِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ (سورہ توبہ، ۱۰۳) ترجمہ: تم انکے مال کی زکواۃ لو (اور) اسکی بدولت ان کو (گناہوں) سے پاک کر دو اور انکے واسطے دعائے خیر کرو۔ کیونکہ تمہاری دعا ان لوگوں کے حق میں اطمینان کا باعث ہے۔

ہم دو تین امور کی طرف ناظرین کی توجہ دلاتے ہیں:۔

اوّل: تو اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ اگر وہ زکوٰۃ نہ دیں تو تم ان سے لڑو۔

دوم: زکوٰۃ شرط اسلام نہیں۔ مسلمان، مسلمان رہے گا اگرچہ زکوٰۃ نہ دے۔

تیسرے یہ کہ زکوٰۃ کے بدلے ان کو کچھ دیا جاتا تھا یعنی تزکی نفس اور دعاء خیر۔ حضرت ابوبکر یہ دونوں شئے نہیں دے سکتے تھے۔ خدا کی طرف سے منصوص نہ تھے ان کو زکوٰۃ لینے کی اجازت نہ تھی۔ اور نہ ہی ان کی دعا میں وہ اثر تھا جو ان لوگوں کی تسکین کا باعث ہوتا۔ ان کے وفود حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور ان سے یہ بھی بحث کی جو ہم کر رہے ہیں۔ لیکن حضرت ابوبکر نے نہ مانا۔ حالانکہ حضرت عمر کی رائے تھی کہ وہ مسلمان ہیں۔ ان سے لڑنا جائز نہیں۔ ابن کثیر شامی مورخ نے مانعین زکوٰۃ کی اس بحث اور حضرت عمر کی رائے کو بیان کیا ہے۔ دیکھو البدایہ والنہایہ فی التاریخ الجزء السادس ص ۳۱۱، ۳۱۲)

نیز ملاحظہ ہو مسند احمد حنبل الجزء الاول ص ۱۹، تاریخ طبری الجزء الثالث ص 223۔ صحیح بخاری، مطبوعہ مصر، الجزء الرابع ص ۱۷۱ وصحیح مسلم الجزء الاول ص ۳۸ و تاریخ الخمیس حسین دیار بکری الجزء الثانی ص 224 و کتاب الملل والنحل شہرستانی الجزء الاول ص 17 وغیرہ۔

غلطی ۱۰

مسلمانوں کی موجودہ کتب تاریخ کے مطالعہ کے وقت اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ان کا منبع ومخرج وہ پورانی کتب تاریخ ہیں جن کو شاہان بنی امیہ خصوصاً معاویہ اور عبد الملک نے اپنے وظیفہ خواروں اور درباریوں سے مثل امام زہری کے اپنے زیر نگرانی اور اپنی خواہش کے مطابق لکھوایا تھا جس کو ہم تفصیل سے اپنے "ضمیمہ البلاغ المبین" میں بیان کر چکے ہیں اور اس

ہی مقدمہ کے ابتداء میں بھی اس کا ذکر کر چکے ہیں۔ ان کتابوں میں اس امر واقعہ کی تلاش کہ معاویہ نے عبد الرحمن ابن ملجم کو قتل امیر المومنینؑ پر مامور کیا تھا بے سود ہوگی۔ لیکن وہ مورخین جو حق کو آبائی مذہب پر ترجیح دیتے ہیں واقعات اور ان ہی کتابوں کے سیاق وسباق سے معلوم کرلیں گے کہ معاویہ نے انعام واکرام کا لالچ دے کر اس کو قتل امیر المومنینؑ پر مامور کیا۔ یہ ضرور ہے کہ اس نے واقعہ نہروان کی مدد سے ابن ملجم کے مذہبی جوش کو بھڑکایا اور یقین دلایا کہ اگر تو بچ گیا تو انعام واکرام تیرا ہی ہے اور اگر نہ بچا تو تیرے لئے جنت کا راستہ تو سیدھا کھلا ہوا ہے۔

اموی ترہیب وترغیب کے زیر اثر لکھی ہوئی کتابوں میں یہ واقعہ اس طرح پایا جاتا ہے ”تین خوارج عبد الرحمن ابن ملجم، برک بن عبد اللہ اور عمرو بن بکر التمیمی خانہ کعبہ میں جمع ہوئے اور نہروان کے مقتولین کو یاد کر کے بہت روئے اور آپس میں فیصلہ کیا کہ علیؑ ومعاویہ اور عمرو بن العاص کو قتل کر دیا جائے۔ ابن ملجم حضرت علیؑ کے لئے برک بن عبد اللہ معاویہ کے لئے اور عمرو بن بکر التمیمی عمرو بن العاص کے لئے مقرر ہوئے اور اپنے اپنے مطلوب کے شہر کو روانہ ہوئے۔ یہ قرار پایا تھا کہ سترھویں رات رمضان کی گذرنے کے بعد نماز صبح میں قتل کیا جاوے۔ عبد الرحمن ابن ملجم کوفہ آیا۔ اپنے رشتہ داروں کے گھر پر ٹھہرا وہاں قطام کو دیکھا۔ پہلی ہی نظر میں ایسا مفتون ہوا کہ اپنے تئیں بھول گیا۔ نکاح کا پیغام دیا۔ قطام نے امیر المومنینؑ کے قتل کی شرط اپنے مہر کے ساتھ لگائی۔ اس نے کہا کہ مہر تو میں ابھی ادا کر دیتا ہوں۔ قتل علیؑ مشکل ہے۔ تو چاہتی ہے کہ میں بھی مر جاؤں قطام نے اصرار کیا۔ پھر اس کو یاد آیا کہ میں کوفہ میں تو قتل علیؑ ہی کے لئے آیا ہوں اور قطام سے کہا کہ مجھے یہ بھی منظور ہے۔ سترھویں رمضان کی رات کو شبیب وابن ملجم کوفہ کی مسجد اعظم میں گئے۔ وہاں قطام بھی معتکف تھی۔ اس نے اپنا آدمی وردان ساتھ کر دیا۔ جب حضرت علیؑ مسجد کے دروازہ میں داخل ہو رہے تھے تو پہلے شبیب نے اپنا وار کیا۔ وہ وار خالی گیا۔ اور تلوار دروازے پر پڑی۔ پھر ابن ملجم نے سر اقدس پر تلوار ماری وہ کارگر ہوئی۔

برک ابن عبد اللہ نے معاویہ پر بحالت نماز وار کیا۔ ذرا سرین پر تلوار اچٹتی ہوئی پڑی برک نے کہا کہ اگر جاں بخشی ہو تو ایک خوشخبری سناؤں۔ اب اسی وقت میرے ساتھی نے علیؑ کو قتل کر ڈالا ہے۔ معاویہ نے کہا کہ وہ کیونکر ان پر قابو پائے گا۔ برک نے کہا کہ علیؑ کے ساتھ کوئی محافظ نہیں ہوتا۔ لیکن معاویہ نے اس کو قتل کرا دیا۔

عمرو بن بکر مصر میں عمرو ابن العاص کو نہ قتل کر سکا کیونکہ اس دن وہ نماز پڑھانے نہ آیا۔ اس کی جگہ خارجہ ابن حبیب نماز پڑھا رہا تھا۔ وہ قتل ہوا۔

ان واقعات کے لئے دیکھو تاریخ طبری، الجزء السادس ص ۸۳، تاریخ ابی الفداء الجزء الاول ص ۸۰، تاریخ ابن کثیر شامی

الجزء السابع ص ۳۲۶، قطام چچازاد بہن ابن ملجم کی تھی جیسا کہ مسعودی مورخ نے اپنی تاریخ مروج الذہب الجزء الثانی میں تحریر کیا ہے۔

قطام کے حسن کے رعب میں ابن ملجم بالکل بھول گیا کہ وہ کوفہ میں قتل علیؑ کے لئے آیا تھا۔ ابن کثیر شامی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔

"فلما راها ابن ملجم سلبت عقله و نسي حاجته التي جاء لها"[1]

جب ابن ملجم نے قطامہ کو دیکھا تو اس کی عقل سلب ہوگئی اور جس کام کے لئے وہ آیا تھا (قتل علیؑ) اس کو بھول گیا۔

اب ان روایات پر غور کرنا چاہیئے۔ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قطام کو محض زیب داستان کے لئے لایا گیا ہے۔ عبدالرحمن ابن ملجم کی وہ چچازاد بہن تھی۔ کیا اب تک اس کو اپنی چچازاد بہن کے حسن و جمال کی خبر ہی نہ تھی۔ کیا اس سے پہلے کبھی اس نے قطام کو دیکھا ہی نہیں تھا کہ اب پہلی نظر میں اس کا اتنا گرفتار ہوگیا کہ جس کام کے لئے آیا تھا یعنی قتل علیؑ اس کو ہی بھول گیا۔ جانتا تھا کہ جان جوکھوں کا کام ہے علیؑ کے قتل کرنے میں میری جان کب بچیگی۔ پھر خطبہ ونکاح سے کیا فائدہ جب قطام نے یہ شرط پیش کی تو اس نے یہ کیوں کہا کہ مہر تو میں ابھی ادا کر دیتا ہوں۔ لیکن قتل علیؑ مشکل ہے۔ حالانکہ قتل علیؑ کے ارادہ سے آیا تھا۔ قطام کا عبدالرحمن ابن ملجم کی چچازاد بہن ہونا مسعودی نے حتمی لکھا ہے۔ اور کسی تاریخ میں اس کی تردید نہیں۔

حیدر علی حنفی اپنی سیرت علویہ حصہ اول لکھتے ہیں کہ:۔

"حدیقہ حکیم سنائی و مناقب مرتضوی میں ہے کہ عبدالرحمن ابن ملجم نے جناب امیر کو معاویہ کے حکم سے شہید کیا۔ محاضرات راغب اصفہانی میں ہے کہ معاویہ نے جناب امیرؑ کی خبر شہادت سن کر بغرض اظہار فرحت ایک کنیز مغنیہ کو گانے کا حکم دیا اور اس سے اپنے خلاف منشاء مدح امیرالمومنین علیؑ مرتضیٰ سن کر اس کے سر پر گرز مارا۔"[2]

مناقب مرتضوی میں کشفی کے الفاظ یہ ہیں:

"قدوة المحققين حكيم سنائي چنين تحقيق نمود كه بموجب گفته معاويه ابن ملجم امير المومنين را بدرجه شهادت رسانيده۔" (ص 277)

حکیم سنائی کے چند اشعار اس مضمون پر نقل کئے جاتے ہیں:۔

---

[1] البدایہ والنہایہ فی التاریخ الجزء السابع ص 326

[2] سیرت العلویہ، جلد اول، ص 512

پسر ملجم آں سگ بددیں | آں سزاوار لعنت ونفریں
برزنے عاشق آں شدہ می شوم | آں نگونسار تر ز راہب روم
گشت از یں سر معاویہ آگاہ | مرد راگشت جملہ کار تباہ
گفت کار تو باکمال شود | ایں چنیں زن ترا حلال شود
گر تو در کار خویش شیر ولی | ہست کابین حرہ خون علیؑ
گر تو فارغ کنی دلم زیں کار | بفزائی نیز و من ایں کار
آں چناں اصل و جہل و سنگدلی | چیرہ بگزید قتل و خون علیؑ
آں سرافراز مرد جفت بتولؑ | چونکہ اندر نماز شد مشغول
رفت وزخمی سبک زدش برسر | کہ بداں زخم سخت شد مضطر
برگرفتند مرد را در حال | کرد از و میر زخم خوردہ سوال
کہ کہ فرمود ترا ایں کار | کرد بر لفظ خویشتن اقرار
کہ مرا ایں معاویہ فرمود | کار کردم کنوں نہ دار و سود

خود روایت بھی قابل غور ہے۔ یہاں تک تو لکھ دیا کہ برک بن عبداللہ نے کہا کہ میں تجھ (معاویہ) کو خوشخبری سناتا ہوں۔ اور وہ قتل علیؑ کی تھی۔ معاویہ کو ڈر ہوا کہ شاید علیؑ بچ جائیں اس ڈر کی تسلی کر دی کہ علیؑ کا کوئی محافظ ساتھ نہیں ہوتا۔ ایک ممبر سازش دوسرے ممبر سازش سے باتیں کر رہا ہے۔ جب تسلی ہوگئی تو معاویہ نے اس کو بھی قتل کرا دیا۔ یہ قتل کرانا بھی بہت معنی اپنے میں مضمر رکھتا ہے۔ عام طور سے ایسا ہی ہوا کرتا ہے کہ بعد مقصد کے سازشی کو قتل کر دیا کرتے ہیں۔ تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے کہ بادشاہ پہلے تو اپنے دشمن کے قتل پر کسی کو اکسا دیتے ہیں اور پھر قاتل کو قتل بھی کرا دیتے ہیں تاکہ یہ ہمارے خلاف سازش کا گواہ نہ بن جائے۔ ورنہ برک بن عبداللہ کا قتل بروئے شرع محمدی ناجائز تھا۔ زیادہ سے زیادہ یہ سزا ہو سکتی تھی کہ اس کے چوتڑوں پر بھی ایسی ہی اچٹتی ہوئی تلوار لگا دیتے۔ معاویہ اس ضرب سے مرا نہیں۔ اگر برک کا قتل اس کا منھ بند کرنے کے لئے نہ تھا تو کس لئے تھا؟

عمرو بن العاص بھی سازش میں شامل تھا اور جانتا تھا کہ یہ ہونا ہے۔ اس دن وہ نماز پڑھنے ہی نہ آیا۔ دوسرے کو بھیج دیا اور اسے قتل کرا دیا۔ یہ اس وجہ سے ضروری تھا کہ سازش کو دنیا کے سامنے واقعیت کا جامہ پہنایا جائے۔

یہ بھی غور کی جگہ ہے کہ خارجی عمرو بن العاص اور معاویہ کے کیوں خلاف ہوں اور انکے قتل کے درپے ہوں۔ کوئی وجہ قتل نہ تھی۔ نہرواں پر تو حضرت علیؑ نے خوارج کو شکست دی تھی۔ ان خوارج کو نہروان ہی کا رنج تھا۔ معاویہ اور عمرو تو حضرات شیخین کے اصول پر عمل کر رہے تھے۔ اور خلافت کو اہلبیت رسالت میں سے نکالنا چاہتے تھے۔ اور خوارج حضرات شیخین کو دوست رکھتے تھے جیسا کہ اوپر بھی روایات ہم اس مضمون کو نقل کر چکے ہیں۔

معاویہ کے پہلے رویہ اور بعد کی روش کو بھی دیکھنا چاہیئے۔ ہم البلاغ المبین میں ثابت کر چکے ہیں کہ معاویہ کے دو ہی ہتھیار تھے جیسا کہ مسر امیر علی نے لکھا ہے۔ زہر اور رشوت۔ اور ان دونوں سے اس نے بہت کام لیا۔ صفین میں جب امراء لشکر علی کو خوب رشوت پہنچائی تب ہی تو قرآنی جھنڈے بلند کیئے۔ اس سے پہلے اور اس کے بعد تو کبھی قرآن شریف کو اس طرح دار پر نہیں لٹکایا گیا۔ حکم کی تجویز معاویہ نے پیش کی تھی۔ کیا اس کے لشکر میں ایک ایماندار بھی ایسا نہ تھا جو کہے کہ یہ غلط ہے۔ دراصل تو الحکم للہ ہے۔ اور علیؑ کے لشکر میں اتنے ایماندار آدمی نکل آئیں۔ لطیفہ دیکھئے پہلے تو شور مچا دیا کہ معاویہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ حکم سے فیصلہ کرو۔ اگر تم نے لڑائی نہ روکی تو ہم تم کو قتل کر دیں گے۔ جب علیؑ نے اس مجبوری سے لڑائی بند کر کے دستاویز حکم پر دستخط کیئے تو کہتے ہیں کہ تم کافر ہو گئے الحکم للہ۔ یہ عقل کا منطق تو نہیں ہے۔ یہ تو رشوت کا منطق ہے۔

اس معاویہ نے مالک ابن الاشتر کو دہقان مصر سے سازش کر کے زہر سے قتل کرا دیا۔ محمد ابن ابی بکر کو رشوت کی تلوار سے قتل کرایا۔ امام حسنؑ کو جعدہ بنت اشعث سے سازش کر کے زہر سے شہید کرایا۔ تو کیا اس معاویہ سے یہ ممکن نہیں بلکہ یقینی تھا کہ علیؑ کو سازش کر کے قتل کرائے خصوصاً جب وہ دیکھے کہ علیؑ دوبارہ ایک صفین پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ آپ معاویہ پر لشکر کشی کرنے کے لئے لشکر جمع ہی کر رہے تھے کہ عین اس وقت یہ حادثہ ہوا۔

ابوالاسود الدولی کے اشعار جو انھوں نے فوراً بعد شہادت امیرالمومنینؑ کہے اس ہی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں:۔

الف: الا ابلغ معاویۃ بن حرب — فلا قرت عیون الشامتینا

ب: انی شہر الصیام فجعتمونا — بخیر الناس طرا اجمیعنا

ج: قتلتم خیر من رکب المطایا — ورحلہا ومن رکب السفینا

د: ومن لبس النعال ومن حذاہا — ومن قراء المثانی والمبینا

یہ اشعار تاریخ طبری الجزالسادس ص 87 پر نقل کیئے گئے ہیں۔

الف: معاویہ بن حرب کو خبر پہنچا دو۔ دشمنوں کی آنکھیں ٹھنڈی نہ ہوں۔

ب: کیا تمہیں ماہ صیام میں ہم کو تمام خلق سے افضل انسان کا رنج پہنچانا تھا۔

ج: تم نے ان سب سے بہتر و افضل انسان کو قتل کیا اور جو سواریوں پر چڑھتے ہیں یا کشتیوں میں بیٹھتے ہیں۔

د: جو زمین پر چلتے ہیں اور بہترین طرح سے قرآن پڑھتے اور سمجھتے ہیں۔

ان اشعار میں معاویہ اور ان کے شامیوں کو خطاب کیا گیا ہے۔ اور صیغۂ مخاطب جمع استعمال ہوا ہے۔ تم نے قتل کیا تم نے ہمیں امیر المومنینؑ کے بارے میں رنج پہنچایا۔ خوارج کا نہ یہاں ذکر ہے اور نہ ان کو خطاب کیا گیا ہے۔ قتل کرنے والا خارجی ضرور تھا۔ اور اس کے مذہبی جوش سے فائدہ اٹھا کر جناب معاویہ نے اس کو اپنا آلہ کار بنایا۔

غلطی ۱۱

عام تاریخوں میں یہ روایت اس طرح پائی جاتی ہے کہ جب نماز صبح کے لئے جناب امیر المومنین مسجد کے دروازے میں داخل ہوئے تو پہلے ابن ملجم کے ساتھی شبیب نے اپنی تلوار سے جناب امیر پر وار کیا وہ وار خالی گیا اور اس کی تلوار دروازہ مسجد پر پڑی تو ابن ملجم نے اپنا وار کیا اور وہ وار کاری بیٹھا، یہ روایت اسی طرح طبری، ابن کثیر شامی، تاریخ ابن خلدون وغیرہ میں درج ہے۔ لیکن غور تو کرو وہ شجاع جس نے عرب کے بہادروں کو زیر کیا۔ جس نے عمرو ابن عبدود جیسے پہلوان کی سرعت و پھرتی کو زیر کیا۔ ایک وار خالی جانے کے بعد بھی اتنا ہوشیار نہ ہوا کہ ابن ملجم کو دوسرا وار کرنے سے روکتا یہ لوگ روایتیں وضع کرتے وقت چاروں طرف سے چوکنے نہیں رہتے۔ علامہ ریاض علی صاحب ریاض نے اپنے الکرار میں بصفحہ ۴۰۱ اور علامہ سید اولاد حیدر نے اپنی سراج المبین فی تاریخ امیر المومنینؑ میں بصفحہ ۴۲۲ بحوالہ سوانح عمری عبید اللہ امرتسیری بسند ابن الاثیر یہ ہی لکھا ہے کہ جناب امیرؑ پر ابن ملجم نے بحالت نماز فجر وار کیا۔ سب نے نماز صبح ہی پر اتفاق کیا تھا۔ اور حضرت عمر کو بھی نماز ہی کے وقت زخمی کیا تھا۔ اس زمانے میں نماز کی حالت کو ایسے حملوں کے لئے زیادہ مفید سمجھا جاتا تھا۔ اس وقت آدمی چوکنا نہیں رہ سکتا محب الدین طبری ریاض النضرہ میں لکھتے ہیں:۔

عن اللیث بن سعد ان عبد الرحمن بن ملجم ضرب علیاً فی صلاۃ الصبح علی دھش بسیف کان سم بسم یعنی لیث ابن سعد کہتا ہے کہ عبد الرحمن ابن ملجم نے حضرت علیؑ پر اس وقت کہ وہ نماز صبح میں تھے اچانک جلدی سے ضرب تلوار لگائی۔ اس تلوار کو اس نے زہر آلود کیا تھا۔

غلطی ۱۲۔ اس کے جواب کے لئے دیکھو ہماری کتاب سیرۃ فاطمۃ الزہراؑ طبع ثانی مطبوعہ اصلاح پریس کھجوہ۔ ص ۹۱ لغایت ۱۰۶۔

جس طرح تاریخ کو اپنے اغراض کے لئے مسخ کیا گیا ہے اس میں سے یہ تو بہت کم مثالیں ہیں۔ مسلمانوں کی ساری ابتدائی تاریخ اس ہی نمونہ کی ہے اور اس تاریخ ہی کے نظریات کی بناء پر اور کتب تواریخ لکھی گئیں جو شخص اس زمانہ کے مسلمانوں کی تاریخ لکھتا ہے اس تاریخ ہی کے نظریات کی بناء پر اور کتب تواریخ لکھی گئیں جو شخص اس زمانہ کے مسلمانوں کی تاریخ لکھتا ہے اس کا پہلا فرض ہے کہ اس نصیحت پر عمل کرے جو مسٹر کانڈے (conde) نے اپنی تاریخ ہسپانیہ میں دی ہے وہ کہتے ہیں کہ تاریخ عالم کا مطالعہ بتاتا ہے کہ جہاں دو پارٹیاں برابر کی ہوگئی ہیں اور ان میں خصومت رہی ہے تو ہمیشہ مغلوب پارٹی یا مغلوب قوم کی تاریخ غالب پارٹی یا قوم نے لکھی ہے۔ لہذا ایسی تواریخی حالات کی چھان بین کرنا اور محض غالب پارٹی کے بیانات پر انحصار نہ کرلینا ہر اس مؤرخ کا فرض ہے جو حق کو پسند کرتا ہے۔ دیکھو histary of the dominion of the hrals in spainvoe I p.p.1.2 یہ کتاب انگریزی ترجمہ ہے ڈاکٹر جے، اے، کونڈے کی اصل کتاب کا جس کو مسز فوسٹر نے تیار کیا ہے۔ ذرا یہ منطق تو ملاحظہ کیجیے مصر اور ہندوستان کی زمانہ مغلوبیت کی تاریخ از سر نو لکھی جارہی ہے۔ محض اس بنا پر کہ غالب قوم یعنی انگریزوں کی لکھی ہوئی ہے۔ جنھوں نے اپنی سیاسی اغراض کے لئے ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں اور مصر کے خدیو کو بری روشنی میں پیش کیا ہے۔ لیکن اس منطق کو آگے نہیں بڑھاتے۔ آں حضرت کی رحلت پر مسلمانوں کی دو بڑی جماعتیں ہوگئیں۔ ایک جماعت نے ان تدابیر و اسباب کی بناء پر اقتدار ملکی حاصل کرلیا جن کا ذکر ہم نے البلاغ المبین حصہ اول و دوم میں کیا ہے اور اس عظیم الشان اور مفصل سوانح عمری کی ابتدائی جلدوں میں بھی کیا گیا ہے۔ یہاں بھی تو وہ ہی اصول حاوی کرنا چاہیئے جس کی بناء پر ہندوستان اور مصر میں تجدید تاریخ نویسی ہو رہی ہے۔ اس غالب جماعت نے اپنی سیاسی اغراض کو مدنظر رکھ کر تاریخ وفقہ و حدیث کو لکھنا شروع کیا۔ اور اس پر غضب یہ ہوا کہ ان ہی کے بادشاہوں کے زیر اثر لکھی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام بالکل مسخ ہوگیا حدیث ایسی موضوع ہوگئی کہ جناب پرویز صاحب تک کو کہنے کا موقع ملا کہ ہماری بخاری ومسلم و دیگر کتب احادیث میں خلاف عقل اور غلط باتیں ہیں۔ لیکن باوجود اس کے ان کی تصحیح کی طرف کسی کی توجہ مبذول نہیں ہوتی اس موضوع پر ہماری کتاب التفریق و التحریف فی الاسلام۔ ملاحظہ ہو۔ اس کو یہاں دھرانا باعث طوالت ہوگا لیکن ایک امر پر ہم ذرا تفصیل سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ اس پر ابھی زیادہ توجہ مبذول نہیں ہوئی ہے اور وہ اس زیر نظر کتاب یعنی حصہ ثالثہ جلد چہارم سوانح عمری کے لئے بھی بہت ضروری ہے۔ وہ یہ ہے اور یہ ہماری کتاب فلسفہ اسلام حصہ دوم غیر مطبوعہ سے ماخوذ ہے۔

امامت اسلامیہ اور حکومت یونانیہ: جنہوں نے فقہ اسلام کا غور سے مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ اسلام میں state کا تخیل نہیں ہے بلکہ ایک امامت ہے۔ امامت کا مقصد ہوتا ہے اور امامؑ کے لئے بہت سی شرائط ہوتی ہیں۔ اس کے لئے خاص

صفات کا ہونا ضروری ہے ہم ابھی بتاتے ہیں کہ امامت اسلامیہ اور state یعنی حکومت یونانیہ میں کیا فرق ہے۔ اور یہ فرق بہت اچھی طرح نمایاں ہوگا۔ جب ہم بیان کریں گے کہ ان میں سے ہر ایک کا کیا مقصد ہے۔ دونوں کے مقصد کے فرق ہی نے امامت اور حکومت میں فرق پیدا کر دیا ہے۔ جب سقیفہ کی اختیار کردہ حکومت کے کارکنان نے دیکھا کہ ہم میں نہ وہ صلاحیت و اہلیت ہے جو امام اسلام کے لئے ضروری ہے تو انھوں نے امامت کو رومانوی state یا حکومت کے درجہ پر کھہ کر ان اصول وقواعد پر زور دیا جو حکومت یونیانیہ میں ضروری ہوتے ہیں۔ زبان سے تو یہی کہتے رہے کہ یہ خلافت رسولؐ ہے اور ہم خلیفہ رسولؐ یا زیادہ سے زیادہ امیر المومنین ہیں لیکن عملاً اسی راستہ پر چلے جس راستہ پر حاکم یونان چلا کرتے تھے۔ یونان ہم اس وجہ سے کہہ رہے ہیں کہ یہ حکومت مبنی ان اصول پر تھی جو یونان میں مرتب ہوئے تھے اور جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس وقت تک تو یونان کو روم نے فتح کر لیا تھا، اگرچہ اہل روم نے یونان کو فتح تو کر لیا لیکن اس کے فلسفہ وعلم و ذہن و ذکا سے خود مغلوب ہو گئے۔ روم نے وہ ہی حکومت اختیار کر لی جو یونان نے شروع کی تھی اور اب روم کے جانشین زمانہ حال کے یورپ میں ہے اس زمانہ کے عرب اس رومانوی طرز حکومت سے اچھی طرح واقف تھے ان کے تخیل میں امامت اسلامیہ اجنبی تھی اور حکومت رومانوی نسبتاً ویسی تھی۔ اس کے لئے دیکھو فجر الاسلام تالیف احمد امین الفصل الثانی ص ۱۳ الغایت ۱۳۰ اس وجہ سے کارکنان حکومت اختیار یہ کو اپنا نقطہ نگاہ لوگوں میں پھیلانے کے لئے بہت آسانی ہوگئی۔

اب ہم حکومت یونیہ اور امامت اسلامیہ کا مقابلہ کرتے ہیں تا کہ دونوں کا فرق اچھی طرح نمایاں ہو جائے حکومت رومانوی کے خصوصیات یہ ہے:۔

ا۔ حکومت یونانیہ، رومانوی اور اب زمانہ حال کی حکومت state کے تخیل سے شروع ہوتی ہے۔ سٹیٹ کا تخیل ہمیشہ رہے گا خواہ طرز حکومت جمہوری ہو، ری پبلک ہو، یا بادشاہت ہو یہاں تک کہ آمریت میں بھی سٹیت کا تخیل ہے سٹیٹ کو ایک شخص تصور کر لیا گیا ہے۔ یہ قانونی شخص ہے اس کی جائداد بھی ہوتی ہے۔ اس کے خلاف بغاوت بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی فوج ہوتی ہے۔ اس کے ملازمین ہوتے ہیں۔

۲۔ یہ ملکی اور ارضی حدود میں محدود ہوتی ہے۔ چونکہ مسیحیت نے رومانوی سلطنت کی آب و ہوا میں پرورش پائی تھی اور قسطنطنیہ کے قیاصرہ جو عیسائی ہو گئے تھے اس تخیل کو اپنے ہمراہ لائے تھے۔ لہذا یہ تخیل مسیحیت میں داخل ہو گیا۔ یہ ہی بہت بڑا فرق اسلام اور مسیحیت میں ہے۔ اسلام میں امامت ہے مسیحیت میں state ہے مسیحیت ہمیشہ اس خیال میں مقید رہی کہ لوگوں کی معیشت و معاشرت اور سیاست ہمیشہ ارضی و ملکی حدود میں محدود ہوتے ہیں۔ گویا اس کے لئے رومن سلطنت کے پرے کوئی دنیا ہی نہ تھی۔ یہ

ہی قومیت کے تخیل کی ابتداء ہے۔اس نے ایک مسیحیت کو بے شمار قوموں میں تقسیم کر کے مسیحیت کے دائرہ کے اندر ہی رقابتیں پیدا کر دیں۔اسلام بھی مختلف فرقوں میں تقسیم ہوا لیکن وہ تفریق وتقسیم ارضی نہ تھی۔بلکہ عقائدکی تھی۔مسیحیت واسلام کے اس فرق کے لئے اور نیز اسلامی امامت ورومانوی سٹیٹ کے لئے دیکھو۔

31. Islam chapt.vii P.1: YON Grunelraum.G.E

۳۔اس یونانی اور رومانی سٹیٹ کے لئے تمکنت،شان وشوکت، جباریت اور لوگوں سے علٰحدگی ضروری ہے،اس کے لغوی معنی یہ ہیں کہ ابتداء میں stateایک بارعب کرسی کا نام تھا جس کے اوپر ایک شامیانہ ہوتا تھا۔اور وہ شہ نشین میں ایک رفیع و بلند چبوترے پر رکھی جاتی تھی یہ عظمت وجبروت کی نشانی تھی۔سب لوگوں سے ممیز ہونا اس کی شان میں داخل تھا۔آئندہ چل کر یہ کرسی وسیع ہوتی گئی۔لیکن عظمت، جبروت اور شان جداگانہ ہمیشہ اس کے معنی کے ساتھ رہے۔یہ سٹیٹ عوام الناس سے اتنی علٰحدہ اور ممیز بلکہ مخالف ہوگئی کہ ہربرٹ سپنسر کو ایک علٰحدہ کتاب the man verse the/state لکھنی پڑی جس میں اس نے اس نظریہ کی بناء پر بحث کی ہے کہ سٹیٹ افراد سے علٰحدہ ایک شخصیت ہے۔جو بسا اوقات افراد کے حقوق غصب کر رہتی ہے۔

۴۔یہ منطق اور فلسفہ دونوں نے مل کر بہت زور لگایا کہ فیصلہ کریں کہ سٹیٹ کو حکومت کرنے کا حق کیونکر ملا۔اور کس نے دیا۔ لیکن اس میں ناکامی ہوئی۔چند فلاسفران میں جن میں Ben than بہت نمایاں ہے کہتے ہیں کہ حکومت کا حق قوم کی اکثریت کو حاصل ہوتا ہے۔وہ اکثریت یہ حق اپنے نمائندگان کو دیتی ہے۔وہ نمائندگان مل کر ہی ملک سٹیٹ ہیں پھر یہ سٹیٹ وہی حقوق اکثریت کے چند افراد کو دیتی ہے۔غور کرو کہ یہ بات کیا ہوئی۔اصل (اکثریت) نے تو اپنے حقوق ایجنٹ (نمائندگان) کو دیئے۔اور ایجنٹ نے وہ ہی حقوق پھر اپنے اصل کو دے دیئے۔ضرورت کے لئے عقلی آنکھیں بند کر لیں اور اس بے معنی منطق کا نام فلسفہ حکومت رکھ لیا۔تاکہ کچھ تو کہہ سکیں کہ اکثر اور اکثریت کے نمائندگان کو حکومت کا حق کیونکر ملا۔اور یہ بھی تو دیکھو کہ اکثریت کیونکر بنتی ہے جب تک رائے شماری نہ ہو اکثریت نہیں معلوم ہوتی۔جب اکثریت معین ہوگئی تو اسے خود بخود حق حکومت حاصل ہوگیا۔معلوم یہ ہوا کہ رائے شماری اور تعیین اکثریت سے پہلے تمام قوم کو حق حکومت حاصل تھا۔اور جب اکثریت معلوم ومعین ہوگئی تو وہ حق سمٹ کر اکثریت میں آگیا۔یہ نہ معلوم ہوا کہ باقی یعنی اقلیت سے وہ حق کب کس نے اور کس بناء پر واپس لے لیا اور اکثریت کو وہ حق کیونکر مل گیا۔غرضکہ یہ تو ایک چیستان ہے۔جو کبھی حل نہ ہوگی۔

۵۔سٹیٹ کو قوم کے لئے قانون بنانے کا حق ہے۔قوم کو وہ قانون خود بنانا چاہیئے جو اس کے اوپر حاوی ہو۔

۶۔قوم کو اپنے حکمراں خود منتخب کرنے کا حق حاصل ہے۔

۷۔ فتوحات اندر توسیع ملک اس کے مقاصد ہیں۔

برعکس اس کے ہم امامت اسلامیہ کے خصائص بیان کرتے ہیں۔

(ا) تمام کائنات کی حکومت خدا کے لئے ہے۔ خدا جس شخص کو چاہتا ہے اپنی حکومت میں سے عطا کر دیتا ہے۔ آیات مندرجہ ذیل غور سے ملاحظہ کی جائیں:

الف: وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ۔

ترجمہ: جب ابراہیمؑ کے رب نے اس کا امتحان چند کلمات سے لیا جو اس نے پورا کر دیا تو خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تجھ کو لوگوں کا امام مقرر کرتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے پوچھا کہ میری ذریت میں سے؟ ارشاد ہوا کہ ان میں سے جو ظالم ہوں تو ظالموں کو میرا عہد نہیں پہنچتا۔

ب: ثُمَّ أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً مِّنكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنفُسِهِم مَّا لَا يُبْدُونَ لَكَ...

ترجمہ: یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس امر میں سے ہمارے لئے بھی کچھ حصہ ہے کہہ دو اے رسول کہ سارا امر خدا کے لئے ہے۔ یہ لوگ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپائے ہوئے ہیں جو وہ تم پر ظاہر نہیں کرتے۔

ج: ...وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔

ترجمہ: خدا جس کو چاہتا ہے اس کو اپنا ملک دیتا ہے۔ خدا بہت علم جاننے والا ہے۔

د: حدیث: قال ضغائن فی صدور الاقوام لا یبدونہا لک الا من بعدی.

ترجمہ: جناب رسولؐ خدا حضرت علیؑ سے فرمایا کرتے تھے کہ اے علیؑ تمہاری طرف سے لوگوں کے دلوں میں کینے بھرے ہوئے ہیں جن کو وہ میرے بعد ظاہر کریں گے۔

ہ: حدیث: یا علی ان الامۃ ستغدر بک من بعدی.

ترجمہ: اے علیؑ میرے بعد ہی یہ امت تمہارے ساتھ دغا کرے گی۔

ان آیات سے مندرجہ ذیل امور بہت اچھی طرح ثابت ہیں:

a) حکومت الٰہیہ خداوند تعالیٰ جس کو چاہتا ہے خود عطا کرتا ہے۔ وہ لوگوں کی حالت کا بہت اچھی طرح جاننے والا ہے کہ کوئی کیسا ہے۔

b) اس شخص کے لئے منجملہ دیگر صفات کے عدل کامل، علم اور شجاعت لازمی ہیں جیسا کہ ابراہیمؑ اور طالوت کے قصوں سے واضح ہے۔ ان کے متعلق خدا کے سوا کسی اور کو علم نہیں ہو سکتا۔ وہ واسع علیم ہے۔

ہر ایک نیکی کے مقابلہ میں بدی ہے۔ اچھی چیز کے مقابلہ میں بری چیز ہے۔ دنیا اس ہی نمط پر بنائی گئی ہے حکومت الٰہیہ کے مقابلہ میں حکومت فرعونیہ اور اولیاء اللہ کے مقابلہ میں اولیاء الشیاطین بھی ہیں حکومت شیطانیہ و فرعونیہ خدا کی طرف سے عطا نہیں ہوتی یہ فرق خاص طور سے ملحوظ خاطر رکھنا چاہیئے ورنہ ہر ایک فرعون و یزید کہہ سکیگا کہ یہ حکومت ہم کو خدا نے عطا کی ہے۔

c) امامت امتحان اور ابتلاء کے بعد عطا ہوتی ہے۔

d) ایک طاقت ور جماعت امت محمدیہ میں ایسی تھی کہ جس کی نظر اقتدار پر قبضہ کرنے کی تھی بار بار ان سے کہا گیا کہ یہ سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے۔

e) ان لوگوں کے دلوں میں کچھ ارادے تھے جو وہ رسولؐ خدا سے چھپاتے تھے۔

f) لیکن رسولؐ کو معلوم ہونا تھا اور معلوم ہوگیا اور آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ تمہاری طرف سے انکے دلوں میں عداوت اور کینے ہیں جو اب تو یہ چھپاتے ہیں (جیسا کہ خدا نے بھی اپنے رسول کو اطلاع دیدی تھی) لیکن میرے بعد یہ انکو ظاہر کریں گے۔

g) جن لوگوں کی نظر حکومت پر تھی ان کے دلوں میں حضرت علیؑ کی طرف سے عداوت اور کینے تھے۔

h) یہ کیوں؟ اس لئے کہ جناب رسولؐ خدا نے علیؑ کو اپنی جگہ مقرر کر دیا تھا۔ اور حضرت علیؑ انکے ارادوں اور انکی تکمیل کے درمیان حائل تھے۔

۲۔ امامت کا مقصد ایک اور فقط ایک ہے اور وہ جماعت اسلامیہ کو صراط مستقیم پر چلانا اور قائم رکھنا ہے۔ اور جو چیز اس مقصد کے خلاف ہوگی وہ ہی امامت میں ممنوع ہے جیسا کہ ابن خلدون مؤرخ بھی مانتا ہے۔ اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

۳۔ مسلمانوں کے لئے قانون بن چکا ہے اور قرآن کریم میں سارا درج ہے۔ امامت کو جدید قانون بنانے کا حق نہیں ہے۔ یونانی و رومانی سٹیٹ میں قانون بنانا لوگوں کا حق ہے۔ اور یہ اصول ان لوگوں کے لئے جو حکومت کے متمنی تھے نہایت مفید ہے۔ لہذا انھوں نے اس کو اختیار کیا۔ وہ یہ تو نہیں کہہ سکتے تھے کہ ہم رومانوی حکومت کا تتبع کر رہے ہیں۔ لیکن یہ مقصد انھوں نے

یہ کہہ کر حاصل کیا کہ جناب رسول خدا کے احکام دو قسم کے تھے۔ ایک دائرہ رسالت کے اندر اور دوسرے اس کے باہر جو اندر تھے وہ ہمارے لئے قابل اطاعت ہیں۔ لیکن جو باہر ہیں ان کے لئے ہماری خوشی ہے۔ مانیں یا نہ مانیں۔ حکومت کے لئے حاکم مقرر کرنا اور اپنا جانشین نصب کرنا یہ سب دائرہ نبوت کے باہر ہے اور اس کے متعلق جو احکام رسول خدا نے دیے ان کو ہم نہیں مانتے۔ جس کو ہم چاہیں گے اپنا حاکم مقرر کریں گے۔ لیکن یہ غلط ہے۔ امامؑ کے ہر حکم کی اطاعت لازمی ہے۔ ہم نے کتاب التشریع والتحریف فی الاسلام میں ثابت کیا ہے کہ جو اصول اس جماعت نے اندر اور باہر کے احکام کے متعلق قائم کیا ہے۔ اس کی رو سے کوئی بھی حکم دائرہ نبوت و امامت کے اندر نہیں رہتا۔ یہ ایک تدبیر تھی احکام رسول کی اطاعت سے نکلنے کے لئے آیات مندرجہ ذیل ملاحظہ ہوں:

۱۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ...

ترجمہ: اے لوگو: جو ایمان لائے ہو اطاعت کرو خدا کی، اطاعت کرو رسول اور ان کی جو تم میں سے صاحبان امر امت ہیں۔

رسول کی اطاعت کی طرح ان کی اطاعت بھی واجب ہے۔ رسول کی اطاعت کیسی ہو اس کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔

۲۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔[1]

ترجمہ: تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ (کبھی) مومن نہ ہوں گے۔ جب تک ان جھگڑوں میں جو اکے مابین پڑے ہیں تم کو حاکم نہ بنالیں پھر جو کچھ تم فیصلہ کردو۔ اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو اس طرح تسلیم کرلیں جیسا کہ تسلیم کرنے کا حق ہے۔

پھر اس کے بعد ہی جو تین آیات ہیں وہ بھی بہت غور چاہتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

۳۔ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا۔
وَإِذًا لَآتَيْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا... وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا۔

ترجمہ: اور اگر ہم ان پر یہ لازم کر دیتے کہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کر دیا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو سوائے معدودے چند کے یہ لوگ اس کی تعمیل نہ کرتے۔ اور اگر وہ اس کے موافق کرتے جو کچھ انکو نصیحت کی جاتی تو یہ بات ان کے

---

[1] سورہ نساء 4،25

لئے بہت ہی اچھی ہوتی۔اور (ان کے ایمان کو) زیادہ مضبوطی کا باعث ہوتا۔اور اس وقت ہم بھی ان کو بڑا اجر دیتے۔اور ان کو صراط مستقیم تک پہونچا دیتے۔

ان آیات سے پہلے بھی اطاعت رسولؐ و امام کی تاکید ہے۔اور انکے بعد کی آیات میں بھی اس اطاعت کی تاکید ہے۔اور آیات ان کے بیچ میں ہیں صریح مطلب یہ ہے کہ اگر ان کو یہ حکم دیا جاتا کہ جو جماعت تم میں سے رسولؐ کے احکام کی اطاعت نہ کرے اسکو قتل کردو، یا تم خود وہاں سے ہجرت کر جاؤ تو یہ نہ کرتے۔لیکن اگر یہ حکم صریح ان کو دیا جاتا اور وہ اس کی تعمیل بھی کرتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا، ان کو بڑا اجر ملتا، اور صراط مستقیم پر چلا دیئے جاتے۔نتیجہ نکلا کہ یہ آیات قتل ان لوگوں کے لیے ہیں جنھوں نے رسولؐ خدا کے احکام جو امت کے تعلق تھے ان کی اطاعت نہ کی اور دوسروں کو حاکم بنالیا اور جنھوں نے امام کے احکام کی تعمیل نہ کر کے جنگہائے جمل و صفین قائم کیں۔یعنی ان لوگوں کو اگر قتل کر دیا جاتا تو پھر سب کی ہدایت ہوتی اور صراط مستقیم پر چلتے۔لیکن خدا فرماتا ہے کہ اگر ہم یہ حکم صریح دے دیتے تو تم اس کی اطاعت ہی نہ کرتے لہٰذا ہم نے وہ حکم صریح نہ دیا۔اور تم کو اس عذاب سے بچا دیا جو ان احکام صریح کے نہ ماننے پر لازم آتا۔اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر چہ ہم نے حکم صریح نہیں دیا۔لیکن یہ تمہیں کرنا چاہیئے۔یہ اچھی بات ہے:۔

۴۔...وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا...[1]

ترجمہ: جو رسول تم کو دے وہ تم لے لو۔اور جس سے رسول منع کرے اس سے باز رہو۔

۵۔وہ آیات قرآنی جن سے اولی الامر کے لفظ امر کی تشریح ہوتی ہے۔مثلاً:۔

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ...[2]

ان آیات پر بہت اچھی طرح غور کرنا چاہیئے۔ان سے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں۔سب سے پہلے تو یہ دیکھو کہ جناب ختم المرسلین کو حضرت ابراہیمؑ کی امامت بھی حاصل ہے۔اور جناب رسولؐ خدا کی اطاعت بے چون و چرا کو جزو اصل ایمان قرار دیا گیا ہے محض ظاہری اطاعت کافی نہیں۔بلکہ دل میں بھی کوئی ایسا خیال نہ آنا چاہیئے جو اس اطاعت کے منافی ہو۔یعنی اطاعت تو کر لی لیکن دل میں خیال آیا کہ یہ غلط حکم تھا۔یا ہم کو اس سے نقصان پہونچا ہے تو یہ اطاعت کافی نہیں ہوگی اور ایمان ناقص ہی رہے گا۔اس میں رسولؐ کی اطاعت اور امام کی اطاعت برابر ہے۔یہ رسولؐ اور امام کا حق ہے لیکن ہر حق کے ساتھ فرض ہوتا ہے۔اور فرض

۱۔سورہ حشر ۵۹۔۷

۲۔سورہ قدر، آیت ۴

یہ ہے کہ جو حکم رسولؐ دے گا وہ اسلام اور قرآن کے مطابق ہوگا۔ عصمت کامل پر مبنی ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوا تو خدا پر اطاعت کرنے والوں کی حجت قائم ہو جائے گی۔ وہ کہیں گے کہ یہ حکم غلط تھا۔ علم و عصمت کامل پر مبنی نہ تھا۔ لیکن ہم نے تیرے حکم کی وجہ سے اس کی اطاعت کی۔ لہٰذا خدا کے لئے لازم ہوا کہ جن کی اطاعت کامل کا حکم دے رہا ہے ان کو علم کامل اور عصمت تامہ عطا کرے ہم البلاغ المبین میں بحث کر چکے ہیں کہ علم کامل آخر کار عصمت پر منتج ہوتا ہے خداوند تعالیٰ نے رسولؐ و امامؑ کو معصوم خلق کیا اور اس کی خبر بھی لوگوں کو پہنچا دی: إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا۔ اور جناب رسولؐ خدا نے عملاً اور قولاً بتا دیا کہ یہ آیت مجھ پر اور علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ پر منحصر ہے اور کوئی اس میں شامل نہیں۔ پوری بحث کے لئے دیکھو:۔ (البلاغ المبین حصہ اول ص 494 تا 512)

لفظ امر کی تشریح اس طرح ہوتی ہے۔ سورہ القدر کی چوتھی آیت ملاحظہ ہو۔

تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ

تاج کمپنی کے مطبوعہ قرآن شریف میں فتح محمد صاحب جالندھری نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے: ”اس میں روح الامین اور فرشتے ہر کام کے (انتظام کے) لئے اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں“۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اپنی تفسیر فتح العزیز میں اس آیت کا ترجمہ یہ لکھا ہے۔ ”فرود می آئند ملائکہ از آسمانہا و ارواح از مقام علیین در آں شب برائے ملاقات اہل کمال و اقتباس انوار اعمال بنی آدم۔“ ”من کل امر“ کی نسبت لکھتے ہیں۔

بیان ملائکہ و ارواح است یعنی ملائکہ ہر امر و ارواح ہر امر کہ متعلق بقرب و کمال است نزول می فرمایند ہر چند جمیع اشخاص منزول علیہم مستعد آں قرب و کمال نباشد۔

یہ دونوں ترجمہ معہ اپنی تفسیری نوٹ کے صریحاً ظاہر کرتے ہیں کہ مولوی فتح محمد صاحب اور شاہ صاحب دونوں کے دل میں کچھ بات کھٹک رہی ہے جس کو وہ ظاہر نہیں کرنا چاہتے۔ فتح محمد صاحب کا ترجمہ لیجئے۔ انتظام کے لئے اترتے ہیں۔ یہ نہیں بتایا کہ انتظام کون کرتا ہے۔ اور یہ ملائکہ و روح کس پر نازل ہوتے ہیں؟ کیا زمین پر آ کر خود ہی انتظام کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر خود ہی انتظام کرنا تھا تو پھر زمین پر اترنا بیکار تھا۔ یہ انتظام تو عالم فضا ہی سے کر سکتے تھے۔ اور پھر وہ انتظام کیا ہوتا ہے۔ حیات و ممات کا، یا تقسیم رنج و راحت کا یا تقسیم رزق کا۔ انتظام کے لئے تو ضروری ہے کہ منتظم خود بھی اپنے میدان انتظام میں موجود رہے۔ فرشتے تو ایک ہی رات میں مطلع فجر سے پہلے چلے جاتے ہیں۔ شاہ صاحب نے وضاحت فرمائی ہے کہ نہیں انتظام وغیرہ کچھ نہیں وہ تو چند اہل کمال کی ملاقات کے لیے اترتے ہیں اور نیز آدمیوں کے انوار سے اقتباس کرتے ہیں۔ ذرا اقتباس انوار اعمال کی

تشریح ہوجاتی تو اچھا تھا۔ آگے چلئے اتنا تو کہہ دیا کہ وہ چند آدمیوں پر نازل ہوتے ہیں۔ اتنا ہی بہت کچھ تھا لیکن کل بنی آدم کے اعمال کے انوار سے اقتباس کرنا ایک اور چیستان ہے۔ جس کے حل سے اجتناب فرمایا گیا ہے اعمال کے انوار کا اقتباس اسکو سمجھئے اگر سمجھ سکتے ہیں۔

''من کل امر'' ایک اور مشکل جملہ تھا۔ اس کی توضیح اس طرح فرمائی گئی کہ فرشتگان ہر امر اور ارواح ہر امر اصل میں تو روح بصیغۂ واحد ہے۔ جس کو مولوی فتح محمد صاحب نے روح الامین سمجھا۔ شاہ صاحب نے اس واحد کو جمع کیوں بنایا۔ غالباً اس لئے کہ ان پر لفظ ہر امر چسپاں ہوسکے۔ امر سے یہاں شاہ صاحب نے مطلب صفت، خصلت، یا اہلیت و قابلیت سے لیا ہے۔ ایک روح میں تو ساری صفات و کمالات کا اجتماع تو شاہ صاحب نے مناسب نہ سمجھا۔ شاید اس وجہ سے کہ اگر یہ اصول مان لیا تو کہیں امام کو جامع ہر صفات نہ ماننا پڑ جائے۔ یہ بھول گئے جو انھوں نے اپنی گرانمایہ کتاب مناظرہ تحفہ اثنا عشری میں لکھا تھا۔ اس کا ذکر ہم ابھی کرتے ہیں۔ لہذا بے شمار کمالات کے لئے عالم علیین میں سے بے شمار ارواح کو لانا پڑا۔ اور قرآن شریف کی ایک روح کو کئی روحیں بنانا پڑا۔ اگر ان کمالات کی تفصیل کردی جاتی اور ان کو شمار کی قید میں لے آیا جاتا تو زیادہ وضاحت ہوجاتی۔ موجودہ صورت میں تو شاہ صاحب کا مطلب واضح نہ ہوا۔ ملائکہ کے جداگانہ کمالات کی بھی تشریح نہ کی گئی۔ پھر یہ بھی آپ فرماتے ہیں کہ جن آدمیوں کی ملاقات کے لئے وہ ارواح اور ملائکہ نازل ہوتے ہیں وہ درجۂ کمال و قرب میں ان ارواح و ملائک سے نیچے درجہ کے ہوتے ہیں۔ اپنے سے کمتر آدمیوں کی ملاقات سے کیا فائدہ اور اس کے لئے آسمان سے زمین پر آنے کی تکلیف کیوں برداشت کی جائے۔ اس ملاقات میں کیا کرامت و عظمت ہے کہ معمولی رات کو شب قدر میں تبدیل کردیتی ہے۔ ''سلام ہی حتی مطلع الفجر''۔ یہ ملاقات متعلمانہ حیثیت سے ہوتی ہے یا معلمانہ تمکنت سے یا محض دوستانہ بے تکلفی سے۔ ایک آیت کی تفسیر کیا فرمائی اس کو متعدد چیستانوں میں تبدیل کردیا۔ اور ہر چیستان ایک معمۂ لاینحل بن گئی۔

دوسرے فریق کے نقطۂ نگاہ سے یہ بحث ہوتی ہے۔ جس کو مولوی مقبول احمد صاحب مرحوم نے اپنے ترجمہ قرآن کے ضمیمہ میں لکھا ہے۔ ''امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے۔ جس کا سلسلہ رواۃ جناب رسولؐ خدا تک پہنچتا ہے کہ حضرت جبریل (روح الامین) اور دیگر ملائکہ ہر شب قدر کو جناب رسولؐ خدا اور ان سے پہلے کے انبیاء پر تمام احکام خداوندی و تقسیم قدرات لے کر نازل ہوتے۔ انکے بعد حضرت علیؑ پر اور ان کے بعد دیگر ائمۂ اہلبیت علیہم السلام پر نازل ہوتے رہے یہاں تک کہ اب امام زماں حضرت صاحب العصرؑ پر نازل ہوتے ہیں۔

کیا یہ بیان واقعہ زیادہ مطابق عقل و فہم نہیں ہے بہ نسبت ان چیستانون کے جو فتح محمد صاحب اور شاہ صاحب کے دماغوں

نے ایجاد کئے ہیں۔ یہ اعتراض کہ امام غائب کا کیا اثر اور ان سے کیا فائدہ قابل توجہ نہیں ہے۔ اس کو تفصیل سے غیبت کے نیچے ہم نے اپنی کتاب فلسفۂ اسلام حصۂ دوم میں بیان کیا ہے۔ یہاں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ پہلے یہ فیصلہ کیا جائے کہ غائب کس کو کہتے ہیں۔ کیا ہر وہ شیٔ یا شخص غائب کہلائے گا جو نظروں سے غائب ہے۔ مثلاً دور کمرے میں بیٹھا ہوا شخص جو میری نظر سے غائب، لندن میں رہنے والا میرا رشتہ دار جو نظروں سے غائب ہے۔ خدا فضاء افواج شیاطین یہ سب نظروں سے غائب ہیں۔ لیکن ان کے اثرات انسانوں کی زندگی پر اثر انداز ہو رہے۔ کیا ان کا کچھ فائدہ نہیں اگر ہے تو امام غائب کے لئے یہ اعتراض کیوں قائم کیا جائے۔ یہاں ہم ایک جدول امتیازیہ لکھتے ہیں جس سے امامت اور رومانوی سٹیٹ کے اصول ان کے مقاصد، ان کی قدرات اور کہنا چاہتے ہو تو کہہ دو کہ ان کی سیاست کا فرق اچھی طرح نمایاں ہو جائے گا اور دونوں کی ہیئت اچھی طرح آنکھوں کے سامنے آجائے گی۔

جدول امتیازیہ

رومانوی اور موجودہ یورپین سٹیٹ اور اسکے اصول   اسلامی امامت اور اس کے اصول

ا۔ سٹیٹ کے حکام مقرر کرنا ملک کے باشندگان کی اکثریت کا حق ہے۔

۲۔ انھیں نہیں معلوم کہ اکثریت کو یہ حق کب اور کس سے ملا۔   تمام حکومت خدا کے لئے۔ اور حکومت الٰہیہ کے لئے امام مقرر کرنا خدا کا کام ہے۔

۲۔ خدا مالک کو نین ہے۔ جس کو امامت کے لئے خلق کرتا ہے اس کو حکومت عطا کرتا ہے۔

۳۔ شہریوں اور غیر شہریوں میں تمیز ہے۔ حق رائے دہندگی فقط شہریوں کو حاصل۔   ۳۔ خدا کے بندوں میں یہ تفریق ناجائز ہے۔ اگر تفریق ہو سکتی ہو تو نیک (اسلام) اور بد (غیر اسلام) کی ہو سکتی ہے۔

۴۔ سٹیٹ کو حق قانون سازی حاصل ہے۔   ۴۔ امامت و حکومت اسلامیہ کو جدید قانون بنانے کا حق نہیں ہے۔ اسکا سارا قانون قرآن شریف میں محفوظ ہے صرف اس کی تاویل یعنی lication ahp کا حق ہے۔

۵۔ سٹیٹ کی اپنی جائداد منقولہ وغیر منقولہ ہوتی ہے جس سے وہ افواج رکھتی ہے اور انعامات واقطاع و جاگیرات سے صاحب رسوخ اشخاص کو اپنے قابو میں اور اپنی طرف رکھتی ہے۔   ۵۔ اسلام میں امامت کے لئے یہ ممنوع ہے۔ سب کو مساوی وظائف ملتے ہیں۔ سپاہی یا غیر سپاہی اور بارسوخ و بے رسوخ کی تمیز غیر اسلامی ہے۔

۶۔ سٹیٹ کے پاس جو مال آتا ہے وہ محض گورنمنٹ کے لئے ہے۔   ۶۔ وہ مال تمام مسلمانوں کی ملکیت ہے۔

جائداد غیر منقولہ بھی مستحقین میں تقسیم ہونا چاہیے۔ یہ قاعدہ alism Impiri کی جڑ کاٹتا ہے۔

۷۔ بیرونی فتوحات سٹیٹ کا ایک مقصد عظمیٰ ہے اور وہ ہی حاکم کو لقب اعظم کے لئے مستحق بناتی ہیں۔ ۷۔ امامت کو صرف جنگ دفاعی کی اجازت ہے، اسی کو جہاد کہتے ہیں۔ بغیر وجہ معقول کے دوسرے پر چڑہائی کرنا ممنوع ہے۔ اس سے اسلام بدنام ہوتا ہے اور اس کے خلاف نفرت پھیل جاتی ہے۔

۸۔ سٹیٹ اور عوام الناس کے درمیان ایک نا قابل عبور خلیج ہوتی ہے۔ حکومت کے وقار کے لئے عجب، رعب، تمکنت اور دوری ضروری ہے۔ ۸۔ عوام الناس سے مل کر بھائیوں کی طرح رہنا ضروری ہے کیونکہ جتنا قرب ہوگا اور دوری کم ہوگی اتنا ہی امامت کا مقصد یعنی ہدایت پورا ہو سکے گا۔ امام کے لئے عجب، تمکنت اور دوری شایاں نہیں۔

۹۔ رومانوی اور اس کے جانشین یورپین سٹیٹ کی پالیسی اور سیاست کے ضروری اجزاء کارکن کذب، فریب، خفیہ ریشہ دوانی، جبر واستبداد ہیں۔ اکثریت کی غلامی اور اقلیت پر جور اسکے دو ارکان ہیں جن پر وہ مبنی ہے۔ ۹۔ امامت میں یہ گناہان کبیرہ ہیں اور امامؑ کے لئے نا قابل عفو عصیان ہے۔ جس کے لئے جہنم سے ورے کوئی سزا ہی نہیں۔

۱۰۔ حکومت اور مذہب کی علحدگی لازمی ہے۔ ۱۰۔ امامت کا مقصد اولیٰ ہی مذہب کی اعانت اور مذہبی روش پر چلنا ہے۔

مسلمانوں نے اپنی اس حکومت کے لئے جو انھوں نے بعد رحلت رسولؐ قائم کی تقریباً ان تمام رومانی تخیلات و اصول کو اپنی حکومت میں داخل کر لیا۔ لیکن یہ کوشش کی کہ کسی طرح یہ نہ ظاہر ہو کہ وہ غیر اسلامی سٹیٹ کی تتبع کر رہے ہیں۔ اپنی اس کوشش کو شریعت اسلامیہ کے اصول ونظریات کے تغیر وتبدل اور صریح وصحیح واقعات تاریخیہ کی صورت میں عملی جامہ پہنایا۔ اور اس روش پر اس حکومت کو چلایا کہ آخر کار بالکل نمایاں بلکہ عریاں صورت میں وہ رومانوی حکومت کی تصویر بنجائے اور پھر ان کے مقلدین نے طویلہ کی بلا بندر کے سر ڈالدی کہ یہ تو شاہان بنو امیہ تھے جنھوں نے ہماری خلافت راشدہ کو رومانوی حکومت میں تبدیل کر دیا۔ حضرت عثمان یہ ہی کہتے ہوئے قتل ہو گئے کہ میں تو وہی کر رہا ہوں جو مجھ سے پہلے ابو بکر و عمر کر گئے ہیں پھر مجھ پر یہ لے دے کیسی۔ حضرت معاویہ نے بھی اس کو صریحاً دہرایا جب انھوں نے محمد بن ابی بکر کے خط کے جواب میں لکھا کہ اے اپنے باپ سے منحرف۔ میں اس ہی راستہ پر چل رہا ہوں۔ جس پر تیرا باپ اور ان کا دوست عمر چلے تھے۔ مجھ پر نکتہ چینی کرنے سے پہلے ان دونوں پر نکتہ چینی کر۔ حضرت معاویہ سے حضرت عمر اکثر خلوت میں راز کی باتیں کیا کرتے تھے ایک دفعہ امام حسینؑ کو باہر انتظار کرنا پڑا جب وہ دونوں خلوت راز میں تھے۔ یزید ابن ابی سفیان کو فتح ہونے سے پہلے شام کے لئے نامزد

کر دیا۔ جب شام فتح ہوا تو حضرت ابوبکر نے یزید کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔ اس کے مرنے پر معاویہ مقرر ہوئے۔ ہر ایک عامل سے حضرت عمر باز پرس کیا کرتے تھے لیکن کبھی ان سے نہ کی۔ شام ہی ایسا ملک تھا اور شام کے حکام ہی اپنے تھے جن سے اس کام کی تکمیل کی امید ہو سکتی تھی۔ چنانچہ وہ امید پوری ہوئی۔ خود خلافت صدر اول میں یہ تغیر بہت حد تک ہو چکا تھا۔ قاعدہ ا بہت ضروری تھا۔ اس پر عمل کرنے سے پہلے یہ مشہور کیا گیا کہ جناب رسولؐ خدا نے کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین اور اس امت کا حاکم مقرر نہیں کیا لہذا لوگوں کا حق ہے کہ وہ اپنا حاکم خود مقرر کریں۔ یہ ہی کہہ کر حضرت ابوبکر عمر سقیفہ بنی ساعدہ کی طرف تشریف لے گئے۔ قاعدہ ۲ پر غور کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ جو ہمارا ہمسایہ روم کرتا ہے وہ ہی ہم کریں گے۔ جہاں تک قاعدہ ۳ کا تعلق ہے بجائے شہریوں اور غیر شہریوں کے انصار و مہاجر کی تفریق پیدا کر دی اور قرار دیا کہ انصار کا یہ حق نہیں ہے کہ حاکم ان میں سے ہو اور سقیفہ میں وہ تدابیر اختیار کر کے جن کا ذکر ہم نے البلاغ المبین حصہ دوم میں کیا ہے۔ ان تین مہاجروں میں سے جو سقیفہ میں موجود تھے۔ ایک خلیفہ بن گیا۔ دوسرے کو حضرت ابوبکر نے نامزد کر دیا۔ تیسرے عبیدہ ابن الجراح کی نسبت حضرت عمر کو افسوس ہی رہا کہ اگر وہ زندہ رہتے تو میں ان کو خلیفہ مقرر کرتا لیکن آزادی عمل کے لئے ان سے پیچھا چھڑانا ضروری تھا۔ چنانچہ طاعون عمواس نے یہ کام بھی کر دیا۔ اور اب شوریٰ اس ترکیب سے مقررہ ہوئی کہ سوائے حضرت عثمان کے کوئی اور خلیفہ ہی نہ ہو سکے اور یہ بھی حکم دیا گیا کہ جو اس تجویز سے انحراف کرے اس کا سر قلم کر دو۔ حضرت علیؑ نے اس تجوید سے محفل شوریٰ میں انکار کیا۔ اگرچہ اصول قتل تو مقرر ہو گیا تھا لیکن اس کے زیر عمل آنے کے لئے زمانہ نا مساعد تھا وہ جا کر کربلا تک ٹھیک ہوا اور پھر اس حکم کی تعمیل شہادت حسینؑ کے ذریعہ سے کی گئی۔

قاعدہ ۴ کو بالکل عملاً اپنے عقائد کا محرک بنا لیا۔ اگرچہ ظاہر تو نہیں کر سکتے تھے کہ ہم قرآن کی شریعت کو تبدیل کر رہے ہیں۔ لیکن اتنی دور از کار اسکی تاویلیں کیں اور اتنے اصول و عقائد صریحاً اور قطعاً اسکی آیات کے خلاف مقرر کر لیے کہ وہ بالکل تبدیل ہو گیا۔ اگر اسکی تفصیل ملاحظہ کرنی ہے تو ہماری کتاب "التفریق والتحریف فی الاسلام" ملاحظہ کی جائے۔ صرف اختیاراً ہم یہاں کچھ لکھتے ہیں؛ قرآن شریف نے اصول قائم کر دیئے ہیں ہر مقدمہ کے جدید حالات ان اصول کے مطابق فیصلہ کیے جا سکتے ہیں بذریعہ اجتہاد و استنباط یہ فیصلہ ہو سکتا ہے۔ اور اس اجتہاد و استنباط کا حق فقط امام کو ہے کیونکہ ہمارے عقائد کے مطابق اس میں علم کامل ہوتا ہے، وہ بھی اپنے قیاس پر عمل نہیں کر سکتا بلکہ قرآن شریف ہی کے اصول پر فیصلہ کریگا لیکن خلافت صدر اول کے تین خلفاء نے ہر ایک عالم کو اپنے قیاس پر عمل کرنے کی اجازت دیدی جس کی وجہ سے قرآن کی تفسیر بالرائے ہو گئی اور اسلام میں ہر ایک دلیر عالم کے نام سے ایک فرقہ بن گیا۔ سواد اعظم میں چار فرقے تو مشہور ہی ہیں، حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی۔ لیکن

اس کے علاوہ اور بہت سے فرقے ہو گئے مثلاً اشعریہ، شیبانیہ، سالمیہ، محمودیہ وغیرہم جنھوں نے امام منصوب من اللہ سے انحراف کر کے اپنے قیاس پر عمل کیا سب اس میں آتے ہیں۔ خواہ وہ اہلسنت و جماعت میں سے ہوں یا ان غلاۃ شیعوں میں سے جنھوں نے اپنے قیاس پر عمل کیا لیکن یہ قیاس کا مرض ایجاد کیا ہوا حضرت ابوبکر و عمر کا ہے۔ الفاروق میں مولوی شبلی نے حضرت عمر کی اس آزادی قیاس کی بہت تعریف کی ہے۔ ان دونوں بزرگواروں کے طریقہ قضاء پر نظر ڈالیے۔ علامہ عبدالسلام ندوی تحریر فرماتے ہیں جب حضرت ابوبکر کے سامنے کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو وہ پہلے کتاب اللہ پر نظر ڈالتے۔ اور اگر اس میں حکم مل جاتا تو اس پر فیصلہ کرتے لیکن اگر کتاب اللہ میں وہ حکم نہ ملتا تو حدیث پر نظر دوڑاتے اور اگر ان کے پاس کوئی قابل فیصلہ حدیث ہوتی تو اسی کے موافق فیصلہ کرتے لیکن اگر تلاش کے بعد بھی حدیث نہ ملتی تو لوگوں سے دریافت فرماتے کہ اس مسئلہ میں کسی کو رسولؐ اللہ کا کوئی فیصلہ معلوم ہے اس حالت میں اکثر لوگ اٹھ کر کہتے کہ آپ نے اس معاملہ میں یہ فیصلہ کیا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ایسا ہی کرتے تھے، لیکن اگر ان کو وہ مسئلہ قرآن و حدیث میں نہ ملتا تو اس کے متعلق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ دریافت فرماتے"، صحابہ کے سامنے ایسے مسائل بھی پیش ہوئے تھے جنکے متعلق قرآن و حدیث میں کوئی تصریح نہیں ہوتی تھی اس حالت میں ان کو مجبوراً قیاس کرنا پڑتا تھا جس کو وہ لوگ رائے سے تعبیر کرتے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب قرآن مجید میں کوئی تصریح نہ پاتے اور لوگوں کے پاس حدیث بھی نہ ملتی تو لوگوں کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتے اور جب کسی چیز پر ان کا اتفاق رائے ہو جاتا تو اسکے مطابق فیصلہ کرتے۔ حضرت عمر کا طرز عمل بھی یہی تھا۔ اور یہ ہی مشورہ اپنے قاضیوں اور عالموں کو دیتے تھے اگر کوئی چیز قرآن و حدیث میں نہ ملے تو غور کے بعد اپنے قیاس پر عمل کرو۔" دیکھو تاریخ فقہ اسلامی یعنی تاریخ التشریع الاسلامی تالیف علامہ محمد الخضری کا اردو ترجمہ از عبدالسلام ندوی ص ۱۶۹، ۱۷۰

یہ ہے عملی تفسیر حضرت عمر کے مشہور دعوی حسبنا کتاب اللہ کی قرآن کو ابھی نازل ہوئے ہی کتنے دن ہوئے تھے کہ اس کو ناکافی اور ناقص مان لیا۔ حضرت ابوبکر کو اپنی اتنے قلیل عرصہ کی خلافت میں ایسے معاملات پیش آئے جو قرآن سے بھی نہ حل ہوئے اور لوگوں کے قیاس و رائے کی طرف رجوع کیا گیا۔ جناب رسولؐ خدا کے نسبتاً بارہ گنے زمانے میں ایسے معاملات نہ پیش آئے جو قرآن کو ناکافی ثابت کر دیں اور اصحاب کی طرف رجوع کرنا پڑے۔ وہ بھی تو تمام فیصلے قرآن شریف ہی سے کرتے تھے، اپنی رائے سے نہیں کرتے تھے۔

یہ تو قرآن کا نقص ثابت ہوا۔ امام المسلمین کی جہالت بھی کیسی نمایاں ہے۔ قرآن سے اجتہاد اور استنباط کرنے کی اہلیت ہی نہیں۔ ان سے زیادہ احادیث عام مسلمانوں کے پاس ہیں۔ اسلامی امامت کے لئے ایسا جاہل اور کم علم امیر موزوں نہیں۔ ممکن

ہے کہ جمہوریت کے غلط معنی لینے والے اس طریقۂ قضا کو پسند کریں۔ شاید کوئی جج آجکل بھی ایسا جاہل ہو جو اپنی کچہری کے احاطہ کے تمام حاضرین کو جمع کر کے ان سے پوچھے کہ بتاؤ میں کیا فیصلہ کروں۔ مجھے مجموعہ تعزیرات فوجداری یا ایکٹ معاہدہ میں اس مقدمہ کے حالات کے مطابق ہدایت نہیں ملتی۔ یا اگر اس کے احاطہ کچہری میں سب جہلاء ہی ہوں تو ایک گشتی سرکلر تمام ملک میں جاری کر دے کہ آؤ اور مجھے صلاح دو۔ حضرت علیؑ نے یہ طریقۂ قضا اختیار نہیں کیا وہ تو علی الاعلان صلائے عام دیتے تھے کہ ''سلونی قبل ان تفقدونی''، جس کے متعلق جناب رسول خدا فرما چکے ہوں کہ ''انا مدینۃ العلم وعلی بابھا فمن اراد العلم فلیات الباب'' جس کے صحیح فیصلوں سے متاثر ہو کر حضرت عمر کہیں کہ ''لولا علی لہلک عمر'' وہ کیا فقہ میں صحابہ کی رائے کا محتاج ہوگا۔ اس کو گردش روزگار کہیں یا گردش قسمت مسلمانان کہ ایسے عالم کی موجودگی میں ایسے لوگ مسند اقتدار پر جلوہ گر تھے۔

یہ تو ان لوگوں سے گفتگو تھی جنھوں نے خاص وقت میں خاص مشکل کو ٹالنے کے لئے حسبنا کتاب اللہ فرمایا تھا۔ اس خوشنما جملہ پر جتنا عمل سقیفہ میں یا اس کے بعد ہوا ظاہر ہے غیر مسلم مصنفین اور مورخین کی بھی سن لیں وہ کیا کہتے ہیں۔ اپنی انجیل، اپنی ویدوں اور اپنی ژند و پاژند کو دیکھ کر اور مسلمانوں کے اس طرز عمل سے دلیر ہو کر وہ کہتے ہیں کہ بھلا کہیں ساتویں صدی کے قرآن میں بیسویں صدی کے مسائل کا حال مل سکتا ہے مسلمانوں سے ان کا تعصب ناروا کہلا رہا ہے کہ ہمارے قرآن میں آجکل کے تمام مسائل کا حل موجود ہے اپنے اس اعتراض کی تائید میں سب سے پہلے انھیں چاہیئے کہ وہ ان جدید مسائل مہمہ کو شمار کریں جو ساتویں صدی عیسوی تک پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اب درمیان میں پیدا ہو گئے اور قرآن کے بتائے ہوئے اصول سے وہ طے نہیں ہو سکتے۔ جب تک وہ اس امر واقعہ پر نہ آئیں اس وقت تک یہ لمبی چوڑی فصاحت و بلاغت جو محض خیالی تعصب پر مبنی ہے کام نہ آئے گی ثروت و افلاس کے تنازعات آقا و مزدور کی کش مکش، عورت و مرد کے تعلقات، حکام کے ظلم محکوموں کی مجبوریاں، یہ سب کچھ ساتویں صدی سے پہلے پہلے زیر غور آ چکے تھے۔ ان سب کا ذکر اور حل قرآن شریف میں موجود ہے۔ حکومت کا ہر نمونہ اس وقت تک دنیا میں زیر عمل آ چکا تھا۔ شخصی طرز حکومت انتخابی طرز حکومت یونان و روم کا جمہوریت آمریت قیصریت و بادشاہت روم کے آخر زمانہ کی۔ ان سب صورتوں کا تجربہ ہو چکا تھا، سکندر، دارا ہنی بال اور قیصر جیسے فاتحان اور ان کی حکومت کے انجام، اور Belissaeius جیسے فاتح جنرل کی وفاداری اور پہلے عیسائی قیصر lustuioue کی اس کے ساتھ بے وفائی دنیا بنظر عبرت دیکھ چکی تھی؛ حکومت کے متعلق سب اصول قرآن شریف میں بیان کر دیئے گئے ہیں اور ان کے متعلق سب احکام صادر کر دیئے ہیں۔ ان احکام و اصول اور ان کے محل استعمال کا معلوم کرنا امام کا کام ہے۔ ان اصول و قواعد کو نہ سمجھنا اور کہہ دینا کہ اس قسم کے مقدمہ یا تنازعہ کے لئے قرآن شریف میں کوئی اصول ہی درج نہیں ہے قرآن شریف کی کمی نہیں بلکہ اپنی

عقل کے نقص کا اقبال ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیاس کی آزادی کسی خاص غرض کے لیے حاصل کی جارہی تھی اور اس پر زور دیا جارہا تھا۔

قاعدہ ۵و۶

اصول و مقاصد امامت کی رو سے یہ قاعدے بالکل غلط ہیں اور حکومت الہیہ میں ان کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ یہ وہاں بروے کار آسکتے ہیں

جہاں iMPOIALISM کی اجازت ہے۔ امامت میں اس قسم کی دست برد جس کا نام تکلفاً امپریلزم رکھا گیا ہے ناجائز ہے لہذا یہ قواعد بھی ناجائز ہیں لیکن اس حکومت میں جہاں جناب فاطمہؑ سے فدک لینا تھا اور لوگوں کو اپنی طرف کرنے کے لئے مال و زرکا انعام و اقطاع و جاگیرات دینے تھے ان قواعد پر عمل کیا گیا۔ اور بہت سختی سے عمل کیا گیا امپریلزم کے لیے خزانہ و افواج ضروری ہیں اور یہ دونوں چیزیں حضرت عمر نے ایران وشام کی تاسی میں اختیار کیں۔ مولوی شبلی اپنے ''الفاروق'' میں ان دونوں کو حضرت عمر کی اولیات میں فخراً بیان کرتے ہیں اور اس کو حضرت عمر کی فراخدلی کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں کہ انھوں نے کفار ایران وشام و روم کی پیروی کی معلوم نہیں اس سے حضرت عمر کی فراخ دلی ثابت ہوتی ہے یا ان کا میلان ان کفار کے کفر و عمل کی طرف ظاہر ہوتا ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو ہماری کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام، البلاغ المبین حصہ دوم اور فلسفہ اسلام حصہ دوم۔

جناب رسولؐ خدا کے زمانہ میں جماعت مسلمین کی آمدنی کے ذرائع یہ تھے۔ زکوٰۃ، خراج، جزیہ، خمس، غنیمت اور فے۔ اور ان سب کے لئے قرآن شریف میں ہدایات درج ہیں۔ ان میں سے زکوۃ و صدقات، خراج اور جزیہ تمام مسلمانوں کی جماعت کا حق ہوتا تھا۔ غنیمت کا ۵/4 حصہ ان مسلمان افواج کا ہوتا تھا جو لڑائی میں شامل تھے جس میں یہ غنیمت حاصل ہوئی تھی۔ خمس اور فے محض خدا اور رسولؐ خدا کے ذوی القربیٰ کا حق ہوتا تھا۔ جزیہ کا حکم فقط ایک آیت میں ہے اور وہ سورہ توبہ ۲۹:۹ ہے۔ اسمیں حکم دیا گیا ہے کہ ''اہل کتاب میں سے ان لوگوں سے لڑو جو (۱) خدا اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے (۲) جو خدا اور رسولؐ خدا کی حرام کردہ امور کو حرام نہیں سمجھتے اور (۳) نہ دین حق قبول کرتے ہیں جب تک وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دے دیں۔''

غنیمت کی آیت پارہ دس سے شروع ہوتی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے ''اور جان لو کہ جو کچھ تم مال (لڑکر) لو تو اس میں کا پانچواں حصہ خدا اور رسولؐ خدا اور (رسولؐ کے) قرابتداروں، یتیموں، مسکینوں اور پردیسیوں کا ہے۔'' یہ خمس ہوا۔

جناب رسولؐ خدا کے خاص مال، فے کا ذکر سورہ الحشر ۵۹: ۶،۷ میں درج ہے ان کا ترجمہ یہ ہے ''اور جو مال حق تعالیٰ نے

اپنے رسول کو ان لوگوں سے لڑے بغیر عنایت کیا ہے تو اس پر نہ تو تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ اونٹ، لیکن اللہ نے اپنے رسولوں کو جس جس پر چاہتا ہے مسلط فرما دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر (پوری پوری) قدرت رکھنے والا ہے۔ دیہات والوں کا جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بدون جہاد عنایت کیا ہے وہ اللہ کا ہے اور رسولؐ کے قرابت داروں کا اور (ان ہی کے) یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا ہے تا کہ وہ مال (غنیمت) تمہارے دولتمندوں کے مابین نہ چکر کھاتا پھرے۔"

اس کو رسولؐ کے قربت داروں ان کے یتیموں اور مسافروں میں اس وجہ سے منحصر کیا ہے کہ ان کو زکوۃ وصدقات سے محروم کر دیا ہے۔ وہ ان کے اوپر حرام ہیں۔ دیکھو مصارف زکوۃ وصدقات جو سورہ توبہ ۹: ۶۰ میں درج ہیں وہ باقی تمام مسلمانوں کے لیے ہیں۔ آخری جملہ میں اس کی مصلحت سے بھی آگاہ کر دیا گیا ہے۔

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ آنحضرت فوراً ہی مال کے آتے ہی ایک جلسہ میں تقسیم فرما دیا کرتے تھے۔ مولوی شبلی کس صراحت سے یہ بیان کرتے ہیں خزانہ (بیت المال) کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"یہ صیغہ بھی حضرت عمر کی ذات سے وجود میں آیا آنحضرت کے زمانہ میں سب سے اخیر جو رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جس کی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی۔ لیکن آنحضرت نے یہ کل رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابو بکر نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ قائم نہیں کیا۔ بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا۔" (الفاروق حصہ دوم ص ۷۴)

آگے چل کر مولوی شبلی صاحب لکھتے ہیں کہ جب حضرت عمر کے زمانہ میں بحرین کا خراج آیا تو حضرت علیؑ نے مشورہ دیا کہ اس کو خزانہ میں جمع نہ کیا جائے۔ بلکہ فوراً ہی تقسیم کر دیا جائے لیکن حضرت عمر نے اس رائے کو نہ مانا اور سلاطین روم وشام و ایران کی پیروی میں خزانہ اور دیوان کا جداجدا محکمہ قائم کیا۔ اور بقول شبلی کفار ان ایران وشام کی پیروی کی (الفاروق حصہ دوم 75)۔

آراضیات کے لیے بھی یہی حکم تھا کہ وہ لڑنے والوں میں تقسیم کر دی جائیں جس طرح آنحضرت نے خیبر میں کیا تھا۔ وجہ و مصلحت یہ تھی کہ اسلام امپریلزم اور توسیع مملکت کے خلاف ہے، جن آراضیات کو حفاظت خود اختیاری میں فتح کرنا ضروری ہے وہ تھوڑی سی ہوں گی ان کو سپاہیوں میں تقسیم کردو مملکت کو محض مملکت کی غرض سے وسعت دینا اسلام میں ممنوع ہے اور یہ قاعدہ اس ممانعت کی تائید کرتا ہے کیوں کہ بڑے بڑے ممالک تو اس طرح سپائیوں میں تقسیم نہیں ہو سکتے یہ قاعدہ امپریلزم اور توسیع مملکت کے خلاف ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت نے خیبر فتح فرمایا تو اسکی آراضیات کو ان لڑنے والے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا۔ اور وہاں کے یہودی باشندوں کو محض ان کی استدعا پر برائے کاشت ان آراضیات پر رہنے دیا آراضی کاشت کرتے تھے اور پیداوار کا کچھ حصہ ادا کرتے تھے، کہتے ہیں کہ تین تین کاشتکار ایک ایک مسلمان کے حصے میں آئے لیکن حضرت عمر نے جو

رومانوی طرز کی حکومت تیار کر رہے تھے جس کا مقصد امپریلزم اور توسیع مملکت ہوتا تھا جناب رسولؐ خدا کی مخالفت کرنی پسند فرمائی اور تمام یہودیوں کو نکال کر آراضیات پر اپنی حکومت کا قبضہ کرلیا۔ جناب رسولؐ خدا نے اہل نجران کے ساتھ بھی ایسا ہی معاہدہ کیا تھا اور اس کو تحریر کر کے انھیں دیدیا تھا۔ حضرت ابوبکر نے اس عہدنامہ کی تکریم کی اور اس کو قائم رکھا۔ لیکن حضرت عمر نے ان کو نکال کر ان کی آراضیات پر قبضہ کرلیا۔

مؤلفۃ القلوب کی بھی ایک جماعت تھی جن کو جناب رسولؐ خدا غنیمت و زکوۃ میں سے حصہ دیا کرتے تھے اور ایک تحریری دستاویز بھی لکھ دی تھی۔ آنحضرتؐ کے بعد اس جماعت کے سرداران اس تحریر کو حضرت ابوبکر کے پاس لے گئے اور انھوں نے اس طریقہ کو قائم رکھا۔ جب حضرت عمر خلیفہ ہوئے تو سرداران جماعت قریش ان کے پاس آنحضرتؐ کی لکھی ہوئی دستاویز لے گئے۔ لیکن حضرت عمر نے (خدا ان سے بہت بہت خوش ہو) وہ عہدنامہ ان کے ہاتھ سے لے کر چاک کر کے پھینک دیا اور فرمایا کہ جب آنحضرت نے دستاویز لکھی تو اسلام کمزور تھا تمھاری ضرورت تھی۔ لیکن اب اسلام طاقتور ہوگیا۔ اب تمھاری ضرورت نہیں رہی۔ دیکھو Aghmides P.Introdution to Mohammad lao by Nicolas P . 450.

اس واقعہ پر تنقید نہ کرنا ہی مناسب ہے۔ کیا جناب رسولؐ خدا کے معاہدات اس ہی اصول پر مبنی ہوا کرتے تھے؟ پھر تو غیر مسلمین کے بہت سے اعتراضات کو ماننا پڑے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ جناب رسولؐ خدا مکہ میں کمزور تھے تو کہہ دیا کہ ''لا اکراہ فی الدین'' اور جب مدینہ میں طاقتور ہوگئے تو کہہ دیا کہ ''واقتلوہم حیث ثقفتموہم'' حضرت عمر نے اپنے عمل سے اس اعتراض کو بالکل مضبوط کردیا گویا ان ہی کی طرف سے بحث کی لیکن یہ اعتراض غلط ہے۔ ہم نے البلاغ المبین حصہ دوم ص 585 لغایت 59 میں اس کو اچھی طرح ثابت کیا ہے اور اس اعتراض کی تردید کی ہے۔

جب حضرت عمر کے زمانہ میں ارض سواد فتح ہوا تو انھوں نے برخلاف عمل رسولؐ ان آراضیات کو لڑنے والے مسلمانوں پر تقسیم نہ کیا۔ بلکہ اپنی حکومت میں شامل کرلیا۔ اس ہی وجہ سے علماء وفقہاء نے اس کو غصب کی زمین قرار دیا اور وہاں اقامت و عبادت کو ناجائز ٹھرایا احمد حنبل، سفیان ثوری بلکہ تمام علماء کی ہی یہ رائے ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے، لیکن بعد میں جب حکمراں آئے قدرتی طور پر انھیں حضرت عمر کا طرز عمل پسند آیا اور انھوں نے ان کی ہی پیروی کی۔ اس طرح حکومت کو رومانوی نمونہ پر لانے کا عمل مکمل ہوگیا۔ اور عمل رسول کو چھوڑ دیا گیا۔ اگر عمل رسولؐ کا تتبع کیا جاتا تو اسلام میں نہ تو امپریلزم ہوتا اور نہ ظالمانہ اور مضر توسیع مملکت ہوتی۔ معاملہ سواد اور اس کی غصبی حیثیت پر علامہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ بغداد میں بہت عمدہ بحث

کی ہے۔ دیکھو تاریخ بغداد الجزء الاول ص ۴ لغایت ۱۳۔ یہ بہت عمدہ ہے اور پڑھنے کے لائق ہے۔

ایسی حضرت عمر کے عمل کی سیکڑوں مثالیں ہیں کہاں تک ان کا ذکر کیا جائے۔ فدک کا اور ذکر کیئے دیتے ہیں جس میں حضرت عمر نے ایک پنتھ دو کاج بلکہ تین کاج کا کام لیا۔ فدک پر مسلمانوں نے چڑھائی نہیں کی۔ اہل فدک نے خیبر کی فتح کو دیکھ کر آنحضرت سے صلح کر لی۔ اور ان کی آراضیات آنحضرتؐ کی ملک ہوگئیں جو آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؑ کے حق میں ہبہ کر دیں، حضرت ابو بکر کے زمانہ میں جناب فاطمہؑ نے ہبہ کی بنا پر فدک کا دعویٰ کیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ ہبہ مع قبضہ کے تھا۔ دعویٰ کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی کہ حضرت ابو بکر نے (خدا ان سے بہت بہت خوش ہو) فدک پر جبراً قبضہ کر لیا۔ حضرت فاطمہؑ نے حضرت علیؑ ام ایمن اور حسنین علیہم السلام کو گواہی میں پیش کیا۔ حضرت ابو بکر نے تو دعویٰ فاطمہ منظور کر کے فدک کے متعلق ایک وثیقہ لکھ کر انھیں دیدیا۔ وہ اسے لے کر باہر آئیں تو حضرت عمر مل گئے۔ اور وہ وثیقہ حضرت فاطمہؑ کے ہاتھ سے لے کر چاک کر ڈالا۔ دیکھو سیرۃ حلبیہ الجزء الثالث ص 400 ہم نے فدک کا ذکر تفصیل سے سیرۃ فاطمہ زہرا مطبوعہ کھجوا میں کیا ہے۔ اس سے ایک تو آل رسولؐ کی توہین و تذلیل کافی ہوئی، دوسرے حکومت کی طاقت میں اضافہ ہوا تیسرے یہ پیش بندی ہوگئی کہ اس طرح گواہیوں کا سلسلہ جاری رہا تو کل کو خلافت کے لئے نہ کوئی گواہی آجائے۔

یہ تمام واقعات ہم نے محض یہ ظاہر کرنے لے لئے لکھے ہیں کہ اسلام کی امامت کو کس طرح بتدریج حضرت ابو بکر حضرت عمر نے یونانی اور رومانوی حکومت میں تبدیل کر دیا۔ شروع سے حضرت عمر اس ہی کوشش میں تھے کہ کسی طرح ہمارا تسلط حکومت رومانوی کی صورت میں ہو جائے۔ بغیر اس کے ان کی حکومت کے لئے کوئی جواز نہ تھا۔ چونکہ امامت اسلامیہ کی اہلیت اور وہ صفات جو اسلام میں امام کے لیے ضروری ہیں حکومت نصب شدہ سقیفہ میں نہ تھیں لہذا انکے لئے ضروری ہوا کہ امامت کے تخیل ہی کو لوگوں کے ذہن سے نکال دیں اور اس کی بجائے حکومت رومانوی کا نقشہ جمائیں تا کہ اس کے لئے انکی شخصیت موزوں نظر آئے۔

قاعدہ ۷

فتوحات کی خرابیاں ہم اپنی دیگر تصنیفات میں بیان کر چکے ہیں دیکھو البلاغ المبین حصہ دوم ص 585 لغایت 622 کتاب التشریع والتحریف فی الاسلام ص ۳۴۳ تا ۳۵۱ اور مسلمانوں کے مذہب اور غیر اسلامی ثقافتوں کے اثرات ص ۵۹ لغایت ۹۱۔

ان سے کئی نقصانات ہوئے۔ (۱) جلدی سے مسلمان غیر ممالک میں بھیج دیئے گئے ابھی ان کے دل و دماغ پر اسلام کا

تسلط نہ ہوا تھا۔غیر ملکوں میں اپنے سابقہ کفر کا عکس دیکھا۔اسکی طرف چلے گئے (۲) بے جا ثروت معہ اپنی تمام خرابیوں کے رائج ہوگوئی (۳) کفار کے قیدیوں، غلاموں اور لونڈیوں کی تعداد خود مسلمان کی تعداد سے زیادہ ہوگئی۔ان کے بچے بھی ہوئے۔ انھوں نے اپنے نظریات اور رسومات مسلمانوں میں پھیلا دیں (۴) مسلمانوں میں عیش وعشرت بڑھ گیا۔

قاعدہ ۸، ۹

اسلامی امامت میں یہ سب امور ناجائز ہیں جیسا کہ ہم نے جدول مرتبہ میں دکھایا ہے لیکن جب اسلامی امامت تبدیل ہو کر رومانوی حکومت کے نقشہ پر آگئی تو اس میں یہ سب باتیں آگئیں۔جس نے مسلمانوں کی تاریخ پڑھی ہے وہ اس کی تردید نہ کرے گا۔

قاعدہ ۱۰

اس کو تفصیل سے ہم نے البلاغ المبین حصہ اول باب ششم میں بیان کیا ہے۔لیکن اس رومانوی اصول کو بھی پہلے تین خلفاء نے اپنی حکومت کا جز بنا لیا تھا۔سوائے نماز پڑھانے کے جو ان کے عقیدے کے مطابق ہر نیک و بد کے پیچھے پڑھی جا سکتی ہے اور کوئی مذہبی امر اپنے لیے نہ رکھا۔قرآن شریف جمع کرایا تو دوسروں سے مسجد میں فقیہ و مفتی مقرر کیئے تو دوسروں کو، حضرت عمر کا خطبہ بمقام جابیہ جس کو حضرت شبلی نے بہت فخر کے ساتھ اپنے الفاروق حصہ دوم ص ۲۷ پر نقل کیا ہے یہ ہے کہ قرآن کا علم ابی ابن کعب کے پاس سیکھنے جاؤ، فرائض کا زید سے حاصل کرو، اور فقہ کے لیے معاذ کے پاس جاؤ۔مابدولت کا نام یہاں بھی نہیں۔جناب رسولؐ خدا باوجود اپنے مشاغل کے جہاد میں خود تشریف لے جاتے تھے اور سرداری کرتے تھے جس طرح حضرت علیؑ جمل وصفین ونہروان میں خود تشریف لے جاتے تھے۔لیکن ان خلفاء نے جہاد کو اپنے فرائض سے نکال دیا۔عملاً حکومت و مذہب بالکل علحدہ ہو گئے اور یہی حکومت یومانیہ کا طرۂ امتیاز تھا اور اب بھی یورپ والوں کا یہی چلن ہے۔

ہم کو امامت کے اصول و مقاصد کا علم ہوا۔یہ بھی معلوم ہوا کہ کس طرح امامت کو حکومت یونانیہ میں تبدیل کرنے کی کوشش کی گئی۔ہم نے ان امور پر اس لیے زور دیا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ جناب امیرؑ کی خلافت ظاہری کے وقت مسلمانوں کی کیا حالت ہوگئی تھی۔اور حضرت علیؑ کو امت اسلامیہ کو پھر جناب رسولؐ خدا کے اسلام کی طرف لے جانے میں کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ امامت کے اصول و مقاصد کو دیکھتے ہوئے امام کی کیا صفات ہونی چاہئیں۔

۱۔امام کا سب سے افضل ہونا نہایت ضروری ہے۔عقل سلیم بھی یہی کہتی ہے انصاف بھی یہی چاہتا ہے اور احادیث رسولؐ بھی یہ ہیں۔شاہ ولی اللہ اپنی نہایت مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغۃ میں کہتے ہیں کہ نبوت اور امامت مساوی ہیں یعنی ایک دوسرے سے ملی

ہوئی ہیں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے شیعوں کے چڑانے کو ایک کتاب لکھی، تحفہ اثنا عشری، اسکی تو خاندان اجتہاد لکھنو نے ایسی دھجیاں اڑا دیں کہ پھر اس کو فارسی میں چھاپنے کی کسی کو جرأت نہیں ہوئی اس کے جواب بہت فارسی میں تھے۔ ان سے بچنے کے لئے اور اس خیال سے کہ اب ہندوستان و پاکستان سے فارسی زبان مفقود ہوگئی ہے ان کو سمجھنے کے لئے آدمی نہیں رہے تو اس تحفہ اثنا عشری کا ترجمہ کر کے اردو میں چھپوایا گیا ہے اور ترجمہ بھی ماشاء اللہ اس ضرب المثل کا نمونہ ہے کہ آنچہ پدر نتواند پسر تمام کند۔ بہر صورت یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ ہم کہہ رہے تھے کہ ایسی کتاب میں بھی ہم یہ عبارت پاتے ہیں، آیہ مباہلہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انفسنا سے یہاں جناب امیرؑ مراد ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

"مراد از انفسنا حضرت امیر عوچوں حضرت امیر نفس رسول شد وظاہر است کہ معنی حقیقی نفس بودن در ینجا محال است پس مراد مساوی خواہد بود و ہر کہ مساوی پیغمبر زماں باشد بالضرور افضل و اولی تصرف باشد از غیر خود لان المساوی للافضل الاولی بالتصرف افضل و اولیٰ بالتصرف فیکون اماماً اذ لا معنیٰ للامام الا الافضل بالتصرف... و این در اصل از دلائل اہلسنت است کہ در مقابلہ نواصب بداں تمسک جستہاند۔ (تحفہ اثنا عشری فارسی مطبوعہ مطبع حسینی دہلی ۱۷ ۱۲ ھ ۴۲۶)۔

ترجمہ: انفسنا سے یہاں مراد جناب امیرؑ ہیں۔ لہذا حضرت امیر نفس رسولؐ ہوئے لیکن ظاہر ہے یہاں نفس کے اصلی معنی نہیں ہو سکتے لہذا یہاں مراد مساوی سے ہے۔ اور جو پیغمبر زماں کا مساوی ہوا تو ضرور اور سب لوگوں سے افضل اور ولایت امور مسلمین کے لیے سب سے زیادہ حقدار ہے کیونکہ جو اس شخص کے مساوی ہے جو سب سے زیادہ افضل ہے اور امور مسلمین کا والی ہے تو خود بھی افضل ہوا اور امور مسلمین کا حاکم و والی ہوا۔ پس وہی امام ہے کیونکہ امام کے معنی ہی یہ ہیں کہ سب سے افضل ہو۔ اور والی و حاکم امور مسلمین ہو... یہ دراصل وہ بحث ہے جو نواصب کے مقابلہ میں اہلسنت کرتے ہیں۔ (ختم ہوا ترجمہ)۔

۲۔ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے: "ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم" زہد، عبادت و تقویٰ میں امام کا درجہ اعلیٰ ترین ہونا چاہیئے۔

۳۔ امور مسلمین کی ولایت اور ان کی خبر گیری تامہ کے لیے علم کامل نہایت ضروری ہے۔ امور ہدایت میں دوسروں کے صلاح و مشورہ کا محتاج نہ ہونا چاہیئے۔ تفسیر قرآن، علم و فرائض و فقہ، میں کامل ہو۔ اسے یہ نہ کہنا پڑے کہ میں قرآن و حدیث سے واقف نہیں ہوں تم بتادو۔ ایسا ہو کہ وہ صلائے عام کہے سلونی قبل ان تفقدونی عما شئتم۔

۴۔ شجاعت کی جتنی انواع ہیں ان میں کامل ہو۔ اور شجاعت کی بہت انواع ہیں۔ کمزوروں کی مدد کرنا، کمزور اور نہتے دشمن کے سابقہ عناد کو بھول جانا اور اس پر مہربانی کرنا اس سے تلوار روکنا، ایسی ہی شجاعت چاہتا ہے کہ جیسا مرحب و عنتر کو پچھاڑنا جناب امیرؑ نے جو رحم اپنے قاتل عبدالرحمن ابن ملجم کی حالت بے بسی کو دیکھ کر فرمایا وہ اس شجاعت سے بہت ارفع و اعلیٰ ہے جو

انھوں نے عمرو ابن عبدود کے قتل کرنے میں ظاہر فرمائی تھی۔ اگرچہ وہ بھی شجاعت تھی اور ایسے وقت کام آئی جب اسلام لرزہ بر اندام تھا اور حضرت عمر اسکی مدح خوانی فرمارہے تھے کہ یہ وہی عمرو بن عبدود ہے جو جماعت قزاقان سے اونٹ کے بچے کو سپر بنا کر لڑا تھا۔

۵۔ جہاد میں کرّار غیر فرار ہو جس طرح رسولؐ خدا تھے جو جہاد میں اپنی جان بچا کر بھاگے اس کا ایمان ناقص ہوتا ہے، اور جس کو رسولؐ خدا کرار غیر فرار کہہ دیں اس سے بہتر کون ہوگا؟

۶۔ صدق وصفاء نیت ضروری ہے۔ ریا ونفاق کا قاطع ہونا چاہیئے۔

۷۔ دوسروں کی ہر صورت کی مدد کا محتاج نہ ہو۔ دولتمند کی دولت اور بارسوخ کے رسوخ اور کثرت کی آراء کا محتاج نہ ہو۔ ورنہ انصاف کامل نہ کرسکے گا۔

۸۔ عدل کامل نہایت ضروری ہے۔ ظلم کے ہر شائبہ سے بری ہو۔

۹۔ ایثار نفس کی ضرورت ہے۔ اسلام کے مفاد کو اپنی ہر خواہش اور مفاد پر مقدم رکھے۔

۱۰۔ اصول مساوات پر عمل کرے۔ تقسیم غنائم اور وظائف میں بھی اور فیصل قضایا میں بھی۔

۱۱۔ کسی وقت، کسی موقعہ پر، کسی مضمون میں کسی سے مغلوب نہ ہو۔

ایسا انسان کامل لوگوں کی رایوں سے نہیں پیدا ہوسکتا۔ اور نہ اس میں رائے شماری کو جگہ ہے۔ اگر رائے شماری ہوئی تو پھر وہی روپیہ اور دوستی اور اغراض نفسی کی رشوت کارگر ہوگی۔ اور امام اپنے عہدۂ امامت سے ہر وقت ڈرتا رہے گا ایسے انسان کو تو خدا ہی خلق کرتا ہے اور امام مقرر کرتا ہے۔ اور یہی وہ نعمت ہے جس کا تذکرہ اتممت علیکم نعمتی میں ہے۔ اسلام میں ایک نہایت عمدہ اصول ہے جو اس کو دیگر ادیان سے ممیز کرتا ہے الاعمال بالنیات دیگر ادیان میں محض ظاہری عبادات اور انکی رسوم درکار ہیں۔ اسلام نیت چاہتا ہے اور نیت کا علم سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں ہوسکتا۔ امیر المسلمین میں صدق وصفائے نیت نہایت ضروری ہیں۔ لہذا اس کو سوائے خدا ورسولؐ کے اور کوئی نہیں مقرر کرسکتا۔

ہم نے حکومت اسلامیہ یعنی امامت اور حکومت یونانیہ ورومانوی کا فرق بہت اچھی طرح ظاہر کردیا۔ یہ بھی ہم نے ثابت کردیا ہے کہ خلفاء اولین نے جنھوں نے سقیفہ کی دھینگا مشتی میں حکومت تو حاصل کرلی لیکن اس کے جواز کی تلاش میں اصول فقہ کا تغیّر اور احکام رسولؐ کا عصیان ضروری سمجھا اور اس کو عمل میں لائے حکومت رومانوی ہی میں انھیں وہ اصول وقواعد مل سکتے تھے جن سے انکی حکومت کے لڑکھڑاتے پیروں میں کچھ جان آئے لہذا انھوں نے امامت کے تخیّل کو لوگوں کے ذہن میں سے مفقود

کر کے اسکے بجائے حکومت رومانوی کو داخل کر دیا۔اور واقعی اس حکومت کے قواعد کے موجب وہ بہت اچھے حکمران تھے اور نہایت عقلمندی کے ساتھ اپنے مقصد کو حاصل کیا لوگوں کو پتہ بھی نہ چلنے دیا اور مقصد حاصل ہو گیا تیرہ صدیاں گذر گئیں اور لوگ ابھی تک اسی دھوکے میں ہیں کہ حضرات شیخین حضرت علیؑ کے بڑے دلی دوست تھے،خیر خواہ تھے،بڑی عزت کرتے تھے۔رسولؐ کی رشتہ داری کے تعلق کو باعث رستگاری اور نجات اخروی سمجھتے تھے حکومت رومانوی کی سیاست کا یہ مستحکم اصول ہے کہ لوگوں پر ظاہر نہ ہونے دے کہ کیا مقصد ہے اور وہ مقصد حاصل کرلے۔اپنی صحیح دلی حالت و دلی خواہش کو کسی پر نہ ظاہر ہونے دے۔ بادشاہت خود حاصل کرلی اور لوگ ابھی تک اس مغالطے میں ہیں کہ وہ تو بنی امیہ تھے جنھوں نے خلافت کو بادشاہت میں تبدیل کر دیا۔حالانکہ یہ عمل اسی دن شروع ہو گیا تھا جس دن جناب رسولؐ خدا نے رحلت فرمائی اور آپکی مقرر کردہ امامت کو سقیفہ میں پارٹی گورنمنٹ سے تبدیل کر دیا لیکن زبان سے وہی خلافت کہے گئے بنو امیہ نے بھی اس کو خلافت ہی کہا اور بنو عباس نے بھی یہی دہرایا۔جہاں تک میرا علم جاتا ہے(yon yrune lawm) پہلا غیر مسلم محقق ہے جو مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اسلام میں سٹیٹ یعنی رومانوی حکومت کا تخیل نہیں ہے۔بلکہ اس کے بجائے امامت ہے اور امامت جماعت اسلامیہ کی دینی سرداری کو کہتے ہیں۔لیکن اس کا یہ کہنا کہ ابن خلدون متوفی ۸۰۶ھ تک فقہ اسلامیہ میں سٹیٹ کا تخیل نہیں آیا تشریح طلب ہے،یہاں اس کو بہت ہی نارواا اختصار کی ضرورت ہوئی دراصل ابن خلدون کی تضاد بیانی اور غلط تائید و تردید کی وجہ سے وہ خود ابن خلدون کے مطلب کو نہ سمجھ سکا اور اس نافہمی کو اس اختصار کے پردے میں چھپایا اس کے جملہ کا مطلب یہ ہوا کہ ابن خلدون نے تخیل اسٹیٹ کو فقہ اسلامی میں داخل کر دیا۔ہم اس کی اصل انگریزی عبارت یہاں نقل کرتے ہیں:ص ۱۶۱

Muslim public law dose not state frome definition of the state but the leaders ship of the community the concept,from that of the Imama of the state is alieu to muslim political theory in its classical phare are .to the khalden

Theare lias the essutial diffirance between the polited thought of hlou aud that of the Christian .sucessars of the iupcricmr romauum

13. para x viii P,vii: lalau chapt:b.e.von grundaum

ترجمہ: اسلامی قانون شریعت میں سٹیٹ کے بجائے امامت ہے۔یعنی جماعت اسلامیہ کی رہنمائی۔ اسلامی قانون شریعت کی اصلی ابتدائی صورت میں ابن خلدون کے زمانہ تک متوفی ۱۴۰۶ھ سٹیٹ کا تخیل نہ تھا۔

یہی خاص فرق ہے اسلام کے قانون سیاست اور عیسائی جانشینان رومانوی شہنشاہیت میں۔(ختم ترجمہ)۔

اسکا یہی مطلب ہے کہ ابن خلدون نے حکومت رومانوی کے تخیل کو شریعت اسلامیہ میں داخل کر دیا۔غیر مسلم مؤرخین و محققین ہمیشہ یہ سمجھنے سے قاصر رہے ہیں کہ شریعت اسلامیہ میں جیسی کہ آنحضرت نے مقرر کی تھی پھر کوئی پادشاہ یا مورخ خلیفہ، امام تبدیل نہیں کرسکتا۔ان کی تاریخوں میں یہ غلطی عام ہے کہ مسلمان بادشاہ اور مسلمان حکومت کے ہر فعل کو اسلامی شریعت میں داخل کر دیتے ہیں، اس غلطی سے اور بہت سی غلطیاں پیدا ہوئی ہیں جن کو ہم نے تفصیل سے فلسفۂ اسلام حصہ اول میں بیان کیا ہے یہی غلطی اس امریکن مؤرخ نے کی ہے لیکن ان کی اس غلطی میں خود مسلم مؤرخین کا بہت بڑا حصہ ہے جنھوں نے اپنے خلفاء اولین کے اعمال واقوال کو شریعت اسلامیہ میں داخل کرکے اپنے لیے نیا دین بنالیا اور اس ہی کو روکنے کے لیے بطور حفظ ماتقدم قرآن نے کہہ دیا تھا کہ "أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ... وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ..."[۱]۔جب رسولؐ خدا کی حیات میں خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ "الیوم اکملت لکم دینکم..." تو پھر آنحضرت کے خلفاء اور فرمانروایان مسلمانان کے احکام واقوال وطرز عمل کے لئے کہاں گنجائش رہی کہ وہ اسلام کے اندر داخل کرلیے جائیں مؤرخین و محققین یورپ یہ جان کر کہ وہ ناقص ہیں اور ان میں نکتہ چینی کے لئے بہت گنجائش ہے۔بہت خوشی سے ان احکام واقوال وطرز عمل شاہان وخلفاء کو جزو اسلام کہہ کر انکا مذاق اڑاتے ہیں اور انکی ساری خرابیوں کو اسلام کے سر تھوپتے ہیں۔لیکن وہ اپنے مذہب کے لئے اس طریقہ کو پسند نہ کریں گے ورنہ وہ تمام ظلم جو عیسائی بادشاہوں نے اور پادریوں نے کیے سب مسیحیت کے ذمہ لگ جائیں گے۔پادریوں نے تو مسیحیت کے نام پر بے شمار ظلم کیے ہیں لاکھوں بیگناہ عورتوں کا قتل انکو جادوگرنیاں کہہ کر ان پادریوں نے اپنے سامنے کھڑے رہ کر کرایا ہے۔فرانس میں جو قتل عام چارلس نہم کے زمانہ میں ۲۴ اگست ۱۵۷۲ء کو مذہب کے نام سے ہوا وہ سب مسیحیت کے نام سے ہوا وہ سب مسیحیت کے ذمہ لگے گا۔اور یہ کیا ہزاروں ایسے ہی مظلوم ہیں جن کا جواب نہیں ہے۔

اب ہم ابن خلدون کے خیالات و بیانات کی درہمی و برہمی و بے رابطی کی طرف ناظرین کی توجہ دلاتے ہیں۔اپنے عربی مقدمہ تاریخ مطبوعہ مطبع ادبیہ واقع بیروت کے ص ۱۹۰ پر لکھتے ہیں۔

۱۔سورہ آل عمران ۳: ۸۳،۸۵

الفصل الخامس والعشرون

فی معنی الخلافة والامامة

لمّا کانت حقیقة الملک انّه الاجتماع الضروری للبشر ومقتضاه التغلب والقهر اللذان هما من آثار الغضب والحیوانیة کانت احکام صاحبه فی الغالب جائزة عن الحق مجحفة بمن تحت یده من الخلق فی احوال دنیاهم لحمله ایّاهم فی الغالب علی ما لیس فی طوقهم من أعراضه و شهواته و یختلف فی ذلک باختلاف المقاصد من الخلف و السلف منهم تتعسر طاعته لذلک وتجیء العصبیة المفضیة إلی الجرح و القتل فوجب أن یرجع فی ذلک إلی قوانین سیاسیّة مفروضة یسلمها الکافة ینقادون إلی أحکامها کما کان ذلک للفرس و غیرهم من الأمم و إذا خلت الدّولة من مثل هذه السیاسة لم استتبّ أمرها و لم یتم استیلاؤها سنة الله فی الّذین خلوا من قبل فإذا کانت هذه القوانین مفروضة من العقلاء و أکابر الدولة و بصرائها کانت سیاسة عقلیة وإذا کانت مفروضة من الله بشارع یقررها و یشرعها کانت سیاسة دینیة نافعة فی الحیاة الدنیا و فی الآخرة و ذلک أن الخلق لیس المقصود بهم دنیاهم فقط فإنها کلها عبث و باطل إذ غایتها الموت و الفناء و الله یقول أفحسبتم أنما خلقناکم عبثا فالمقصود بهم إنما هو دینهم المفضی بهم إلی السعادة فی آخرتهم صراط الله الذی له ما فی السموات و ما فی الأرض فجاءت الشرائع بحملهم علی ذلک فی أحوالهم من عبادة و معاملة حتی فی الملک الذی هو طبیعی للاجتماع الإنسانی فأجرته علی منهاج الدّین لیکون الکل محوطاً بنظر الشارع فما کان منه بمقتضی القهر و التغلب وإهمال القوة العصبیة فی مرعاها فجور و عدوان و مذموم عنده کما هو مقتضی الحکمة السیاسیة و ما کان منه بمقتضی السیاسة و أحکامها فمذموم أیضاً لأنه نظر بغیر نور الله و من لم یجعل الله له نوراً فما له من نور لأن الشارع أعلم بمصالح الکافة فما هو مغیّب عنهم من أمور آخرتهم و أعمال البشر کلّها عائدة علیهم فی معادهم من ملک أو غیره

قال صلی اللہ علیہ و سلم إنما ھی أعمالکم یردّعلیکمو أحکام السیاسة إنما تطلع علی مصالح الدنیا فقط یعلمون ظاھراً من حیاۃ الدنیا و مقصود الشارع بالناس صلاح آخرتھم فوجب بمقتضی الشرائع حمل الکافة علی الأحکام الشرعیة فی أحوال دنیاھم و آخرتھم و کان ھذا الحکم لأھل الشریعة و ھم الأنبیاء و من قام فیہ مقامھم و ھم الخلفاء فقد تبیّن لك من ذلك معنی الخلافة و أن الملك الطبیعی ھو حمل الکافة علی مقتضاالغرض والشھوة والسیاسیّ ھو حمل الکافة علیمقتضی النظر العقلی فی جلب المصالح الدینةو دفع المضار والخلافة ھی حمل الکافة علی مقتضی النظر الشرعی فی مصالحم الاخرویة والدینویة الرّاجعة الیھا إذأحول الدنیا ترجع کلّھا عند الشارع إلی اعتبارھا بمصالح الآخرة فھی فی الحقیقة خلافة عن صاحب الشرع فی حراسة الدّین و سیاسة الدّنیا۔

فصل بیست و پنجم

خلافت و امامت کی حقیقت

چونکہ حکومت وسلطنت اجتماع نوع انسانی کے لیے ضروری ہے اور اس کا مقتضا غلبہ و جبر ہے اور غلبہ و جبر نتیجہ ہیں غضب و حیوانیت کا لہذا بادشاہ یا مالک سلطنت کے احکام ظالمانہ اور حق سے دور ہوتے ہیں اور وہ اپنے زیردستوں پر جور وستم کرتا رہتا ہے تاکہ انھیں اپنی اغراض وخواہشات شہوانیہ کے مطابق چلائے۔ اگرچہ وہ اعمال وافعال جن کے کرنے پر وہ انھیں مجبور کرتا ہے ان کی طاقت سے باہر ہی کیوں نہ ہوں۔ اور اسی طرح مختلف سلاطین اپنے اپنے زمانہ میں اپنے مختلف مقاصد وخواہشات کے بموجب رعایا کو گوناگوں امور مالایطاق کی تکلیف دیتے رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں بادشاہ کی اطاعت مشکل ہوجاتی ہے اور ملک میں ایسی طاقتور عصبیت پیدا ہو جاتی ہے جو امن وامان کو مفقود اور قتل وغارت کو پیدا کر دیتی ہیں۔ لہذا اس قسم کے ہرج و انتشار کے دفعیہ کے لئے قانون سیاست کی ضرورت ہوتی ہے کہ رعایا اس کی اطاعت کو فرض سمجھ کر اس کے احکام پر عمل کرے۔ جیسے ایرانیوں وغیرہ امم سابقہ کے یہاں ایسا خاص قانون رہا ہے۔ اور جب کسی ملک میں اس قسم کا کوئی خاص طاقتور قانون نہیں ہوتا تو آئے دن ملک میں فتنہ وفساد رہتا ہے اور سلطنت کا غلبہ درجہ کمال کو نہیں پہونچتا۔ یہی سنت امم سابقہ میں رہی ہے۔ اب اگر یہ قانون سیاست مدبران ملک وعقلائے سلطنت نے مل کر بنایا ہے اور مفاد ملکی کے لئے اس کی طاقت ملک میں واجب قرار

دی ہے تو سیاست عقلیہ کہیں گے اور اگر یہ قانون اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی نبی یا رسول کے ذریعہ سے عامہ خلائق تک پہنچایا ہے تو اس کو سیاست دینیہ کہیں گے۔ یہ قانون الہیہ انسان کی دینی و دنیاوی فلاح کا باعث ہوتا ہے نہ محض اصلاح دنیا کا کیونکہ دنیا تو خود عبث و باطل ہے۔ اور اسکے باطل ہونے پر موت وفنا سے زیادہ کیا بدیہی اور ظاہر دلیل ہو سکتی ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو عبث خلق کیا ہے۔ قانون دین کا مقصود دینی اصلاح ہے جس سے سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام شریعتیں کافۂ خلائق کو عبادت اور حسن معاملہ پر کار بند ہونے کا حکم دیتی ہیں یہاں تک کہ اس سلطنت کو بھی جو اجتماع انسانی کے لیے ضروری ہے دین کے راستہ پر چلاتی ہیں حالانکہ سلطنت قہر و جبر کی ہوتی ہے۔ اور شارع علیہ السلام یعنی صاحب شریعت کی نگاہ میں چھوٹے بڑے سب برابر ہوتے ہیں۔ نتیجہ نکلا کہ جو کچھ بھی ملوک وسلاطین قہر وتغلب اور قوائے غضبی کی تحریک سے کرتے ہیں وہ ظلم وستم ہوتا ہے اور سراسر مذموم وقبیح ہوتا ہے کیونکہ سیاست دینیہ ان باتوں کو بھی جائز نہیں رکھ سکتی۔ اور جو کچھ اپنی سیاست اور احکام کے مقتضائے سے سلاطین وملک کرتے ہیں وہ بھی قبیح ہے۔ اس لیے کہ انسانی عقل و رائے خدائی ہدایت کے بغیر ہوتی ہے اور جس میں نور ہدایت الٰہی نہیں وہ ہدایت ربانی کے درجہ کو نہیں پہونچ سکتی۔ کیونکہ شارع علیہ السلام خداوند تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم کی وجہ سے مصالح خلائق کو خوب جانتا ہے اور سمجھتا ہے اور امور آخرت جو دنیا کی آنکھوں سے غائب ہیں ان کی حقیقت کا علم اس کو اچھی طرح ہوتا ہے۔ اور وہ ان تمام مصالح کو پیش نظر رکھ کر ان کو ایک عام راستہ پر چلنے کی ہدایت کرتا ہے۔ کوئی گدا ہو یا بادشاہ اس کے اعمال قیامت کے دن اس کے ساتھ ہونگے۔ جن سے کسی طرح اس کو مضر نہیں۔ جناب رسولؐ خدا فرماتے ہیں کہ تمھارے اعمال تمھاری طرف لوٹ کر آتے ہیں۔ لیکن سیاست عقلیہ محض فلاح دنیاوی کے لئے ہے جس سے محض دنیا کی ظاہری باتیں معلوم ہو جاتی ہیں اور بس۔ اور شارع علیہ السلام کا مقصود آخرت ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ بمقتضائے شریعت عامہ خلائق دینی و دنیاوی امور میں شریعت کے احکام کی کار بند رہے پس جو لوگ منجانب اللہ اشاعت شریعت پر مامور ہوتے ہیں انھیں انبیاء و رسول کہتے ہیں۔ اور جو ان کے بعد انکے قائمقام ہو کر قانون کی حفاظت کرتے ہیں وہ خلفاء کہلاتے ہیں۔ لہذا مملکت اور سیاست عقلیہ کی تعریف یہ ہوئی کہ طبیعت مملکت عامہ خلائق کو سلطان کے اغراض وہوا وہوس کے پورا کرنے پر مجبور کرتی ہے اور مملکت سیاسیہ بحسب مقتضاء عقل و دنیاوی منفعت کے حصول اور دنیاوی نقصان کے دفع کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور خلافت (امامت) کی یہ تعریف ہوئی کہ خلافت احکام شرعیہ کے موافق ہی انسان کو اخروی و دنیاوی مصالح کے راستہ پر چلاتی ہے آخرت تو اس کا مقصد و بالذات ہے ہی۔ رہے معاملات دنیا سو وہ بھی شارع کے نزدیک سب کے سب مصالح اخرویہ کی طرف راجع ہوتے ہی۔ کیونکہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے پس گویا خلافت حراست دین و

سیاست دنیاوی دونوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔(ختم ہوا ترجمہ)۔

اس سب کا خلاصہ یہ ہوا:۔

(۱) عصبیت بری ہوتی ہے اور منتج بہ فتنہ وفساد ہوتی ہے۔

(۲) سیاست دو قسم کی ہوتی ہیں، سیاست عقلیہ جس کو علماء و مدبران ملک اپنی عقل سے محض دنیاوی فوائد ونقصان کو مدنظر رکھ کر بناتے اور دوسری سیاست دینیہ جو ان قوانین سے مرتب ہوتی ہے جو خداوند تعالیٰ اپنی طرف سے اپنے انبیاء و رسل کی طرف بھیجتا ہے۔ اور وہ صلاح امور دینی و دنیاوی دونوں کے لیے ہوتی ہے۔

(۳) سیات عقلیہ ناقص ہوتی ہے۔ قہر و جبر، ستم و جور پر مبنی ہوتی ہے اور بادشاہ کے مقاصد اور خواہشات نفسانیہ کی پیروی کرتی ہے۔

(۴) سیاست الہیہ کامل ہوتی ہے۔ عدل ومساوات پر مبنی ہوتی ہے اور خلیفہ و امام ہر شخص کو مساوی سمجھتا ہے۔ ثروت و رسوخ سے متأثر نہیں ہوتا۔

(۵) شریعت دینی و دنیاوی امور سب پر حاوی ہوتی ہے۔ سلطان وسلطنت دونوں کو دین کے راستہ پر چلاتی ہے۔

(۶) شریعت کا اصلی مقصد فقط دین ہوتا ہے۔ اور اس ہی میں دنیا جو مزرعہ آخرت ہے شامل ہو جاتی ہے۔

(۷) جس ملک یا بادشاہ کے طریقہ یا احکام میں ظلم وستم ہوگا وہ سیاست دینیہ اور شریعت سے ہٹ گیا کیونکہ شریعت میں ہر قسم کا ظلم وستم ناروا ہے۔

(۸) شریعت کے اجراء کے لئے ایسے ہادی کی ہمیشہ ضرورت ہے جو اپنے علم لدنی (خدا کی طرف سے خاص علم عطا کئے ہوئے) کی وجہ سے خلائق کے مصالح عامہ کی حقیقت سے واقف ہوتا ہے اور دین و دنیا کے مصالح کو مدنظر رکھ کر عامہ خلائق کو اس پر چلاتا ہے۔

(۹) امام وہادی کا مقصود آخرت ہوتا ہے۔

(۱۰) رسول وانبیاء کے خلفاء میں بھی وہی صفات ہونی چاہیئں جو خود رسول ونبی میں ہوتی ہیں۔

یہ ہے خلاصہ ابن خلدون کی بحث کا۔ ہادی اور امام کی ضرورت کو سمجھا لیکن خاص مصلحت عصبیت مذہبی کی بنا پر ہادی کو محض رسولؐ میں منحصر بھی کر دیا اور یہ بھی کہے بغیر چارہ نہ ہوا کہ خلیفہ میں بھی رسولؐ کی صفات ہونی چاہئیں۔ آیت قرآنی ''انما انت منذر ولکل قوم ہاد'' سے گریز بھی کیا اور اس سے انکار بھی نہ کیا بہر صورت جو کچھ کہا اچھا کہا۔ اس ہی فصل کے عنوان سے ظاہر ہے کہ خلافت

وامامت ایک ہی بات ہے دوسری فصل یعنی بست و ششم میں صاف طور سے کہا کے خلافت اور امامت کا اطلاق ہوتا ہے اور امامت کبریٰ یہی ہے۔اس کے جمیع احکام کی اطاعت امت کا فرض ہے۔خلیفہ وامام کا ہونا ضرور اور واجب ہے یہ تو سب کہہ دیا۔یعنی اصول وقوعد اپنے منطق اور فلسفہ کے جوش میں آکر بیان کر دے لیکن جب اپنے خلفاء کے اعمال وافعال پر نظر ڈالی اور اپنے آبائی مذہب کا خیال آیا تو ان ہی باتوں سے مکر گئے جن کا اقرار اس عبارت میں کیا ہے۔

اب ہم ان کے مکرنے کا ذکر کرتے ہیں۔اس ہی فصل بست و ششم میں آپ فرماتے ہیں کہ سقیفہ میں حضرت عمر نے قریش کی شرط پر خلافت حاصل کی تھی۔لہذا امامت وخلافت کے لئے قرشیت کی شرط ضروری ہے اور اس کی وجہ بھی ہے۔وہ یہ کہ ان میں عصبیت وتغلب تھا۔لہذا امام کا قرشی ہونا ضروری ہے یہ وہی عصبیت وتغلب ہے جس کو اس سے پہلے کی فصل میں برا اور موجب فتنہ وفساد کہہ چکے ہیں۔جناب رسولؐ خدا تو فرما چکے تھے کہ خلافت وامامت میری عترت میں ہے۔عترت کی جگہ قریشی کا لفظ کہہ کر حضرت عمر نے اس بناء پر حکومت حاصل کی تھی۔ہم البلاغ المبین حصہ اول اڈیشن ثانی ص ۱۵ ۷ لغایت ۷۱۸ میں ثابت کر چکے ہیں کہ آنحضرت نے ''کلھم من عترتی'' کہا تھا جس کو کلھم من قریش بنا لیا گیا۔اب ابن خلدون کے لئے ضروری ہوا کہ اسی عصبیت وتغلب کو بناء خلافت الٰہیہ رکھیں جس کو علامت ظلم وجور کہہ کر برا کہہ چکے ہیں۔تا کہ کہہ سکیں کہ عترت میں تغلب وقہر نہ تھا۔اور قریش میں تھا لہذا خلافت وامامت کے لئے عصبیت وتغلب ضروری ہو گئے فصل بست و ششم میں صاف طور سے کہہ دیا کہ:۔

ان الشرائع والدیانات وکلّ امر یحل علیه الجمهور فلابدّ فیه من العصبیة اذا لمطالبة لاتتم الا بها کما قدّمناه. فالعصبیّة ضروریة للملّة وبوجودها سیتمّ امر الله منها (ص ۲۰۲)

ترجمہ: اور یہ بھی ظاہر ہے کہ دین وشریعت یا اور کوئی ایسا ہی کام جس پر جمہور کو متفق مجتمع کیا جائے عصبیت کے بغیر پورا نہیں ہو سکتا۔کیونکہ ہر ایک مطالبہ زور سے حاصل ہوتا ہے۔اور زور کا نتیجہ عصبیت ہے لہذا ملت کے لئے بھی عصبیت کا ہونا ضروری ہے۔(ترجمہ ختم ہوا)۔

لیکن اس خیال نے بھی ستایا کہ جناب رسولؐ خدا نے عصبیت کی مذمت کی ہے۔ابن خلدون کہتے ہیں (یہ ہم اردو ترجمہ مقدمہ حمیدیہ سٹیم پریس ۱۹۱۰ھ ص ۷۰ سے نقل کرتے ہیں):۔

''مگر باوجود عصبیت کے اس قدر ضروری ہونے کے ہم دیکھتے ہیں کہ شارع علیہ السلام نے عصبیت کی مذمت کی ہے اور اس کے بارہ میں فرمایا ہے کہ ان الله ذهب عنکم عصبیة الجاهلیة وفخرها بالاباء انتم بنو آدم من

تر اب وقال اللہ تعالیٰ ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم اورقرآن وحدیث سے ملک واہل ملک کی بھی مذمت ہوتی ہے۔جا بجا اس کی برائیاں موجود ہیں اور اتباع دنیا اور اسراف ناواجب پر ملامت آئی ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ خدا کے سیدھے راستہ سے منحرف ہیں اور ساتھ ہی الفت دیں اور خلاف و افتراق سے بچنے کا حکم دیا ہے اس صورت میں ہم نے عصبیت کی جو کچھ تعریف کی ہے وہ ہباءً منثوراً ہوئی جاتی ہے۔

یہاں تک ماننے کے بعد اب مؤرخ ابن خلدون اپنی تاویل کر کے قرآن و احادیث کے اثرات کو مفقود کرنے کی کوشش کرتا ہے۔کہتا ہے کہ احسن مواقع بھی ہوتے ہیں اور مذموم مواقع بھی ہوتے ہیں۔قرآن و رسول نے عصبیت اور تغلب کے برے مواقع کی مذمت کی ہے۔لیکن ان کے احسن مواقع بھی ہوتے ہیں۔ان کی مذمت نہیں کی خلافت احسن موقع ہے اس میں عصبیت و تغلب احسن ہیں۔"اگر یہ تاویل درست ہے تو خلافت کے لئے کذب و افترا، چوری،لوٹ سب جائز ہو گئے ہیں۔خلافت ہی کے لئے نہیں ہر اس موقع کے لئے جو اچھا ہو۔ابھی تو حکومت کے لئے ہی عصبیت و تغلب برے تھے کیونکہ جبر وظلم و تعدی و استبداد کی طرف لے جاتے ہیں۔اور ابھی حضرت عمر کی خلافت کے لئے جائز ہو گئے۔ابن خلدون کی یہ تاویل مبنی ہے یورپ کے موجودہ فلسفۂ حکومت و نظام پر جس کے لئے کہا گیا ہے کہ lu sti the end means یعنی اگر مقصد اچھا ہے تو اس مقصد کے حاصل کرنے لے لئے برے ذرائع بھی استعمال کیے گئے ہیں تو وہ جائز ہیں۔یہ فلسفہ انسان کو کہیں کا کہیں لے جاتا ہے۔اور بری سی بری شئے اچھی ہو جاتی ہے۔ایک شخص کے بچے بھوک سے مر رہے ہیں وہ جاتا ہے۔مکان کے اندر داخل ہوتا ہے مالک مکان کو قتل کر کے اس کا مال لے آتا ہے جس سے اس کے چھ بچوں کی، بیوی کی اور اپنی جان بچ جاتی ہے، چوری و قتل تو برے ہیں لیکن اچھے مقصد کے لئے کیے گئے اور احسن موقع تھا لہٰذا جائز ہو گئے۔دین کہاں رہا۔اسلام کہاں رہا،سیاست عقلیہ اور سیاست دینیہ جن کا فرق اتنی طمطراق سے بیان کیا تھا دونوں ایک ہو گئے۔کوئی فرق ہی نہ رہا۔یہ ہے مذہب کا تعصب جو حق کو باطل کی طرف لے گیا۔ابن خلدون کی زبان سے کہا جا سکتا ہے کہ موقع احسن تھا لہٰذا یہ تعصب جائز ہے اگرچہ یوں تعصب برا ہے۔

طوالت تو ہوگئی ہے لیکن یہاں ہم ایک امر کی طرف اپنے ناظرین کی توجہ دلانا چاہتے ہیں ابن خلدون کی نظر وہاں تک پہنچ گئی ہے جہاں تک دیگر مؤرخین نے نہیں دیکھا۔یا دیکھا تو چشم پوشی کی۔دیگر مؤرخین تو یہ کہتے ہیں کہ خلافت راشدہ امام حسنؑ کی خلع خلافت پر ختم ہوگئی۔اس کے بعد بادشاہت شروع ہوگئی۔اور وہ معاویہ کو اپنے بیٹے یزید جیسا فاسق و فاجر کو ولیعہد مقرر کرنے میں مستوجب ملامت سمجھتے ہیں۔لیکن ابن خلدون نے دیکھا اور صحیح دیکھا کہ حضرت ابوبکر،حضرت عمر،حضرت عثمان کی خلافت بھی

تو انھیں اصول پر مبنی تھی جن پر سلطنت بنی امیہ و بنی عباس قائم ہوئی اور ویسی ہی تھی جیسے کہ وہ دونوں سلطنتیں تھیں۔ان کے اصول ان کے طرز، ان کے عقائد بالکل ایسے ہی تھے جیسے کہ ان تینوں حضرات کی حکومت کے تھے۔اس نے دیکھا کہ اگر ہم انھیں بادشاہت کہہ کر برا کہیں گے تو ان کو بھی برا کہنا پڑے گا لہذا اس نے کہا کہ بنی امیہ اور بنی عباس کی سلطنتیں بھی خلافت راشدہ تھیں۔انکی نیت نیک تھی۔معاویہ کی اجتہادی غلطی تھی لیکن حضرت علیؑ صواب پر تھے یہ نزاع بھی مقتضائے عصبیت تھی۔معاویہ کا یزید کو ولی عہد مقرر کرنا بھی درست تھا۔"یہ خیال کہ معاویہ نے یزید کے فسق و فجور سے باخبر ہونے کے باوجود اسے ولی عہد بنایا بالکل غلط" کیوں غلط ہے۔کوئی تاریخی ثبوت نہیں صرف اس وجہ سے غلط ہے کہ معاویہ کی نسبت ایسا خیال نہ کرنا چاہیے۔آپ فرماتے ہیں "یہ خیال کہ معاویہ نے یزید کے فسق و فجور سے باخبر ہونے کے باوجود اپنا ولی عہد بنایا بالکل غلط ہے اور معاویہ کی نسبت ایسی حرکت کے ارتکاب کا یقین نہیں ہوسکتا (ترجمہ ص ۷۵) ماشاء اللہ کیا مورخانہ بحث ہے۔اس سے زیادہ اور کیا تاریخی وجہ ہوسکتی ہے کہ معاویہ کی نسبت ایسا گمان نہ کرنا چاہئے معاویہ جیسا ذہین اور چوکنا باپ اپنے بیٹے کی عادات سے واقف نہیں۔

آگے چل کر فرماتے ہیں: "مروان بن الحکم اور اس کا بیٹا اگر چہ صاحب ملک تھے لیکن انکی سلطنت باطل پرستی اور ناحق کوشی سے بالکل بری تھی۔اور تا بامکان ان کا روئے کوشش مقاصد حقہ کی طرف ہی تھا۔البتہ بخیال تفرقہ جماعت بعض جزئیات میں جا و بے جا بھی کر گذرتے تھے اس لئے کہ اجتماع و اتحاد ان کے نزدیک بتقضائے عصبیت سلطنت تمام مقاصد پر مقدم تھے" (ترجمہ ص ۷۵) سے زیادہ متعصب تاریخنویسی کی مثال ملنی مشکل ہے۔ابھی تو بروئے قرآن و حدیث ملک و سلطنت کو برا کہہ چکے ہیں۔عصبیت کو برا کہہ چکے ہیں۔اب کہتے ہیں انھوں نے عصبیت ملک کی وجہ سے جو جا و بے جا عمل کیے وہ حق کوشی پر مبنی تھے۔یہ اس مروان کی تعریف ہے جس نے قتل، بدعہدی اور ظلم سے تخت حاصل کیا، یہ اس عبدالملک کی تعریف ہے جس نے مکہ پر گولہ باری کرائی عمر بھر شراب خواری میں گذاری، جس کا سارا زمانہ حکومت مکر و فریب و غداری و قتل و غارت گری میں گذرا۔آگے چل کر ابن خلدون فرماتے ہیں کہ عبدالملک کی اولاد بھی اپنے آبا (عبدالملک و مروان) کی طرح دین کے پابند رہے۔ان میں ولید بھی شامل ہے جس کی شراب خواری مشہور ہے جس نے قرآن پر تیر چلائے۔یہ بادشاہان شراب و ظلم کے عادی تھے۔عبدالملک نے حجاج ابن یوسف جیسے ظالم کو اپنا نائب بنایا ہوا تھا۔اگر ان بادشاہوں کے "مقاصد حقہ" اور ان کے امور جائز تھے کیونکہ عصبیت حسنے پر مبنی تھے تو ابن خلدون نے یہ سب امور حقہ دین یعنی اسلام کی طرف منسوب کر دیے اور اب عیسائی مورخین کے لئے اسلام کی برائی کرنے کو کچھ نہ چھوڑا۔ابن خلدون کے خیال میں عبدالملک کے تمام اولاد تک جن میں ولید و ہشام شامل ہیں خلافت راشدہ رہی اگر چہ یہ سب شراب خوار تھے۔ولید تو شراب کے حوض میں نہایا کرتا تھا اور قرآن پر تیر باری کی

تھی۔لیکن وہ سب کچھ خلافت راشدہ میں آگیا ہاں ہشام کے بعد جو ۷۴۳ء ھ میں فوت ہوا یہ خلافت اسلامیہ حکومت دنیاوی میں بدل گئی۔اسی طرح بنو عباس کے متعلق کہتے ہیں کہ ان کی خلافت راشدہ ہارون الرشید کے لڑکوں تک یعنی معتصم تک قائم رہی۔ معتصم کا انتقال 842ء ھ میں ہوا۔اس کے بعد یہ خلافت راشدہ بھی حکومت فرعونیہ میں منتقل ہوگئی۔ان میں منصور وسفّاح اور ہارون کے تمام مظالم آگئے اور وہ خلافت راشدہ پر تھوپے گئے۔کیا اسلام کی برائی کرنے کے لئے عیسائی مؤرخین کے واسطے کچھ چھوڑا گیا ہے؟ نہیں۔ان کا کام ابن خلدون کے تعصب مذہبی نے پورا کر دیا۔

اس مضمون پر بہت کچھ لکھا جا سکتا تھا۔لیکن طوالت ہوگئی ہے۔ہم اس کو چھوڑتے ہیں۔جناب امیر علیہ السلام کی ظاہری خلافت کے واقعات کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل امور پر واقفیت حاصل کرنی ضروری ہے۔

1۔جناب امیرؑ کی حالت دوران حیات رسولخداؐ میں۔

۲۔جناب امیرؑ کی شخصیت اور آپ کا مقصد حیات وحکومت۔

۳۔مسلمانوں کی حالت جب آپ نے خلافت ظاہری قبول فرمائی۔

ان کا مذہب،ان کا طرز معاشرت اور ان کی عادات واطوار اس وقت تک کیا صورت اختیار کر چکے تھے

۴۔جناب امیرؑ کے دشمن اور ان سے آپ کا رویہ۔

۵۔جناب امیر علیہ السلام کی مشکلات۔

۶۔جناب امیرؑ کی دوران خلافت ظاہری کے واقعات پر مختصر تبصرہ۔

ان امور پر بہت کچھ متن کتاب میں ناظرین کو ملے گا۔اختصار کے ساتھ ہم اس مقدمہ میں بھی کچھ بیان کرتے ہیں۔

دوران حیات جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جناب امیر علیہ السلام کے درجہ کو بیان کرنا اور ان کی شخصیت اور مقصد حیات وحکومت پر تبصرہ کرنا ایک بہت دفعہ دہرائی ہوئی داستان کو ازسرنو دہرانا ہوگا۔جو ان تفصیلات کو دیکھنا چاہتا ہے وہ اس ہی سوانح عمری کے پہلے حصّہ کو دیکھے اور نیز ہماری کتاب ” البلاغ المبین حصّہ اول“ کا مطالعہ کرے جناب رسول خدا نے حضرت علیؑ کے ساتھ منتظر الخلافت یعنی جانشین کا سا سلوک کیا ہوا تھا،جس طرح حضرت موسیٰؑ کی نبوت کے تکمیل کے لیے حضرت ہارونؑ کی شرکت وامداد کی ضرورت تھی اسی طرح ختم المرسلینؐ کی نبوت کے لیے حضرت علیؑ کی شرکت وامداد کی ضرورت تھی اور وہ امداد صرف حضرت علیؑ پر ختم نہیں ہوگئی بلکہ ان کے بعد آنے والے ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی مدد بھی ضروری تھی،حضرت عمر نے جو آنحضرتؐ کے فقہ،شریعت میں تنسیخ وترمیم واضافہ کیا اس کو یہ کہہ کر جائز سمجھا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے بعد

مسلمانوں کو بہت سی باتیں ایسی پیش آئیں مثلاً توسیع مملکت زیادتی غلام و کنیزان، مسئلہ موالی، حصول زمین، معاملہ ولگان زمین، سزا میں زیادتی کیونکہ لوگوں کی عادات مجرمانہ زیادہ ہوگئی تھیں وغیرہ وغیرہ جن کی وجہ سے یہ ترمیم و تنسیخ واضافہ ضروری تھا۔ ہم اپنے دیگر تصنیفات خصوصاً "کتاب التحریف والتحریف فی الاسلام" میں اچھی طرح ثابت کر چکے ہیں کہ یہ سب امور آنحضرتؐ کے زمانہ میں پیش آچکے تھے اور آپ کی شریعت میں ان کے لیے اصول وقواعد مقرر ہیں۔ آیہ اکمال دین اس پر نص صریح اور قطعی ہے کہ آئندہ اصول وقوانین میں کسی ردّ و بدل و ترمیم و تنسیخ کی ضرورت نہیں۔ جو ان کو بدلے گا وہ بدعت کا مرتکب ہوگا۔ ہاں عمل کے نمونہ کی ضرورت تھی "کتاب نور المشرقین من حیات الصادقین" میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ ایمان دراصل عقائد وعمل سے مرکب ہے۔ عقائد بھی صحیح ہوں اور عمل بھی ان کے مطابق ہوں تب ایمان مکمل ہوگا۔ عقائد کے لیے قرآن، عمل کے لیے عترت رسول کی ضرورت ہے۔ اگر دونوں سے تمسک ہے تو ایمان کامل ہے ورنہ اگر محض ایک سے تمسک ہے تو ایمان ناقص ہے علیؑ وعترت رسولؐ قرآن کے ساتھ ہیں اور حق اسی طرف اور اسی طرف گردش کرتا ہے جس طرف اور جس طرح حضرت علیؑ کا رخ ہوتا ہے۔ جناب رسول خدا فرماتے ہیں:۔

۱۔ کانی دعیت فاجبت، انی ترکت فیکم الثقلین احدھما اکبر من الاخر کتاب اللّٰہ وعترتی اھل بیتی فانظروا کیف تخلفونی فیھما لن یفترقا حتّٰی یردا علی الحوض ما ان تمسکتم بھما لن تضلّوا بعدی ابدا۔

۲۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابھا فمن اراد العلم فلیات الباب۔

۳۔ علی مع الحق والحق مع علی ولن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض یوم القیامۃ۔

اور بہت ایسی ہی احادیث ہیں جن کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ عقائد سے اکمال دین ہوگیا۔ رسول خدا کا عمل قابل تقلید تھا۔ لیکن وہ آپ کی حیات دنیوی کے ساتھ ختم ہوگیا اور دولت وعیش وعشرت جو فتوحات کے ساتھ آئے ابھی وہ نہیں آئے تھے۔ اسلام کو جو نقصان ان فتوحات خلافت صدر اول نے پہونچایا اس کا خمیازہ ہم اب تک بھگت رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر وحضرت عمر نے اگرچہ اپنی حکومت کو یونانی فلسفہ ورومانی حکمت کے طرز پر مرتب کیا لیکن ظاہراً یونانی فلسفہ سے ابھی عوام الناس زیادہ اثر پذیر نہیں ہوئے تھے۔ پھر حکومت عباسیہ کے زمانہ میں یہ مصیبت اور بڑھ گئی۔

لونڈی غلام نہایت کثرت سے مملکت اسلامیہ میں داخل ہوگئیں اور وہ اگرچہ مسلمان ہوگئے تاہم اپنا فقہ اور اپنے عقائد ساتھ لائے اور اسلام پر اثر ڈالا۔ ہر ایک خاندان ان غلاموں اور لونڈیوں سے بھرا ہوا تھا۔ عربیت ختم ہوتی گئی۔ اسلام مٹتا گیا، متغیر ہوتا

گیا اور غیر اسلامی عقائد نے اپنا دخل و رسوخ قائم کر لیا۔ ان تمام مصائب کا سامنا اور مقابلہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے سوا کسی نے نہیں کیا۔ دیکھو یزید نے جو کوشش اسلام کی جگہ کفر کو قائم کرنے کی کی تھی اس کا مقابلہ سوائے حسین علیہ السلام کے کسی نے نہیں کیا۔ صحابہ سب خاموش رہے بلکہ حسب ہدایت حضرت عمر دربار شام کے مددگار ہو گئے۔ ابن حجر مکی اپنی کتاب تطہیر الجنان واللسان میں معاویہ کے فضائل بیان کرتے کرتے لکھتے ہیں۔

منها ان عمر حض الناس علی اتباع معاویه والهجرة الیه الشام اذا وقعت فرقة۔ یعنی معاویہ کے فضائل سے ایک یہ ہے کہ عمر نے لوگوں کو معاویہ کی پیروی پر ابھارا اور اس پر آمادہ کیا کہ جب مسلمانوں میں پھوٹ پڑے تو ہجرت کر کے معاویہ کے پاس شام چلے جائیں۔ ہدایت یہ تھی۔ لوگوں نے اس پر عمل کیا اور شام چلے گئے اور حضرت علیؑ اور امام حسینؑ کو تفرقہ کے بانیان سمجھ کر شہید کر دیا۔ یہ ہیں غلط تاویل کے نتائج اور صحیح تاویل ہی کے لیے ائمہ اہلبیت علیہم السلام کی ضرورت تھی جناب رسول خدا تنزیل پر جنگ کر چکے تھے۔ حضرت علیؑ اور دیگر ائمہ کا کام تاویل پر مقابلہ کرنا تھا تنزیل و تاویل ملکر ایمان مکمل ہوا۔ یہ ہی معنی ہیں شرکت فی النبوۃ کے۔

لہذا جناب رسول خدا نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا جو وعدہ دعوت ذی العشیرہ کے موقع پر جناب امیر علیہ السلام نے جناب رسول خدا اور ان کے اسلام کی حفاظت کا کیا تھا اس کو ہر ممکن موقع پر لیلۃ المبیت سے لے کر جنگ خیبر و فتح مکہ و جنگ حنین وغیر تک پورا کر دکھایا۔ اور جو وعدہ جناب رسول خداؐ نے حضرت علیؑ سے اس موقع پر خلافت وزارت و وصایت کا کیا تھا وہ بھی آنحضرتؐ نے اپنی زندگی کے ہر مرحلہ پر دوہرایا اور آخر کار بمقام غدیر خم حضرت علیؑ کی جانشینی و خلافت کا اعلان کر کے پورا کر دیا۔ اس پوری داستان کو دوستوں نے بھی دوہرایا اور دشمنوں سے بھی دہرایا لیکن دشمنوں نے اسے خاص طریقہ سے دوہرایا جس میں جناب رسول خدا پر اعتراض بھی مضمر تھا۔ کس کی بات سننی چاہیے یہ ہم مولوی شبلی کی زبانی عرض کرتے ہیں۔

داستان عهد گل بشنو ز مرغان چمن زاغها آشفته تر گفتند این افسانه را

ان دونوں حالتوں کا موازنہ، حضرت علیؑ کا درجہ جو حیات رسولؐ میں تھا اور وہ حالت جو آنحضرت کی وفات کے بعد ہوئی خود جناب امیرؑ نے خطبہ شقشقیہ میں اعشی شاعر (ابو بصیر میمون بن قیس بن جندل) کے اس شعر کی تمثیل میں بیان فرمایا:۔

شتان مایومی علی کورها ویوم حیان اخی جابر

کہاں یہ دن جو ناقہ کے پالان پر گزرتا ہے۔ اور کہاں وہ دن جو حیان برادر جابر کی صحبت میں گزرتا تھا۔

جیسا ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام کی حالت حیات رسول اقدس میں بیان کرنا پرانی کہی ہوئی داستان کو

دوہرانا ہوگا۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو ان کے والد سے لے کر اپنے پاس اور اپنی نگرانی میں ان کو تعلیم و تربیت کی؟ کیا وہ سب سے پہلے تصدیق رسولؐ کرنے والے نہیں ہیں۔ انھوں نے کفر کب کیا تھا کہ ہم کہیں کہ وہ ایمان لائے اور مسلمان ہوئے۔ وہ شروع ہی سے اسی طرح مسلم تھے جس طرح جناب رسول خدا تھے۔ جس طرح حضرت ابراہیم نے کہا تھا انا اول المسلمین جس طرح حضرت موسیٰ نے کہا تھا کہ انا اول المومنین جس طرح جناب رسول خدا نے فرمایا انی امرت ان اکون اول من اسلم یا آپ نے فرمایا تھا امرت ان اسلم لرب العلمین۔ وہ لوگ جنھوں نے حضرت علیؑ کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی اعتراض فرماتے ہیں کہ علیؑ تو اسلام لانے کے وقت نابالغ بچے تھے جب ان کا اسلام لانا بے معنی بات تھی۔ اس طرح کہہ کر یہ لوگ خدا اور رسول دونوں پر اعتراض کرتے ہیں آنحضرتؐ نے علیؑ کے سامنے اسلام پیش کیا۔ ضرور خدا کے حکم سے پیش کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں نے غلطی کی ایسے بچے کے سامنے ایک نے اسلام پیش کرایا اور دوسرے نے پیش کیا جو ابھی امر کا مکلف ہی نہیں تھا۔ یہ تکلیف بے معنی کیسی، لہذا یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔

یہ علیؑ ہی کی تلوار تھی جس نے اسلام کو قائم کیا۔ اور جس نے کفر و الحاد کے لشکروں کے پے در پے شکست دی۔ یہ علی ہی وہ ہے جنھوں نے رسول خدا کے ساتھ مکہ بیت اللہ کو بتوں سے پاک کیا قرآن شریف میں ان ہی کے متعلق خدا نے فرمایا ہے کہ اس نے اپنے نفس کو فروخت کر کے رضائے خداوندی خرید لی ہے۔ سوائے ان کے اور کون نفس رسول تھا۔ ہر ایک مہم جو اوروں سے سر نہیں ہو سکتی جناب رسول خداؐ حضرت علیؑ کے سپرد فرماتے تھے اور وہ جناب حل کرتے تھے۔ ہر ایک غزوہ میں علم رسولؐ حضرت علیؑ کے ہاتھ میں رہتا تھا کسی اور کو ان سے کیا نسبت ہو سکتی تھی۔

لیکن آنحضرتؐ کے بعد حالت یہ ہوئی کہ ہر ممکن طریقہ سے ان کی عظمت کو مٹایا گیا، اور ان کو لوگوں کی نظروں سے گرایا گیا۔ رسول تو فرمائیں کہ علی و قرآن ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔ اس قول رسولؐ کا جواب اس طرح دیا گیا کہ علی کے جمع کیے ہوئے قرآن کو تو قبول نہ کیا۔ بچوں کی ایک کمیٹی بنا کر اس کو کہا کہ قرآن جمع کرے جناب رسول خداؐ نے فرمایا کہ جو علم حاصل کرنا چاہتا ہے وہ صرف علیؑ کے ذریعہ سے حاصل کر سکتا ہے اس کا جواب حضرت عمر نے یہ کہہ کر دیا کہ جو فرائض کا علم حاصل کرنا چاہتا ہے وہ زید ابن ثابت کے پاس جائے، جو شخص قرآن کا علم سیکھنا چاہتا ہے وہ ابی ابن کعب کے پاس جائے، فقہ کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہتا ہے تو معاذ کے پاس جائے۔ (دیکھو الفاروق حصہ دوم ص73)

اس خطبہ میں حضرت علیؑ کا نام کہیں نہیں۔ گویا وہ کچھ بھی نہیں۔ رسول خداؐ نے تو فقط محبت کی وجہ سے یوں ہی کہہ دیا تھا کہ علی و قرآن ساتھ ساتھ ہیں۔ حضرت علیؑ کو مدینہ میں نظر بند کر لیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اور بھی صحابہ بھی ایسے تھے کہ جن کو باہر جانے کی

اجازت نہ تھی ۔حضرت علیؑ کے جہاد ایام حضرت رسالتمآبؐ میں سب کو معلوم تھا ۔لیکن ان کو کسی جنگ میں بعد رسول خداؐ باہر نہ بھیجا گیا ۔بلکہ ان کے مقابلہ میں حضرت خالد کو سیف اللہ کا خطاب دیکر آگے بڑھایا یہ حضرت خالد وہی تھے کہ جنہوں نے جنگ احد میں مشرکین مکہ کی امداد میں مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر کے انہیں بھگا دیا تھا ۔اور تو جناب رسول خداؐ کے زمانہ میں انھوں نے کوئی خاص کام نہ کیا تھا جس سے سیف اللہ کہلائے جانے کے مستحق ہوتے ۔مانعین زکواۃ کی جنگ میں جوان سے مالک بن نویرہ کی خوبصورت بیوی کے ساتھ شرمناک معاملہ درپیش آیا وہ ناگفتنی ہے ہمارے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ جناب امیر کے مقابلہ میں ایسے ایسے لوگوں کو آگے بڑھایا گیا، اور حضرت علیؑ کی حیثیت محض ایک مدینہ کے نظر بند کی سی کر دی گئی ۔جس طرح ان سے بیعت لینے کی ناکام کوشش کی گئی وہ بھی کتب تواریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے ۔ یہاں تک کہ احراق بیت فاطمہؑ کی دھمکی ہی نہیں دی ۔بلکہ آگ بھی لے گئے ۔حضرت عمر کے ابن عم قنفذ نے یا خود حضرت عمر نے جناب فاطمہؑ کے شانہ مبارک کو زخمی کیا ۔اور جب حضرت فاطمہؑ کی خدمت میں اپنا قصور معاف کرانے یہ حضرات ابوبکر وعمر تشریف لے گئے تو جناب فاطمہؑ نے ان دونوں حضرات کو آنحضرت کی یہ حدیث یاد دلائی کہ :۔

رضا فاطمه من رضائی، وسخط فاطمه من سخطی فمن احب فاطمه ابنتی فقد احبنی ومن رضی فاطمه فقد ارضانی ومن اسخط فاطمه فقد اسخطنی۔

تو ان دونوں بزرگواروں نے اس حدیث کی تصدیق کی ۔اس کے بعد جناب فاطمہؑ نے فرمایا :۔

فانی اشهد الله وملائکته انکما اسخطتمانی وما ارضیتمانی ولئن لقیت النبی لاشکونکما الیه

میں خدا اور اس کے ملائکہ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھ کو رنج دیا اور ناراض کیا اور مجھے تم دونوں نے خوش نہیں کیا اور جب میں رسول خدا سے ملوں گی تو آنحضرت سے تم دونوں کی شکایت کروں گی ۔ پھر قبر رسول کو مخاطب کر کے یہ اشعار ارشاد فرمائے اور اس طرح فریاد کی :۔

قد کان بعدك انباء وهنبثة ... لو کنت شاهدها لم تکثر الخطب

انا فقدناك فقد الارض وابلها ... واختل قومك فاشهدهم ولا تغب

پدر بزرگوار آپ کے بعد نئی نئی باتیں اور طرح طرح کے سوانح گزر گئے ۔اور اگر آپ ان کے دیکھنے والے ہوتے تو یہ مصائب نہ پڑتے ۔ہم آپ کے فیض سے اس طرح محروم ہو گئے جس طرح زمین آب باران کو ترستی ہے آپ کی قوم کا شیرازہ بکھر گیا ۔ملاحظہ فرمائیے کہ یہ لوگ کس طرح راہ حق سے ہٹ گئے ہیں ۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ مطبوعہ نول کشور جلد سوم کے ص 453 پر لکھتے ہیں:۔

"مشکل ترین قضایا قضیہ فاطمہ زہرا ست۔زیرا کہ اگر بگوئی مکہ اوجائل بودباین سنتے یعنی حدیثے ولاوارث حدیث) کہ ابوبکر نقل کردہ بعیداست از فاطمہؑ واگر الزام کنیم شاید اتفاق نیفتاد اورا بسماع این حدیث ازاں حضرت مشکل میشود کہ بعد از ابی بکر وشہادت سائر صحابہ براں چرا قبول نکرد ودرغضب آمد۔واگر غضب اوپیش از سماع حدیث بود چرا ابرانگشت ازغضبتا این کہ امتداد کشید تازندہ بود مہاجر تکرد ابوبکر را۔

اور مولوی صدر الدین حنفی اپنی کتاب روائح المصطفیٰ میں جناب فاطمہؑ کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

بعد از وفات پیغمبر واقعات بسیار

گزشتہ مثل معاملہ فدك وسقط شد نحمل او،وتهدید

نمودن عمر خطاب بنی ہاشم راکہ درخانہ زہرا اجتماع نمودہ بودند ونالہ وشیون نمودن حضرت زہرا پیش انصار طولے دارد

وذکرش ناکردن اولے ترس تووصیت نمودن حضرت زہرا کہ ہیچ کس برجنازہ اوحاضر نشود دلیل صریح است بر آنکہ حضرت زہراؑ آرزدہ وملول ازدنیا رفت۔اکنونت اویل ہرچہ خواہندہ کنندہ ومرثیہ برائے پیغمبرؐ انشانمودیك بیت ازاولاں قصیدہ این است۔

صبت علی مصائب لوانہا صبت علی الایام صرن لیالیا

بعد از رحلت رسولؐ بہت سے ایسے واقعات ہوئے مثلاً معاملہ فدک، حضرت زہراؑ کا حمل ساقط ہونا، عمر بن الخطاب کا ان بنو ہاشم کو ڈرانا، دھمکانا جو خانہ فاطمہ زہرا میں جمع ہوئے تھے، حضرت فاطمہ زہرا کا مجمع انصار میں نالہ وشیون کرنا، جو بہت طوالت رکھتے ہیں اور جن کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے حضرت زہرا کا اپنی وفات کے وقت وصیت کرنا کہ کوئی ان کے جنازے پر نہ آئے صاف وصریح دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت فاطمہؑ دنیا سے آزردہ وناراض گئیں۔اب جو چاہے ان کی تاویل کریں۔حضرت زہراؑ نے آنحضرتؐ کا ایک مرثیہ کہا تھا جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

(ترجمہ) میرے اوپر ایسی مصیبتیں پڑیں کہ اگر وہ روزہائے روشن پر پڑتیں تو مثل رات کے تاریک ہو جاتے۔جناب

فاطمہؑ کے بعد بھی جو ان کی اولاد سے عداوت جاری رہی ہے اسکی گواہی کربلا کے میدان دمشق کے قید خانے بغداد کے جلاد خانے اور سامرہ کے داڑ ہن قیامت کے دن دیں گے۔ ابھی یہ معاملہ ختم نہیں ہوا۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ختم ہو گیا غلطی پر ہیں۔ ابھی تو فقط مشاہدہ ختم ہوا ہے۔ مطالعہ اور نتیجہ تو باقی ہے۔ مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے، قیامت کے دن پارٹی بازی، جماعت بندی، ضد، عصبیت کام نہ دے گی۔ اہلبیت رسالت سے اتنی دشمنی کیوں؟ اہلبیت کی آڑ میں یہ دشمنی رسول خداؐ سے ہے۔ رسول خدا سے کیوں ہے؟ اس کو سوچو۔ اس سارے معاملہ میں دو ہی مقاصد محرک عمل ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ لوگ دل سے ایمان نہیں لائے تھے۔ جاہلیت کے نظریات اور جاہلیت کی زندگی اور اقدار کی محبت ان کے دل میں جا گزیں تھی۔ چونکہ رسول خداؐ اور علی مرتضیٰ نے جاہلیت وکفر کے بیخ و بن کو اکھاڑ دیا اور ان کے بتوں کو کعبہ سے نکال دیا اس لیے یہ لوگ ان دونوں کے دشمن ہو گئے یا دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دنیا کی وجاہت اور حکومت وطاقت کی جاذبیت نے ان کے دماغ پر مسلط ہو کر ان کو ایسا اپنی طرف کر لیا تھا کہ رسول خدا کے احکامات کو دنیا کے مقابلہ میں نظر انداز کر دیا۔ تیسری کوئی اور وجہ نہیں ہو سکتی۔ جناب علی مرتضیٰ کے فضائل اور ان کے درجہ کو ہر مسلم عالم نے مانا ہے لیکن خاندانی اور آبائی مذہب نے زبان بندی بھی کر دی۔ دو سنی عالموں کی تحریرات ہم نقل کر چکے ہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔

ولما رائیت الناس قد ذهبت بهم　　　　مذاهبهم فی لجرا الغی والجهل

رکبت علی اسم الله فی سفن النجاً　　　　وهم اهل بیت المصطفیٰ خاتم الرسل

وامسکت حبل الله وهو ولاهم　　　　کما قد امرنا بالتمسك بالحبل

جب میں نے دیکھا کہ لوگوں کا مذہب ان کو گمراہی اور جہالت کے سمندر میں لے گیا ہے تو میں خدا کا نام لے کر نجات کی کشتی میں سوار ہو گیا اور وہ اہلبیت رسول مصطفیٰ ہیں۔ اور میں نے خدا کی رسی کو مضبوط پکڑ لیا اور وہ ان کی محبت ہے اور ہم کو اس رسی کے پکڑنے کا حکم خدا نے دیا ہے۔

دعبل الخزاعی شاعر اہلبیتؑ نے کیا اچھا کہا ہے۔

یا امه السوء ما جازیت احمد فی　حسن البلاء علی التنزیل والسور

خلفتموه علی الابناء حین مضیٰ　　　　خلافة الذئب فی انفاذی بقر

اریٰ امیه معذورین ان قتلوا　　ولا اری لبنی العباس من عذر

قوم قتلتم علی الاسلام اولهم　　　　حتی اذا استمکنوا اجازوا علی الکفر

ابنا حرب ومروان واسرتھم بنو معیط ولاۃ الحقد والزعر

قبران فی طوس خیر الناس کلھم وقبر شرھم ھذا من العبر

ما ینفع الرجس من قبر الزکی ولا علی الزکی بقرب الرجس من ضرر

ھیھات کل امرء رھن بما کسبت لہ یداہ فخذ ما شئت او فذر

۱۔اے امت بد، تو نے احمد مختار کو ان کے اسلام اور قرآن کا کیا اچھا بدلہ دیا ہے۔

۲۔جب انھوں نے دنیا سے رحلت فرمائی تو تم نے ان کی اولاد کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جیسا کہ بھیڑیا گائے کے بچے کے ساتھ کرتا ہے۔

۳۔بنو امیہ نے جو قتل وغارت کیا تو ان کو میں معذور سمجھ سکتا ہوں لیکن بنو عباس کے لیے مجھے کوئی عذر نظر نہیں آتا۔

۴۔تم نے ان لوگوں کے سلف کو اسلام پر قتل کیا۔لیکن جب تم کو حکومت مل گئی تو خود کفر کی طرف چلے گئے۔

۵۔اور حرب ومروان وبنو معیط اور ان کے خاندانوں کے تم ساتھی بن گئے

۶۔طوس میں دو قبریں ہیں۔خیر الناس کی اور شر الناس کی (خیر الناس سے مطلب امام علیؑ رضا ہیں اور شر الناس ہارون الرشید ہے)

۷۔صاحب رجس کو ذکی وطاہر کی قبر کی نزدیکی سے کچھ فائدہ نہیں۔اور طاہر ذکی کو صاحب رجس کی قربت سے کچھ مضرت نہیں۔

۸۔ہر ایک آدمی مرہون ہے اس کا جو اس کے ہاتھ کماتے ہیں۔بس جس کو تیرا جی چاہے اختیار کر اور جس کو تیرا جی چاہے چھوڑ دے۔

یہ اشعار دعبل نے ہارون الرشید کے بیٹے مامون الرشید کے سامنے پڑھے تھے۔پہلے زمانہ کے شیعوں کی جرات قابل داد ہے،مامون نے تو تحمل سے کام لیا۔لیکن اس کے بعد سن 246 ہجری میں دعبل ،بہت بیدردی سے قتل کر دیئے گے۔

جناب امیرؑ کی شخصیت کا حال اوپر معلوم ہوا آپ کا مقصد حیات وحکومت معلوم کرنا بہت ضروری ہے۔اور اس پر خاص طور سے زور دینا چاہئے۔زمانہ حال کے یورپین مؤرخین اور ان کے اندھے مقلد دین کا ورد کلام یہ ہوگیا ہے کہ حضرت علیؑ کو سیاست نہیں آتی تھی۔حضرت عمر اور حضرت معاویہ کا درجہ سیاست دانی کا بہت اعلیٰ تھا۔حضرت علی کے مقابلے میں دونوں نے کامیابی حاصل کر لی۔خود حکومت پر قبضہ کر لیا اور علیؑ کو نہ آنے دیا۔پہلا سوال یہ ہے کہ کامیابی کس کو کہتے ہیں۔کامیابی اس کو کہتے ہیں کہ

انسان اپنی زندگی کے مقصد کو حاصل کرلے وہ ہی اس کی کامیابی ہے زید کا مقصد زندگی یہ ہے کہ وہ ایک نیک وصالح آدمی بن جائے ایسا کہ اسے خدا کی رضامندی حاصل ہوجائے۔ دنیا کی دولت وحکومت اس کا مقصد نہیں۔ اندریں صورت اگر وہ نیک وصالح آدمی ہوگیا تو اسکی زندگی کامیاب ہے۔ اگر حکومت نہیں ملی تو یہ نہیں کہیں گے کہ وہ ناکامیاب رہا۔ اور اگر وہ نیک وصالح نہ ہوا اور اسے حکومت مل گئی تب بھی اسکو کامیاب نہ کہیں گے۔ حضرت علیؑ کا مقصد حیات حکومت نہ تھا۔ ان کا مقصد حیات اسلام کی اشاعت اور خدا کی رضامندی تھا۔ مادہ پرست انسانیت کہے گی کہ:۔

۱۔ حکومت کو چھوڑ کر محض اسلام کی اشاعت اور طلب رضائے خداوندی میں لگا رہنا علیؑ کا مقصد نہیں ہوسکتا کیونکہ حکومت واقتدار کے پیچھے نہ دوڑنا خلاف عقل ہے۔

۲۔ یہ تو وہ مثال ہوگئی کہ انگور کھٹے ہیں جب حکومت نہ ملی تو کہہ دیا کہ یہ تو ہمارا مقصد ہی نہ تھا۔ کیا مجلس شوریٰ میں حکومت حاصل کرنے کے لیے علیؑ نے تقریریں نہیں کی تھیں اور اپنا حق نہیں جتایا تھا۔

یہ تاریخی بحث ہے۔ اس میں علی وابوبکر وعمر کی مذہبی حیثیت سے تعلق نہیں لہٰذا اگر ان حضرات کی تاریخی تنقید میں ہم کچھ بیان کریں تو شیعہ وسنی حضرات ناراض نہ ہوں۔ مذہبی مقام اور ہے وہاں معتقدات سے تعلق ہوتا ہے تاریخی مقام دوسرا ہے وہاں واقعات سے تعلق ہوتا ہے۔ اور اگر ناراض ہے تو تاریخی تذکرہ ہی کو چھوڑ دو۔

ہمارا یہ خیال ہے اور ہم اس کو اپنی کئی دیگر تصنیفات میں ظاہر کرچکے ہیں کہ دنیا کے تمام امور اور انسان کی تمام خواہشات نیکی پر مبنی ہیں۔ خدا نے نیکی کو پیدا کیا ہے۔ اور بدی کو نہیں پیدا کیا بلکہ نیک امور کا برا استعمال انکو شر میں تبدیل کردیتا ہے۔ انسان کی ہر خواہش نیک ہے۔ غصہ، جذبہ، رقابت، لوگوں کو دیکھ کر خود ترقی کرنے کی کوشش کرنا، جرات، سخاوت، محبت، عفو، خواہش نسواں، خواہش حکومت، خواہش دولت سب نیک ہیں۔ اور دنیا کبھی بھی نہیں چل سکتی اگر یہ خواہش انسان میں موجود نہ ہوتیں۔ لیکن جو چیز ان خواہشوں اور جذبات کو شر میں تبدیل کردیتی ہے وہ ان کا بُرا استعمال ہے۔ ان کا برا اور بے موقع استعمال غصہ کو بے جا طیش میں، جذبات رقابت اور خواہش ترقی کو کینہ وحسد میں، جرات بے موقع کو احمقانہ جانبازی میں، سخاوت کو اسراف میں، محبت کو جنون میں، عفو کو لاپرواہی میں، خواہش نسواں کو خواہش زنا میں، خواہش حکومت کو تدبیر ظلم وجور ومکر وفریب میں، خواہش دولت کو حرص بیجا میں تبدیل کردیتا ہے یہاں ہمارا تعلق حکومت سے ہے لہٰذا اس کو ہم ذرا تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

حکومت بہت بڑا ذریعہ ہوتا ہے لوگوں کو صراط مستقیم پر چلانے کا یا گمراہی میں ڈالنے کا۔ رعایا کی معاشی ضروریات، رعایا کا

رزق، رعایا کا مذہب، رعایا کا طرز رہائش وزندگی سب حکومت کے رویہ اور طرز عمل پر منحصر ہوتا ہے۔اس امر پر زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں الناس علی دین ملوکھم۔ بنی نوع انسان کا بہت پرانا تجربہ ہے۔اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر حکومت عدل وانصاف پر چلے۔صراط مستقیم پر قائم رہے۔اسلام کے اصول وقواعد پر عمل کرے تو دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں،لیکن اگر اس میں ظلم وجور رائج ہو، اسلام کی طرف سے لاپرواہی برت کر کفر کی طرف چلیں تو اس سے بڑھ کر کوئی اور ذریعہ ضلالت نہیں۔اور جو اس کا اہل نہ ہو وہ اگر اس پر زبردستی یا مکروفریب سے قبضہ کرلے تو یہ ایسی مصیبت ہوتی ہے جس کا علاج نہیں ہوسکتا۔علاوہ اسکے اسلام میں یونانی حکومت نہیں ہے بلکہ امامت ہے جسکے فرائض ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔جناب علی مرتضیٰ جانتے تھے کہ ان سے بڑھ کر کوئی حکومت کا اہل نہیں ہے۔جناب رسول خدا نے ایک مرکز اسلام کے لیے قائم کردیا تھا۔اور آپ کو اس مرکز پر متعین کردیا تھا۔یہ بات بھی حضرت علی جانتے تھے کہ اگر ان کے سوا کسی اور نے اس پر قبضہ کرلیا تو ایک تو رسول خدا کے احکام کی خلاف ورزی ہوگی۔دوسرے اسلام کی مرکزیت ختم ہوکر مسلمان متفرق گروہوں میں تقسیم ہوجائیں گے جو لوگ کسی کو خلیفہ مقرر کریں گے وہ ہمیشہ ان کا حاکم نہیں بلکہ محکوم رہے گا۔جس طرح وہ چاہیں گے ان کی خواہش کو پورا کریگا۔جمہور ہمیشہ کم علم، جاہل،گمراہ،خواہشوں کے بندے رہے گا۔اسطرح حکومت کو چلوائیں گے۔لہذا آپ کی خواہش محض اسلام کے فائدہ کے لیے یہ تھی کہ حکومت ان کی طرف آجائے اور وہ مسلمانوں کو صراط مستقیم پر چلائیں اپنا فائدہ مدنظر نہ تھا۔

لیکن حکومت کو امن وچین کے ساتھ لینا چاہتے تھے۔فتنہ وفساد کے ذریعہ سے نہیں۔ یہاں یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ جنہوں نے جسد اطہر رسول کو بغیر غسل وکفن چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں حکومت کے حصول کے لیے لڑائی لڑیں وہ بھی محض اسلام کے فائدہ کے لیے تھا۔اب ہم کو اس پیغمبر سے ہدایت حاصل کرنی چاہیے جس کے پاس جانے کو قرآن شریف نے تاکید اکید کی ہے۔یعنی عقل سلیم۔اس کا فیصلہ قطعی ہوگا،ہماری عقل سلیم کہتی ہے کہ دونوں فریق کے طرز عمل پر نظر ڈالو کس کا طرز عمل اس کے قول کے مطابق ہے۔

حضرت علیؑ نے کبھی کسی سے حصول حکومت کے لیے سازش نہیں کی۔مذہباً اور اخلاقاً اس پیغمبرؐ کا اس محسن کا دفن وکفن ہر ایک امر پر مقدم تھا جس نے راہ ہدایت دکھائی تھی۔عربوں کو ملا کر ایک جماعت بنائی تھی۔جاہلیت ورسوم جاہلیت کو مٹایا۔شرعی و اسلامی حکومت پیدا کی تھی۔اور یہ حکومت اسکی ہی تو پیدا کی ہوئی تھی لہذا اسکو فرض اولین سمجھ کر وہاں بیٹھ گئے اور نہ اٹھے چنانچہ عرفی کہتا ہے۔

اماے کہ روز وفات پیمبرؐ خلافت گذارد بماتم نشید

سقیفہ میں ہوا کیا جو کچھ ہوا۔ اسکے بعد اپنا حق، اور جناب رسول خداؐ کا آپ کو جانشین مقرر کرنا تو ہر ایک کو بتا دیا، جتا دیا۔ اور یہ بھی اچھی طرح ان کے ذہن میں نشین کرا دیا کہ اس زمانہ میں وہ امام میں ہی ہوں جس کی نسبت جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃ جاہلیۃ اپنی شناخت کرانا امام وقت کے لیے ضروری ہے کہ جیسے نبی رسول کے لیے یہ فخر بے جا نہیں ہوتا بلکہ فرض امامت ہوتا ہے۔ جب لوگوں نے رشوت اور غلط بیانیوں سے اپنی حکومت کو مضبوط و مستحکم کرنے کی کوشش کی اور سازشوں میں مشغول ہو گئے تو حضرت علیؑ نے سمجھ لیا کہ اب اگر تلوار اٹھائی تو دو ہی صورتیں ہیں۔ یا فتح ہوئی یا شکست ہوئی۔ اگر فتح ہوئی تو یہ لوگ کفار میں مل جائیں گے اور کہیں گے کہ قریش مکہ سچ کہتے تھے کہ محمدؐ کا مقصد تو اپنی اور اپنے خاندان کے لیے حکومت کرنا تھا۔ وحی والہام تو محض بہانہ تھا۔ دیکھو حکومت حاصل کر لی۔ اور اگر ہمیں شکست ہوئی تو اسلام کی مدد کا موقعہ ان میں رہ کر بذریعہ نصیحت وصلاح ہے وہ بھی جاتا رہے گا۔ اپنا حق بھی بتا دیا۔ اپنی فتح کے مواقع بہت کم تھے۔ کیونکہ دوسروں کی سازش اپنا کام کر چکی تھی۔ رسول خداؐ اور اسلام کی مدد و حفاظت میں جو حضرت علیؑ نے جہاد کیے تھے اور کفار کے رشتہ داروں کو قتل کیا تھا اسکی دشمنیاں اور کینے لوگوں کے دلوں میں تھے، اگرچہ وہ رشتہ دار مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن حمیت جاہلیت باقی تھی۔ ان امور کو ہم بہت اچھی طرح تفصیل سے اپنی کتاب "البلاغ المبین" میں بیان کر چکے ہیں، اور ان تدابیر کو بھی بیان کر چکے ہیں جو فریق ثانی نے حضرت علی و اہلبیت رسالت کو حکومت و امامت سے محروم کرنے کے لیے کی تھیں۔ ان اسباب کو بھی ہم نے ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے اہلبیت رسالتؐ کے خاندان سے خلافت ظاہری نکل گئی۔

فریق ثانی۔ فریق ثانی کے طرز عمل پر بھی غور کرو۔ حیات رسولؐ ہی سے ان کی سازشیں شروع ہو گئی تھیں۔ جب بھی رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کے فضائل بیان کیے یا کوئی اور عمل ان کے اظہار حق کا کیا تو یہ لوگ فوراً اعتراض کر دیتے تھے اور لوگوں کو جتاتے تھے کہ دیکھو رسول خداؐ محبت کی وجہ سے یہ کہہ رہے ہیں جب رسول خداؐ نے خلوت میں حضرت علیؑ سے رازہائے سربستہ بیان کیے تو انھوں نے اعتراض کیا کہ آپ نے تو اپنے ابن عم کے ساتھ بہت طویل گفتگو خلوت میں کی۔ دیکھئے۔ ابن عم کا لفظ بتا رہا ہے کہ محبت خاندانی کی طرف اشارہ ہے جب سب کے دروازے جو مسجد میں کھلے تھے بند کرا دیے تو حضرت علیؑ کا دروازہ کھلا رکھا تو غل شور مچا دیا۔ جناب رسول خداؐ کو اس فریق کی موجودگی اور ان کی عدوات علیؑ کا حال معلوم تھا۔ آپ حضرت علیؑ سے فرمایا کرتے تھے کہ یا علیؑ ان لوگوں کے دلوں میں تمہاری طرف سے کینے ہیں جو یہ لوگ نہیں ظاہر کرتے۔ لیکن میرے انتقال کے بعد ظاہر کریں گے۔ جب بحکم خداوندی آنحضرت نے حضرت علیؑ کی جانشینی و امامت و سرداری کا اعلان غدیر خم کے موقع پر فرما دیا۔ تو ایک کھلبلی اس جماعت میں مچ گئی ایک صاحب کو بھیجا جس نے علانیہ مسجد میں آ کر رسول خداؐ کے منہ در منہا اعتراض کیا اور کہا کہ کیا

علیؑ کو آپ نے ہمارے سر پر جو بٹھا دیا ہے تو وہ بھی خداوند کے حکم سے ہے۔ آنحضرتؐ نے کہا کہ ہاں خدا کے حکم سے ہے؟ وہ یہ کہتا ہوا واپس ہوا کہ اگر محمدؐ سچ کہتے ہیں تو بارالٰہا میرے اوپر ابھی آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور عذاب نازل کر۔ چنانچہ آسمان سے پتھر اس کے سر پر گرا اور وہ مرگیا۔ اور آیت نازل ہوئی کہ سَئَلَ سائل بعذاب واقع۔ آنحضرتؐ کی ان ہی باتوں سے تنگ آ کر اس جماعت نے وادی عقبہ میں آپ کو قتل کرنا چاہا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ واقعہ جنگ تبوک سے واپسی پر ہوا۔ ممکن ہے کہ یہ درست ہو۔ کیونکہ حدیث منزلت اس سے پہلے ہی سنائی گئی تھی۔ اور اس جماعت کو بلکہ تمام امت کو یقین ہو گیا تھا کہ آنحضرتؐ اپنے بعد اپنے مقام پر حضرت علیؑ کو قائم کریں گے۔ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں عام اعلان نہ کر دیں۔ قبل اس کے کہ وہ موقع آئے ان کو قتل ہی کر دیں۔ لیکن خدا نے بچا دیا۔ اور بات مشہور ہو گئی کہ ایک جماعت ہے جو علیؑ کی مخالف ہے اور آنحضرت کو قتل کرنا چاہتی ہے۔ اب اعلان کا وقت آیا۔ حکم خداوندی ہوا۔ آنحضرتؐ نے خیال کیا کہ اس اعلان سے لوگوں کی عداوت بڑھ جائے گی۔ لیکن خداوند تعالیٰ نے یقین دلایا کہ واللہ یعصمک من الناس۔ آنحضرتؐ نے اعلان کیا۔ ان لوگوں نے پینترا بدلا اپنے مرض اخیر میں جناب رسولؐ نے برائے تحریر وصیت کاغذ وقلم و دوات طلب کیا۔ یہ لوگ سمجھ گئے کہ اعلان زبانی کے بعد اب اعلان تحریری کی باری آئی۔ ہارج ہوتے۔ ایسے ہارج ہوئے کہ گھبرا کر کہہ دیا ان الرجل لیھجر حسبنا کتاب اللہ۔ رسول خداؐ نے ان کو قوموا عنی کہہ کر اپنے پاس سے ہٹا دیا وہ لوگ تو چلے گئے لیکن ان کے خیر خواہ حرم رسول میں تھے۔ لوگ کہتے ہیں کہ پھر کیوں نہ لکھوا دیا۔ علیؑ نے کیوں نہ قلم و دوات مہیا کر دی۔ اعتراض کا موقع تو عقل انسانی کے لیے ہمیشہ رہتا ہے جب ہستی خداندی پر اعتراض کیا جاتا ہے تو یہ تو پھر قلم و دوات ہے۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اسی دن آنحضرتؐ کا انتقال ہو گیا۔ اور آنحضرتؐ حضرت عائشہ کے گھر میں تھے۔ علاوہ اس کے اگر حضرت علیؑ قلم و دوات مہیا کر دیتے تو پھر خود ہی لکھنے بیٹھ جاتے دیگر صحابہ تو باہر نکال دیئے گئے تھے۔ رسول خدا نے صحیح نتیجہ نکالا کہ اس تحریر کو یہ لوگ نہ مانیں گے۔ حد ہو گئی۔ جب اپنے رسول کو مخبوط الحواس تک کہہ دیا تو پھر اب باقی کیا رہا۔ اور حضرت عائشہ کوئی نہ کوئی روڑا اٹکانے کے لیے ہمیشہ تیار ہی رہتی تھیں۔ کیا یہ بات کہنے میں کچھ زیادہ مشکل تھی کہ تحریر رسولؐ نے نہیں لکھوائی۔ میں ہمیشہ موجود رہتی تھی۔ یہ تو علیؑ نے خود لکھ لی ہو گی۔ رسول خداؐ نے جیش اسامہ تیار کر دیا تھا اور فرمایا تھا کہ فوراً جنگ موتہ کا بدلہ لینے چلے جاؤ۔ بڑے بڑے صحابی اس میں مقرر کیے تھے۔ آپ نے اسامہ کو تاکید کی کہ فوراً چلے جاؤ۔ نہ گئے۔ اس جماعت نے کوشش کی کہ نہ جائیں۔ وہ جانتے تھے کہ ہمارے پیچھے رسول خداؐ کا انتقال ہوا تو ہماری ساری کوشش بیکار ہو جائیگی آخری حربہ لعنت کا ایک رسول استعمال کر سکتا ہے وہ بھی آنحضرت نے استعمال کیا اور فرمایا کہ لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامہ۔ لیکن جن لوگوں کی عرصہ کی کارگذاری رائیگاں جاتی ہو ان کے لیے یہ حربہ کارگر نہ ثابت ہوا۔ رسول خداؐ کا

انتقال ہوتا ہے ایک بڑے مشیر کار جیش اسامہ کی شمولیت سے بچنے کے لیے اپنے سسرال چلے گئے جو مدینہ کے دور کے محلہ میں تھی۔ رسول خداؐ کا انتقال ہوا۔ فوراً کام کی ضرورت تھی۔ وہ موجود نہ تھے۔ ان کے ساتھی تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور رسولؐ کے انتقال کی خبر شائع ہونے سے روکنے لگے۔ جسد رسولؐ گھر میں پڑا ہوا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جو یہ کہے گا کہ رسولؐ مر گئے تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا۔ رسول خداؐ تو محض موسیٰؑ کی طرح میقات پر گئے ہیں۔ ادھر اپنے ساتھی کو انکی سسرال میں خبر بھجوادی کہ رسول خداؐ نے انتقال کیا جلد آؤ۔ لوگ کہتے ہیں کہ موت کا انکار محض جذبہ محبت کی وجہ سے ہوا۔ خیر وہ ساتھی آ گئے۔ ان کے دیکھتے ہی میقات ہو کہ محبت سے غت ربود ہو گئے فوراً سقیفہ کی طرف رخ ہو گیا۔ وہاں ہوا جو کچھ ہوا۔ ایک اپنے ہم خیال قبیلہ یعنی سلیم کو بھی خبر بھجوادی تھی۔ وہ اپنے سوار لے کر آئے۔ ان کے دیکھتے ہی فوراً اپنے ساتھی کا ہاتھ نکلوا کر بیعت کر لی۔ اور جبراً اور بذریعہ رشوت بیعت لینے کا سلسلہ شروع ہوا۔ احراق بیت فاطمہؑ کے لیے آگ لے جانا اور حضرت علیؑ کو جبراً دربار خلافت میں لے جانا اس ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جب مسند حکومت پر متمکن ہو گئے تو اب اس کے منتقل کرنے کے لیے وضع احادیث کی مشینری شروع ہوئی کہا گیا کہ رسول خداؐ نے کوئی اپنا جانشین مقرر نہیں کیا جب ہی تو ہم سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ مقرر کرنے گئے تھے۔ دل میں کھٹک رہا تھا کہ علیؑ کو رسولؐ نے خلیفہ مقرر کیا ہے لہذا اصول قائم کیا گیا کہ رسولؐ کے احکام دو قسم کے تھے۔ ایک تو نبوت سے متعلق تھے۔ دوسرے نبوت سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ ان مؤخر الذکر احکام کا ماننا یا نہ ماننا ہمارے اختیار میں ہے۔ نتیجہ نکالا کہ جانشین مقرر کرنا اس ہی قسم کے احکام میں آتا ہے۔ لہذا ہم نہیں مانتے اپنا حاکم مقرر کرنا لوگوں کا حق ہے۔ نہ کہ پیغمبر کا۔ اس کے لیے کسی نص کی ضرورت نہیں خاندان رسالت کو ہر طرح سے کچو کے دینے منظور تھے اور ان کی تحقیر مطلوب۔ لہذا فدک کو قبضہ حضرت فاطمہؑ سے چھین کر خود قبضہ کر لیا اور کہا گیا کہ رسول خداؐ نے فرمایا ہے۔ نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث

اور بہت سی ایسی ہی باتیں تھیں۔ کیا کیا ذکر کریں۔ تفصیلات اور ان کے حوالجات کے لیے دیکھو ہماری کتابیں ”البلاغ المبین حصہ اول دوم اور ضمیمہ البلاغ المبین اور نیز کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام بغیر انسب کتابوں کے یہ مضمون ناقص نظر آئے گا۔

ان سب باتوں کے دہرانے سے ہمارا مدعا یہ ثابت کرنا تھا کہ اس جماعت نے جو حصول حکومت کے لیے دوڑ دھوپ کی وہ اسلام کے فائدہ کی نیت سے نہ تھا بلکہ اپنا ذاتی فائدہ مدنظر تھا۔ اگر گنجائش ہوتی تو یہاں ہم یہ بھی ثابت کرتے کہ ان کی حکومت سے اسلام کو فائدہ نہیں ہوا۔ بلکہ نقصان ہوا۔ جو یہ معلوم کرنا چاہتا ہے وہ ہماری کتب مندرجہ بالا کا مطالعہ کرے۔

ہمارے اس مضمون کے لیے یہ معلوم کرنا نہایت ضروری ہے کہ جب حضرت علیؑ نے خلافت ظاہری قبول فرمائی اس وقت

مسلمانوں کی کیا حالت ہو چکی تھی اس سے ہی جناب امیر علیہ السلام کی مشکلات کا صحیح اندازہ ہو سکے گا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں کی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہو چکا تھا۔ اس انقلاب کے چند اجزاء یہ ہیں۔

1۔ مسلمانوں کی اکثریت خاندان رسالت خصوصاً حضرت علیؑ کی عظمت و عزت کو قطعاً بھول چکی تھی جو ان کو آنحضرتؐ کے زمانہ میں حاصل تھی۔

2۔ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر یہ اصول قائم کر چکے تھے کہ قرآن شریف کی تاویل اپنے قیاس سے کر سکتے ہو۔ یہ وہ خطرناک آزادی تھی جو انفرادی قیاس کو دی گئی جس نے قرآن شریف کو بڑی حد تک مسخ کر دیا۔ اور لوگ اپنی خواہشات اور سیاسی نظریات کے مطابق قرآن شریف کی آیات کو موڑنے لگے۔ یہاں تک کہ سیکڑوں فرقے قائم ہو گئے اور اسلام کی دھجیاں ہو گئیں۔

3۔ حضرت عمر کے شوریٰ نے ہر ایک کے دل میں خلیفہ بننے کی خواہش پیدا کر دی۔ وہ سمجھنے لگے کہ چند آدمیوں کو اپنے ساتھ ملا لیا اور بس خلیفہ ہو گئے۔ اس نے ہی طلحہ و زبیر کو حضرت علیؑ سے بغاوت کرنے پر آمادہ کیا اور لوگ اسکی آڑ میں حضرت علیؑ سے ذاتی دشمنی ورنجش نکالنے لگے۔ حضرت عائشہ کی مثال نہایت نمایاں ہے۔

4۔ ان لوگوں کے لیے جو حکومت و اقتدار کے خواہاں تھے سقیفہ کی مثال پیروی کے لیے موجود تھی۔ انھوں نے تمام مذہبی اور اخلاقی قیود کو نظر انداز کر دیا اور حکومت و اقتدار کے حصول کے پیچھے پڑ گئے۔ جناب معاویہ کی مثال اس ضمن میں نہایت نمایاں ہے ان کے دو ہی ہتھیار تھے رشوت اور زہر اور ان کا بہت آزادی کے ساتھ استعمال کیا۔ مدینہ والوں کو بالکل خرید کر اپنی طرف کر لیا۔

5۔ پہلے دو خلیفہ نے لشکر کشی کا سلسلہ اس وجہ سے جاری کیا تھا کہ لوگ باہر چلے جائیں اور ہمارے حصول حکومت اور کاروائی سقیفہ پر اعتراض نہ کریں۔ اور انصار و مہاجرین کے درمیان جو خطرناک بحث خلافت کے متعلق چھڑ گئی تھی وہ ان کے لیے برے نتائج نہ پیدا کرے۔ باہر سے دولت و عیش و عشرت کے سامان مدینہ اور مکہ میں آ کر ہم کو لوگوں کی نظروں میں ہر دلعزیز بنا دیں۔ اور ان فتوحات اولیں نے ان حضرات کے یہ مقاصد تو پورے کر دیئے لیکن اسلام کو خطرات عظیم ونقصانات لاتعداد ولاتحصٰی پہونچے ان کا ذکر ہم تفصیل سے اپنی دیگر تصنیفات مثلاً البلاغ المبین حصہ دوم میں کر چکے ہیں۔ یہاں دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ منجملہ دیگر ضرر رساں عناصر کے مندرجہ ذیل تین عناصر ایسے تھے جنھوں نے اسلام کے مسخ ہونے میں بڑی مدد کی۔

(۱) مسلمانوں کے دل میں ابھی فلسفہ اسلام کے اصول راسخ نہیں ہوئے تھے۔ اور جو عمل کے نمونے ارکان خلافت میں انھوں نے بعد رحلت رسولؐ دیکھے تھے وہ ایسے نہ تھے جو اسلام کا صحیح نمونہ پیش کرتے۔ اس حالت میں وہ باہر بھیج دیے گئے، جہاں انھوں نے اپنی ہی پورانی جاہلیت کے عکس فلسفہ ایران و یونان وہ ہندوستان میں دیکھے۔ وہ انھیں پرانے دوست نظر آئے اور انہیں گلے لگا لیا۔ وہ پرانے عقائد فلسفہ سے منجھے ہوئے جو ان کے سامنے پیش ہوتے یہ ان کی تردید نہ کر سکے اور ان کو اپنے اسلام میں کسی نہ کسی صورت سے داخل کرلیا۔ ان میں ان کو بہت مدد اپنے پہلے دو خلیفہ کے طرزِ عمل سے بھی ملی جنہوں نے عمداً اپنی حکومت کو یونانی تخیل پر چلایا تھا۔ اس کی تفصیل ہم نے اپنی دیگر تصنیفات مثلاً کتاب التفریق والتحریف فی الاسلام نور المشرقین من حیات الصادقین، اور فلسفہ اسلام حصہ دوم میں اچھی طرح کی ہے اور اس مضمون کے ابتدائی حصہ میں بھی کچھ بیان کیا ہے اس لئے اب ان کا اسلام وہ نہ رہا جو جناب محمد مصطفی ﷺ نے پیش کیا تھا اور جس کے لیے حضرت علیؑ نے معرکے جیتے تھے۔ چونکہ نظریہ جنگ ہی بدل گیا تھا لہذا ان خلفاؤں نے حضرت علیؑ کو ان میں شریک نہ کیا۔ اور یہ بھی خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ فوج جو علیؑ کے ماتحت ہو وہ علیؑ کا اتقاء اور طرزِ عمل دیکھ کر ان کی طرف ہو جائے اور ہمیں مشکل کا سامنا ہو۔

(۲) ان فتوحات سے غیر ملکی اور غیر اسلامی لونڈیوں اور غلاموں کی اس قدر کثرت مملکت اسلامیہ میں ہوگئی کہ وہ اپنا اثر اچھی طرح ڈال سکے۔ وہ اپنے ساتھ اپنے پرانے مذاہب کے عقائد و رسومات لائے اور اسلام میں داخل کر دیئے۔ ہر ایک خاندان میں ان غلاموں اور لونڈیوں کی کثرت ہوگئی۔

(۳) شام کی شراب اور ایران و روم کی رقاصہ اور گانے والیوں نے مکہ و مدینہ و اسلام کے ہر بڑے شہر میں ایک عیش وعشرت کا دریا بہا دیا۔ ہر خاندان پر ان کا اثر پڑا۔ اور عرب اپنی پرانی روایات جنگ وحقارت موت کو بھول گئے اب ان کے لیے جہاد پر جانا ناممکن ہوگیا۔ اور دولت وعیش کی فراوانی نے وہ ہی اثرات پیدا کیے جو اس کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اب معاویہ کے لیے بہت آسان ہوگیا کہ وہ اپنے روپیہ سے کام لے سکے۔ اس نے مدینہ میں اور جناب امیرؑ کے لشکر میں رشوت کا جال پھیلا دیا۔ اور اس روپیہ کے ساتھ شام کا حسن بھی برائے تفریح طبع پیش کیا۔ اب کیا تھا۔ حضرت علیؑ اپنے لوگوں کو جہاد پر ابھارتے ہیں اور وہ ٹس سے مَس نہیں ہوتے اور خود حضرت امیرؑ کے لشکر میں علانیہ باغی پیدا ہو گئے۔

اندریں صورت زمام حکومت وخلافت نہایت خطرناک ہو چکی تھی۔ کوئی اسکو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا وہ بھی اسلام کا درد تھا جس نے حضرت علیؑ کو اس خطرناک حالت میں کشتی اسلام کو چلانے پر آمادہ کیا۔ لیکن وہ لوگ جو ناجائز انعامات و جاگیرات کے عادی ہو چکے حضرت علیؑ کے منصفانہ اور غیر جانب دار طرزِ عمل کو کیونکہ قبول کرتے حضرت علیؑ کے خلاف سازشیں شروع

ہوگئیں اور ان کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔اس پر بھی جناب امیرؑ نے اپنے اصلی مقصد کو نہ چھوڑا اور اپنے نمونہ عمل اور اپنے مواعظ کے ذریعہ سے اپنی رعایا کے تعلیم وتربیت میں مشغول رہے۔اس پر آپ کے خطبات ومواعظ کا وہ مجموعہ دلالت کرتا ہے جس کو علامہ رضیؒ نے جمع کر کے نہج البلاغہ کا نام دیا ہے۔یہ خطبات مذہب وحکومت کی آمیزش کا بہترین نمونہ پیش کرتے ہیں۔جو لوگ کہتے ہیں کہ اسلامی طرز پر حکومت چل ہی نہیں سکتی وہ ان خطبات کا بغور مطالعہ کریں تو ان کو معلوم ہوگا کہ حکومت میں عدل وانصاف کسی اور طرح آہی نہیں سکتا جب تک اسلامی اصول پر ان کو نہ چلایا جائے۔اور عدل وانصاف ہی حکومت کا مقصد اولیں ہوتا ہے خواہ وہ جمہوریت ہو۔خواہ ملوکیت ہو۔اور خواہ ڈکٹیٹرشپ ہو،اب ہم ناظرین کے عقل سلیم کے اوپر چھوڑتے ہیں کہ کس فریق کا مقصد حیات کیا تھا۔ہماری رائے میں دونوں فریق اپنے اپنے مقصد حیات میں کامیاب ہوگئے۔حضرت علیؑ تبلیغ واشاعت دین صحیح میں دوسرا فریق حکومت ووجاہت دنیاوی حاصل کرتے ہیں اگر آجکل کی مادی دنیا حکومت ووجاہت کو صحیح مقصد حیات سمجھتی ہے تو وہ حضرت علیؑ کی زندگی کو کبھی کامیاب زندگی نہ سمجھے گی۔جب کبھی اس دنیا پر محبت مذہب وخوف خدا وخیال موت غالب تھے۔یا آئندہ کبھی جاگزیں ہوں گے تو وہ کسی صورت میں دوسرے فریق کی زندگی کو کامیاب زندگی نہ کہے گی۔بلکہ قائل تھی اور اب آئندہ ہو جائے گی کہ واقعی علی کی زندگی کامیاب زندگی تھی۔اور اس صورت ہی میں لوگوں کو حضرت علیؑ کی مشکلات کا اندازہ ہوسکتا ہے کہ جب علیؑ کا مقصد حیات وحکومت اچھی طرح سمجھ لیں اور لوگوں کی حالت معلوم کرلیں کہ حضرت علیؑ کے زمانہ میں ان کی کیا حالت ہو چکی تھی۔خدا اور رسول کو بالکل بھول چکے تھے۔اسلامی اصول تقسیم واندازہ عزت ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم بالکل نظر انداز ہو چکا تھا۔دولت وعیش وعشرت کو خوف خدا اور خیال موت پر ترجیح دی جانے لگی تھی۔اہلبیت رسالت کو بالکل نظر سے گرا چکے تھے۔ناظرین خود غور کرلیں کہ وہ کیسا زمانہ ہوگا کہ جب علیؑ ومعاویہ کا آپس میں مقابلہ ہونے لگا اور ایسے بہت سے لوگ موجود تھے جو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے معاویہ کو علیؑ پر ترجیح دینے لگے تھے علی کے لیے یہ بہت ہی بڑا کام تھا کہ ان ظاہری مسلمانوں کو از سر نو مسلمان بنائیں اس ایک امر میں جناب رسول خداؐ پر کتنی مشکلات درپیش آئی تھیں۔اور پھر بھی سب صحیح مسلمان نہ بن سکے۔منافقوں کی موجودگی اس پر دلالت کر رہی ہے کہ حضرت علیؑ کے لیے یہی ایک مشکل بہت بڑی مصیبت ہوگئی۔آپ نے بہت لکچر دیئے۔بہت تقاریر کیں،بہت خطبے بیان فرمائے۔کسی نے سنا اور بہتوں نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ آخر وہ لوگ بھی تو مسلمان تھے جنہوں نے خود وجاہت دنیاوی اور حصول حکومت کے لیے کوشش کی۔اور ان میں سے کسی بات کا خیال نہ کیا۔حضرت علیؑ ہیں کہ خوف خدا وخیال موت ہی سے ڈرے جاتے ہیں۔اور اس ڈر ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ معاویہ شام پر قابض ہوگیا اور اب ان کو ستائے جا رہا ہے۔ہم تو معاویہ کی طرف جاتے ہیں۔حضرت عمر کہہ بھی گئے تھے کہ معاویہ میرے دل کے مطابق

ہے جب کبھی مسلمانوں میں لڑائی ہو تو تم معاویہ کی طرف چلے جانا حضرت عمر ایسا بندوبست کر ہی گئے تھے کہ معاویہ آخر کار خلافت پر قابض ہو جائے۔ ہم تو او دھر ہی جاتے ہیں۔

مسجد نشیناں رخصتے خواہد بریم لعبتے درد دست رنگیں شیشہ در شیشہ موج کوثرے

یہ تھے وہ امور جن کی وجہ سے، مسلمانوں کی اکثریت حضرت علیؑ کے خلاف ہوگئی وہ لوگ جو خواہان حکومت واقتدار تھے ان کو اچھا موقعہ ہاتھ لگا۔ ان لوگوں کو علیؑ کے خلاف بھڑکایا اور اپنا مقصد مد نظر رکھا۔ ایک طرف طلحہ وزبیر خواہان امارت وخلافت، دوسری طرف حضرت عائشہ خواہان انتقام، تیسری طرف معاویہ جو اپنے وقت کا منتظر تھا۔ چوتھی طرف صاحبان رسوخ ودولت جو حضرت علیؑ کے مساویانہ سلوک سے بددل تھے۔ اور ان سب کے ساتھ وہ لوگ ملے ہوئے تھے جن کے رشتہ داروں کو حضرت علیؑ نے جہاد اسلامی میں قتل کیا تھا۔ اس طرح حضرت علیؑ نے چاروں طرف سے اپنے تئیں گھرا ہوا پایا۔ جب انھوں نے زمام خلافت اپنے ہاتھ میں لی۔ پھر معاویہ کی سازش ورشوت نے وہ رہا سہالاڈ بھی جو حضرت علیؑ کے ساتھ تھا اس کو بھی ختم کر دیا۔ اب علیؑ کے ساتھ ان کے تقدس، تقویٰ، اور استحقاق کی وجہ سے محبت کرنے والے کتنے رہ گئے۔ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے۔ حضرت علیؑ ان مشکلات میں اسلام کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے باد مخالف سے اسے بچا رہے تھے کہ آخر کا معاویہ کی سازش اور ان کے روپے نے عبدالرحمن ابن ملجم کی تلوار کو صیقل کیا۔ اور آپ عین نماز میں شہید کر دیے گئے۔

ہم جناب علی علیہ السلام کی مشکلات اور ان کے دشمنوں کا تذکرہ کر چکے۔ اب ہم جناب امیر علیہ السلام کی خلافت ظاہری کے واقعات پر تبصرہ کرتے ہیں۔

جناب امیرؑ کی خلافت ظاہری کے واقعات

جب خلافت ظاہری جناب امیر علیہ السلام کو پیش کی گئی اور اس کے قبول کرنے پر اصرار کیا گیا تو جناب امیرؑ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ پھولوں کا گلدستہ نہیں بلکہ کانٹوں کا غنچہ ہے جو مجھے پیش کیا جارہا ہے اس وقت بھی اسلام کی محبت نے اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا۔ اس وقت کوئی نہ تھا جو اس کو قبول کرتا اور اگر کوئی قبول نہ کرتا تو فتنہ وفساد یقینی تھا۔ لہذا آپ نے قبول کر لیا۔ جب لوگوں نے امن دیکھا تو انکے حسد ورقابت نے جوش کھایا۔

اب وہ لوگ جو خود قتل عثمان میں شریک تھے جیسا کہ عمرو بن العاص جس نے اپنے فعل کو فخراً بیان کیا اور وہ لوگ جو حضرت عثمان پر یورش دیکھ کر خوش تھے اور چاہتے تھے کہ وہ قتل ہو جائیں جیسے معاویہ، طلحہ، زبیر وحضرت عائشہ ان سب نے علی کے خلاف خون عثمان کے قصاص کی آڑ لے کر تلوار اٹھائی۔ قصاص کس سے لیں یہ نہیں بتا سکتے جنہوں نے عمداً حضرت عثمان کو قتل کیا

تھا ان کا نام تو کوئی نہیں بتا سکتا۔ جناب نائلہ زوجہ عثمان اس وقت موجود تھیں۔ ان کی ہمدردی و محبت قابل داد ہے۔ یہ یزید کی ماں کی رشتہ دار اور ان کے عیسائی قبیلہ سے تھیں۔ لیکن جس دلیری و محبت سے انھوں نے اپنے خاوند کو بچانے کی کوشش کی وہ لائق صد تحسین ہے یہ بھی قاتلوں کے نام نہ بتا سکیں۔ اب رہ گئے وہ قاتلان عثمان جو لوگوں کو قتل عثمان پر ابھار رہے تھے یا امداد کرنے کے قابل تھے اور عمداً مدد نہ کی کہ وہ قتل ہو جائیں تو اچھا ہے تو یہ لوگ علی کے لشکر میں اتنے نہ تھے جتنے جمل و صفین والوں کے لشکر میں تھے بلکہ ان کے سردار تھے اگر حضرت علی کے لشکر میں چند آدمی ایسے تھے تو اہل جمل کی سردارہ حضرت عائشہ تھیں جو بہت اصرار کے ساتھ لوگوں کو قتل عثمان پر اقتلوا نعثل کہہ کر ابھار رہی تھیں اور بعد میں لشکر جمل کی سردارہ ہو گئیں عمرو بن العاص جو حضرت معاویہ کا مددگار اعظم تھا اور فخراً کہتا تھا کہ میں وہ ہوں جس نے عثمان کو قتل کرایا۔ معاویہ حضرت عثمان کی مدد کر سکتے تھے انھوں نے ان کو مدد کے لیے طلب بھی کیا تھا۔ لیکن حضرت معاویہ نے عمداً ان کی مدد نہ کی۔ دنیا کے ہر قانون اور اخلاق کے ہر اصول کی بنا پر یہ بزرگوار ان قاتلان عثمان کی تعریف میں آتے ہیں۔ شرکاء قتل عثمان تو ضرور تھے اب معاویہ کے اس مطالبہ کی کیا قدر رہتی ہے کہ علی علیہ السلام سے ہم قصاص خون عثمان کے لیے لڑ رہے ہیں نائلہ کی انگلیاں جامع دمشق میں لٹکا کر حمقاء شام کو تو دھوکہ دے لو۔ خدا کے یہاں تو یہ انگلیاں کچھ کام نہ کریں گی۔ پہلے تو حضرت عثمان کے ولی کو بلاتے جو شریعت کے مطابق خون عثمان کا قصاص لے سکتا تھا۔ حضرت معاویہ کس قانون سے قصاص کے طالب ہو سکتے تھے۔ حضرت عثمان کا وہ ولی اگر قصاص لینا چاہتا تو پہلے معاویہ، عمرو بن العاص، حضرت عائشہ سے لیتا۔ اور پھر علیؑ سے کہتا کہ آپ بھی ایسے لوگوں کو میرے حوالے کیجئے۔ خیر حضرت علیؑ کو جہاں امت کی اور نا انصافیوں سے سابقہ پڑا ان میں سے ایک یہ بھی بڑی نا انصافی تھی۔

یہ بھی اہل غور و فکر کے سوچنے کی بات ہے کہ دونوں ایک ایک خلیفہ کے لڑکے تھے۔ محمد ابن ابی بکر اور عبداللہ ابن عمر یہ کیا وجہ ہے کہ جمہور اہل اسلام کے عبداللہ بن عمر تو ساتویں آسمان پر اور محمد بن ابی بکر کہیں نہیں۔ صحاح ستہ حضرت عبداللہ بن عمر کی مرویات سے بھری پڑی ہیں اور محمد بن ابی بکر سے بالکل اعراض، عبیداللہ ابن عمر کو جب ایک قتل بے گناہ میں ماخوذ کیا تو سب چلا اٹھے کہ وہ ہمارے خلیفہ کا لڑکا ہے ہم اس کو قتل نہ ہونے دیں گے۔ لیکن محمد ابن ابی بکر کو نہایت وحشیانہ طریقہ سے معاویہ کے حکم پر قتل کیا جاتا ہے اور ان کی لاش کو گدھے کی کھال میں بھرا جاتا ہے تو کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ ہاں۔ حضرت عائشہ محبت خواہرانہ سے معاویہ کے لیے قنوت میں بددعا کرتی ہیں اور اس پر لعنت کرتی ہیں۔ لیکن باقی مسلمان کچھ نہیں کہتے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہی وجہ ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ محمد ابن ابی بکر حضرت علیؑ کے معاون تھے۔ اور عبداللہ ابن عمر ان کے خلاف تھے۔

قصہ حکمین و خوارج بھی حضرت علیؑ کی خلافت ظاہری کے خاص واقعات کا مجموعہ ہے۔ اور خاص غور و فکر کا محتاج ہے، جنگ

صفین میں حضرت علیؑ کے بڑے بڑے جنرلوں نے معاویہ کا روپیہ قبول کرلیا تھا اس کی تفصیل متن کتاب میں حوالجات کے ساتھ آئے گی۔لیکن کچھ سرداران اس عیب سے پاک بھی تھے۔یہ لوگ بہانہ ڈھونڈھ رہے تھے کہ کس طرح علی کے خلاف ہوں۔ابھی اتنی شرم وحیا باقی تھی کہ علانیہ علی کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔ایکدن کی جنگ میں علی و مالک اشتر نے فیصلہ کرلیا کہ آج معاویہ کے لشکر کو تباہ کرینگے۔ایک طرف سے علیؑ اور دوسری طرف سے مالک اشتر دباتے چلے آرہے تھے اور قریب تھا کہ مالک اشتر معاویہ کے خیمہ تک پہنچ کر قتل کر دیں اتنے میں عمرو ابن العاص نے قرآن شریف کو نیزوں پر لٹکوادیا اب کیا تھا، بہانہ مل گیا۔ اور وہ لوگ جنہوں نے معاویہ سے روپیہ لیا ہوا تھا دوڑ پڑے کہ اس بہانہ کو مدد دیں اور معاویہ کا حق نمک ادا کریں۔حضرت علیؑ کو مجبور کیا کہ لڑائی بند کریں اور تجویز حکم پر راضی ہو جائیں۔حضرت علیؑ کہتے رہے کہ یہ تو دشمن کا بہانہ ہے صرف لڑائی بند کرانا چاہتا ہے،اب ہماری فتح ہونے والی ہے وہ نہ مانے ناچار مالک اشتر کو لڑائی بند کر کے واپس آنے کا پیغام بھیجا۔اس نے کہا کہ یہ کون ساوقت ہے لڑائی بند کرنے کا تھوڑی سی دیر میں معاویہ کا سر لا کے آپ کے قدموں میں ڈالنے والا ہوں۔

حضرت علیؑ نے پھر پیغام بھیجا کہ جب تک تم آؤ گے تو مجھ کو نہ پاؤ گے۔مجبوراً دست حسرت ملتا ہوا مالک اشتر واپس آیا۔حکم بھی حضرت علیؑ کے منشاء کے خلاف نامزد ہوا۔خیر اب یا تو معاویہ نے روپیہ سے ہاتھ روک لیا کہ مقصد پورا ہو ہی گیا ہے یا خود ان کو اپنے فعل پر ندامت ہوئی یہ تو کیونکر کہتے کہ ہم نے معاویہ سے رشوت لے کر علیؑ کو حکم پر مجبور کرنے میں غلطی کی یہ کہنے لگے کہ علیؑ نے حکمین پر رضامندی دینے میں غلطی کی۔

حضرت علی کے سوانح حیات میں رنج وآلام دنیا کا پورا فلسفہ نمایاں نظر آتا ہے اور خیر وشر کے علیحدہ خدا ماننے والوں کو اچھی طرح تردید ہوتی ہے۔ایک ہی خدا کی ایک ہی مشیّت ہر واقعہ میں نظر آتی ہے۔صبر و اسلام ایک دوسرے سے کتنے وابستہ ہیں۔ قرآن شریف میں جو صبر کی تعریف وتاکید کی گئی ہے اس کی وجہ ظاہر ہو جاتی ہے۔آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد جو شمع اسلام کو بجھانے کے لیے تیز وتند باد مخالف چلی تھی اس کا مقابلہ جناب امیرؑ نے کس شجاعت و مردانگی سے کیا۔اور شمع اسلام کو بجھنے سے بچا لیا۔دل کو توڑنے والے اور انسان کو خدا سے ہی نہیں بلکہ انسانیت سے مایوس کرنے والے ظلم جو امت نے آپ کے اوپر روا رکھے حضرت علیؑ کو جادہ استقامت سے نہ ہٹا سکے۔اور ان کی تاسی میں ان کے خاندان کے آنے والے گیارہ اماموں نے اسیطرح اسلام کو ہر زمانے کے کفر کے حملہ سے بچایا۔

اس مقدمہ میں جن واقعات کا ذکر ہم نے کیا ہے ان کی تفصیل اور ان کے ثبوت کے حوالے متن کتاب میں ناظرین کو ملیں گے۔

یہ تھے علیؑ اور اہلبیت رسالت۔اور وہ تھے صحابہ اور ان کے حاکم ناظرین خود فیصلہ کرلیں۔کہ کون قابل اطاعت و پیروی ہے اور کس کو دور ہی سے سلام کرنا چاہیئے۔ابتدائی خلافت میں صحابہ اور آل رسولؐ کا جو تنازعہ شروع کیا تھا اس کی وجہ ہست و بود بھی معلوم ہو گئی۔ہر شخص کو جان دینی ہے۔اور اس کے ساتھ محض اس کے اعمال و عقائد جائیں گے۔ضد، ہٹ دھرمی، اور تعصب مرتے ہی اس کا ساتھ چھوڑ دیں گے یہ وہ وقت ہوگا کہ جب جاہ و حشمت کے سر بلند پیچھے ہٹتے ہوئے نظر آئیں گے۔جو ہر وقت دروازے پر طلب الطاف و عنایت کے متمنی رہتے تھے اب نظر ہی نہ آئیں گے۔دوست اقارب سب چھوڑ چکے ہوں گے۔بستر مرگ کے ادھر اودھر چند وراثت کے خواہاں خوشی کے آنسو بہاتے ہوں گے اور یہ سمجھے گا کہ میری مفارقت کے غم میں رو رہے ہیں جس چیز پر نظر ڈالے گا غیروں کی نظر آئے گی۔سچ ہے

چو آہنگ رفتن کند جان پاک چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک

اس وقت اس کو یقین ہوگا کہ دنیا کی حقیقت ایک خیال سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ہماری زندگی کیا ہے

چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

سعدی نے سچ کہا ہے

خوش است غم کہ جاودانی نیست

اور وہ کہہ چکے ہیں کہ " انچہ پایندگی ندارد، دلبستگی را نہ شاید" اصلی حقیقت اس زندگی میں ہے جس کے بعد موت نہیں۔جس کو فنا نہیں۔اس کے لیے ہمارے پاس زاد راہ کیا ہے۔خدا نے ان سے اس دائمی زندگی کا وعدہ کیا ہے جو ایمان بھی رکھتے ہیں اور اس کے مطابق عمل بھی نیک کرتے ہیں۔اہلبیت رسالتؐ سے بڑھ کر کسی کا نمونہ ایمان و عمل نہیں ہے۔ہم ان کی پیروی کریں نہ کہ ایرے غیروں کی۔

السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

محمد سلطان مرزا (کراچی)

پہلا باب

زندگی کا چوتھا دور عہد خلافت

پہلی فصل

بیعت خلافت

مدینہ میں سناٹا چھایا ہوا ہے، دوکانیں بند گلیاں سنسان، بازاروں میں ہو کا عالم، صحابہ کبار اپنے اپنے گھروں میں دبکے بیٹھے ہیں کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ گھر سے باہر قدم نکالے، نماز کے لیے ذرا مسجد نبوی ہی تک آجائے، وہ بھی جن کے ہاتھ حضرت عثمان کے خون سے رنگین تھے اور وہ بھی جنہوں نے اس واقعہ سے الگ تھلگ رہنے کی کوشش کی۔ حضرت عثمان کے جاں نثاروں خاندانی رشتہ داروں میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی بہت سے بھاگ چکے تھے اور بہت سے بھاگنے کی تیاریوں میں مشغول تھے، حضرت عثمان کی میت گھر میں پڑی ہوئی ہے اور دفن وکفن کا کوئی سامان نہیں اور نہ اتنے آدمی مہیا جو لاش کو قبرستان تک لے جاسکیں، بہ ہزار خرابی تین دن کے بعد میت قبرستان یہود میں سپرد خاک ہوسکی اور اکثر مورخین کے قول کی بنا پر نماز جنازہ کی نوبت بھی نہ آئی۔

مدینہ فوجی چھاؤنی بنا ہوا ہے، قائد لشکر غافقی کی حکومت ہے وہی امامت کے فرائض بھی انجام دیتا ہے اور امن وامان کی نگرانی بھی اسی کے ذمہ ہے، تین دن تک کسی کے حواس بجا نہ ہوئے، جب کچھ ہوش آیا تو یہ فکر پیدا ہوئی کہ خلافت کا انتخاب ہو تو کیونکر ہو اور کسے خلیفہ منتخب کیا جائے، بصرہ کے لوگوں کی خواہش تھی کہ طلحہ کا انتخاب ہو اور کوفہ والے زبیر کے حامی تھے مگر حضرت عثمان کے خون سے ان دونوں کے ہاتھ جس قدر رنگین تھے سب ہی جانتے تھے، یہی وجہ تھی کہ تین دن کے بعد مسجد نبوی میں عام اجتماع ہوا اور طلحہ وزبیر بھی امید وبیم کی کشمکش سینوں میں لیے ہوئے مسجد آئے تو رائے عامہ ان کے خلاف ہو چکی تھی اور خود ان کے حامی بھی ان کی حمایت سے دستبردار ہو چکے تھے، مسجد کے گوشہ سے ان کے خلاف نعرے بلند ہونے لگے اور ہر طرف سے یہ آوازیں آنے لگیں۔

"تم دونوں عثمان کے خون میں آلودہ ہو امر خلافت سے تم دونوں دور رہو" (امامت وسیاست)

طلحہ کے لیے یہ صورت حال غیر متوقع تھی، وہ یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئے قتل عثمان میں شرکت کا الزام اتنا خطرناک نہیں تھا جتنا عثمان کے لیے لوگوں کے دلوں میں جذبات ہمدردی اور ان کے قتل ہونے پر رنج وملال خطرناک تھا، ان کا یہ تردد بے جا

نہیں تھا کہ کہیں یہی جذبہ ہمدردی اور حسرت وافسوس آگے چل کر جذبہ انتقام میں منتقل نہ ہو جائے اور یہ مجمع جو عثمان کا کام تمام کرنے میں ہمارے چشم وابرو کے اشاروں کا پابند تھا، ہمیں مورد الزام نہ ٹھہرائے، انھوں نے پہلے جیسی نفرت وبیزاری کی فضا برقرار رکھنے اور ساتھ ہی ساتھ قتل عثمان سے اپنی بے تعلقی ظاہر کرنے کے لیے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"لوگو! خدا کی قسم میں آج بھی وہی کہتا ہوں جو کل کہتا تھا، عثمان نے گناہ اور توبہ دونوں کو خلط ملط کر دیا جس کی وجہ سے ان کی خلافت ہمیں گوارا نہ ہوئی، ہم انہیں قتل بھی نہیں کرنا چاہتے تھے، ہماری خواہش صرف انھیں خلافت سے ہٹا دینے کی تھی، اس میں بات بڑھی اب ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھوں میں ہے" (امامت وسیاست)

طلحہ کے بعد زبیر نے بھی اپنی بے گناہی و بے تعلقی کا اظہار ضروری سمجھا لیکن یہ طلحہ سے زیادہ دور اندیش تھے بجائے اس کے کہ وہ اپنی صفائی پر زور دیتے انھوں نے مناسب سمجھا کہ لوگوں کی توجہ دوسری طرف موڑ دی جائے، سب سے اہم مسئلہ خلافت کا تھا انھوں نے کھڑے ہو کر اسی مسئلہ کو ہاتھ میں لیا۔

"لوگو! خداوند عالم نے تمھارے شوریٰ والے طریقہ کو پسند فرمایا تھا، ہم لوگوں نے آپس میں رائے مشورہ کیا۔ ہم علیؑ کو پسند کرتے ہیں تم لوگ علیؑ کی بیعت کرو" (امامت وسیاست)

یہ تیر نشانے پر بیٹھا، "خلیفہ کون ہو" ہر ایک کی توجہ اسی پر لگی ہوئی تھی اور اسی چیز کو زبیر نے بغیر کسی تمہید کے پیش کر دیا۔ سرگوشیاں ہونے لگیں، سب کی گھبرائی ہوئی نگاہیں طلحہ وزبیر پر پڑتی تھیں، قتل عثمان سے پہلے تین ہی شخصوں پر لوگوں کی نگاہیں جاتی تھیں، طلحہ زبیر اور علیؑ، بقول مؤرخین ہر ایک کے طرفداروں کے علیحدہ علیحدہ حلقے بھی تھے، مگر خود زبیر نے یہ کہہ کر کہ ہم لوگوں نے رائے مشورہ کر کے علیؑ کو پسند کیا ہے۔ سناٹا طاری کر دیا۔ سب نے یہی سمجھا کہ دونوں نے متحد ہو کر خلافت سے دست کشی کر لی ہے اور اس شخص کی خلافت پر اتفاق کر لیا ہے جو ان دونوں سے زیادہ سزاوار خلافت ہے یعنی علیؑ! اور اس طرح دونوں نے مختلف نظریات کی جماعتوں کو ایک نقطہ پر متحد کرنے کی کوشش کی ہے۔

مجمع زبیر کی اس پیش کش کی اہمیت پر ابھی غور ہی کر رہا تھا کہ انھوں نے اپنی تقریر اس منزل پر لا کر ختم کی۔

"رہ گئے عثمان تو ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھوں میں ہے انھوں نے نت نئی باتیں کیں۔ جو کچھ ہوا خدا اس کا فیصلہ کرنے والا ہے" (امامت وسیاست)

لیکن علی ابن ابیطالبؑ نے اس تحریک کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھے رہے، اور بیعت کے خواہشمند جوق جوق آتے خوشامد کرتے ہیں، ہر طرف سے یہی مطالبہ ہر شخص کی یہی درخواست۔ مگر آپ ہر ایک کو واپس کر دیتے ہیں،

ایک دن گذار دو دن گذرے، علیؑ کی خلافت کی تحریک بڑھتی جاتی ہے ہر شخص کی زبان پر آپ ہی کا نام اور آپ کو خلیفہ دیکھنے کے لیے سب کے دل بےچین، تیسرے دن، یا پانچویں دن پھر وہی مسجد نبوی تھی اور مدینہ کی پوری آبادی، مہاجرین و انصار بھی اور مصر کوفہ و بصرہ کے اشراف و معززین بھی، صحابہ پیغمبرؐ میں شاید ہی کوئی باقی رہا جو مسجد میں موجود نہ ہو، مجمع میں اضطراب و بےچینی ہے۔ سب ہی اس فکر میں غلطان کہ حق کو حق دار تک پہونچایا جائے اور وہ حق دار علیؑ کے سوا کوئی دوسرا نہ تھا، جناب عمار نے کھڑے ہو کر تقریر کی۔

”اے انصار کل تک عثمان کی جیسی حکومت تم پر رہی، تمہیں اچھی طرح معلوم ہے، آج اگر تم نے اپنے حال پر رحم نہ کیا تو انہیں خطرات کا سامنا ہے اور ویسے ہی مصائب میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ، کوئی شک نہیں کہ علیؑ اپنی عظمت و جلالت فضل و شرف کی وجہ سے تمام لوگوں سے زیادہ سزاوار خلافت ہیں۔“

مسجد میں ایک گونج پیدا ہوئی اور پورے مجمع نے ہم آواز ہو کر کہا رضینا بہ ہم ان کی خلافت پر راضی ہیں عمار دوسری جانب مڑے جدھر مہاجرین بیٹھے ہوئے تھے اور ان سے بھی یہی بات کہی کہ:۔

علیؑ کو تم پہلے سے جانتے ہو ہمیں تو علیؑ کے سوا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا جو اس بار خلافت کو اٹھا سکے۔ اس مرتبہ بھی وہی ایک آواز گویا سارے دہنوں سے نکلی:۔

ہم راضی ہیں اور علیؑ ہماری نظروں میں ویسے ہی ہیں جیسا تم نے بیان کیا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

اب سارا مجمع تھا اور علیؑ کی ڈیوڑھی، اس مجمع میں طلحہ بھی تھے اور زبیر بھی اور ان کے پیچھے مدینہ کی پوری آبادی کے نمائندے بھی ہیں اور مصر کے نمائندے بھی شام و حجاز سے آئے ہوئے لوگ بھی ہیں اور فلسطین و یمن کے باشندے بھی۔ وقت کو گذرتے دیر نہیں لگتی، گھڑیاں گھنٹوں میں، گھنٹے دنوں میں اور دن ہفتوں اور مہینوں میں تبدیل ہوتے چلے جاتے، بارہ مہینہ مل کر سال بن جاتا ہے اور سو سال گذرے تو سمجھئے صدی بیت گئی، چوبیس سال کی کیا بساط ہے آناً فاناً گذر گئے آج پھر علیؑ کے گھر پر ہجوم ہے فرق اتنا کہ اندر دختر رسولؐ موجود نہیں ہیں اور باہر مجمع کا رویہ گستاخانہ اور بے ادبانہ نہیں ہے، اس دن اس لیے آئے تھے کہ چل کر نئی حکومت کے ساتھ اشتراک و وفاداری کا حلف اٹھائیے آج اس لیے آئے ہیں کہ مسلمانوں کی حکومت کا انتظام سنبھالیے“ سب کی متفقہ آواز ہے انت لنا رضی آپ ہی ہمارے پسندیدہ ہیں۔

اور آپؑ فرماتے ہیں:۔

لاحاجة لی فی امرکم ایها الناس انا معکم فمن اخترتم فقد رضیته بهذعونی والتمسو غیری

ایھا الناس انا مستقبلون امرا له وجوه والوان لا تثبت علی العقول ولا تقوم له القلوب

مجھے تمہاری حکومت سے کوئی غرض نہیں میں تمہارا شریک حال ہوں جس کو بھی تم چاہو چن لو میں اس پر راضی ہوں مجھے چھوڑ دو اور اس خلافت کے لیے میرے علاوہ کسی اور کو ڈھونڈو، ہمارے سامنے ایک ایسا معاملہ ہے جس کے کئی رخ اور کئی رنگ ہیں جسے نہ دل برداشت کرسکتے ہیں اور نہ عقلیں اسے مان سکتی ہیں۔" (نہج البلاغہ)

ملتی ہوئی دولت اور ہاتھ آتی ہوئی سلطنت کو یوں ٹھکرا دینا آسان بات نہ تھی، سمجھنے والوں نے سمجھا کہ علیؑ اور جیسے نہیں وہ اپنی آپ نظیر ہیں، ان کی دوررس نگاہیں حال کے پردوں کو چاک کرتی ہوئی مستقبل کے آخری سرے تک پہونچ رہی ہیں، کل جو وہ دعویدار خلافت تھے تو اس لیے نہیں کہ ان کے دل میں تاج شاہی کی لالچ اور تخت سلطنت کی تمنا تھی بلکہ ان کی غرض اصلی محض یہ تھی کہ اسلام کا سر اونچا ہو، دین کی بنیادیں مضبوط ہوں اور مسلمانوں میں وہ اخلاق وکمالات ترقی پائیں ان میں وہ کردار پیدا ہو جو پیغمبر اسلام ان میں پیدا کرنا چاہتے تھے، انھیں یہ یقین کامل تھا کہ ہم دوسروں کے مقابلہ میں اسلام کی خدمت واشاعت کی زیادہ اہلیت رکھتے ہیں، شاہانہ جاہ وجلال اور اقتدار وحکمرانی کی انھیں بال برابر بھی پروا نہ تھی۔اب مجمع کی منتیں ہیں خوشامدیں ہیں کہ حضور اسلام کی حالت پر رحم فرمائیں اور اس وقت حکومت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں، اسلام اور مسلمانوں کا واسطہ دیا جارہا ہے کہ آپ ہی کی ذات سہارا ہے، ہم اس وقت جن دشواریوں سے دوچار ہیں آپ ہی دور کرسکتے ہیں۔ہم آپ کو خدا کی قسم دیتے ہیں آپ دیکھتے نہیں کہ ہم کن مصیبتوں میں مبتلا ہیں؟ آپ ملاحظہ نہیں فرماتے؟ اسلام پر کیسی آفتیں پھٹ پڑی ہیں آپ اس فتنہ وفساد کو نہیں دیکھتے۔آپ ہماری حالت پر خوفزدہ نہیں، اس درخواست کے بعد مجمع گوش برآواز ہے" انتخاب کی نگاہیں حضرت علیؑ کے چہرے پر جم گئیں، کل جو چیز شرائط کے ساتھ تفویض کی جارہی تھی، یا شرائط کے بہانے جس سے انھیں محروم کرنے کی تدبیر کی گئی تھی آج وہ بغیر کسی شرط کے قبول کرلینے کا اصرار اور شدید اصرار ہے مسلمان دست بستہ عرض کررہے ہیں" حضور خلافت قبول فرمائیں" اور رسولؐ کا حقیقی جانشین پوری عالی ظرفی اور سیر چشمی کے ساتھ تخت حکومت کو ٹھکرا رہا ہے۔لے جاؤ مجھے ضرورت نہیں ہے، میری حکومت تمہیں اچھی نہ لگے گی، یہ انکار کیوں کیا گیا؟ اس کا سبب کیا ہے؟ یقیناً اس کا سبب یہ تھا کہ سابقہ حکومتوں کے رویے کی بدولت مسلمانوں کی عادتیں بگڑ چکی تھیں اور زاویہ نگاہ میں تبدیلی ہوچکی تھی، اسلامی حکومت کے نام سے جس سلطنت کا قیام عمل میں لایا گیا تھا وہ دنیاوی اقتدار کے سانچے میں ڈھالی گئی تھی اور کسرویت اور قیصریت کے آثار نمودار تھے یہ چیز کسی طرح اس سادگی اور مساوات وحق پرستی کے ساتھ سازگار نہ تھی جسے پیغمبرؐ اسلام نے دنیا میں پھیلایا تھا اور جس پر حضرت علیؑ قائم تھے اسے وہ خوب جانتے تھے کہ اگر میں اس وقت حکومت کی باگ سنبھالوں تو مجھے زمانے کے ساتھ ساز کرکے ہوا کے رخ پر چلنا

پڑے گا اور یہ مجھ سے کبھی نہ ہو سکے گا۔ میرا ضمیر مجھ کو کبھی دنیاداری کی اجازت نہیں دے سکتا، یا میں زمانے کے ساتھ ستیز کرونگا، بیشک اگر میں ذمہ داری لے لوں تو مجھے ایسا ہی کرنا چاہئے مگر اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حکومت میں خلفشار رہے گا اور بحیثیت ایک حاکم کے عام نگاہوں میں میرا دور ناکامیاب سمجھا جائے گا۔ آپ نے پورا انکار کیا۔ مگر مسلمانوں کا اصرار انتہائی حدوں تک پہنچا ہوا تھا اور وہ اتمام حجت کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ یعنی حضرت علی ابن ابی طالبؑ پر یہ ذمہ داری عائد کی جارہی تھی کہ دنیا آپ سے ہدایت واصلاح کی طالب ہے آپ کو قبول فرمانا چاہئے"

آپ نے فرمایا اگر خلافت قبول کئے بغیر چھٹکارا نہیں تو پھر مسجد نبوی میں میری بیعت پوشیدہ نہیں ہوگی بلکہ مجمع عام میں اور تمام مسلمانوں کی رضامندی سے۔

دوسرے دن آفتاب ابھی بلند بھی نہ ہونے پایا تھا کہ پورا مدینہ سمٹ کر آپ کی ڈیوڑھی پر آ گیا۔ وقت کے ساتھ مجمع بڑھتا جاتا تھا جدھر نگاہ اٹھتی تھی سر ہی سر دکھائی دیتے تھے آپ گھر سے برآمد ہوئے مسلمان شوق زیارت میں ٹوٹے پڑتے تھے ہجوم اتنا بڑھا کہ کتنے کچلے گئے ہر ایک آپ تک پہونچنے، اپنے خلوص کا اظہار کرنے کے لیے بیچین تھا معلوم ہوتا تھا جیسے اس سے پہلے نہ علیؑ مدینہ میں موجود تھے نہ علیؑ کو کبھی دیکھنے کا موقع ملا تھا، جوش مسرت سے لوگوں کے قدم زمین پر نہ ٹکتے تھے، تکبیر وتہلیل کی صداؤں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی مجمع آپ کو جلو میں لئے ہوئے مسجد نبوی تک پہونچا۔ آپ بالائے منبر تشریف فرما ہوئے مجمع پر ایک نگاہ ڈالی اور ارشاد فرمایا۔

"لوگو یہ تمہاری حکومت وخلافت کا معاملہ ہے ابتک تم ہی اپنا حاکم مقرر کرتے آئے۔ کل ایک بات ہم میں تم میں طے ہوئی تھی، ابھی موقع باقی ہے تم مجھے چھوڑ کر جسے بھی چاہو خلیفہ مقرر کر سکتے ہو مجھے کوئی عذر نہ ہوگا۔

ایک ہی ساتھ سب کی زبان سے نکلا:۔

"ہم اپنی بات پر قائم ہیں اور وہی ہماری درخواست ہے جو ہم نے کل کی تھی"

آپ نے فرمایا:۔

"دیکھو میں نے کل تمہاری اس حکومت سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا لیکن تمہارا اصرار ہے کہ میں اس خلافت کو ضرور ہی قبول کروں تم میں کسی کو اختلاف تو نہیں؟"

سارے مجمع سے یہ آواز بلند ہوئی:۔

نبایعک علی کتاب اللہ خدا کی کتاب پر آپ کی بیعت کرتے ہیں:۔

آپ نے فرمایا:۔

اللّٰھم اشھد خداوندا تو ان پر گواہ رہنا۔

آپ کے اس فقرہ کے بعد بیعت شروع ہوئی لوگ آپ پر امنڈ پڑے آگے آگے کبار مہاجرین وانصار تھے پیچھے پیچھے معززین کوفہ وبصرہ ومصر، ہر ایک کی کوشش تھی کہ دوسروں سے پہلے امیر المومنین کہہ کر میں سلام کروں، اپنی عقیدت کا اظہار اور ہدیہ تہنیت پیش کروں۔

"حضرت علیؑ انکار کرتے رہے اور لوگوں کا اصرار بڑھتا رہا ابن خلدون میں ہے کہ جب لوگوں نے اسلام کے انجام سے ڈرایا تو علیؑ نے مجبور ہو کر اگلے دن کا وعدہ کیا۔

ایڈورڈ گبن لکھتا ہے، تیسرے خلیفہ کی رحلت تک جو وفات رسولؐ کے 24 سال بعد ہوئی علی خلیفہ نہیں ہوئے اور اب جمہور کی عام خواہش نے شاہی اور امامت کا عہدہ آپ کے سپرد کیا۔

ابو طالب کے بیٹے کو دنیا کی شان وشوکت اور خود بینی سے نفرت تھی، نماز کے وقت وہ مسجد جامع کی طرف چلے، ایک باریک عبا کاندھے پر تھی، سر پر عمامہ تھا ایک ہاتھ میں نعلین اور دوسرے میں بجائے عصا کے کمان تھی، صحابہ اور قبائل کے سرداروں نے اس نئے حاکم کا خیر مقدم کیا اور بیعت کے لیے سیدھا ہاتھ بڑھایا۔ (ڈیکلائن اینڈ فال آف دی رومن ایمپائر)

علیؑ کی بیعت اتفاقی اور ہنگامی جذبات کی پیداوار نہ تھی، دفعتہً کسی کی تجویز اور کسی تائید نے ان کو خلیفہ نہ بنا دیا تھا بلکہ سوچنے اور سمجھنے کے لئے پورے سات روز کا وقفہ دیا گیا تھا اور اب امّت شرائط عائد نہیں کر رہی تھی بلکہ خود علیؑ یہ فرما رہے تھے۔

مجھے چھوڑ دو اور میرے غیر سے التماس کرو کیونکہ ہم ایک ایسے امر کی طرف رخ کر رہے ہیں جس کی مختلف صورتیں ہیں مختلف رنگ ہیں، حالانکہ دل اس پر قائم نہیں ہوئے اور عقلیں اور رائیں ثابت واستوار نہیں ہوئیں۔ بے شک ابر جہالت آفاق پر چھایا ہوا ہے، شاہرائیں متروک ونا پید ہو گئیں خوب جان لو اگر میں تمہارے التماس کو قبول کروں اور تم سے بیعت لوں تو تمھیں احکام خداوند کا متحمل بناؤں گا جنھیں میں اچھی طرح جانتا ہوں اس وقت میں کسی کہنے والے کے قول کی پروانہ کروں گا نہ ملامت کرنے والے کی ملامت کا اور نہ کسی عتاب کرنیوالے کے عتاب کا مجھے خوف ہوگا، اگر تم مجھے ترک کر دو گے تو اس وقت میں تمھیں میں سے ایک فرد ہوں اور امید ہے کہ اس شخص کے لیے تم اپنے امر کا ولی بناؤ تم سے زیادہ سننے والا اور مطیع ثابت ہوسکوں۔ (تذکرہ محمد وآل محمد حصہ دوم مولانا ابن حسن صاحب جارچوی)

"اسلام اور مسلمانوں کی حالت پر رحم کرتے ہوئے" الٰہی نظام" کے نمائندے اور حاکم نے مجبوراً ظاہری حکومت بھی قبول

فرمائی اور اس طرح دنیا نے دیکھ لیا کہ خدا اور اس کے رسول کا منتخب اور نامزد کیا ہوا حاکم ایسا تھا جسے مخالف جماعت اور نام نہاد جمہوری اور انسانی نظام کے شیداؤں نے بھی بلاشرط اپنا حاکم بنالیا اور اس طرح عملاً اپنے اصول کی شکست کے قائل ہو گئے جب کہ دنیاوی حکمران کسی قیمت پر بھی حضرت علیؑ سے اپنی حکومت تسلیم نہ کرواسکے، یہ وہ دوررس نتیجہ تھا جو رسول کے بعد مقابلہ کرنے اور تلوار اٹھانے سے نہیں حاصل ہوسکتا تھا اب حضرت علیؑ بالاتفاق خلیفہ رسول اور امیر المومنینؑ ہوئے۔ واقعی حقیقت تو بہر حال ناقابل انکار اور محفوظ تھی، اب ظاہری طور سے بھی وہی ہوگا جو ہونا چاہئے تھا بین الفریقین فرمانروائی آپ سے پہلے کسی کو بھی حاصل نہ تھی مگر حکومت قبول کرتے وقت آپ نے صاف صاف اعلان فرمادیا کہ دیکھو جب تم ذمہ داری میرے سپرد کر رہے ہو تو جو میں ٹھیک راستہ سمجھوں گا اسی پر تمہیں چلاؤں گا اور کسی کے اعتراض اور نکتہ چینی کی پروانہ کروں گا۔

دوسری فصل

بیعت کے موقع پر امیرالمومنین علیہ السلام کے ارشادات

حضرت کی بیعت مسلمانوں نے کتنے جوش وخروش سے کی خود امیرالمومنینؑ نے اپنے خطبوں میں اس کی تصویر کشی فرمائی ہے:

فتداکوا علی تداک الابل الهیم یوم ورودها قد ارسلها راعیها وخلعت مثانیها حتی ظننت انهم قاتلی او بعضهم قاتل بعض لدیّ۔ فما راعنی الا والناس کعرف الضبع الیّ ینثالون علیّ من کل جانب حتی لقد وطی الحسنان وشق عطفاء مجتمعین حولی کربضیة الغنم وبسطتم یدی فکففتها، ومددتموه فقبضتها، ثم تداککتم علی تداک الابل علی حیاضها یوم ورودها حتی انقطعت النعل وسقطت الرداء ووطی الضعیف وبلغ من سرور الناس ببیعتهم ایّای ان ابتهج الصغیر وهدج الیها الکبیر وتحامل نحوها العلیل وحسرت الیها الکعاب۔

"وہ اس طرح بے تحاشا میری طرف لپکے جس طرح پانی پینے کے دن اونٹ ایک دوسرے پر ٹوٹتے ہیں کہ جنہیں ان کے ساربان نے پیروں کے بندھن کھول کر کھلا چھوڑ دیا ہو یہاں تک کہ مجھے یہ گمان ہونے لگا کہ یا تو مجھے مار ڈالیں گے یا میرے سامنے ان میں سے کوئی کسی کا خون کر دے گا۔

اس وقت مجھے نہیں ڈرایا مگر اس حال نے کہ لوگ ٹڈی دل کی کثیر تعداد میں جیسے بکثرت بجّو کی گردن کے بال ہوتے ہیں۔ ہر طرف سے ٹوٹے پڑتے تھے یہاں تک کہ میرے بچے حسنؑ وحسینؑ کچل گئے اور میرے پہلو چھل گئے (یا میری چادر پھٹ گئی) لوگ میرے گرد بھیڑ کے گلہ کی طرح جمع ہو گئے۔ تم نے بیعت کے لیے میرا ہاتھ اپنی طرف پھیلانا چاہا تو میں نے اسے روکا اور تم نے کھینچا تو میں اسے سمیٹتا رہا مگر تم نے مجھ پر اس طرح ہجوم کیا جس طرح پیاسے اونٹ پانی پینے کے دن تالابوں پر ٹوٹتے ہیں یہاں تک کہ جوتی کے تسمے ٹوٹ گئے اور عبا کاندھے سے گر گئی، کمزور وناتوان کچلے گئے اور میری بیعت پر لوگوں کی مسرت یہاں تک پہنچ گئی کہ چھوٹے چھوٹے بچے خوشیاں منانے لگے اور بوڑھے لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے بیعت کرنے کے لیے بڑھے، بیمار بھی اٹھتے بیٹھتے ہوئے پہونچ گئے اور نوجوان لڑکیاں پردوں سے نکل کر دوڑ پڑیں۔"

بیعت کے بعد آپ کی تقریر:

ذمّتی بما اقول رهینة وانا به زعیم انّ من صرّحت له العبر عمّا بین یدیهم المثلات حجزته التّقوی عن تقحّم الشّبهات الا وانّ بلیّتکم قد عادت کهیئتها یوم بعث الله نبیکم صلی الله علیه و اله والّذی بعثه بالحقّ لتبلبلنّ بلبلة ولتغربلنّ غربلة ولتساطنّ سوط القدر حتی یعود اسفلکم اعلاکم واعلاکم اسفلکم ولیسبقنّ سابقون کانوا قصروا، ولیقصرنّ سبّاقون کانوا سبقوا والله ما کتمت وشمة ولا کذبت کذبة ولقد نبّئت بهذا المقام وهذا الیوم الّا وانّ الخطایا خیلٌ شمسٌ حمل علیها اهلها وخلعت لجمها فتقحّمت بهم فی النّار الا وانّ التقوی مطایا ذللٌ حمل علیها اهلها واعطوا ازمّتها فاوردتهم الجنّة حق و باطل ولکلّ اهلٌ فلئن امر الباطل لقدیما فعل ولئن ادبر شیءٌ فاقبل۔

میں اپنے قول کا ذمہ دار ہوں اور جو کچھ کہتا ہوں، اسکی سچائی کا ضامن یقیناً جس کے لیے عبرتوں نے آگے آئی ہوئی بلاؤں (اور سامنے) کی عقوبتوں کو اچھی طرح کھول کے ظاہر کر دیا ہو اسے اللہ کا خوف شبہوں میں پڑنے سے روکے گا۔ ہوشیار ہو جاؤ تمہاری اگلی آفت اور پہلی بلا آج پھر اس طرح (۱) پلٹ آئی ہے جیسے اس دن تھی جب تمہارے نبی کو اللہ نے مبعوث بہ رسالت کیا تھا[۲] اس ذات کی قسم جس نے رسول کو مبعوث برحق کیا حتماً تم لوگ برح طرح خلط ملط[۳] کر دیے جاؤ گے اور یقیناً (گوشت کی طرح

۱۔ آپ فرماتے ہیں کہ تم لوگوں کی بالکل وہی حالت ہوتی جاتی ہے جو اس وقت تھی جب، رسالتمآب مبعوث بہ رسالت ہوئے تھے، یعنی آپس کا نفاق، تعصب، بغض، حسد فساد، ظلم، بدگوئی وغیرہ وغیرہ اس بیان سے آپکا یہ مطلب ہے کہ تقوی تم لوگوں میں نہیں، اگر تقوی ہوتا تو یہ حالتیں ہرگز پیدا نہ ہوتیں، پھر تقسیم فرماتے ہیں کہ ان حالتوں اور ان، ذائل کے نتائج یہ ہوں گے کہ تم لوگ یقیناً بلاؤں میں مبتلا کئے جاؤ گے اور دوسروں کے ہاتھوں سے ذلیل ہو گے یہاں سے معصوم کا کلام آیندہ کی خبر دے رہا ہے۔

۲۔ بنی امیہ کے افعال اور ان کے جور و ستم کی طرف اشارہ ہے کہ تم لوگوں کو تمھاری عادات کی وجہ سے بری طرح سے پیسیں گے اور تم یوں آپس میں ملا دیئے جاؤ گے اور خلط ملط کر دیے جاؤ گے یہ نہ معلوم ہوگا کہ عزیز کون ہے اور ذلیل کون ہے بلکہ ذلیل عزیز اور عزیز ذلیل ہو جائے گا حاکم محکوم اور محکوم حاکم ہو جائے گا یہ اس لیے کہ تمھاری تنظیم، تمھاری ترتیب اور تمھارے افعال درست نہیں، صداقت تم سے رخصت ہے اور دنیا تم سے قریب تقوی الہی تم میں مفقود اور حب دنیا تم میں موجود

۳۔ لتغربلت یا تو یہ غربلہ سے ہے جس کے معنی چھاننے کے ہیں اور اسی سے غربال چھلنی کے معنوں میں مستعمل ہے اور یا غربلت اللحم سے ہے جس کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے ہیں آپکا مطلب یہ ہے کہ تمھارے عدم اتحاد اور نفاق کی وجہ سے ایک دن وہ آئے گا کہ تم یا تو ایک ایک چن چن کے مارے جاؤ گے اور قتل کئے جاؤ گے جیسا کہ چھاننے کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اچھا حصہ آٹے کا محفوظ کر لیا جاتا ہے اور بھوسی الگ کر دی جاتی ہے یوں ہی جلیل القدر اصحاب نبی قتل کر دیے جائیں گے اور ولائے اہلبیت پر پہرے بٹھائے جائیں گے اور ان سے محبت کرنے والے تہ تیغ کئے جائیں گے جیسا کہ معاویہ نے کیا جناب حجر اور ان کے ساتھیوں کو صرف ولائے اہلبیت کی وجہ سے قتل کر دیا، ایک جناب حجر کیا ہزاروں صحابی مختلف عنوان سے قتل کر دیے گئے اور اس وقت صحابیت کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا۔

) تمہارے ٹکڑے (الگ الگ) کئے جائیں گے (یا اچھی طرح چھانے جاؤ گے اور تم ابلتی ہوئی دیگ کی طرح تلے اوپر کئے جاؤ گے یوں کہ تمہارے کم رتبہ ابلند مرتبہ اور بلند مرتبہ کم رتبہ ہو جائیں گے جنہوں نے پہلے کمی کی تھی [2] اور پیچھے رہ گئے تھے وہ آگے بڑھ جائیں گے اور جو پہلے آگے بڑھ گئے تھے وہ پیچھے ہو جائیں گے خدا کی قسم میں نے کوئی ظاہر کر دینے والی) بات چھپائی نہیں اور نہ کبھی جھوٹ بولا اس (بیعت وخلافت) اور آج [3] کے دن کی اطلاع مجھے پہلے دیدی گئی تھی یاد رہے خطائیں وہ منہ زور گھوڑے ہیں جس پر خطارکار سوار کئے گئے ہیں اور ان کی باگیں اور ان کی باگیں ڈھیلی کر دی گئی ہیں سو وہ اپنے سواروں سمیت جہنم میں پھاند پڑے اور گویا تقوی (خوف الہی) رام کی ہوئی اور سدھائی ہوئی سواریاں ہیں جن پر اہل تقوی سوار کئے گئے اور ان کی لجامیں ان کے ہاتھ میں دیدی گئیں ان سواریوں نے انہیں جنت میں اتار دیا (دو ہی چیزیں ہیں) حق اور باطل (سو) حق والے بھی ہیں اور باطل پرست بھی اگر باطل فرماں روا رہا یا اس کی کثرت ہوئی تو ایسا پہلے ہی ہوتا آیا ہے اور اگر حق

---

[1]۔ یعنی وہ لوگ جو زمانہ رسولؐ ووصی رسولؐ میں باعزت تھے وہ ذلیل نظر آئیں جو محبوب رسول ووصی رسولؐ تھے وہ دشمن سمجھے جائیں گے اور ان کے ساتھ دشمنوں ہی کا سلوک کیا جائے گا۔ لتبلبلن لتغربلن اولتساطن۔ یہ تینوں جملے قریب قریب ایک ہی مفہوم ادا کرتے ہیں اور اس انقلاب کی تصویر کشی کرتے ہیں جو اسلام میں رونما ہوا۔

[2]۔ جو لوگ کہیں پیچھے تھے وہ آگے بڑھے ہوئے دکھائی دیں گے اور جو کہیں آگے تھے وہ انقلاب زمانہ سے کہیں پیچھے دکھائی دیں گے حق مغلوب ہوتا نظر آئے گا باطل غالب ہوتا ہوا دکھائی دے گا۔ ان فقرات کی شرح میں علامہ ابن عبدربہ شارح نہج البلاغہ اپنا نوٹ یوں لکھتے ہیں:۔

ولقد سبق معاویة الی مقام الخلافة وقد کان فی تصوه عنه بحیث لا یظن وصوله الیه وقصر ال بیت النبوه عن بلوغه وقد کانوا اسبق النّاس الیه

دیکھو نا معاویہ جس کے متعلق وہم وگمان بھی نہ تھا وہ خلافت تک پہنچ گیا اور خلیفہ بن بیٹھا اور اہلبیت رسول جن کا حصہ اور حق خلافت تھا وہ محروم کر دیئے گئے اور خلافت ان کو نہ مل سکی (یعنی ظاہری حیثیت سے ورنہ خلافت آلٰہیہ حقیقی سے انہیں کون ہٹا سکتا ہے)

[3]۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی بات جو رسولؐ مجھ سے فرما گئے تھے اور تمہارے نفع کے لیے تھی پوشیدہ نہیں رکھی اور نہ کبھی کذب سے کام لیا اس جگہ شارح نہج البلاغہ علامہ ابن عبدربہ عبارت لکھتے ہیں:۔

وکان رضی الله لا یکتم شیئا یحول بنفسه کان اما را بالمعروف نها عن المنکر لا یحابی ولا یداری ولا یکذب ولا یداجی، امیر المومنینؑ نے درحقیقت کسی بات کو نہیں چھپایا آپ اچھی باتوں کا حکم کرنے والے اور بری باتوں سے روکنے والے تھے، آپ اس وقت میں کسی کی پروا نہ کرتے تھے وہ نرمی سے کام لیتے تھے بلکہ سختی سے تبلیغ فرماتے تھے۔

اس فقرہ کو قبل میں لانا گویا مطلب آیندہ کے صداقت کی تمہید ہے جسے آپ نے یوں شروع کیا ہے لقد نبئت بھذا المقام مجھے اس کشمکش بیعت وخلافت کی خبر رسولؐ نے پہلے ہی دیدی تھی اور مجھے بتا گئے تھے کہ میرا حق یوں غصب ہوگا اور یوں دوسرے لوگ غصب حق میں حصہ لیں گے اس غصب کی تکلیف کا اظہار آپ نے متعدد مقامات پر مختلف عنوانات سے فرمایا ہے چنانچہ اس خطبہ میں بھی اس کا ذکر ہے۔

(کے افراد) کم رہے تو اکثر ہی ہوا ہے، (اور امید تو ہے کہ حق ہی قلّ الحق فلربما ولعلّ لقلّما باطل پر غالب ہو) اگر چہ ایسا بہت کم ہوا ہے کہ پیچھے ہٹی ہوئی چیز آگے بڑھ جائے اور گئی ہوئی شے پلٹ آئے۔ ایسی صورت میں حق کے پلٹنے کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔

"صاحب روضۃ الاحباب اور ابن اثیر کے موافق حضرت خلیفہ ہوئے تو سب سے پہلے حضرت نے یہ خطبہ پڑھا:

الحمد للہ علی احسانہ قد رجع الحق علی مکانہ...

خداوند عالم کا شکر! آج حق اپنے صحیح ٹھکانے پر پہنچا......۔اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب راہ دکھانے والی نازل کی اس میں نیکی اور بدی کو بیان کیا۔ پس نیکی کو قبول کرو اور بدی کو چھوڑ دو، فرائض سب سے اہم ہیں ان کو خدا کی درگاہ میں ادا کرو۔ تا کہ وہ تم کو جنت میں پہونچائے اور اللہ تعالیٰ نے تمام حرام چیزوں کو صاف بیان کر دیا ہے اور مسلمانوں کی عزت کو سب پر ترجیح دی ہے، ان کے حقوق کو اخلاص اور توحید سے مستحکم کیا، پس مسلمان وہ شخص ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان سلامت رہیں، مسلمانوں کی خونریزی سوائے حکم شرعی کے جائز نہیں، امور عامہ میں سبقت کرو، تم میں سے ہر ایک کو موت لازم ہے، لوگ تمہارے آگے ہیں اور قیامت پیچھے انھوں نے تم سے جلدی کی، پس تم سبکدوش ہو جاؤ تا کہ ان سے مل سکو کیونکہ وہ اپنے پچھلے لوگوں کے منتظر ہیں۔

اے بندگان خدا! خدا کے شہروں اور بندوں کے حقوق میں خدا سے ڈرتے رہو کیونکہ تم سے ان کی بابت بلکہ مکانات سکنی اور چوپایوں کی بابت باز پرس ہوگی، خدا کا حکم مانو اور نافرمانی نہ کرو جب نیک کام دیکھو تو اس کو قبول کرو اور جب برائی دیکھو تو چھوڑ دو، اور اس وقت کو یاد کرو جب کہ تم دنیا میں قلیل التعداد اور کمزور تھے۔"

(تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم)

۱۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ ہوتا ہی آیا ہے کہ دنیا میں لوگوں کی تقسیم دو ہی چیزوں کی طرف ہے یا حق والے ہیں یا باطل والے اور یہ بھی ہوتا آیا ہے کہ باطل کی کثرت ہوتی ہے اور حق کی قلت اور یہ بھی ہوتا آیا ہے کہ اگر چہ حق ہوتا ہے مگر اس کی فتح ہوتی ہے۔ پھر آپ اس مطلب سے رجوع کرتے ہیں اور رنگ زمانہ دیکھتے ہوئے فرماتے ہیں مگر کیسے کہوں کہ ایسا ہوگا اس لئے کہ آگے بڑھی ہوئی چیز ذرا پیچھے کم پلٹتی ہے اور ہاتھ سے نکلی ہوئی شے واپس کم ہوتی ہے اسی بنا پر آپ نے قل لما اور شی فاقبل سے اپنا استبعاد ظاہر فرما دیا ہے کہ جب کھوئی چیز ہاتھ نہیں آتی تو کیونکر حق کی دولت پلٹ سکتی ہے اور بعد زوال، عروج حق ہوسکتا ہے......

ان استبعادات کو بیان کرنے سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ حق کو ہاتھوں سے جانے نہ دینا، اگر کہیں حق تمہارے ہاتھوں سے جاتا رہا اور اس میں کمزوری اور اضمحلال پیدا ہو گیا تو پھر اس کی قوت کا عود کرنا ذرا مشکل ہوگا، لہذا باطل کی کثرت اور سرسبزی سے اپنے دلوں میں وہم و شبہات کو جگہ نہ دو اور جادہ حق پر گامزن رہو،،

(سلسبیل فصاحت مولوی سید ظفر مہدی صاحب گہر مرحوم)

تیسری فصل

حضرت امیر المومنینؑ کی مسند نشینی کے وقت ملک کی اندرونی و بیرونی حالت

حضرت علیہ السلام کے مشکلات اور بے نظیر ثبات واستقلال

”ہر ایک حکمران اپنے سابق جانشین سے ملک کی حکومت کے ساتھ اسکی اندرونی و بیرونی صورت وحالت کو بھی ورثہ میں پاتا ہے اور بسا اوقات اس کی کامیابی یا ناکامیابی کا انحصار اس کے سابق جانشین کی سیاست کے نتائج پر ہوتا ہے نپولین بھی نپولین اعظم نہ ہوتا اگر فرانس کے انقلاب نے اس کے لیے فتوحات کے سامان نہ مہیا کر دیے ہوتے، سکندر بھی دنیا کے فاتحین میں سے نہ ہوتا اگر اس کے باپ (فلقوس فلپ) نے ملکی حالت کو پرسکون و پر امن نہ بنا دیا ہوتا۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ ایک حکمراں کی سیاست کے نتائج اس کے جانشین کے زمانہ میں ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں جو ملک کی حالت ہوگئی تھی وہ محتاج بیان نہیں۔ اس زمانہ کے فتنہ وفساد کا ذکر تاریخ کی ہر کتاب میں پایا جاتا ہے اور اس فتنہ وفساد کی تصویر حدیث کی ہر کتاب میں ملتی ہے، آنحضرتؐ نے جو اس زمانہ کی تصویر کھینچی ہے وہ کتاب الفتن کے عنوان کے نیچے کتب احادیث میں موجود ہے آپ فرماتے ہیں کہ فوراً ہی میرے بعد تم پر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ لوگ اس طرح اسلام کے دائرہ میں سے فوج در فوج خارج ہوں گے جس طرح وہ فوج در فوج اس میں داخل ہوئے تھے لوگ اس طرح اسلام سے نکل جائیں گے جس طرح کمان سے تیر خارج ہوتا ہے۔ کہ پھر واپس نہیں ہوتا، صبح کو ایک شخص مومن ہے تو شام کو کافر ہے اور شام کو مومن ہے تو صبح کو کافر، جمہور اسلام کا یہ خیال ہے کہ یہ حالت حضرت عثمان کے شہادت کے زمانے کا نقشہ ہے، ہم ان کے اس خیال کو اپنی بحث کی تائید میں پیش کر کے کہتے ہیں کہ جب علیؑ مرتضیٰ نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو اس وقت لوگوں کا اسلام یہ رہ گیا تھا اور ایسا اندرونی فتنہ وفساد برپا تھا۔“ (البلاغ المبین جلد اول)

امیر المومنینؑ اس وقت مسند نشین خلافت ہوئے جب لوگوں کی طبیعتیں بالکل بدل چکی تھیں۔ پیغمبرؐ خدا کے زمانہ میں مسلمانوں کی جو کیفیت تھی وہ قطعی مغائر تھی اس زمانہ میں مسلمانوں کی کیفیت کے پہلے وہ صحیح معنوں میں ایک مکمل مسلمان تھے اور ان کا مطمح نظر محض آخرت تھا اور ان کی ساری ریاضت آخرت کے حصول ہی کے لئے تھی وہ دنیا اور اس کی زینتوں کو نگاہ میں نہ لاتے تھے۔ پیغمبرؐ کی آنکھ بند ہونے کے بعد وہ ایسی باتوں کے عادی ہو گئے تھے جس کا خطور تک ان کے دماغوں میں کبھی نہ ہوا تھا۔

آنحضرتؐ جب تقسیم دولت فرماتے تو کالے گورے اور آقا غلام کو برابر عطا فرماتے، حضرت ابو بکر بھی اپنے عہد میں رسول کریمؐ کی اس سنت پر عامل رہے مگر پیغمبرؐ کی آنکھ بند ہونے کے بعد یہ طریقہ قائم نہ رہ سکا، رومی اور ایرانی علاقوں کی تسخیر کے بعد مسلمان وہاں کے تمدن سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ جب حکومت کسرائیت اور قیصریت کے سانچے میں ڈھلنے لگی تو اس کے تحفظ کے لئے ویسے ہی حربے استعمال کرنے پڑے، چنانچہ خلافت کے دوسرے ہی دور میں مدینہ کی سیدھی سادی مخلوقات کو طبقات میں تقسیم کرنے کا کام شروع ہو چلا تھا، مساوات پسند مسلمانوں کو روم اور ایران کے طریقہ پر پنج ہزاری اور دو ہزاری بنا کر امتیازات کی بنیاد رکھی گئی۔

علامہ شبعی نے ایک ایسے آدمی سے جس نے حضرت عمر کو دیکھا تھا روایت کی ہے۔

"جب خدا نے عمر کو فارس اور روم کی فتح نصیب کی تو انھوں نے اصحاب رسول میں سے کچھ لوگوں کو جمع کیا اور پوچھا تمہاری کیا رائے ہے؟ میری رائے تو یہ ہے کہ لوگوں کے عطیات کو سالانہ کر دوں اور مال کو جمع کرتا رہوں کیونکہ یہ طریقہ بہت باعث برکت ہے۔ لوگوں نے کہا جو آپ کی رائے ہو کیجئے انشاء اللہ آپ موفق ہوں گے، پس جب عطیات وظائف مقرر ہونے لگے تو اس وقت لوگوں کو بغرض مشورہ طلب کیا گیا، عبدالرحمن ابن عوف نے رائے دی کہ فہرست کو اپنی ذات سے شروع کیجئے، حضرت عمر بولے ایسا نہیں ہوسکتا، میں بنی ہاشم کے نام سے شروع کروں گا کہ وہ پیغمبر کا قبیلہ ہیں، پس فہرست یوں تحریر ہوئی کہ بنی ہاشم میں جو لوگ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے وہ غلام ہوں یا عربی النسل ہر ایک کا وظیفہ پانچ پانچ ہزار، ہاں مگر حضرت عباس عم رسولؐ کا بارہ ہزار اس کے بعد بنی امیہ میں سے جو لوگ جنگ بدر میں شریک ہوئے تھے ان کے وظائف اسی لحاظ سے مقرر کئے پس جملہ بدریین کے لئے خواہ وہ غلام ہو یا عربی پانچ پانچ ہزار معین کئے اور انصار کے لئے چار ہزار، انصار میں سب سے پہلے جن کا وظیفہ معین کیا وہ محمد بن مسلمہ تھے۔

اور جملہ ازواج نبی کے لئے دس دس ہزار مقرر کئے سوائے ام المومنین عائشہ کے کہ ان کا وظیفہ بارہ ہزار معین کیا اور رسول اللہ سے قرب رکھنے کی وجہ سے حسن وحسینؑ کے پانچ پانچ ہزار مقرر کئے، باقی لوگوں میں سے عربی اور غلام کے لئے حسب مراتب تین تین سو اور چار چار سو مقرر کئے اور مہاجرین وانصار کی عورتیں کے لئے حسب حیثیت چھ چھ چار چار تین تین دو دو سو مقرر کئے اور مہاجرین وانصار میں سے کچھ لوگوں کا وظیفہ دو دو ہزار معین کیا"

وظائف کی یہ فہرست اس سیدھے سادے اسلامی اصول کو رخصت کر رہی ہے جس کی رو سے مال آتے ہی فوراً تقسیم ہو جاتا تھا اور غبن سرقہ اور زیان کے امکانات باقی نہ رہتے تھے اس کے علاوہ مستحقین کے ہاتھ میں پہونچ کر وہ چلتی پھرتی دولت بن جاتا

تھا، اب سال بھر تک اس کا بیت المال میں جمع ہونا ایک طرف اسلام میں خزانہ کی بنیاد رکھ رہا ہے اور دوسری طرف دولت کو معطل کر کے نشو ونما سے روک رہا ہے۔

وظائف کی فہرست پر پھر ایک نظر ڈالئے یہ دور جاہلیت کے مٹے ہوئے امتیازات کو زندہ نہیں کر رہی ہے بلکہ بنی ہاشم اور بنی امیہ کی پرانی رقابت کے علاوہ انصار ومہاجرین کی نئی رزمگاہ قائم کر رہی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خلافت ثانیہ کے زمانہ میں ارباب حل وعقد نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اب حکومت پرانے مساواتی انداز پر نہیں چل سکتی، ایک طرف آل محمدؑ اپنے آپ کو مستحق خلافت سمجھتے ہیں دوسری طرف بنی امیہ عہد جاہلیت کے سرداری کو واپس لانے کے خواب دیکھ رہے ہیں، اس لئے ضرورت تھی کہ داد ودہش اور وظائف وعطایا کے ذریعہ سے ایک وفادار طبقہ پیدا کیا جائے اور دوسری طرف حریف جماعتوں کے افراد کو خرید کر ان میں پھوٹ ڈال دی جائے۔

اگر یہ فہرست اسلامی اصول پر مرتب ہوتی تو پہلے اس میں آل محمدؑ کا نام ہوتا، جنگی خدمات پر مبنی ہوتی تو اس کا آغاز حضرت علیؑ کی ذات سے ہوتا یہ سب کچھ نہیں ہوا بلکہ جاہلیت کے اصول کے مطابق اس کی بنا قبائلی تقسیم پر رکھی گئی، حضرت عباس کا بارہ ہزار وظیفہ یہ بتا رہا ہے کہ بنی ہاشم میں نئے دعویداروں کو آگے بڑھایا جا رہا ہے، یہ بارہ ہزار روپیہ آنے والی خلافت عباسیہ کے کے بارہ زینے تھے، اب اسکے بعد بنی امیہ کا نام سرود بستان یاد وہانیدن کا مترادف ہے۔ انصار کی تاریخ پر نگاہ ڈالئے ان میں کتنے بڑے بڑے صحابہ شامل ہیں ان کی اسلامی خدمات اور پیغمبر اسلام کے ساتھ مواسات کو دیکھئے، یہ صحیح ہے کہ مہاجرین میں بعض ایسے تھے کہ جن کی اسلامی خدمات انصار کے مقابلے میں زیادہ ہوں گی مگر ہر وہ عرب جو کہ مکہ سے چل کر مدینہ میں آباد ہوا اس کا مستحق نہیں ہو جاتا کہ اس کو انصار پر ترجیح دی جائے۔ اگر یہ دور جاہلیت کا احیاء نہ تھا تو ایران وروم کی حکمران جماعت کی نقل تو ضرور اتاری گئی تھی۔

بنی ہاشم میں حضرت عباس کو ترجیح دی گئی انصار میں محمد بن مسلمہ کا نام نقطہ آغاز بن رہا ہے، ازواج میں ام المومنین عائشہ کو دوازدہ ہزاری کا اعزاز عطا ہو رہا ہے، حالانکہ تاریخ ان حضرات کی غیر معمولی اسلامی خدمات کے تذکرہ سے قطعی خاموش ہے۔ کیا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ یہ بزرگ ہستیاں اس وقت کی حکومت سے زیادہ سے زیادہ اتحاد عمل کرنے پر آمادہ تھیں۔

حضرت عمر کو خود بھی احساس تھا کہ عرب میں از سر نو دور جاہلیت کی امتیاز پرستی اور قبائل نوازی کا احیا کرنا پیغمبر کی سیرت کے خلاف ہے چنانچہ اپنی عمر کے آخری حصہ میں فرمایا کرتے تھے۔

"میں نے بعض لوگوں کو جو بعض پر ترجیح دی تو لوگوں کی تالیف قلوب کرنا مقصود تھا، لیکن اگر اس سال زندہ رہ گیا تو لوگوں

کے حقوق پر مساوات پیدا کردوں گا اور اس سرخ کو سیاہ پر اور عربی کو عجمی پر کوئی ترجیح نہ دوں گا اور ایسا ہی کروں گا جیسا کہ رسول اللہؐ اور حضرت ابوبکر کیا کرتے تھے"

ممکن ہے کہ حضرت عمر کچھ دنوں اور زندہ رہ جاتے تو عدم مساوات کے نظام کو بدلنے کی کوشش کرتے لیکن ایسا نہ ہوا۔ جب ایک مرتبہ آئین وقوانین کا احترام کم ہوجاتا ہے اور اس کے بجائے حکمران کے اقوال کو آئین کا مرتبہ دیدیا جاتا ہے تو پھر اصلی حالت کی طرف عود کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے، تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی میں " اولیات عمرؓ" کی سرخی سے جو باب درج ہے اس کو غور سے پڑھئے اور دیکھئے کہ قرآن کو سرچشمہ آئین سمجھنے کے بجائے مسلمان روم وایران کی تقلید میں قانون سازی کو اپنا حق سمجھنے لگے۔

جب ایک کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ قانون سازی کا فرض ادا کرے تو دوسرا ان سے کیوں پیچھے رہتا انھوں نے بقول خود لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے طریقہ عدل ومساوات چھوڑا، دوسرے نے اپنی حکومت کی حفاظت واستحکام کے لئے اپنے خاندان کی پرورش شروع کر دی، داد ودہش کی بدولت ان کو عرب کے مشمول طبقہ کی جگہ دی اور حکومت کے اہم عہدوں keypeitnarw پر ان کا تقرر کرکے ملک وقوم کو ان کی گردش چشم وابرو کا محتاج بنادیا۔

علامہ ابن عبدربہ اپنی کتاب عقد فرید جلد دوم میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

اور حضرت خلیفہ ثالث پر لوگوں نے جو الزامات لگائے تھے ان میں سے یہ بھی تھا کہ انھوں نے رسول اللہؐ کے نکالے ہوئے حکم بن العاص کو پناہ دی حالانکہ حضرت ابوبکر وعمر نے پناہ نہیں دی تھی، انھوں نے صرف پناہ ہی نہیں دی بلکہ مال مسلمین سے ایک لاکھ عطیہ بھی عنایت فرمایا۔ دوسرا الزام یہ تھا کہ انھوں نے ابوذر کو ربزہ کی طرف جلا وطن کیا اور عامر بن عبد قیس کو بصرہ سے شام کی طرف نکال دیا۔ عبید اللہ بن خالد بن اسید نے ان سے انعام واکرام کی درخواست کی تو اس کو چار لاکھ دیدیئے مہزول مدینہ میں ایک مقام ہے جہاں بازار لگتا تھا، رسول اللہؐ نے اس کو عامۃ المسلمین کے لئے، صدقہ قرار دیا تھا۔ حضرت عثمان نے مروان کے بھائی حرث بن حکم کو بطور جاگیر دیدیا، اسی طرح فدک مروان کو جاگیر میں دیدیا حالانکہ وہ بھی رسول اللہ کا صدقہ تھا، ملک افریقہ فتح کیا تو وہاں کا خمس لے کر مروان کو بخش دیا"

علامہ ابن خلدون اپنی مشہور تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

سعودی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے عہد حکومت میں صحابہ نے جائدادیں اور اموال حاصل کئے، خود ان کا اپنا یہ حال تھا کہ جس دن وہ قتل ہوئے ان کے خزانچی کے پاس ڈیڑھ لاکھ دینار اور دس لاکھ درہم موجود تھے اور وادالقریٰ اور حنین وغیرہ میں جو ان کی جائداد تھی اس کی قیمت دو لاکھ دینار تھی اس کے علاوہ اپنے بعد انھوں نے بہت سے اونٹ اور گھوڑے چھوڑے

جب حضرت زبیر نے انتقال کیا تو ان کے ترکہ کے آٹھویں حصہ کی قیمت پچاس ہزار دینار تھی، اس کے علاوہ انھوں نے ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار کنزیں بھی چھوڑیں"

کتاب الامامۃ والسیاست کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں کنیز کی قیمت اتنی ہوگئی تھی کہ اپنے وزن کے برابر چاندی کے سکے کے بدلے فروخت کی جاتی تھی گھوڑا دس ہزار اور اونٹ ایک ہزار دینار میں ملتا تھا۔

حضرت طلحہ کے تمول کا یہ عالم تھا کہ ایک ہزار دینار کا غلہ عراق سے روزانہ آتا تھا اور اطراف سراۃ سے اس سے بھی زیادہ۔

عبدالرحمن بن عوف کے اصطبل میں ایک ہزار گھوڑے تھے اس کے علاوہ ان کے پاس ایک ہزار اونٹ اور دس ہزار بکریاں تھیں ان کے مرنے کے بعد ان کے ترکہ کے چوتھائی حصہ کی قیمت چوراسی ہزار دینار تک پہونچی۔ زید بن ثابت نے اپنے بعد اس قدر چاندی سونا چھوڑا کی کلہاڑیوں سے کاٹ کر ورثہ میں تقسیم ہوا اس کے علاوہ ایک لاکھ دینار کی مالیت کا سامان اور جائداد چھوڑی۔

یوں آہستہ آہستہ جمہور مسلمین میں طبقات قائم ہوتے گئے، قبائلی امتیاز جس کو اسلام نے مٹایا تھا پھر عود کر آیا۔ اس کے ساتھ ساتھ زمیندار جاگیر دار اور وثیقہ دار کے لئے تشخص قائم ہوئے، نتیجہ یہ ہوا کہ مساوات اور اخوت کا سیدھا سادا نظام برباد ہوگیا اور اس کی جگہ اسی امتیاز آفرین اور اختلاف پرور نظام نے لے لی جو روم وایران میں مدت سے جاری تھا اور جس کے مہلک زہر نے مصر، ہندوستان، بابل اور نینوا کے معاشرے کو تہ و بالا کر رکھا تھا" (مقدمہ فلسفہ آل محمدؐ)

علیؑ ابن ابی طالبؑ اتنے انقلابات رونما ہونے کے بعد بھی ویسے ہی رہے جیسے عہد پیغمبر میں تھے ان کا کردار جو پہلے تھا وہی اب بھی باقی رہا اور یہی وجہ تھی کہ باوجود اس کے کہ آپ نے ہر موقع پر خلافت کے لئے اپنا استحقاق ظاہر کیا، ایک مرتبہ نہیں بارہا کھلے لفظوں میں صراحت کی مجھے زبردستی میرے حق سے محروم کر دیا گیا ہے آپ اس کا بھی پورا یقین رکھتے تھے کہ اگر اسلامی حکومت کی باگ ڈور میرے ہاتھوں میں رہتی تو میں اسی طرح چلاتا جس طرح عہد رسالت میں چل رہی تھی لیکن پھر بھی آپ ہمیشہ اس حکومت سے بے نیاز رہے، حصول خلافت کے لئے کوئی کدوکاوش نہ کی اور بعد قتل عثمان جب خود مسلمان ہاتھ جوڑے ہوئے آئے کہ خلافت قبول کر لیجئے تو آپ نے اولاً انکار کر دیا کہ میری حکومت تمہیں اچھی نہ لگے گی، میرا وزیر رہنا بہتر ہے بہ نسبت حاکم ہونے کے کیونکہ وزیر کی ذمہ داری بس اسی حد تک ہے کہ صائب اور صحیح مشورہ پیش کر دے اصل ذمہ دار حاکم ہوتا ہے اور وہی خدا کے یہاں جوابدہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امیر المومنین نے خلافت جو قبول کی تو لوگوں کے اصرار سے مجبور ہو کر نہیں بلکہ صرف خداوند عالم کے یہاں

جواب دہی کے خیال سے، اگر آپ انکار پر مصر رہتے کسی طرح بھی خلافت قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتے درانحالیکہ اکابر صحابہ آپ سے دست بستہ ملتجی تھے صاف صاف کہہ رہے تھے کہ بس آپ ہی ہماری ڈوبتی ہوئی کشتی کو پار لگا سکتے ہیں تو اس صورت میں امت کا شیرازہ درہم و برہم ہو جاتا اور وہ ہولناک مصائب ٹوٹ پڑتے جس کے اندیشے سے تمام مسلمان سہمے ہوئے تھے، یہی وجہ تھی اور یہی اصل حقیقت قبولیت خلافت کی نہ کہ وہ جو علامہ خضری نے اپنی کتاب محاضرات میں بیان کی ہے۔

کانت الکلمة فی المدینه اذ ذالك بطبیعة الحال لهولاء الغالبین الّذین قتلو ا الخلیفة ولم یکن فی نظر جمهورهم الیق من علی لخلافة فکلموه فی البیعة له فامتنع قلیلاً ثم اجاب الی ذالك۔

"اس وقت مقتضائے حال کے مطابق انھیں بلوائیوں کا بول بالا تھا جنہوں نے خلیفہ عثمان کو قتل کر دیا تھا۔ ان کی اکثریت کی نگاہ میں علیؑ سے زیادہ کوئی خلافت کا سزاوار نہ تھا انھوں نے علیؑ سے درخواست کی کہ ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں کچھ دیر تک انکار کرتے رہے پھر قبول کرلیا"

علامہ خضری نے اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کی رکیک کوشش کی ہے جن لوگوں نے قبولیت خلافت کے لئے امیر المومنینؑ سے درخواست کی وہ بلوائی نہ تھے بلکہ اکابر صحابہ معززین انصار و مہاجرین تھے اور ان کے پیچھے پیچھے معززین بصرہ وکوفہ و مصر بھی تھے جو حضرت عثمان کو خلافت سے معزول کرنے کے لئے مدینہ آئے تھے تاریخ کا معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ حضرت عثمان کے قتل میں مدینہ کا ہر باشندہ ایک ایک متنفس مخالفین و قاتلین عثمان کا ہمنوا تھا اگر مدینے والے ہمنوا نہ تھے تو چند سو آدمیوں کی اتنی مجال نہ تھی کہ اسلامی دارالسلطنت کے اندر خلیفہ وقت کو اتنی بے دردی سے قتل کر ڈالیں۔

نیز حضرت علیؑ کا قبولیت خلافت سے انکار تھوڑی ہی دیر نہ رہا بلکہ کافی مدت تک آپ اپنے انکار پر مصر رہے، اگر مہاجرین وانصار و اکابر مسلمین حضرت کو خدا کا واسطہ نہ دیتے اور مسلمانوں سے جو محبت والفت آپ کو تھی اس جذبہ محبت کو ذریعہ نہ بناتے اور خود آپکا پاکیزہ نفس مسلمانوں کی دستگیری پر آپ کو مجبور نہ کرتا تو آپ ہرگز خلافت قبول نہ کرتے جیسا کہ آپ نے شروع میں صاف صاف انکار کیا تھا، اور وہ انکار اس وجہ سے نہ تھا کہ خلافت کے آپ حقدار نہ تھے اور نہ اس وجہ سے کہ جو لوگ خلافت پیش کر رہے تھے وہ پیش کرنے کے مستحق نہ تھے اور نہ اس وجہ سے آپ کا انکار تھا کہ انتظام مملکت سے قاصر تھے نظم و انصرام سلطنت کی قابلیت نہیں رکھتے تھے، ان باتوں میں کوئی بات بھی نہ تھی بلکہ آپ کے انکار کی اصل وجہ یہ تھی کہ آپ اچھی طرح جانتے تھے کہ مسلمان بالکل بدل چکے ہیں ان کی حالتوں میں کافی تغیر آچکا ہے۔ اب پھر انہیں عہد نبوی جیسا مسلمان بنانا، جوئے شیر لانے سے کم نہیں،

آپ نے اپنی بیعت کے بعد ہی کھلے لفظوں میں ان سے کہدیا تھا۔

لم تكن بيعتى ايا ى فلتة وليس امرى وامر كم وجداً انى اريد كم لله وانتم تريدوننى لا نفسكم ايّها الناس اعينونى على انفسكم . وايم الله لا نصفنّ المظلوم من ظالمه ولا قودن الظّالم بخزامته حتّى اورده منهل الحق وان كان كارهاً

تم نے میری بیعت اچانک اور بے سوچے سمجھے نہیں کی اور نہ میرا اور تمہارا معاملہ یکساں ہے، میں تمہیں اللہ کے لئے چاہتا ہوں اور تم مجھے اپنے ذاتی فائدے کے لئے چاہتے ہو، اے لوگو! اپنی نفسانی خواہشوں کے مقابلے میں میری اعانت کرو خدا کی قسم میں مظلوم کا اس کے ظالم سے بدلہ لوں گا اور ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر اسے سر چشمہ حق تک کھینچ کر لیجاؤں گا اگرچہ اسے یہ ناگوار کیوں نہ گذرے۔

نیز ارشاد فرمایا:۔

انى حاملكم على نهج نبيكم ومنفذ فيكم ما امرت به ان استقمتم لى. وبالله المستعان الا ان موضعى من رسول الله بعد وفاته كموضعى منه ايام حياته. فامضوا الى ما تؤمرون به وتفوا عند ما تنهون عنه ولا تعجلوا فى امر حتى ابينه لكم فان لنا عن كل امر لنكوونه حذرا۔

میں تمہیں تمہارے پیغمبرؐ کے راستہ پر لے آؤں گا اور مجھے (خدا اور رسول کی طرف سے) جو حکم دیا گیا ہے وہ تم میں جاری کروں گا، اگر تم میرے لئے استوار رہے؟ خدا ہی مددگار ہے۔ پیغمبر کی وفات کے بعد بھی میرا تعلق پیغمبرؐ سے ویسا ہی ہے جیسا پیغمبرؐ کی زندگی میں تھا، لہذا جو تمہیں حکم دیا جائے اسے بجالاؤ اور جس سے منع کیا جائے اس سے باز رہو اور کسی بات میں جلد بازی سے کام نہ لو جب تک میں واضح طور پر اسے بیان نہ کردوں، کیونکہ ہر وہ بات جسے تم ناپسند کرتے ہو اس کے متعلق میرے پاس معقول جواب ہے"

نیز آپ نے ارشاد فرمایا:۔

الا ليقولن رجال منكم غدا قد غمر تهم الدنيا. فاتخذوا العقار، وفجوروا الا نهار، وركبوا لخيول الفارهة واتخذو الوصائف الرفقه فصاد ذالك عليهم عادا ۔۔۔۔الخ

دیکھو! تم میں سے کچھ ایسے اشخاص جنہیں دنیا نے نہال کر رکھا ہے، جنہوں نے جاگیریں حاصل کیں، نہریں بنوائیں، تنومند گھوڑوں پر جو سواری کرتے ہیں، غلام و کنیز کے انبوہ اپنے پاس رکھتے ہیں، کل جب میں انہیں ان باتوں سے منع کروں جن

میں وہ ڈوبے ہوئے ہیں اور انھیں ان حقوق پر مجبور کردوں جنھیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں تو پھر وہ ہرگز نہ کہیں کہ علی نے ہم کو ہمارے حق سے محروم کردیا، دیکھو خواہ مہاجرین ہوں یا انصار ان میں سے جو شخص بھی یہ خیال کرے کہ میں دوسروں سے افضل ہوں تو یہ اس کی خام خیالی ہوگی، فضیلت کل قیامت کے دن ہوگی، خدا کے نزدیک ثواب و اجر ہر ایک کا اللہ کے اوپر ہے، دیکھو ہر وہ شخص جس نے خدا اور رسول کو لبیک کہی اور اس نے ہماری ملت کی تصدیق کی ہمارے دین میں داخل ہوا، ہمارے قبلہ کی طرف اس نے رخ کیا وہ اسلام کے حقوق اور حدود کا مستحق و سزاوار ہے، تم سب بندگان خدا ہو اور مال اللہ کا مال ہے جو تم سب میں برابر برابر تقسیم کیا جائے گا اور کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں، نیکو کار و متقین کو خدا کے یہاں بہتر جزا ملے گا۔

جب کل کی صبح نمودار ہو تو تم سب ہمارے پاس آؤ، تم میں کوئی باقی نہ رہے نہ عربی نہ عجمی۔"

(قصیدہ علویہ عبد المسیح افطاکی)

مصر کا نامور مؤرخ استاذ عبد الفتاح عبد المقصود لکھتا ہے:۔

ہوا ہوس تمام اکابر صحابہ کے دلوں میں گھر کیے ہوئے تھی، ہر شخص کی فکریں جدا، خیالات جداگانہ دو شخص بھی ایسے نہیں تھے کہ ایک بات پر متفق ہوں اور ادھر۔۔۔۔ عوام غصہ سے بھرپور تھے ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ بڑے بڑے لوگوں نے مساوات کے ان حقوق کو غصب کرلیا ہے جو اسلام نے ہمیں عطا کیے تھے، دھڑے بندی ہر شہر میں جاری تھی ہر شہر والے سمجھتے تھے کہ بہ نسبت دوسرے شہروں کے ہم سرداری اور ریاست کے زیادہ لائق ہیں، عرب کے قبائل کی وہ باہمی منافرت اور چشمکیں جو پیغمبر اسلام کی جانکاہیوں سے سو چکی تھیں پھر بیدار ہونے لگیں، ہر قبیلہ کی یہی فکر تھی کہ قریش کی سرداری کا جوا کاندھوں سے اتار پھینکا جائے، ان مصیبتوں سے اسلامی حکومت دوچار تھی جس وقت کہ حضرت امیر المومنین تخت نشین خلافت ہوئے۔

لیکن آپ مصائب و شدائد سے ڈرنے والے انسان نہیں تھے اور نہ یہ بات تھی کہ ان مشکلات سے نپٹنے کی صلاحیت آپ میں نہ تھی، آپ نے پہلے ہی لحہ میں ان خطرات کا اندازہ کرلیا تھا اور لوگوں کے دلوں میں جو خیالات و مقاصد مضمر تھے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں رہ سکے آپ نے روز اول ہی سمجھ لیا کہ میرے سامنے ایسا معاملہ ہے جس کے کئی رخ اور کئی رنگ ہیں جسے نہ دل برداشت کر سکتے ہیں اور نہ عقلیں مان سکتی ہیں، عنقریب یہ لوگ سرگشتہ اور مختلف ٹولیوں میں بٹ جائیں گے ہر ٹولی دوسرے سے برسرپیکار ہوگی، آپ نے خلافت قبول کرنے کے بعد اپنی پہلی تقریر میں ان خطرات کی طرف اشارہ فرمادیا تھا۔

دیکھو! تمہاری اگلی آفت اور پہلی بلا (آج) پھر اسی طرح پلٹ آئی ہے جیسے اس دن تھی جب تمہارے نبی کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث بہ رسالت کیا تھا۔ اس ذات کی قسم جس نے رسول کو مبعوث بحق کیا حتماً تم لوگ بری طرح خلط ملط کردیے جاؤ گے اور یقیناً

گوشت کی طرح تمھارے ٹکڑے الگ الگ کئے جائیں گے یا اچھی طرح چھانے جاؤ گے اور تم ابلتی ہوئی دیگ کی طرح تلے اوپر کئے جاؤ گے۔"

آپ نے ان خطرات کو محسوس کرتے ہوئے بھی خلافت قبول کر لی کیونکہ کوئی دوسرا اس بار کو اٹھانے کے قابل نظر نہیں آتا تھا نہ کسی دوسرے میں اس کی اہلیت ولیاقت تھی کہ اس ہمہ گیر عدل وانصاف کو عمل میں لا سکے جو اسلام کا مقصود اصلی تھا جس سے 20-25 برس کی مدت سے مسلمان محروم رہتے چلے آرہے تھے۔

حضرت عثمان کے قتل کے بعد آپ سے اُن کے متعلق پوچھنے والوں نے پوچھا، آپ نے اپنے خیالات چھپائے نہیں نہ آپ نے حضرت عثمان کی جانبداری کی نہ ان کی مخالفین کی تملق خوشامد کی بلکہ آپ نے کھلے لفظوں میں فرمادیا:۔

وانا جامع لکم امرہ: استاثر فاساء الاثرۃ وجزعتم فاساتم. الجزع وللّٰہ حکم واقع فی المستاثر والجازع۔ میں تمھارے سامنے اس مسئلہ کے تمام پہلو رکھ دیتا ہوں عثمان نے اپنے عزیزوں کی طرفداری کی اور بری طرح طرفداری کی اور تم گھبرا گئے اور بری طرح گھبرا گئے اب اللہ ہی فیصلہ کرنے والا ہے وہی بے جا طرفداری کرنیوالے اور گھبرا اٹھنے والوں کے درمیان اصل فیصلہ کرنے والا ہے۔

جو آپ کا ظاہر تھا وہی باطن، جو کہتے وہی کرتے بھی تھے، آپ نے ابتدا ہی میں بیعت کے وقت لوگوں سے کہدیا کہ میں اپنی مرضی کے مطابق تمھیں لے چلوں گا اور کسی کہنے والے کے کہنے کی یا ناراض ہونے والے کی ناراضی کی پروا نہ کروں گا تو آپ نے اسی وقت سے اپنے قول پر عمل شروع کر دیا، بیعت کے دن ہی سے آپ نے اپنے لائحہ عمل پر سرگرم کار ہو گئے۔

آپ نے اسی وقت دستور اور اس رواج کو مٹانے کا تہیہ کر لیا جو حضرت عمر کے زمانہ سے جاری چلا آرہا تھا، 20 سال سے تمام مسلمان جس کے عادی ہو چکے تھے آپ سمجھتے تھے کہ حضرت عمر نے مراتب ومدارج کے لحاظ سے اموال خراج کی تقسیم کا جو دستور نافذ کیا تھا اس میں انھوں نے اپنی عقل سے زیادہ اپنے جذبات کا خیال رکھا تھا اور بجائے عدل حقیقی کے جس کا خدا اور رسولؐ نے حکم دیا تھا طبع زاد عدل کی شکل نکالی تھی، آپ عمر کی سیاست پر چلنے کے لئے ایک منٹ بھی تیار نہ ہوئے، آپ نے اس کی بھی پروا نہ کی کہ عمر کا جاری کیا ہوا دستور مثل عقیدہ کے لوگوں کے ذہن میں راسخ ہو چکا ہے، نہ آپ نے ان لوگوں کے غم وغصہ پر دھیان دیا، جنھیں عمر اور عثمان نے بڑے بڑے وظائف دیکر دوسرے مسلمانوں پر فوقیت دی تھی اور امتیازی درجہ پر بھی فائز کیا تھا اور جن کا اس پرانے دستور کے ٹوٹنے اور اپنی امتیازی شان کے خاک میں مل جانے سے غم وغصہ میں آنا فطری بات تھی۔

حضرت امیر المومنینؑ کو یہ بھی معلوم تھا کہ یہ لوگ اپنے قوم وقبیلہ میں سرداری کا درجہ رکھتے ہیں، ان کے پیچھے ان کا پورا خاندان

اوران کے حوالی موالی ہیں وہ سب ان کی برہمی پر بگڑ بیٹھیں گے ہماری حکومت ابھی تازہ بہ تازہ ہے اوران کے موٹے موٹے لوگوں کی ذراسی بھی مخالفت بڑے سے بڑا نقصان، پہونچا سکتی ہے، مگر آپ اپنے دل میں مطمئن تھے، آپ کا ایمان کامل تھا اس بارے میں کہ ہر قوم وقبیلہ ہر چھوٹا بڑا حق میں برابر ہے سب ہی مسلمان ہیں اور سب ہی کو اسلام کے مساویانہ حقوق حاصل ہیں، آپ نے کسی میں بھی تفریق گوارا نہ کی نہ کسی کو امتیازی حیثیت دینا منظور کیا بلکہ پیغمبرؐ نے انھیں جو حیثیت دی تھی، وہی حیثیت آپ نے دی، آپ نے بیعت کے دوسرے دن مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے صاف صاف کہہ دیا۔

"لوگوں میں تمھیں لوگوں میں سے ایک فرد ہوں جو تمہارے حقوق ہیں وہی میرے بھی، اور جو تمہارے فرائض ہیں وہی میرے بھی فرائض ہیں، میں تمھیں پیغمبرؐ کے راستہ پر لے کر چلوں گا اور مجھے (خدا ورسول کی طرف سے) جو حکم دیا گیا ہے وہ تم میں جاری کردوں گا۔۔الخ

اس اعلان وصراحت کے ساتھ آپ اپنے لائحہ عمل پر گامزن ہوئے اور عدالت وانصاف سے ایسا بھرپور دستور العمل ترتیب دیا جس میں ہر فرد بشر کے مساویانہ حقوق تھے اور آپ نے حضرت عمر کے دستور کو جو تقسیم اموال میں اب تک جاری تھا ایک قلم سے منسوخ کر کے انتہائی سرگرمی سے اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنانے کی طرف متوجہ ہو گئے آپ نے اسی وقت فرمان جاری کیا کہ حضرت عثمان نے اپنی اولاد یا مخصوصین کو جو جاگیریں دی تھیں یا جو روپے دیے تھے وہ سب واپس کر لئے جائیں، چنانچہ حضرت عثمان نے جو درہم بھی نامناسب خرچ کیا تھا یا غیر مستحق کو دیا تھا اسے بیت المال میں پلٹا لیا،

دوسرے دن مقررہ وقت پر آپ کے حکم کے مطابق تمام مسلمان حاضر خدمت ہوئے آپ اپنے کاتب ابن ابی رافع کو حکم دیا:۔

"اے ابن ابی رافع مہاجرین سے ابتدا کرو"

آپ کی نگرانی میں حصے تقسیم ہونے لگے اور ہر مسلمان نے اپنا پورا پورا حصہ اٹھایا بغیر کسی کمی یا زیادتی کے آپ نے نہ چھوٹے بڑے کا کوئی فرق کیا نہ عرب وعجم میں، نہ عوام وخواص میں بلکہ سب آپ کے نزدیک مساوی رہے اگرچہ جنس اور مقام میں وہ مختلف رہے ہوں اور خداوند عالم نے شریعت میں اسی طرح سب کو مساوی قرار بھی دیا ہے۔

یہ بے نظیر اور غیر معمولی عدالت جو سراہے جانے کے لائق تھی بعض طبیعتوں پر انتہائی شاق گذری، یہ وہ لوگ تھے جو امتیازی حیثیت کے لئے جان دیتے تھے جن کی ہمیشہ کوشش رہی کہ دوسروں سے ہم ممتاز رہیں ہمیں خصوصی وظائف ملا کریں ،جس طرح ہم خالص عرب ہیں ہماری رگوں میں خالص خون دوڑ رہا ہے اسی طرح مدارج بھی خصوصی ہونے چاہیئں، ان کا نظریہ یہ

تھا کہ عرب والے قریش کے برابر نہیں ہو سکتے، عرب و عجم میں برابری نہیں ہو سکتی آقا و غلام برابر نہیں ہو سکتے، ان لوگوں میں جاہلیت کی خو بو اتنی رچی ہوئی تھی کہ انھیں اس کا خیال تک نہیں تھا کہ ہم اسلام لا چکے ہیں اور اسلام کے قوانین ہر چھوٹے بڑے کے لئے یکساں ہیں، کالے گورے عربی عجمی قریشی غیر قریشی ہونے سے کچھ فرق نہیں پڑتا، حقوق سب کے برابر ہیں اسلام نے کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی۔

یہ لوگ سمجھے بیٹھے تھے کہ جب ہم حضرت کے طرز عمل کو ناپسند کریں گے تو فوراً ہی حضرت ہمیں راضی کرنے کی کوشش کریں گے اور جو طریقہ ابتک چلا آرہا تھا اسی پر عمل کرنا بہتر سمجھیں گے یہ لوگ اکٹھا ہو کر حضرتؑ کی خدمت میں آئے، آپ نے جب آنے کی غرض دریافت کی، تو انھوں نے نصیحت و خیر خواہی کے پیرائے میں اپنا مطالبہ پیش کیا اور یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ کہیں آپ کا طرز عمل ان لوگوں کے دلوں میں غم و غصہ کی آگ نہ مشتعل کر دے جو امتیازی شان کے مالک ہیں اور جنہیں حضرت عمر نے بھی فوقیت بخشی تھی اور حضرت عثمان نے بھی۔

آپ نے انتہائی بے خوفی کے ساتھ ان کی درخواست مسترد کر دی اور ارشاد فرمایا:۔

"اتامرونی ان اطلب النصر بالجور فیمن ولیت علیه؟ واللہ ما اطور به ما سمر سمیر ولا امر نجم فی السمآء نجما....لو کان المال لی لسویت بینهم، فکیف وانما المال مال اللہ؟ الاوان اعطاء المال فی غیر حقه تبذیر واسراف وھو یرفع صاحبه فی الدنیا ویضعه فی الاخرۃ"

"کیا تم مجھ پر یہ امر عاید کرنا چاہتے ہو کہ میں جن لوگوں کا حاکم ہوں ان پر ظلم و زیادتی کر کے (کچھ لوگوں کی) امداد حاصل کروں تو خدا کی قسم جب تک دنیا کا قصہ چلتا رہے گا اور کچھ ستارے دوسرے ستاروں کی طرف جھکتے رہیں گے اس چیز کے قریب بھی نہ پھٹکوں گا اگر یہ خود میرا مال ہوتا جب بھی میں اسے سب میں برابر تقسیم کرتا چہ جائیکہ یہ مال اللہ کا مال ہے، دیکھو بغیر کسی حق کے داد و دہش کرنا بے اعتدالی اور فضول خرچی ہے اور یہ اپنے مرتکب کو دنیا میں بلند کر دیتی ہے لیکن آخرت میں پست کر دیتی ہے۔"

کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے تھے کہ ہم ایک خیالی اور وہمی حق جتا رہے ہیں جس کا دین خدا سے کوئی ثبوت نہیں، یا ان کا غصہ محض دنیا کے لئے تھا اور لذائذ دنیوی کے حریص تھے یا دولت کی محبت نے ان کی وہ روحانیت فنا کر دی تھی جو اسلام نے انہیں عطا کی تھی، اگر ہم دوسرے لوگوں کے لئے حق سے برگشتگی اور ہوا و ہوس نفسانی کی پیروی کا کوئی عذر ڈھونڈ بھی لیں تو کیا پیغمبرؐ کے مخصوص صحابی طلحہ و زبیر کے لئے بھی کوئی عذر پیدا کر سکتے ہیں؟ وہ طلحہ و زبیر جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سابقین اولین سے تھے جنھوں

نے اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں انجام دیں، جنھوں نے میدان جنگ میں بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے اور اسلام سے اپنی جان و مال تک عزیز نہ کیا جنھوں نے دوسروں سے پہلے یہ حقیقت ذہن نشین کر لی تھی کہ اسلام ایثار و قربانی کا نام ہے اور عدل و انصاف اور مساوات کا راستہ!

ہر جویائے تحقیق فطری طور پر ان اسباب کا پتہ چلانے کے لئے مجبور ہے کہ آخر ان دونوں نے حضرت علیؑ کے عادلانہ طریقہ کار اور مساویانہ سلوک کو کیوں ناپسند کیا کونسی بات ان کو بری لگی، ان سے حسن ظن رکھتے ہوئے بھی قہری طور پر یہ نتیجہ نکالے گا کہ اصلی وجہ محض ہوا و ہوس نفسانی تھی جس نے انھیں علیؑ کا مخالف بنا دیا اور وہ ایسی حرکتوں پر اتر آئے جس سے آپ کی خلافت میں رخنے پڑ جائیں اور آپکا راستہ دشوار سے دشوار تر ہو جائے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ علی حق پر ہیں۔

لیکن امیرالمومنینؑ نے ان دونوں کو کوئی ملامت نہ کی، انھوں نے بظاہر صلاح نیک دی تھی اور اپنی ناراضی کو نرم الفاظ میں پیش کیا تھا کہ اس کے بعد آپ ہماری خاطر داری کریں گے اور اپنا طریقہ کار، بدل ڈالیں گے مگر جس چیز کو وہ دلوں میں چھپائے ہوئے تھے حضرتؑ اسکو بخوبی سمجھتے تھے آپ نے ارشاد فرمایا۔

"وما ما ذکر تما من امر الا سوۃ فان ذلک امرٌ لم احکما نافیہ برائی ولا لیتہ ھوء منی بل مجدت وانا انتما ما جاء بہ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قد فرغ منہ فلم احتج الیکما فیما فرغ اللہ من تسمہ وامضی فیہ حکمہ فلیس لکما واللہ عندی ولا لغیر کما فی ھذا اعتبی۔"

لیکن تم نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ میں نے (بیت المال سے) برابر کی تقسیم جاری کی ہے تو یہ میری رائے کا حکم اور میری خواہش نفسانی کا فیصلہ نہیں بلکہ یہ وہی طے شدہ چیز ہے جسے رسول اللہ لے کر آئے جو میرے بھی سامنے ہے اور تمہارے بھی پیش نظر ہے تو جس چیز کی اللہ نے حد بندی کر دی ہے اور اس کا قطعی حکم دے دیا اس میں تم سے رائے لینے کی مجھے احتیاج نہیں۔ خدا کی قسم تمھیں اور تمھارے علاوہ کسی کو بھی اس معاملہ میں شکایت کرنے کا حق نہیں"

جب طلحہ زبیر اٹھ کر جانے لگے تو آپ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

رحم اللہ امرا رای حقا فاعان علیہ اور رای جورا فردہ وکان عونا بالحق علی صاحبہ:۔

"خدا اس شخص پر رحم کرے جو حق کو دیکھے اور اس کی مدد کرے باطل کو دیکھے تو اسے ٹھکرا دے اور صاحب حق کا حق کے ساتھ معین ہو"

ان کے دلوں میں وعظ و نصیحت کی باتیں کہاں اثر انداز ہونے والی تھیں، ان پر تو مال و جاہ کی طمع غالب تھی، وہ حضرتؑ کے

پاس سے اٹھ کر اپنے دوسرے روساء معززین کے پاس پہونچے تاکہ انہیں بھی برانگیختہ کریں، ان کی برہمی محض اس بات پر تھی کہ تقسیم اموال میں حضرت عمر کا جو طریقہ کار تھا علیؑ اس کے خلاف کیوں کر رہے ہیں، گویا رسول اللہؐ سے بڑھ کر حضرت عمر صحیح راستہ پر تھے؟

طلحہ وزبیر کی مخالفت نے ان لوگوں کو بہت بڑا سہارا دیدیا جو عرصہ سے دنیا کے بندے بنے ہوئے تھے، ان کے پاس وہ تمام لوگ سمٹ کر آگئے جنھیں حضرت عمر نے نمایاں حیثیت دی تھی، اور اب علیؑ کی حکومت نے مساوات کے راستہ پر کھڑا کیا تھا، ان کے دماغوں کو اب یہ فکر پریشان کرنے لگی کہ کیسے موقع ملے اور کیونکہ اس شخص کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے جو سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے جس کے نزدیک آقا و غلام شریف و رذیل سب ہی برابر ہیں جو اپنے احکامات میں نہ تو خاندانی وجاہت کا خیال کرتا ہے اور نہ مرتبہ و حیثیت کا اور جس نے انہیں اتنا گھٹا دیا ہے کہ ایران و مصر کے رہنے والے اور دوسرے گھٹیا درجہ کے مسلمان ان کے برابر ہو گئے۔

امیرالمومنینؑ نے ان کی طرف کوئی دھیان نہ دیا نہ ان کے معاندانہ پروپاگنڈوں سے خائف ہوئے، آپ نے صبر و سکوت کو ترجیح دی کہ اگر انہیں خود ہی سمجھ آگئی تو خیر اور اگر ان کی سرکشی و گمراہی حد سے تجاوز کرنے لگی تو انھیں سیدھا کر دینا کچھ مشکل نہیں۔"[1]

۱۔ (الامام علی ابن ابی طالبؑ جلد دوم استاذ عبد الفتاح عبد المقصود مطبوعہ مصر)

چوتھی فصل

قریش اور بیعت امیر المومنین علیہ السلام

قریش نے حضرت امیر المومنینؑ کی بیعت کا کیونکر استقبال کیا؟ اسے سمجھنے کے لیے ان کے ماضی پر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے، حسد بہر حال حسد ہے اور کینہ بہر حال کینہ، جن مخفی اسباب کے تحت وہ پہلے بنی ہاشم کے دشمن تھے وہی اسباب اب بھی موجود تھے، اگر خلافت کے مسئلہ کو اس مرتبہ بھی قریش پر چھوڑ دیا جاتا تو اس مرتبہ بھی علیؑ کو محروم کرنے کے لئے وہ بہت سی صورتیں نکال لیتے لیکن ابکی حالات کچھ اس قسم کے پیدا ہو گئے کہ ان کے منصوبے درہم و برہم ہو گئے اور جو وہ چاہتے تھے وہ نہیں ہو سکا اب تک یہ ہوتا رہا کہ چند لوگ خلافت کے مسئلہ کو طے کر لیتے تھے اور اب خلافت کا معاملہ پورے مہاجرین و انصار کے فیصلہ پر منحصر تھا، علی آج ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سے خلافت کے لیے سزاوار و لائق تر تھے اور آج کے دن تو ان کے سوا کوئی دوسرا ایسا تھا ہی نہیں جو تمام امت اسلامیہ کے لئے نقطۂ اتحاد بن سکے اور کالے گورے عرب و عجم عوام و خواص سب سمٹ کر اس کے زیر سایہ آجائیں، اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت یقین کئے بیٹھی تھی کہ علیؑ ہی ہمارے گوہر مراد ہیں، وہی ہمیں حریت، کرامت اور مساوات کی نعمتوں سے مالا مال کر سکتے ہیں۔

باہر سے آنے والے تمام معززین بصرہ و کوفہ و مصر نے علیؑ کے خلیفہ ہونے کے متعلق اپنی تمنا ظاہر کی اور مدینہ کے تمام باشندوں نے ہم آواز ہو کر ان کی تائید کی سب کی زبان پر علیؑ کا نام تھا اور مدینہ کے در و دیوار سے علیؑ، علیؑ کی آواز آ رہی تھی، باہر کے لوگوں کے ساتھ مدینہ کے باشندے مل جل کر علیؑ کی طرف یوں بڑھے جیسے سیلاب آجائے ان کی متفقہ درخواست تھی کہ آپ ہماری حکومت کی ذمہ داریاں سنبھالئے اور جس راستہ پر چاہیے لے چلئے آپ کہتے ہی رہے کہ میری حکومت تمہیں پسند نہ آئے گی تم کسی اور کو خلیفہ بنا لو، میرا وزیر رہنا زیادہ بہتر ہے بہ نسبت امیر ہونے کے مگر مجمع نے ایک نہ مانی وہی لوگ جنہوں نے کل علیؑ پر یورش کی تھی کہ خلیفہ وقت کی بیعت کیجئے، آج مجبور کرتے ہیں کہ خلافت ضروری قبول کر لیجئے کیونکہ وہ سمجھتے تھے امت اسلام علیؑ کے سوا دوسرے ہاتھوں میں جا کر سدھر ہی نہیں سکتی۔

قریش والے بیعت سے پہلے گھروں میں بیٹھے انتظار کر رہے تھے کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے مارے دہشت و ہراس کے اپنی رائے ظاہر کرنے کی ہمت تو تھی نہیں البتہ دل میں تمنا و آرزو یہی تھی کہ علیؑ خلیفہ نہ ہونے پائیں لوگ اس مرتبہ بھی نظر انداز کر جائیں۔ مگر جب ساری تمنائیں خاک میں مل گئیں تمام مسلمانوں کی متفقہ کوششوں کے نتیجہ میں علیؑ کا انتخاب ہو گیا اور مجمع

نے قریش والوں کو مجبور کیا کہ ہم سب نے مل جل کر فیصلہ کر لیا ہے تم بھی اسے قبول کر لو اب جمہور کی موافقت کے سوا قریش کے لئے کوئی چارہ نہ رہا انھوں نے بھی علیؑ کی بیعت کرنے میں جلدی کی اگرچہ دلوں میں کچھ اور چھپائے ہوئے تھے۔

اسی کے ساتھ میرا خیال ہے کہ وہاں ایسے لوگ بھی تھے جن پر علیؑ کی بیعت ہوتے ہی غم والم کے پہاڑ پھٹ پڑے، ندامت و شرمندگی سے ان کے دل پانی پانی ہوئے جا رہے تھے اور وہ اپنے ہاتھوں کو کوسنے لگے کہ کیوں علیؑ کی بیعت کے لئے بڑھے۔ اگر یہ لوگ بیعت نہ کئے ہوتے تو کوئی انہیں مجبور کرنے والا نہیں تھا دل آمادہ نہیں تھا تو باز رہتے، بیعت سے، اس طرح بیعت کو توڑنے کا مواخذہ تو ان سے نہیں ہوتا جس کا قلادہ خوشی سے انھوں نے اپنی گردنوں میں ڈال لیا تھا، ایسی صورت میں علیؑ کی مخالفت کرنے میں وہ آزاد ہوتے اور جتنا چاہتے علیؑ کے خلاف صف بندی کرتے تاریخ انہیں کوئی الزام نہ دیتی، لیکن انھوں نے اپنے دل کو یہ کہہ کر تسلی دے لی کہ بیعت کر لی تو کیا ہوا، بیعت کا پورا کرنا کب ضروری ہے، کل چل کر توڑ دیں گے، علیؑ ایسے انسان نہ تھے کہ جو بیعت نہیں کرنا چاہتا تھا اس سے زبردستی بیعت لیتے چاہے اس کی بیعت نہ کرنے کی وجہ قدیمی عداوت، دیرینہ کینہ ہی رہا ہو یا نادانی اور ناسمجھی اسے بیعت کرنے سے روک رہی ہو، آپ کے پاس سعد بن ابی وقاص لائے گئے جو مسلمانوں کی جمعیت سے الگ تھلگ گھر میں بیٹھے تھے اور بغیر کسی معقول سبب کے انھوں اپنے بیعت نہ کی، بس انھوں نے صرف اتنا کہا:۔

۱۔ جمہوریت اگر واقعی کوئی چیز ہے اور صحیح معنوں میں اگر کوئی انتخاب جمہوری طور پر بھی ممکن ہوسکا تو وہ علیؑ کا انتخاب تھا، کون اندازہ کر سکتا ہے اس جوش مسرت کا جو بیعت کے وقت مسلمانوں کے چہرہ سے ظاہر تھا، البتہ تاریخ کے صفحات پر دو چار ایسے آدمیوں کے نام بھی ملتے ہیں جنہوں نے علیؑ کی بیعت کرنے میں پس وپیش کی یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بیعت سے گریز کرنیوالے وہی لوگ تھے جو حضرت عثمان کے مخصوص احباب اور حاشیہ نشینوں میں مشہور تھے، مسعودی۔ مروج الذہب میں لکھتے ہیں قعد عن بیعتہ جماعۃ عثمانیۃ کچھ عثمانی لوگوں نے آپ کی بیعت سے کنارہ کشی اختیار کی، طبری لکھتے ہیں تمام انصار نے علیؑ کی بیعت کی سوا چند آدمیوں کے جو عثمانی تھے، ان بیعت نہ کرنے والوں کے مؤرخین نے نام بھی گن کر بتائے ہیں:۔ سعد ابن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، قدامہ بن مظعون، وہبان بن عبداللہ بن سلام، مغیرہ بن شعبہ، انصار میں سے کعب بن مالک، حسان بن ثابت، ابوسعید خدری، محمد بن مسلمہ، فضالہ بن عبید، کعب بن عجرہ، مسلمہ بن خالد، زید بن ثابت وغیرہ ان لوگوں کے بیعت سے گریز کرنے کی سب سے بڑی وجہ تو وہی کینہ وعداوت تھی جو انھیں علیؑ کی ذات سے تھی کیونکہ علیؑ نے ان کے کافر باپ بھائی اور عزیزوں کو غزوات میں تہہ تیغ کیا تھا دوسری وجہ یہ تھی کہ یہ حضرت عثمان کے بندہ احسان رہ چکے تھے کچھ تو بہر حال حق نمک ادا کرنا تھا سعد نے بیعت سے یہ کہہ کر عذر کیا کہ مجھے بیعت کرنے میں کوئی تامل نہیں لیکن مجھ سے یہ نہ ہوگا کہ آپ کے حکم سے مسلمانوں پر تلوار چلاؤں، اسی کے قریب قریب عبداللہ بن عمر اور محمد بن مسلمہ وغیرہ نے عذر کر کے بیعت سے انکار کیا، ابن قتیبہ نے کتاب الامامۃ والسیاست میں لکھا ہے کہ ان لوگوں کے پاس عمار یاسرؓ علیؑ کی بیعت لینے کے لئے گئے عمار نے واپس آ کر جب یہ جواب سنائے تو حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا: کہ عبداللہ بن عمر ضعیف ہے اور سعد حسود ہے، اور محمد مسلمہ کا میں نے یہ قصور کیا ہے کہ اس کے بھائی مرحب یہودی کو میں نے جنگ خیبر میں قتل کیا تھا، مسعودی لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر نے علیؑ کی بیعت نہ کی مگر بعد میں یزید کی بیعت کر لی اور پھر حجاج کی معرفت عبدالملک بن مروان کی بیعت کی۔"

(تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم)

سعد ابن ابی وقاص شوریٰ کے موقع پر بھی اپنے دلی کیفیات آئینہ کر چکے تھے اور انھیں کے متعلق امیر المومنینؑ نے خطبہ شقشقیہ میں فرمایا ہے فصغی رجل منھم لضغنہ ان میں سے ایک شخص تو کینہ وعناد کیوجہ سے منحرف ہوگیا۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کا بیٹا عمر سعد کربلا میں قتل حسینؑ کا بانی بنا۔

عبداللہ بن عمر

عبداللہ بن عمر حضرت عثمان کے مخصوص حواریین میں سے تھے اور ان کے قتل ہونے تک ان کی زمرہ مقربین میں شامل رہے، سچ پوچھیے تو حضرت عثمان کی ہلاکت میں کسی حد تک ان کا بھی ہاتھ رہا ہے، حضرت عثمان کو انھوں نے ایسا غلط مشورہ دیا کہ انہیں آخر جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں:۔

"نافع بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے عبداللہ بن عمر نے بیان کیا کہ حضرت عثمان نے مجھ سے دریافت کیا کہ مغیرہ بن اخنس نے مجھے مشورہ دیا ہے اس کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے پوچھا مغیرہ نے کیا مشورہ آپ کو دیا ہے؟ حضرت عثمان نے کہا مغیرہ کہتا ہے کہ یہ لوگ صرف آپ کو تخت خلافت سے اتارنا چاہتے ہیں، اگر آپ نے معزولی منظور کر لی تو خیر ورنہ یہ لوگ آپ کو قتل کر ڈالیں گے لہذا بہتر یہ ہے کہ یہ کالائے بد اپنے کاندھوں سے اتار پھینکیے اور حکومت کا معاملہ ان کے ہاتھ میں چھوڑ دیجئے وہ جو چاہیں کریں، عبداللہ بن عمر نے کہا کہ اگر آپ معزولی قبول نہ فرمائیں تو یہ لوگ زیادہ سے زیادہ آپ کو قتل ہی کر ڈالیں گے یا اور بھی کچھ کریں گے حضرت عثمان نے کہا نہیں اور کیا کریں گے، عبداللہ بن عمر نے کہا تو پھر آپ اسلام میں یہ راستہ پیدا نہ کیجیے، ورنہ جب بھی عوام اپنے امیر سے ناراض ہوں گے اسے معزول کریں گے آپ وہ قمیص نہ اتاریئے جو خدا اور خدا عالم نے آپ کو پہنائی ہے" (کتاب الانساب بلاذری جلد 5 ص 72)

اس حدیث کے بعد یہ دوسری حدیث بھی بلاذری نے لکھی ہے:۔

"حضرت عثمان نے جب بلندی پر سے جھانک کر لوگوں کو دیکھا تو کسی کو کہتے سنا ہم عثمان کو قتل نہیں کریں گے صرف معزول کر دیں گے، اس پر حضرت عثمان نے کہا معزول تو میں کبھی نہ ہوں گا تم لوگ قتل البتہ کر سکتے ہو"

عبداللہ بن عمر کی یہ رائے اور ان کا مشورہ جس قدر غلط اور تباہ کن نتائج کا حامل ہوا وہ ظاہر ہے، یہ مشورہ کہ دیکھئے خلافت سے ہرگز دستبردار نہ ہوئے ورنہ کہیں رسم ہی نہ قرار پا جائے کہ جب بھی عوام اپنے حاکم سے ناراض ہوں اسے معزول کر دیں۔ اس کا مطلب یہی تو ہوا کہ اگر دستبردار نہ ہونے کی صورت میں لوگ آپ کو قتل بھی کر ڈالیں تب بھی دستبرداری نہ کیجئے اور یہ صورت جتنی ہولناک ہے وہ مخفی نہیں، معزولی میں بھی خلافت کے رعب داب اور سلطنت کے وقار کو صدمہ پہونچتا تھا اور قتل ہونے میں بھی خلافت کی مٹی پلید ہوتی تھی، لیکن اگر حضرت عثمان معزولی گوارا کر لیتے تو زیادہ سے زیادہ ان کی عزت و احترام میں فرق آجاتا یا یہ کہہ لیجئے کہ خلافت کی سبکی ہوتی لیکن وہ اس ذلیل طریقہ سے قتل تو نہ کیے جاتے اور نہ وہ فتنہ و فساد رونما ہوتے اور نہ اس کشت و خون کی نوبت آتی جو قتل عثمان کے نتیجہ میں ظہور پذیر ہوئے جنگ جمل ہو یا جنگ صفین یا خوارج کے فتنے یہ سب محض عبداللہ بن عمر کی رائے کا نتیجہ تھے، مغیرہ بن اخنس کے مشورہ کے مطابق لوگوں سے مصالحت کر لیتے تو بس یہی ہوتا کہ حضرت عثمان کو ہٹا کر وہ کسی دوسرے کو خلیفہ بنا لیتے، حضرت عثمان اپنے گھر میں امن و چین سے زندگی کے بقیہ دن گذارتے نہ کوئی ہنگامہ پیدا ہوتا نہ کوئی جھگڑا، مسلمانوں کے گھر آباد رہتے اور فتنہ و فساد عالمگیر نہ ہوتے۔

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

انتشرت الفتن فی البلاد فالقتال بالجمل وبصفین کان بسبب قتل عثمان والقتال بالنهروان بسبب التحکیم بصفین وکل قتال وقع فی ذالک العصر انما تولد عن شیء من ذالک اوعن شیء تولد عنه۔

(فتح الباری جلد ۱۳ ص ۱۹)

بلاد و ممالک میں فتنہ و فساد پھوٹ پڑا، جنگ جمل و صفین سب عثمان کے قتل کے نتیجہ میں رونما ہوئی اور جنگ نہروان صفین کے واقعہ تحکیم کے سبب برپا ہوئی، لہذا اس زمانہ میں جتنی بھی لڑائیاں ہوئیں وہ سب قتل عثمان کا شاخسانہ تھیں۔

سچ کہا ہے کسی نے نادان دوست سے دانا دشمن اچھا، عبداللہ بن عمر کے عقل و فہم کا ایک مظاہرہ یہ تھا کہ فرط محبت و ہوا ہوس خواہی میں حضرت عثمان کو لے ڈوبے اس سے بدتر مظاہرہ انھوں نے اپنی عقل و فہم کا امیر المومنینؑ کی بیعت سے تخلف کر کے پیش کیا، معاویہ کی بیعت کی، یزید ایسے رسوائے زمانہ کے قدموں پر سر جھکایا، عبدالملک ایسے بادشاہ کی اطاعت گوارا کی مگر نفس رسول، قوت بازوئے پیغمبر علی بن ابی طالبؑ کے ہاتھوں میں ہاتھ دینے پر آمادہ نہ ہوئے کیوں نہیں آمادہ ہوئے اس کی کوئی معقول توجیہ نہ وہ خود کر سکے اور نہ ان کے بعد آنے والے، البتہ علامہ ابن حجر نے ان کی طرف سے اختراع کر کے ایک توجیہ پیش کی ہے جسے ہم انہیں کی عبارت پیش کرتے ہیں۔

لم یذکر ابن عمر خلافة علی لانه لم یبایعه لوقوع الاختلاف علیه کما هو مشهور فی صحیح الاخبار وکان رای ابن

عمر انهه لايبايع لمن لم يجتمع عليه الناس ولهذا لم يبايع ايضا لا بن الزبير ولا لعبد الملك فى حال اختلافهما. وبايع ليزيد بن معاويه ثم لعبد الملك بن مروان بعد قتل ابن الزبير الخ عبداللہ بن عمر نے علیؑ کی خلافت کا ذکر نہیں کیا اسکی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے علیؑ کی بیعت ہی نہیں کی تھی کیونکہ ان کی خلافت کے متعلق لوگوں کو اختلاف تھا جیسا کہ صحیح حدیثوں میں مذکور ہے، عبداللہ بن عمر کی رائے یہ تھی کہ جس پر تمام لوگوں کا اتفاق نہ ہوا اس کی بیعت نہ کی جائے، اسی وجہ سے انھوں نے عبداللہ بن زبیر اور عبدالملک کی بیعت اس وقت تک نہیں کی جب تک کہ اختلاف واقع رہا اور یزید بن معاویہ کی بیعت کرلی۔ پھر عبداللہ بن زبیر کے مرنے پر عبدالملک بن مروان کی بیعت کی۔

فتح الباری جلد 5، ص 19

پھر دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

كان عبدالله بن عمر فى تلك المدة امتنع ان يبايع لا بن الزبير او لعبد الملك كما كان امتنع ان يبايع لعلى او معاويه ثم بايع.

لمعاوية لما اصطلح مع الحسن بن على واجتمع النّاس عليه. ثم امتنع من المبايعة لاحد حال الاختلاف الى ان قتل ابن الزبير وانتظم الملك كله لعبد الملك فبايع له حينئذ اتنی مدت تک عبداللہ بن عمر نے نہ ابن زبیر کی بیعت کی نہ عبدالملک کی جس طرح انھوں نے علیؑ اور معاویہ کی بیعت نہ کی تھی، علیؑ کے مرنے کے بعد جب معاویہ اور حسنؑ میں صلح ہوگئی اور سب معاویہ کی خلافت پر متفق ہو گئے تو انھوں نے معاویہ کی بیعت کرلی اور معاویہ کے بعد یزید کی بھی بیعت کرلی پھر یزید کے مرنے کے بعد جب تک ابن زبیر اور عبدالملک میں کشاکش رہی انھوں نے کسی کی بیعت نہ کی، ہاں جب ابن زبیر قتل ہو گئے اور عبدالملک کی بادشاہت مسلم ہوگئی تو انھوں نے اس وقت عبدالملک کی بھی بیعت کرلی۔

فتح الباری جلد 3، ص 125

علامہ ابن حجر نے یہ رکیک توجیہ بیان کر کے نادان مسلمانوں کو غلط فہمی میں مبتلا رکھنے کی کوشش کی ہے

”جب عبداللہ بن عمر نے بیعت سے گریز کیا تو حضرتؑ نے انھیں بلا بھیجا، جب وہ حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ بیعت کرو، عبداللہ بن عمر نے کہا جب تک تمام لوگ بیعت نہ کریں گے میں بیعت نہیں کرونگا۔ حضرتؑ نے فرمایا کوئی ضامن لاؤ کہ تم موقع پا کر بھاگ نہ جاؤ گے، عبداللہ بن عمر نے کہا میں ضامن لانے سے مجبور ہوں۔

اشتر نے کہا حضور یہ شخص آپ کے کوڑے اور تلوار سے مطمئن ہے مجھے حکم دیجئے کہ میں اسکی گردن اڑا دوں، آپؑ نے فرمایا۔ میں یہ نہیں چاہتا، اسے چھوڑ دو، عبداللہ بن عمر کے جانے کے بعد امیرالمومنینؑ نے فرمایا یہ بچپنے ہی سے بدخلق ہے اور بڑا ہو کر تو بدترین اخلاق کا ہو گیا ہے۔ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ عبداللہ بن عمر دوسرے دن حضرت کی خدمت میں آئے اور عرض کی میں آپ کو ایک نیک مشورہ دیتا ہوں تمام لوگوں نے آپ کی بیعت نہیں کی ہے بڑا اچھا ہوتا کہ آپ پھر سے سوچتے اور معاملہ خلافت کو مسلمانوں کے شوریٰ پر چھوڑ دیتے۔

امیرالمومنینؑ نے فرمایا وائے ہو تم پر کیا میں نے خلافت کے حصول کے لئے خود کوئی کوشش کی ہے؟

تمہیں معلوم نہیں کہ لوگوں نے مجھے کس حد تک مجبور کیا ہے، اٹھ جاؤ احمق آدمی تمہیں اس قسم کی باتوں سے کیا سروکار؟

(جواہر الاخبار، بحر زخار، ج 5، ص 71)

کون پوچھے ابن عمر سے کہ ابوبکر کی بیعت پر بھی تو تمام مسلمانوں کا اتفاق نہیں ہوا تھا، ان کی بیعت سے کیوں نہیں گریز کیا تھا، حضرت ابوبکر کی بیعت صرف دو چار آدمیوں میں ہوئی اور وہ بھی چھینا جھپٹی سے جیسا کہ تاریخ شاہد ہے، اس موقع پر جتنا زبردست ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا تھا وہ دنیا جانتی ہے، حضرت ابوبکر ہی نے مسلمانوں کے شیرازہ کو درہم و برہم کیا اور خلافت کے لئے امیدوار بن کر انھوں نے قیامت تک کے لئے مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دی، سارا واقعہ ابن عمر کی آنکھوں کے سامنے کا ہے۔ اولاً صرف حضرت عمر اور ابوعبیدہ بن جراح نے ابوبکر کی بیعت کی اور اس کے بعد کسی کو ڈرا دھمکا کر کسی کو رشوت دیکر اپنا موافق بنایا۔ ابوبکر کے بعد عمر خلیفہ ہوئے تو انہیں دو چار آدمیوں کا اتفاق بھی نصیب نہ ہوا بلکہ حضرت ابوبکر نے وصیت نامہ کے ذریعہ انھیں نامزد کیا اور حضرت عمر تلوار کے زور سے سب سے اپنی خلافت منواتے پھرے مدینہ میں شاید ہی کسی کو ان کے خلیفہ ہونے سے خوشی ہوئی ہو کہنے والوں نے تو حضرت ابوبکر کے منھ پر کہہ دیا ماتقول لربک وقد ولیت علینا فظا غلیظا آپ خدا کو کیا جواب دیں گے جب کہ آپ انتہائی بدمزاج اور تندخو انسان کو ہم پر حاکم بنا کر مسلط کئے جا رہے ہیں۔

رہ گئی حضرت عثمان کی خلافت جو شوریٰ کے ذریعہ سے ظہور میں آئی، تو اسے عبدالرحمان بن عوف سے پوچھئے جنھیں حضرت عمر شوریٰ کا سرگروہ بنا گئے تھے اور جو شوریٰ میں تلوار لے کر شریک ہوئے تھے اور کسی کو تلوار لے کر آنے کی اجازت نہ تھی، عبدالرحمان کا وہ فقرہ یاد کیجئے ہائے والا ضربت عنقک بیعت کیجئے ورنہ آپ کی گردن اڑادوں گا یا یہ کہ لا تجعلن علی نفسک سبیلا اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالیے۔(صحیح بخاری ج 10، ص 208، باب کیف یبائع الامام۔ تاریخ طبری، ج 5، ص 37 و 40۔ امامت والسیاست جلد 1، ص 25۔ تاریخ کامل جلد 3، ص 30۔ صواعق محرقہ ص ۳۶۔ فتح الباری۔ تاریخ الخلفاء سیوطی)

یہ سب باتیں عبداللہ بن عمر کی نظروں میں ٹھیک تھیں، ان کی نگاہ میں نہ ابوبکر کی خلافت میں کوئی اختلاف ہوا نہ عمر کی نہ عثمان کی نہ معاویہ کی خلافت میں، وہ معاویہ جنہوں نے امیرالمومنینؑ کے بعد تلوار اور خزانہ دونوں سے لوگوں کو ہموار کرنے کی کوشش کی مگر جو ان کے مخالف تھے وہ زندگی کی آخری سانسوں تک بھی ان کے مخالف رہے اور ان کی خلافت نہ ماننا تھی نہ مانی۔

یہی سعد بن ابی وقاص جنہوں نے حضرت امیرالمومنینؑ کی بیعت نہ کی تھی، معاویہ کے عہد حکومت میں ان کے دربار میں آئے اور السلام علیک ایھا الامیر کہہ کر سلام کیا معاویہ نے کہا دوسری طرح سلام کرنے میں کیا حرج تھا، آپ لوگ مومنین ہیں اور میں آپ لوگوں کا امیر ہوں، امیرالمومنین کہہ کر سلام کیئے ہوتے، سعد نے کہا ہاں اگر ہم لوگ تمہیں امیر بنائے ہوتے تب نا۔

دوسرے لفظوں میں سعد کا جواب یہ مذکور ہے کہ نحن المومنون ولم نومرک مومنین ہم ہی ہیں اور ہم نے آپ کو امیر نہیں بنایا۔(تاریخ ابن عساکر جلد 5، ص 251 و جلد 6، ص 106)

عبداللہ بن عباس نے بھی معاویہ کے منھ پر کھری کھری سنائیں اور ان کی خلافت سے اپنی بیزاری کا بھرے مجمع میں اظہار کیا، عبیداللہ بن عبداللہ مدینی ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ معاویہ نے حج کیا مدینہ بھی آئے ایک نشست میں معاویہ سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس کا اجتماع ہوا، معاویہ نے ابن عباس کی طرف مڑ کر کہا اے ابوالعباس تم نے ہمارا حق نہیں پہچانا اور ہمیشہ ہمارے مخالف ہی رہے ہمارے حمایتی نہ ہوئے حالانکہ میں حضرت عثمان کا ابن عم ہوں جو بحالت مظلومی مقتول ہوئے اور اس رشتہ سے بہ نسبت دوسروں کے خلافت کا میں زیادہ حقدار ہوں، ابن عباس نے کہا اگر یہی بات ہے تو پھر آپ سے بڑھ کر عبداللہ بن عمر خلافت کے حقدار ہیں کیونکہ آپ کے ابن عم عثمان سے بہت پہلے ان کے باپ عمر بن خطاب مقتول ہو چکے ہیں، معاویہ نے کہا عثمان و عمر کی برابری نہیں عمر کو مشرکین نے قتل کیا اور عثمان کو تو خود مسلمانوں نے مار ڈالا، ابن عباس نے کہا تو یہ اور برا ہے اور تمہارے دعویٰ کو خاک میں ملا دیتا ہے، جب حضرت عثمان کو خود مسلمانوں نے مار ڈالا خلافت کے ناقابل سمجھ کر تو تم ان کے ابن عم ہو کر خلیفہ کیسے ہو سکتے ہو۔(تاریخ ابن عساکر جلد 6، ص 400)

ام المومنین حضرت عائشہ بھی معاویہ کے دعویٰ خلافت کو شدت سے ناپسند کرتی تھیں۔ (دیکھیے شرح ابن ابی الحدید، جلد 4، ص 5)

اسی طرح مدینہ کے اکثر اکابر صحابہ معاویہ کے مخالف تھے، انھوں نے معاویہ کو سخت و سست باتیں سنائیں، نہ معلوم کتنے صحابہ کبار کو معاویہ نے موت کے گھاٹ اتار دیا کتنوں کو تباہ و برباد کیا کتنوں کو سخت ترین اذیتیں پہونچائیں۔

صرف اس جرم پر کہ وہ معاویہ کی خلافت پر راضی نہ تھے، اندرونی طور پر انتہائی برگشتہ تھے کیونکہ انھیں بخوبی علم تھا اس کا کہ پیغمبرؐ نے ان پر لعنت فرمائی ہے مسلمانوں کو ان کا ساتھ نہ دینے کی تاکید کی ہے اور اپنے صحابہ کو ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے، اور ان کی جماعت کو فئۃ باغیۃ کی لفظوں سے یاد کیا ہے، انھیں پیغمبرؐ خدا کی یہ مشہور حدیث بھی یاد تھی اذا رأیتم معاویۃ علی منبری فاقتلوہ جب تم لوگ معاویہ کو میرے منبر پر دیکھنا تو اسے قتل کر دینا۔(کنوز الدقائق علامہ مناوی ص 10) انھوں نے پیغمبرؐ خدا کی یہ حدیث بھی سنی تھی الخلافۃ بالمدینۃ والملک بالشام خلافت مدینہ میں ہوگی اور شاہی شام میں۔(تاریخ ابن کثیر جلد 6، ص 221)

کون بتائے کہ عبداللہ ابن عمر کیا ان سب باتوں سے واقف نہ تھے کیا انھیں معلوم نہیں تھا کہ امیرالمومنینؑ کی شہادت اور امام حسنؑ کی صلح کر لینے کے بعد بھی نزاع ختم نہ ہوئی تھی اور معاویہ کی خلافت سے اکابر مسلمین کا اختلاف جوں کا توں باقی تھا، پھر کیوں جھک گئے معاویہ کے آگے اور علیؑ کی بیعت پر آمادہ نہ ہوئے؟

عبداللہ بن عمر ہی کی جماعت کے علماء نے تو پیغمبرؐ کی یہ حدیثیں بیان کی ہیں:۔

ستکون خلفاء فتکثر قالوا فما تامر قال فوا بیعۃ الاول فالاول، عنقریب بہت سے خلافت کے دعویدار ہوں گے، لوگوں نے پوچھا پھر آپ کا کیا حکم ہے آنحضرتؐ نے فرمایا جس کی بیعت پہلے ہو جائے اس کے وفادار رہو"

اذا بویع الخلیفتین فاقتلوا الاخر منھما جب دو خلیفوں کی بیعت ہو تو جس کی بیعت آخر میں ہوئی ہو اسے مار ڈالو۔

ستکون ھنات وھنات فمن اراد ان یفرق امر ھذہ الامۃ وھی جمیع فاضربوہ السیف کائنا من کان۔ عنقریب بہت سی

بیہودہ باتیں رونما ہوں گی ایسی صورت میں اگر کوئی شخص مسلمانوں کے شیرازہ کو پراگندہ کرنے کی کوشش کرے تو اسے قتل کر ڈالو۔

علامہ نووی شارح صحیح مسلم حدیث تکون خلفائ فتکثو عنقریب بہت سے خلیفہ ہونگے کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

"اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک خلیفہ کی بیعت ہو جانے کے بعد کسی دوسرے کی بیعت ہو تو اس صورت میں پہلی بیعت صحیح ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے، دوسری بیعت باطل ہے اور اسکی وفا حرام ہے، خواہ دوسری بیعت پہلی بیعت کا علم نہ ہونے کے سبب منعقد ہوئی ہو یا علم ہونیکے باوجود اور خواہ دو شہروں میں ہوئی ہو یا ایک شہر میں یہی درست ہے اور اسی پر جمہور علمائ کا اتفاق ہے" (شرح مسلم بر حاشیہ ارشاد الساری جلد 8، ص 40)

لہٰذا ان تمام نصوص ان تمام تصریحات کو دیکھتے ہوئے عبداللہ بن عمر پر واجب تھا کہ وہ امیر المومنینؑ کی بیعت کرتے کیونکہ آپ کی بیعت تمام مہاجرین وانصار، تمام بدر میں شرکت کا شرف رکھنے والے صحابہ، جملہ اصحاب بیعت الرضوان نے کی تھی۔

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

كانت بيعة على بالخلافة عقب قتل عثمان فی اوائل ذی الحجة سنة 35 فبايعه المهاجرون والانصار وكل من حضر وكتب بيعته الى الافاق فاذعنوا كلهم الا معاويه فی اهل الشام فكان بينهم بعد ما كان۔ حضرت علیؑ کی بیعت عثمان کے قتل ہونے کے فوراً بعد ہی اوائل ذی الحجہ میں ہوئی آپ کی بیعت تمام مہاجرین وانصار اور ہر اس شخص نے کی جو مدینہ میں اس وقت موجود تھا اور آپ کی بیعت کی اطلاع تمام اسلامی ممالک میں بھی ہر مقام کے مسلمانوں نے آپ کی اطاعت بطیب خاطر قبول کی سوا معاویہ کے جنہوں نے شام والوں سمیت بیعت سے تخلف کیا اور اسکے بعد جو کچھ ہو سو ہوا۔

فتح الباری جلد 7، ص 576

عبداللہ ابن عمر اگر اپنے کو سچا مسلمان سمجھتے تھے، پیغمبرؐ کی احادیث پر ان کا ایمان تھا تو ان کا فریضہ تھا کہ وہ معاویہ سے جنگ کرتے جس نے خلیفہ برحق کی اطاعت سے انکار کیا تھا، سچی بات تو یہ ہے کہ اگر پیغمبرؐ نے معاویہ سے جنگ کرنے کا حکم نہ بھی دیا ہوتا تو وہ اس قابل تھے کہ ان سے جنگ کی جائے جیسا کہ عبداللہ مرقال مشہور بزرگ کا فقرہ ہے فلو لم یکن ثواب وعقاب ولا جنۃ ولا نار لکان القتال مع علی افضل من القتال مع معاویۃ ابن اکلۃ الاکباد، اگر ثواب وعذاب جنت و جہنم سے قطع نظر بھی کر لیجائے تب بھی علیؑ کی معیت میں جنگ کرنا اور ان کے دشمنوں سے لڑنا کہیں بہتر ہے بہ نسبت جگر خوارہ کے بیٹے معاویہ کی ہمراہی میں جنگ کرنے کے۔

(کتاب صفین، ص 405)

کون کہہ سکتا ہے کہ اکابر مسلمین اور صلحائے امت میں سے کسی دو شخص نے بھی علیؑ کی خلافت کے متعلق اختلاف کیا؟ جب سے دنیا میں جمہوری انتخاب کا رواج ہوا اس وقت سے لے کر آج تک کوئی بھی انتخاب علیؑ کے انتخاب جیسا ظہور میں آیا، حضرت علیؑ کی بیعت سے تو بس گنتی کے ان چند آدمیوں نے گریز کی جو حضرت عثمان کے خاص الخاص؟ ہوا خواہوں میں سے تھے جن کے متعلق تمام مؤرخین نے عثمانی ہونے کی تصریح کر دی ہے۔

پھر کیا وجہ تھی کہ ابوبکر کی بیعت کے لئے اس سے بھی کم لوگوں کے گٹھ جوڑ کو اجماع واتفاق کا نام دیا جاتا ہے اور اس اجماع کی اتباع ابن عمر واجب سمجھتے تھے اور تمام مہاجرین وانصار اور معززین ممالک اسلامیہ کے امیر المومنینؑ کی بیعت پر اجماع، اور انگلیوں پر گنے جانے کے لائق لوگوں کی مخالفت کو اختلاف وتفرق سے تعبیر کرتے ہیں:۔

جنوں کا نام خرد پڑ گیا خرد کا جنوں　　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

اگر عبداللہ بن عمر خلافت کے متعلق کتاب الٰہی کے احکام کو واجب الاتباع نہ سمجھتے تھے، احادیث پیغمبرؐ ان کے نزدیک درخور اعتنا نہ تھیں تو کم سے کم اپنے پدر بزرگوار حضرت عمر کے نظریہ پر عمل کرتے، انھوں نے حضرت عمر کا یہ قول ضرور سنا ہوگا۔

هذا الامر فی اهل بدر ما بقی منهم احد ثم فی اهل احد ثم فی كذا و كذا وليس لطليق ولا لولد طليق ولا لمسلمة الفتح شیء۔ یہ معاملہ خلافت صرف اہل بدر میں دائر رہے گا جب تک کہ ان میں کا ایک فرد بھی باقی رہے گا، ان کے بعد ان لوگوں میں منحصر رہے گا جنہیں جنگ احد میں شرکت کا شرف حاصل ہے اسی طرح سلسلہ بہ سلسلہ اور آزاد کردہ شخص اور آزاد کردہ کی اولاد اور جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہوئے خلافت میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔

(طبقات ابن سعد جلد 3، ص 648۔ فتح الباری، جلد 176، اسد الغابہ جلد، ص 387)

ایک اور موقع پر حضرت عمر نے فرمایا:۔

لا تختلفوا فانکم ان اختلفتم جاء کم معاویه من الشام وعبدالله بن ربیعه من الیمن فلا یریان لکم فضلا بسابقتکم وان هذا الامر لا یصلح للطلقاء ولا لابناء الطلقاء تم آپس میں اختلاف نہ کرو اگر اختلاف کرو گے تو شام کی طرف سے معاویہ آجائے گا اور یمن کی طرف سے عبداللہ بن ربیعہ اور یہ دونوں تمہاری کسی فضیلت کا لحاظ نہ کریں گے۔ یہ خلافت آزاد کردہ لوگوں اور ان کی اولاد کے لئے کسی طرح بھی سزاوار نہیں۔

(اصابہ جلد2،ص305)

معاویہ اور ابوسفیان کے طلیق وآزاد کردہ ہونے میں کسی کو کلام کی کوئی گنجائش نہیں بروز فتح مکہ یہ دونوں مسلمان ہوئے اور پیغمبرؐ نے ان کی جان بخشی کرتے ہوئے فرمایا تھا اذھبوا انتم الطلقاء جاؤ تم لوگ آزاد کردہ ہو۔

اب اس روشن حقیقت کے بعد ابن عمر کی بیعت معاویہ سے، اور امیر المومنینؑ کی بیعت سے تخلف وگریز کی اور کیا وجہ ہو سکتی ہے سوا اسکے کہ یہ دل سے دشمن امیر المومنین تھے اس واقعہ نے کہ ابن عمر نے حضرت امیر المومنینؑ کی بیعت نہ کی اور حضرت سے منحرف رہے حضرات اہلسنت کو بہت غمگین کیا ہے جس کے لئے یہ روایت گڑھی گئی کہ عبداللہ بن عمر حضرت امیر المومنینؑ کے ساتھ کسی لڑائی میں شریک نہ ہوئے مگر بعد میں حضرتؑ کے ساتھ ہو کر نہ لڑنے پر نادم ہوئے۔ علامہ ابن اثیر جزری لکھتے ہیں:۔

عبداللہ بن حبیب نے بیان کیا وہ کہتے ہیں مجھے میرے والد نے خبر دی ہے کہ جب حضرت ابن عمر کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں اپنے دل میں کسی بات کی آرزو نہیں پاتا ہوں، ہاں مجھے اس کا افسوس ہے کہ میں نے گروہ باغی سے قتال کیوں نہ کیا، اس حدیث کو علامہ ابو عمرو نے بھی لکھا ہے اور انھوں نے اتنی بات زیادہ روایت کی ہے کہ علیؑ کے ساتھ ہو کر میں نے گروہ باغی سے قتال کیوں نہ کیا" (اسد الغابہ جلد6،ص4)

مگر افسوس علامہ ابن حجر نے اس پردہ کو فاش کر دیا اور بتا دیا کہ وہ کس کو باغی جانتے تھے لکھتے ہیں:۔

ان ابن عمر قال ما وجدت فی نفسی لشی من امر هذه الامة ما وجدت فی نفسی انی لم اقاتل هذه الفئة الباغیة کما امر الله زاد یعقوب بن سفیان فی تاریخه من وجه اخر عن الزهری قال حمزه فقلنا له ومن تری الفئة الباغیة قال ابن الزبیر بغی علی هولاء القوم یعنی بنی امیه فاخرجهم من دیارهم ونکث عهدهم۔ یعنی جب ابن عمر نے کہا کہ ہم کو صرف اسی کی حسرت رہ گئی کہ اس فئتہ باغیہ سے قتال نہیں کیا جس کا حکم خدا نے دیا تھا تو حمزہ نے کہا کہ تم کس کو فئتہ باغیہ قرار دیتے ہو، کہا یہی ابن الزبیر جس نے بغاوت کی اس قوم بنی امیہ پر کہ ان کو ان کے وطن سے خارج کیا اور ان کے عہد کو توڑا۔

(فتح الباری جلد6،ص556)

اس حدیث نے ابن عمر کی دلی کیفیات آئینہ کر دی، عبداللہ بن زبیر ان کی نگاہوں میں باغی تھے کیونکہ انھوں نے یزیدی فوجوں سے جنگ کی اس سے بڑھ کر ان کی طرفداری بنی امیہ کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

عداوت حضرت امیر المومنینؑ ان میں اس درجہ تھی کہ حضرتؑ سے حدیث کی روایت بھی نہیں کرتے تھے۔

علامہ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

وهو من المکثرین عن النبی وروی ایضا عن ابن ابی بکر وعمر وعثمان وابی ذر ومعاویه وعائشه وغیرهم۔ ابن عمر آں حضرتؐ سے بہت روایت کرتے تھے اور ابو بکر، عمر، عثمان، ابوذر، معاویہ، عائشہ وغیرہ سے روایت کرتے تھے۔

(اصابہ جلد4،ص107)

اس فہرست میں کہیں بھی حضرت امیر المومنینؑ کا نام نہیں ہے جس سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کیسی عداوت انھیں امیر المومنینؑ کی ذات سے تھی۔

اب یہاں دوسری مصیبت سنئے، انھیں ابن عمر نے روایت کی ہے جس سے علماء اہل سنت کی پریشانیوں کا ٹھکانا نہیں رہا۔

عن ابن عمر قال کنا نقول علی عهد رسول الله ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم نسکت۔ ابن عمر سے مروی ہے کہ ہم عہد رسول اللہ میں کہا کرتے تھے ابو بکر پھر عمر پھر عثمان اس کے بعد سکوت کر جاتے۔

(قرۃ العینین شاہ ولی اللہ دہلوی،ص247)

یہ عبارت بتاتی ہے کہ حضرت امیرالمومنین کو وہ چوتھے درجہ میں بھی قابل فضیلت نہیں جانتے تھے۔بلکہ تمام صحابہ علیؑ وغیر علیؑ سب برابر تھے۔

علامہ ابوعمرو ابن عمر کی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

من قال بحديث ابن عمر كنّا نقول على عهد رسول الله ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم نسكت يعنى فلا تفاضل وهو الّذى انكره يحيى بن معين وتكلم فيه بكلام غليظ لان القائل بذالك قد قال بخلاف ما اجمع عليه اهل السنة من السلف والخلف ومن اهل الفقه والاثرات علياً افضل النّاس بعد عثمان هذا مما لم يختلفوا فيه وانّما اختلفوا فى تفضيل على وعثمان واختلف السلف ايضا فى تفضيل على وابوبكر وفى اجماع الجمع الّذى اضفنا دليل على ان حديث ابن عمر وهم غلط وانه لا يصح معناه وان كان اسناده صحيحاً۔ ابوعمرو کہتے ہیں کہ جوشخص اس کا قائل ہے کہ ابن عمر کہتے تھے بعد عثمان ہم سکوت کرتے کسی کو فضیلت نہ دیتے تھے تو یہ ایسا امر ہے کہ یحیٰی بن معین نے اس پر سخت انکار کیا اور کلام غلیظ کہا کیونکہ اس کا قائل سلف سے لے کر خلف تک کے اجماع اہلسنت کا مخالف ہے کیونکہ تمامی اہل فقہ واثر کا اس پر اتفاق ہے کہ جناب امیرؑ بعد عثمان سب سے افضل ہیں جس میں کسی طرح کا اختلاف نہیں، اگر اختلاف ہے تو اس میں کہ جناب امیرؑ افضل ہیں یا عثمان، بلکہ سلف میں تو یہ بھی اختلاف رہا ہے کہ جناب امیرؑ افضل ہیں یا ابوبکر مگر بعد عثمان حضرت علیؑ کی فضیلت میں تو کسی طرح اختلاف ہی نہیں لہذا یہ حدیث ابن عمر، وہم اور غلط ہے اور کسی طرح اس کے معنی صحیح نہیں اگرچہ اسناد اس کے صحیح ہوں۔

(استیعاب، وقرۃ العینین ص 247)

ہم کو اس عبارت پر تبصرہ کرنا مقصود نہیں صرف اسی قدر سروکار ہے کہ ابن عمر کے متعلق یہ حدیث بڑی معرکۃ آرا ہے لہذا بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ ابن عمر کو جناب امیرؑ سے ایسی عداوت تھی کہ درجہ چہارم میں بھی حضرتؑ کی خلافت یا فضیلت کے روادار نہیں، ان کے دل کو یہ تک گوارا نہیں کہ عثمان کے بعد بھی حضرت علیؑ کے لئے کسی طرح کی فضیلت ثابت ہو بلکہ سبھی صحابہ ایک درجہ اور ایک مرتبہ کے تھے کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہ تھی۔

نہیں نہیں ابن عمر نے اس پر بھی بس نہیں کیا جناب امیرؑ کو کسی طرح خلافت کے چوتھے درجہ پر رہنے دیں بلکہ عام خلافت سے بھی نکال دیا۔ علامہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص 143 پر یہ حدیث نقل کی ہے:۔

واخرج بن عساكر عن عبدالله بن عمر قال ابوبكر الصديق اصبتم اسمه عمر الفاروق نون من حديد اصبتم اسمه ابن عفان ذوالنورين قتل مظلوما يوتى كفلين من الرحمة. معاوية و ابنه ملكا الارض المقدسه والسفاح وسلام ومنصور المهدى والامين وامير الغضب كلهم من بنى كعب بن لوى كلهم صالح لايوجد مثله قال الذهبى له وطرق عن ابن عمر ولم يرفعه احد۔ ابن عمر سے بارہ خلیفہ کے بارے میں یہ روایت ہے کہ ابوبکر صدیق کا نام تم نے پالیا، عمر فاروق قرن حدید ہیں جن کا نام پالیا عثمان بن عفان جو مظلوم قتل ہوئے انھیں دو حصہ رحمت کا دیا جائیگا۔ معاویہ اور اس کا بیٹا یزید جو مالک ارض مقدس (شام) ہوئے، سفاح، منصور، مہدی، امین، امیر غضب، جو بنی کعب سے ہیں اور سب صالح ہیں جن کا مثل ونظیر نہیں پایا جاتا۔ ذھبی کا بیان ہے کہ یہ روایت چند طریقوں سے ابن عمر سے منقول ہے مگر کسی نے اس کی نسبت رسولؐ کی طرف نہیں دی۔

اس روایت کو بغور ملاحظہ فرمائیے اور پھر ابن عمر کی ایمانداری کی داد دیجئے کہ اتنا بھی گوارا نہ ہوا کہ جناب امیرؑ کا اسم گرامی اس فہرست میں لیں جو انھوں نے بارہ خلیفہ کی بنائی تھی۔ معاویہ و یزید کو جو صالح اور بے مثل ونظیر بتاتے اس سے ہم کو بحث نہیں کیونکہ اگر ابوبکر وعمر صالح تھے تو معاویہ و یزید ان سے زیادہ اصلح تھے۔

"جب تک سب نہ بیعت کرلیں میں آپ کی بیعت نہ کروں گا، خدا کی قسم میری ذات سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہونچے گا"

حضرت نے انھیں مجبور نہ کیا ان کی واہیات دلیل سنی اور لوگوں سے کہا:۔

"انھیں جانے دو" آپ نے انھیں امن و امان کا اسی طرح مستحق سمجھا جس طرح بیعت کرنے والے آپ کے نزدیک مستحق تھے۔

یہی برتاؤ آپ کا اس دن عبداللہ بن عمر سے رہا، حضرت نے انھیں بھی مجبور نہ کیا بلکہ ان کے صرف اس کا وعدہ لیا کہ وہ کوئی ہنگامہ نہ برپا کریں گے آپ نے ان سے مطالبہ کیا کہ اس بھرے مجمع میں کسی کو ضامن بناؤ جو اس کی ضمانت لے کہ تم فساد کی طرف راغب نہ ہو گے۔

ابن عمر نے کہا" مجھے کوئی ضامن نہیں ملتا"

ابن عمر کی اس خیرہ چشمی سے مجمع میں آگ لگ گئی اور ان کی سرکشی سے لوگوں کے سینے تنگی کرنے لگے۔ مالک اشتر نے عرض کی۔

"حضور مجھے اجازت دیجئے اس کی گردن اڑا دوں"

حضرت نے فرمایا نہیں جانے دو اسے میں اس کا ضامن ہوں

اس کے بعد حضرت کو بتایا گیا کہ کچھ لوگ اور بھی ہیں جو گھروں میں چھپے بیٹھے ہیں اور بیعت نہیں کرنا چاہتے۔ آپ نے فرمایا:۔

لا حاجة لنا فیمن لا حاجة له فینا جسے ہماری ضرورت نہیں اس کے ہم بھی خواہش مند نہیں

میرا خیال ہے کہ اپنے مخالفین کے ساتھ حضرت کے نرم برتاؤ کی یہ مختلف صورتیں قریش کی اس جماعت کی نظروں میں پھر رہی ہوں گی جنھوں نے بیعت تو جلدی سے کر لی تھی مگر دل میں کچھ اور، چھپائے ہوئے تھے، وہ کف افسوس مل رہے ہوں گے کہ کاش ہمارے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی ہوتی، جان تو بچ ہی جاتی کیونکہ علیؑ کسی کو بھی بیعت پر مجبور نہیں کرتے لیکن اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ خود دوڑ کر انھوں نے بیعت کر لی تھی، اب یہی صورت باقی تھی کہ اندرونی طور پر ریشہ دوانیاں جاری رکھی جائیں، ایسی تدبیریں کی جائیں کہ اس بیعت سے گلو خلاصی نصیب ہو، نتیجہ یہ ہوا کہ پرانے کینے پھر ابھرے اور قریش کے وہ گھرانے جن میں باہمی چشمکیں ہمیشہ رہتی تھی لیکن علیؑ کے مقابلے میں وہ سب ایک مرکز پر متحد ہو کر آگئے اس وقت تو ان کی متفقہ کوشش یہی تھی کہ علیؑ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے پھر بعد میں ہم ایک دوسرے سے نپٹتے رہیں گے، یہ کوشش ان لوگوں کی بھی تھی جنہوں نے جھوٹے دل سے بیعت کر لی تھی، ان کی بھی جو گھر میں بیٹھ رہے تھے، اور ان کی بھی جو شروع سے علیؑ کی خلافت کے مخالف تھے اور لوگوں کو آپ سے برگشتہ کرتے پھرتے تھے، آپس کی رقابتیں باہمی چشمکیں جو ان تینوں قسم کے لوگوں میں تھی وہ تو یہ

بھول گئے اور علیؑ کی مخالفت کا واحد سبب جو ان میں مشترک تھا وہ یادرہا یعنی حسد جس کی چنگاریاں ان کے دلوں میں اب تک روشن تھیں، ان لوگوں نے علانیہ اور مخفی طور پر مسلمانوں کو علیؑ سے برگشتہ کرنا شروع کیا اور اس مخالفت کی تحریک کو کامیاب بنانے اور اپنے مقاصد کو عوام کے اذہان میں راسخ کرنے کے لئے ہر قسم کے ہتکنڈے استعمال میں لائے، جہاں بہکانے سے کام چلا بہکانے کی کوشش کی جہاں زور زبردستی چل سکی زور زبردستی کی انھوں نے ہر ممکن ذریعہ سے آپ کے راستہ میں رکاوٹیں پیدا کیں، ان کی اصلی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں میں پراگندگی وانتشار پیدا ہو اور آپ کا تخت خلافت متزلزل ہو جائے، انھوں نے کبھی تو لوگوں سے یہ کہا کہ علیؑ عاجز وضعیف ہیں کبھی یہ کہا کہ علیؑ تو کسی کی سنتے ہی نہیں، انھیں کسی مشورہ کی پرواہ ہی نہیں خود جو چاہتے ہیں کرتے ہیں، کبھی یہ کہا کہ وہ احکام شریعت کے نفاذ میں بہت سست ہیں کبھی یہ کہا کہ وہ تو بہت سخت ہیں ذرا بھی ان میں نرمی نہیں، اسی قسم کے اور بہت سے جھوٹے اتہام علیؑ پر لگائے گئے جنھیں حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔

تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ ان تینوں قسم کے لوگ حضرتؑ کی مخالفت پر تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت کو پریشان کرنے کا طریقہ سب کا جداگانہ تھا مگر انجام سب کا ایک، یہی سعد ابن ابی وقاص جنھوں نے حضرت سے وعدہ کیا تھا کہ میری ذات سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہونچے گا ان کا نفس چپکا نہ رہ سکا چاہے جسم ساکن رہا ہو، تلوار ان کی حضرتؑ کے مقابلے میں چاہے نہ کھینچی ہو مگر ان کا قلم حضرتؑ کے خلاف زہر اگل رہا تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد انھوں نے عمر و عاص کو بالا بالا ایک خط روانہ کیا جس میں حضرت عثمان کے قتل اور علیؑ کی خلافت کی اپنی خواہش کے مطابق تصویر کھینچی ہے اور اپنے دلی کیفیات جو زبان سے ظاہر نہ کرسکتے تھے قلم سے بیان کر گئے ہیں۔ خط میں یہ لکھتے ہیں:۔

انّك سالتني عن قتل عثمان فاعلم انّه قتل بسيف سلته عائشه وصقله طلحه وسمه ابن ابي طالب وسكت الزبير واشار بيده وامسكنا نحن ولو شئنا لدفعنا عنه

تم نے مجھ سے قتل عثمان کے متعلق دریافت کیا ہے میں تمھیں بتاتا ہوں۔ وہ اس تلوار سے قتل کئے گئے جسے عائشہ نے کھینچا تھا اور طلحہ نے جس پر صیقل کی تھی اور علیؑ نے زہر آلود کیا تھا اور زبیر نے زبان سے کچھ نہیں کہا البتہ ہاتھ سے اشارہ کیا اور ہم لوگ نے خاموش تماشا دیکھا اگر چاہتے تو ان کی مدد کرسکتے تھے۔

(امامت وسیاست جلد 1، ص 43)

یہ خط چاہیے تھا کہ صحیح واقعات کا مجموعہ ہوتا قریش کے طرز عمل کی سچی تصویر ہوتی، اس میں حقیقت حال توڑ مروڑ کر بیان نہ کی گئی ہوتی، کیونکہ ایسے بزرگ صحابی کے قلم کا لکھا ہوا تھا جن کے متعلق مسلمانوں کو خیال بھی نہیں ہوسکتا افترا پردازی سے کام لیں گے

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے اس خط میں کھلم کھلا علیؑ پر ظلم کیا ہے جس کا محرک وہی جذبہ عناد و عداوت تھا جو سعد اور انھیں جیسے لوگوں کے رگ و ریشہ میں پوشیدہ اور ان کے قریشی خون میں غلطاں تھا۔ ان کے قلم نے حقائق ظاہر نہیں کئے بلکہ انھوں نے اصل حقیقت کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

اصل حقیقت یہ تھی کہ خود قریش نے حضرت عثمان پر تلوار کھینچی، قریش ہی نے اس تلوار کو صیقل کیا اور قریش ہی نے اسے زہر آلود بھی کیا اور زہر آلود کر کے آخری اور فیصلہ کن مرحلہ پر یہ تلوار قریش نے باہر سے آنے والوں کے ہاتھ میں دیدی کہ وہ اس سے عثمان کا کام تمام کر دیں، خود عثمان پر تلوار کھینچتے ہوئے شرماتے تھے اس لئے دوسروں کو آلہ کار بنایا۔

حضرت عثمان کے قتل کے موقع پر مدینہ میں تھوڑے سے لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے ان ہنگاموں سے الگ تھلگ رہنے کو ترجیح دی جو حضرت عثمان اور ان کے مخالفین میں جاری تھے وہ گھر بیٹھے نتیجہ کا انتظار کرتے رہے، سعد بن ابی وقاص انھیں لوگوں میں تھے وہ آنکھوں سے دیکھتے سب کچھ تھے مگر ہاتھ کسی طرف نہیں بڑھاتے تھے نہ انھوں نے حق کی مدد کے لئے جنبش کی اور باطل کو دور کرنے کے لئے حرکت میں آئے گویا جو کچھ ہو رہا تھا انکی نگاہوں میں اسکی کچھ اہمیت ہی نہ تھی، لیکن جب ان تمام ہنگاموں کا نتیجہ المناک ثابت ہوا عثمان قتل ہو گئے اور خلافت علیؑ کے ہاتھوں میں آگئی تو ندامت نے ان پر غلبہ کیا اور اپنی قوم کے لوگوں پر غیظ و غضب ظاہر کرنے لگے جنھوں نے زبان سے یا ہاتھ سے عثمان کی حکومت کا تختہ الٹنے میں مدد کی تھی اور انکے قدیمی احساسات اور بنی ہاشم سے دیرینہ عداوت نے مجبور کیا کہ علیؑ پر جتنا ظلم توڑ سکیں توڑیں۔

اگر یہ بات نہ ہوتی تو سعد جو چپکے گھر میں بیٹھے اپنی سلامتی کی خیر منا رہے تھے علیؑ کے خلاف کیسے فیصلہ صادر کر دیتے جنھوں نے عثمان کے آخری وقت تک مدد کی اور ان کے دشمنوں کو ان سے روکتے رہے۔

کیا روشن حقائق اور مسلم الثبوت واقعات کے مقابلہ میں سعد بن ابی وقاص کی آواز زیادہ سماعت کے قابل تھی وہ روشن حقائق جنھیں نہ تو افترا و بہتان سے کچھ بھی نقصان پہونچتا ہے اور نہ کسی کے مشتبہ کرنے سے ان کا مشتبہ ہونا ممکن ہے۔

اصل بات یہ تھی کہ سعد بن ابی وقاص ممبران شوریٰ کے بچے کھچے لوگوں میں سے ایک فرد تھے اور ممبران شوریٰ کا علیؑ کے ساتھ جو طرز عمل رہا وہ سعد بھولے نہیں تھے ممبران شوریٰ کے لئے بہت ممکن تھا کہ اگر وہ سیدھے راستے پر چلنا چاہتے تو علیؑ کی حمایت کرتے انھیں کامیاب بنانے کی کوشش کرتے مگر انھوں نے جب اس موقع پر علیؑ کو خلیفہ بنانا منظور نہ کیا تو اب سعد آپ کو خلیفہ کی حیثیت سے دیکھنا کیونکر گوارا کرتے۔

عبداللہ بن عمر نے بھی وہی روش اختیار کی جو سعد ابن ابی وقاص کی تھی، انھوں نے علیؑ اور ان کے مخالفین دونوں سے کنارہ

کشی کی، ان پر واجب تھا کہ وہ حق کی حمایت کرتے لیکن آخر وہ بھی تو قریشی ہی تھے اور قریش کو بنی ہاشم سے عموماً اور علیؑ سے خصوصاً جو عداوت تھی وہ ظاہر ہے، عبداللہ بن عمر حق کی حمایت سے بیٹھ رہے جب انھوں نے دیکھا کہ حق علیؑ کی طرف ہے اگر یہ خلافت انکے قوم والوں کی ملی ہوتی تو کیا اس وقت بھی انکا یہی طرز عمل ہوتا؟

ہمارے لئے بہت مشکل ہے کہ ان معزز ین کو نام بنام گنا سکیں جنہوں نے علیؑ کے خلاف تلوار اٹھائی اور انکی مخالفت میں زبان کھولی اور اپنی ناحق کوشی سے علیؑ کے حق کو نقصان پہونچانیکی کوشش کی اور ان کے خلاف محاذ قائم کر کے جاہل عوام کو گمراہ بنانے کے مرتکب ہوئے ہم اتنا جانتے ہیں علیؑ کی مخالفت کا جذبہ ایک ہی جماعت کے لوگوں سے مخصوص نہ تھا بلکہ دوسری جماعتیں بھی شریک تھیں اور ان دشمنوں کا مرکز صرف مدینہ ہی نہیں تھا بلکہ ہر اس جگہ پھیلے ہوئے تھے جہاں روحانی یا مردہ ضمیر افراد کی گنجائش تھی سب سے بڑا اٹھکانا ان کا ملک شام تھا۔(الامام علی عبدالفتاح عبدالمقصود مصر جلد2)

ان حقائق کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ کیوں حضرت امیرالمومنینؑ کے خلیفہ ہوتے ہی مسلمان آپ کے پاس سے ایک ایک کر کے کھسکنے لگے۔ اور آپ کے عدل وانصاف، سچی مساوات اور مسلمانوں کو عہد رسول کے مسلمانوں جیسا بنانیکا عزم وارادہ دیکھ کر آپکی مخالفت وعداوت پر کمر بستہ ہو گئے ان مسلمانوں میں بہت سے ایسے تھے جو پہلے ہی سے آپ کو ناپسند کرتے چلے آرہے تھے اور آپکی طرف سے دل میں بغض وکینہ رکھتے تھے۔ بہت ایسے تھے جنکی تمنائیں آپ کے تخت خلافت پر متمکن ہونے سے خاک میں مل گئیں بہت سے ایسے تھے جو سابق خلفاء کے زمانہ سے بڑی بڑی جاگیریں، انعامات داد ودہش سے مالا مال ہونے چلے آرہے تھے، عیش وعشرت ان کے خمیر میں داخل ہو گیا تھا انھیں علیؑ کی خلافت میں اس عیش وعشرت کی امید باقی نہ رہی اور ان سب کے عقب میں بنو امیہ اور انکے حاشیہ نشین افراد تھے اور ان سے یہ امید ہی نہیں کیجا سکتی تھی کہ وہ علیؑ کی خلافت پر راضی ہونگے اور وہ آپ کے مطیع وفرمانبردار بن جائینگے۔ وہ بنی امیہ جنھیں یقین کامل تھا کہ خلیفہ ہوتے ہی علیؑ جو سب سے پہلا کام کریں گے وہ یہی کہ انہیں بے دست وپا کر دیں گے اور انھوں نے جس قدر مال ودولت شان وشوکت عہد عثمانی میں حاصل کی تھی وہ سب چھین لیں گے دنیا انصاف کرے کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی جلیل القدر وعظیم المرتبت ہو، اس کا علم وفضل کتنا ہی غیر معمولی زیادہ ہو اسکی قوت ارادہ کتنی ہی بڑی ہو کتنا ہی زیرک ودانا کیوں نہ ہو پھر بھی سب کو خوش رکھنا اس کے لئے کیونکر ممکن ہوگا؟

حضرت امیرالمومنینؑ بہت اچھی طرح سمجھتے تھے کہ یہ میدان بڑا خارزار وسنگلاخ ہے نت نئی مصیبتیں میری راہ تک رہی ہیں لیکن ان سب کے باوجود حتی الامکان عذر ومعذرت اور انکار کرنیکے بعد آپ اس بار خلافت کو اٹھانیکے لئے آمادہ ہو گئے۔

آپ جانتے تھے کہ ایسے نازک وقت میں خلافت کو قبول کرنا اسلام کی راہ میں خدا اور رسول کی راہ میں ایک نئے قسم کا جہاد ہے۔ یا تو ہم اسلام اور مسلمانوں کو پھر اسی حالت میں پلٹا لیجائینگے جس حالت پر رسول اللہ چھوڑ گئے تھے یا اسکی راہ میں اپنی جان قربان کر دیں گے۔

(قصیدۃ علویہ مطبوعہ مصر، عبدالمسیح انطاکی صاحب جریدۃ العمران)

پانچویں فصل

قاتلین عثمان سے انتقام کا مطالبہ اور امیر المومنین علیہ السلام کا جواب

"حضرت علیؑ کا دور خلافت ایک عجیب دور ہے، حضرت علیؑ چاہتے تھے کہ مسلمان رسول اللہ کے نقش قدم پر چلیں لیکن وہ سراسر دنیا کی طرف جھکتے جا رہے تھے اور دھڑے بندیاں قائم ہو رہی تھیں۔

جاہلی عصبیت پھر سر اٹھا رہی تھی، مسلمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف گروہوں میں بٹ چکے تھے، ہر گروہ طاقت اور حکومت حاصل کرنا چاہتا تھا، ایک طرف حضرت علیؑ کے طرفدار تھے اور دوسری طرف بنی امیہ کے دل میں اس اقتدار کی خواہش رہ رہ کر چٹکیاں لے رہی تھی۔ جو اسلام کے بعد ان سے چھن گیا اس مقصد کے لئے انھوں نے حضرت عثمان کی شہادت کو وسیلہ اور سبب بنایا اور حضرت علیؑ سے آپ کے قصاص کا مطالبہ کرنے لگا۔

لیکن حضرت علیؑ کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ کسی شخص کو بھی یقینی طور پر حضرت عثمان کے اصلی قاتل کا پتہ نہ تھا آپ پر کئی اشخاص نے حملہ کیا، جب آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ سے آپ کے قاتل کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا:۔

"مجھے معلوم نہیں کئی آدمی گھر میں داخل ہوئے جن کو میں نہیں جانتی البتہ ان کے ساتھ محمد بن ابو بکر تھا۔

محمد بن ابی بکر نے حضرت عثمان کے پاس آنے کے واقعہ سے انکار نہیں کیا لیکن اس نے قتل میں شرکت کرنے سے صاف انکار کر دیا، اس نے بتلایا کہ وہ جب حضرت عثمان کے پاس پہونچا اور آپ کی ڈاڑھی پکڑ کر کھینچی تو حضرت عثمان نے کہا کہ اگر تیرا باپ اس وقت زندہ ہوتا تو وہ کبھی ایسا نہ کرتا، اس پر وہ شرمندہ ہو کر واپس لوٹ آیا۔

قاتل کے متعلق یہ بات یقینی ہے کہ وہ کوئی فرد واحد نہیں تھا یہ بھی بہت حد تک ممکن ہے کہ خود باغیوں ہی کو اس وقت قاتلوں کے نام کا پتہ نہ ہو۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک مدت کے گذر جانے کے بعد کسی شخص نے یہ اعتراف کر لیا ہو کہ وہ حضرت عثمان کے قتل میں شریک تھا جس کی وجہ سے مؤرخین نے اس کا نام قاتلین عثمان کے زمرہ میں درج کر لیا۔ مزید براں مفسدین تمام شہر پر قابض تھے وہ کسطرح گوارا کر سکتے تھے کہ ان کی نظروں کے سامنے ان سے انتقام لینے کے منصوبے باندھے جائیں۔

(خلفائے محمد عمر ابو النصر مترجمہ محمد احمد پانی پتی)

چنانچہ آپ کی بیعت جب ہو چکی تو طلحہ و زبیر اور صحابہ کی ایک جماعت نے آپ سے کہا کہ آپ ان لوگوں کو جنہوں نے عثمان پر فوج کشی کی تھی سزا دیں تو حضرتؑ نے ارشاد فرمایا:۔

"اے بھائیو! تم جانتے ہو میں اس سے بے خبر نہیں ہوں، لیکن میرے پاس (اس کی) قوت وطاقت کہاں ہے جب کہ آج فوج کشی کرنے والے اپنے انتہائی زوروں پر ہیں وہ (اس وقت) ہم پر مسلط ہیں، ہم ان پر مسلط نہیں اور عالم یہ ہے کہ تمہارے غلام بھی ان کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور صحرائی عرب بھی ان سے مل جل گئے ہیں اور اس وقت بھی وہ تمہارے درمیان اس حالت میں ہیں کہ جیسا چاہیں تمہیں گزند پہونچا سکتے ہیں، کیا تم جو چاہتے ہو اس پر قابو پانے کی کوئی صورت نظر آتی ہے؟ بلاشبہ یہ جہالت ونادانی کا مطالبہ ہے ان لوگوں کی پشت پر مدد کا ایک ذخیرہ ہے۔ جب یہ قصہ چھڑیگا تو اس معاملہ میں لوگوں کے مختلف خیالات ہونگے کچھ لوگوں کی رائے تو وہی ہوگی جو تمہاری ہے اور کچھ لوگوں کی رائے تمہاری رائے کے خلاف ہوگی اور کچھ لوگوں کی رائے نہ ادھر ہوگی نہ اُدھر، اتنا صبر کرو کہ لوگ سکون سے بیٹھ لیں اور دل اپنی جگہ پر ٹھہر جائیں اور آسانی سے حقوق حاصل کئے جا سکیں، تم میری طرف سے مطمئن رہو اور دیکھتے رہو کہ میرا فرمان تم تک کیا آتا ہے کوئی ایسی حرکت نہ کرو جو طاقت کو متزلزل اور قوت کو پامال کر دے اور کمزوری وذلت کا باعث بن جائے، میں اس جنگ کو جہاں تک رک سکے گی روکوں گا اور جب کوئی چارہ نہ پاؤں گا تو پھر آخری علاج داغنا تو ہے ہی۔ (نہج البلاغہ)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علیؑ کا یہ جواب نہایت معقول اور مدلل تھا اول تو ٹھیک طور پر معلوم بھی نہ تھا کہ حضرت عثمان کا قاتل کون ہے، لیکن اگر پتہ لگ بھی جاتا تب بھی اس سے قصاص لینا اور ان مفسدین کے خلاف کوئی کاروائی کرنا قطعاً ناممکن تھا ہر شخص کو معلوم تھا کہ اس وقت مفسدین اپنی من مانی کر رہے ہیں اور ان کے سامنے کسی کو چون وچرا کرنے کا حق نہ تھا اس صورت میں حضرت علیؑ عثمان کے قاتل سے قصاص لینا چاہتے بھی تو یہ مفسدین شمشیر بہ دست آپ کے مقابلہ میں آجاتے اس نتیجہ میں اتنا فتنۂ عظیم برپا ہوتا اور اس قدر قتل وغارت ہوتا کہ اس کے سامنے لوگ حضرت عثمان کی شہادت بھی بھول جاتے۔ (خلفائے محمد عمر ابوالنصر)

چھٹی فصل

عہد عثمانی کے عمال کی برطرفی اور نئے عاملوں کا تقرر

"حضرت علیؑ نے خلافت کی باگ دوڑ ہاتھ میں لیتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ عہد عثمانی کے تمام عمال کو معزول کر دیا۔ بعض مورخین کا کہنا ہے کہ حضرت علیؑ کا فوراً ہی ان عمال کو معزول کر دینا ایک زبردست غلطی تھی، سیاست ملکی کا تقاضا یہ تھا کہ ان کو اس وقت تک اپنے عہدوں پر برقرار رکھا جاتا جب تک وہ آپ کی بیعت نہ کر لیتے، جب تمام عمال آپ کے مطیع ہو جاتے تب آپ جس کو چاہتے معزول کرتے اور جس کو چاہتے معزول شدہ عامل کی جگہ نیا عامل بناتے لیکن یہ لوگ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ حضرت علیؑ جس وقت خلیفہ بنے ہیں باغی مدینہ پر مسلط تھے اور مدینہ والے ان کے سامنے زبان تک نہ ہلا سکتے تھے، ان باغیوں کا حضرت عثمان سے بڑا مطالبہ یہی تھا کہ آپ اپنے عمال کو برطرف کر دیجئے اور جب ان کا مطالبہ پورا نہ کیا گیا تو بڑھتے بڑھتے فتنہ نے اتنی شدت اختیار کر لی کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا اب ان لوگوں نے حضرت علیؑ کیجانب اپنی توجہ مبذول کی اور ان سے مطالبہ کیا کہ حضرت عثمان کے تمام عمال کو برطرف اور ان کے تمام مددگاروں کو امور سلطنت سے بے دخل کر دیجئے اگر حضرت علیؑ ان کے اس مطالبہ کو نظر انداز کر دیتے اور عہد عثمانی کے عمال کو اپنے اپنے علاقوں میں برقرار رہنے دیتے تو یہ مفسدین حضرت علیؑ سے بھی وہی سلوک کرتے جو اس سے پہلے انھوں نے حضرت عثمان سے کیا تھا پھر ذاتی طور پر حضرت علیؑ بھی نہیں چاہتے تھے کہ ان عمال کو برقرار رکھا جائے۔

جب حضرت علیؑ نے عہد عثمانی کے عمال کو معزول کرنیکا ارادہ کیا تو مغیرہ بن شعبہ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ عمال کو معزول کرنے میں جلدی نہ کیجئے بلکہ فی الحال معاویہ، ابن عامر اور دیگر عمال کو انکی جگہوں پر برقرار رہنے دیجئے، جب وہ آپ کی اطاعت قبول کر لیں اور فوجوں کی بیعت کی خبر بھی آجائے تب آپ کو اختیار ہے خواہ ان کو معزول کر دیں یا بحال رکھیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا! اچھا میں سوچوں گا۔

دوسرے روز وہ پھر آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

میں نے کل آپ کو جو مشورہ دیا تھا آج اس کے خلاف دیتا ہوں آپ اعمال میں جو رد و بدل کرنا چاہتے ہیں جس قدر جلد ممکن ہو کر دیجئے تاکہ آپ کو ہر طرف سے اطمینان ہو جائے۔

ابھی مغیرہ بن شعبہ حضرت علیؑ سے باتیں کر ہی رہے تھے کہ عبداللہ بن عباس مکہ سے مدینہ پہونچے۔حضرت علیؑ کے مکان پر جا کر پتہ چلا کہ مغیرہ ان سے باتیں کر رہے ہیں وہ ان کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے،جب مغیرہ باتیں کر کے باہر نکلے تو عبداللہ حضرت علیؑ کے پاس پہونچے اور پوچھا کہ مغیرہ کیوں آئے تھے حضرت علیؑ نے سارا واقعہ سنایا انھوں نے کہا کہ مغیرہ نے کل خیر خواہی کی تھی لیکن آج دھوکا دیا۔

حضرت علیؑ نے پوچھا اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ کل انھوں نے خیر خواہی کی تھی اور آج دھوکا دیا عبداللہ بن عباس نے جواب دیا کہ،آپ جانتے ہیں کہ معاویہ اوران کے ساتھی دنیادار ہیں اگر آپ ان کو انکے عہدوں پر برقرار رکھیں تو انہیں اس امر کی پرواہ نہیں ہوگی کہ کون شخص خلافت کی گدی پر متمکن ہوا لیکن اگر آپ انہیں معزول کر دیں گے تو وہ جھٹ کہہ دیں گے کہ خلافت کا معاملہ بغیر شوریٰ کے آپس میں طے کرلیا گیا اس لئے علی کی خلافت جائز نہیں،وہ آپ پر یہ الزام لگائیں گے کہ آپ نے حضرت عثمان کو قتل کرنے میں حصہ لیا،اس طرح ایک فتنہ برپا ہو جائے گا اور اہل شام وعراق آپ کے خلاف ہو جائیں گے۔مجھے طلحہ وزبیر سے بھی اندیشہ ہے کہ کہیں یہ آپ کے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں۔

حضرت علیؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

ایک دنیادار تو یہ کرسکتا ہے کہ بربنائے مصلحت ان عمال کو باقی رہنے دے لیکن میں ایسا نہیں کرسکتا میں ان میں سے ایک کو بھی باقی نہیں رکھوں گا،اگر وہ میرے احکام کی اطاعت کریں گے تو بہتر ہوگا ورنہ پھر تلوار سے ان کا علاج کیا جائے گا۔

ابن عباس نے دوبارہ حضرت علیؑ کو سمجھایا اور کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو سارا عرب آپ کے خلاف اٹھ کھڑا ہوگا اور آپ کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔عمال آپ کی خلافت کو تسلیم کرنے سے پہلے انکار کر دیں گے اور انتقام عثمان کے مطالبہ کے بہانے آپ کے مقابلہ پر کھڑے ہو جائیں گے۔

لیکن حضرت علیؑ نے ان کا مشورہ قبول نہ کیا بلکہ فرمایا:۔

تم شام جاؤ میں نے تمہیں اوہاں کا والی مقرر کر دیا ہے۔

ابن عباس نے کہا آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں ٹھیک نہیں ہے،معاویہ بنی امیہ کے ایک فرد حضرت عثمان کے چچازاد بھائی اور شام کے عامل ہیں ان کو زبردست طاقت حاصل ہے اگر میں وہاں گیا تو وہ حضرت عثمان کے بدلہ میں میری گردن اڑادیں گے نرم سے نرم سلوک اگر انھوں نے میرے ساتھ کیا تو وہ یہ ہوگا کہ مجھے قید کر دیں گے میری رائے یہ ہے کہ آپ پہلے ان کو بیعت کے لئے خط لکھیں۔(خلفائے محمد عمر ابوالنصر)

استاذ عبدالفتاح عبدالمقصود لکھتا ہے:۔

”تمام دنیا جانتی ہے کہ معاویہ اور دیگر عمال عثمانی دنیا کے بندے تھے، کیا ابن عباس کی نگاہوں میں حضرت علیؑ بھی ایسے ہی تھے سچی بات یہ ہے کہ ابن عباس کی یہ ساری باتیں اور مشورے محض اس تمنا اور آرزو کا نتیجہ تھے کہ ہمارے ابن عم کی حکومت کو استحکام حاصل ہو جائے، مغیرہ بن شعبہ جو سیاسی جوڑ توڑ اور چالبازیوں میں کافی شہرت رکھتے تھے معلوم ہوتا ہے ان کے مشورہ سے بھی ابن عباس کافی متاثر ہوے اس متاثر ہونے ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کی زبان سے بھی ایسی ہی بات نکلی جو مغیرہ بن شعبہ نے از راہ مکروفریب کہی تھی گویا ابن عباس کو اس کا خیال ہی نہ رہا کہ علیؑ کس قسم کے انسان ہیں! مگر علیؑ نے جو شاہراہ اپنے لئے معین کر لی تھی اس پر چلنے کے لئے وہ کسی کی رائے اور مشورے کے محتاج نہ تھے، ان کے سارے اعمال وافعال بس ایک مستحکم اور اٹل دستور پر مبنی تھے وہ دستور الٰہی دستور تھا قرآن مجید جسے لے کر نازل ہوا تھا اور جس کی بنیادی غرض انسانی معاشرہ کی اصلاح اور سماج کی بہبودی تھی اس دستور میں کسی ترمیم وتغیر کی گنجائش نہ تھی۔

یہ انتہائی نادانی ہے کہ مرض کے فرمن ہونے کیوجہ سے جو فروعی مشکلات پیدا ہوگئی ہیں ان کا علاج کیا جائے اور بنیادی مرض جو جڑ ہے تمام مشکلات کی اسے چھوڑ دیا جائے، سلطنت اسلامی کا بنیادی مرض وہ حکام وعمال تھے جن کی حکومت میں بلاد اسلامی روحانی طور پر ہلاکت کے قریب پہونچ چکے تھے اور اب انکی تباہی وبربادی یقینی تھی۔ ان عمال کی حکومت نے رعایا میں نفسانی خواہشوں اور ذاتی اغراض کے جراثیم کی بہتات کردی تھی اسلامی اقدار دینی تعلیمات کا شعور واحساس کمزور ہو چکا تھا اور اب ہر شخص کی اپنی خواہشیں تھیں اور جداگانہ اغراض، وہ بلند کردار جو قرآن نے مسلمانوں میں پیدا کیا تھا وہ مسلمانوں سے زائل ہوتا جا رہا تھا اور اس کے اولین ذمہ دار حضرت عثمان تھے انہیں ض نے اپنی ڈھیلی ڈھالی سیاست سے ایسی صورتحال پیدا کی، انھوں نے صوبوں کی گورنری شہروں کی حکومت کے لئے اہلیت وصلاحیت پیش نظر نہ رکھی بلکہ انھوں نے ساری سلطنت اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے کاندھوں پر رکھ دی اور چین کی نیند سوتے رہے کبھی پلٹ کر بھی نہیں دیکھا کہ یہ عمال کیا کر رہے ہیں اور مملکت اسلامیہ کس راہ پر چلی جارہی ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنے حکام کو بالکل بے لگام چھوڑ دیا انہیں آزادی دیدی کہ جو چاہیں کریں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے ہر ایسے کام کیئے جس سے ان کی حکومت کو استحکام ہو سکتا تھا اور رعب ودبدبہ، جاہ وجلال میں اضافہ ممکن تھا چاہے اسلامی شعار، دینی تعلیمات کی بربادی ہی کیوں نہ ہوتی ہو انھوں نے رعایا میں بعضوں کو اپنا مقرب بارگاہ بنایا بعضوں سے بے توجہی کی کچھ لوگوں کو آگے بڑھایا کچھ کو پیچھے ڈال دیا۔ اپنے بنام واکرام عہدوں اور مناصب سے بعض کی عزت افزائی کی اور بعض کو محروم رکھا حالانکہ رعایا میں سے جن افراد پر یہ نوازشیں کی گئیں وہ باقی مسلمانوں پر کوئی ترجیح

نہیں رکھتے تھے بلکہ سچ پوچھئے تو وہی افراد پیچھے ڈال دیئے جانے کے قابل تھے اور باوجودیکہ عمل ہی دارومدار ہے ترجیح وتقدیم کا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم مگر ان عمال وحکام نے مقربین بارگاہ بنانے کے لئے اپنی خواہش سے مختلف معیار بنائے کبھی قرابت داری کا لحاظ کیا کبھی خاندانی وجاہت پر نظر کی اور جعل وفریب اور ریاکاری کے تمام ہتکنڈوں کے ذریعے ان سے غلا ملا پیدا کیا۔ درانحالیکہ مساوات سرچشمہ ہے عدالت کا اور تمام مردم ایک دوسرے کے برابر ہیں خداوند عالم نے ہر ایک کو مساوی حیثیت عنایت کی ہے مگر ان حکام کی نگاہوں میں رعایا متعدد طبقات اور جماعتوں میں تقسیم ہو گئی تھی اور اب امتیاز وتفریق عین عدالت تھی۔

یہ تمام باتیں قطعی ثبوت ہیں اس امر کا کہ سیاست عامہ اس جادہ حق سے ہٹ چکی تھی جسے خدا نے واضح کر دیا تھا اور ہر عقل سلیم، واجب جانتی تھی کہ اس سیاست کو بدلنا چاہیے اس فاسد نظام کو مٹا ڈالنا چاہیے جسے ان حکام وعمال نے قائم کیا ہے، حضرت علی ابن ابی طالب بس اتنا ہی نہیں سمجھتے تھے بلکہ انہیں یقین کامل تھا اور اسی یقین کی بنا پر انھوں نے اپنی ذہنی وجسمانی طاقتوں کو مرکوز بھی کر دیا اس پر کہ وہ اپنی حکومت کی بنیاد محض پیغمبرؐ کے احکام وارشادات پر رکھیں آپ نے واضح طور پر سمجھ لیا کہ ہم میں اور عثمان کے عاملوں میں تعاون ناممکن ہے کیونکہ ہمارے اور ان کے نظریات میں زمین وآسمان کا فرق ہے اور ہمارے ان کے معتقدات ایسے ہیں جیسے دو نقیض ظلمت ونور، لیل ونہار اور کفر وایمان، علیؑ کے بس کی بات تھی کہ آپ اپنے منصوبوں کو عمل میں لانے کے لئے ان عاملوں پر بھروسہ کرتے؟ جبکہ آپ کو بخوبی معلوم تھا کہ یہ لوگ دل سے میرے مطیع نہیں نہ میرے مقاصد ہی انہیں خوشگوار ہیں، بھلا کیونکر ممکن تھا کہ آپ اپنے اس انتظام سیاست میں جس کا دارمدار ہی بے غرضی اور بے نفسی پر ہے ان لوگوں پر بھروسہ کر لیتے جو ہوا وہوس کے بندے نفسانی خواہشوں کے غلام تھے، اگر علیؑ کے لئے بفرض محال مغیرہ کا مشورہ قبول کر لینا، ابن عباس کی رائے مان لینی ممکن بھی ہوتی اور آپ یہ سمجھتے ہوئے کہ رعایا عثمانی عمال کو انتہائی ناپسند کرتی ہے اور اسی ناپسندیدگی کی وجہ سے عثمان مقتول ہوئے پھر بھی اگر آپ ان عاملوں کو برقرار رکھتے تو کیا آپ کو اس کا اندیشہ بھی باقی نہ رہتا کہ کل ہمارے لئے بھی یہی صورتحال پیش آسکتی ہے اور ہماری حکومت کا بھی وہی حشر ہوگا جو حضرت عثمان کی حکومت کا ہوا۔

علیؑ کی تمنا وآرزو محض یہ تھی کہ حق استوار ہو اور آپ اسی مقصد کے پیش نظر اپنی رائے پر جمے رہے کہ ان تمام عاملوں کو برطرف کر دیا جائے جنہیں ہم سے پہلے کے لوگوں نے مقرر کیا تھا۔ آپکی خواہش بس یہی تھی کہ لوگوں کے اخلاق وعادات پھر ویسے ہی ہو جائیں جیسا کہ عہد رسولؐ میں تھے۔ اس لحاظ سے اگر واجب تھا آپ پر کہ آپ ابن ابی سرح کو مصر کی حکومت سے معزول کریں ،ابن ابی عامر کو بصرہ کی حکومت سے ہٹا دیں رعایا کی خواہش کو مد نظر رکھتے ہوئے تو اس سے بڑھ کر آپ پر واجب تھا کہ ان دونوں

سے پہلے معاویہ کو برطرف کردیں اگر چہ شام کے باشندے اس کے مطیع ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ آپ بخوبی جانتے تھے کہ معاویہ اپنے تمام افعال واعمال میں محض اپنی ذات اور اپنے شخصی اغراض کو ملحوظ رکھتے ہیں، اور وہ ادھر ہی منہ اٹھاتے ہیں جدھر ان کی خواہش انہیں متوجہ کرتی ہے اور وہ اپنے اغراض پورے کرنے کے لئے بس انہیں وسائل سے کام لیتے ہیں جن سے کام نکلے چاہے وہ وسائل کیسے بھی ہوں اسکی وجہ یہ تھی کہ ملک شام کی سرزمین مملکت اسلامیہ کی زمینوں میں سب سے زیادہ قریب تھی رومن امپائر سے اور رومن امپائر کی شان وشوکت اس وقت مائل بہ زوال تھی اور رومیوں کی اخلاقی خرابیوں کی وجہ سے وہاں کا سیاسی انتظام درہم وبرہم تھا اسکی قربت کی وجہ سے شام کی سرزمین بھی اخلاقی تباہی کے لئے بڑی حد تک سازگار تھی۔ وہ اخلاقی تباہی جو نفوس انسانی کی ہلاکت کی ذمہ دار ہے، یزید بن ابوسفیان کی چند روزہ گورنری کے بعد برابر معاویہ کا وہاں اقتدار قائم رہا اور اسکے نتیجہ میں انھوں نے رومیوں کی اخلاقی ابتری سے کافی فائدہ اٹھایا بادشاہت تک پہونچنے کے لئے انیں ک راہ بالکل ہموار ملی، انیں ی تو بس یہ پتہ چلانے کی ضرورت تھی کہ رعایا کے نفوس کا کون کون سا پہلو کمزور ہے انھوں نے اسی کمزور پہلو کو گرفت میں لیکر اپنا غلام بنالیا۔ یہ تو معاویہ کے بس کی بات تھی نہیں کہ وہ رعایا کے کمزور پہلوؤں کی کمزوری دور کرنے اور ان کی اخلاقی خرابیوں کے مٹانے کی کوشش کرتے ان طریقوں سے جنہیں اسلام نے اچھی طرح واضح کردیا تھا کیونکہ یہ انکی استعداد وصلاحیت سے بہت اونچی چیز تھی اور انکے ہوا وہوس میں گرفتار نفس کے لئے انتہائی دشوار بھی، یہ تو خیر سلطنت اسلامیہ کی بدقسمتی تھی کہ اسکی پیشانی ایک دن معاویہ کے آگے جھک گئی اور اسکی وسیع سرزمین انکے قبضہ اقتدار میں آگئی، مگر اس کا کیا کیا جائے کہ اگر چہ اسلام کا پرچم دوردراز ممالک تک لہرانے لگا تھا مگر مسلمانوں کے نفوس میں اخلاقی کمالات گھٹ کر رہ گئے حالانکہ وہی اخلاقی کمالات تبلیغ اسلام کا واحد مدعا اور تنہا مقصود تھے۔

علیؑ کے دوررس نگاہیں حال کے پردوں کو چاک کرتی ہوئی مستقبل کو دیکھ رہی تھیں حوادث کے وقوع کے پہلے ہی آپ ان کا اندازہ کر رہے تھے، آپ ہر گز اس پر تیار نہیں ہوسکتے تھے کہ امت اسلامیہ کے معاملات ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیے جائیں جن کے متعلق آپ کی رائے بالکل صحیح اور برحق تھی آپ نے اچھی طرح یقین کرلیا کہ اگر میں عثمان کے عاملوں کو ان کی جگہوں پر برقرار رکھتا ہوں تو یہ اسلامی سلطنت خاک میں مل جائیگی اور اس کا شیرازہ درہم وبرہم ہوجائے گا جب تک یہ عمال اپنے مناصب پر برقرار رہیں گے فتنہ وفساد برپا ہوتے رہیں گے رعایا کی یورش ان عاملوں پر بھی باقی رہے گی اور مجھ پر بھی۔ بہتر یہی ہے کہ انہیں برطرف کردیا جائے بہترین حق اور بہترین خلق کا لحاظ کرتے ہوئے۔

آپ نے بغیر کسی توقف وتاخیر کے فوراً ہی امیر معاویہ کو یہ خط لکھا:۔

من عبداللہ علی امیر المومنین الی معاویة ابن ابی سفیان۔

اما بعد فقد علمت اعذاری فیکم واعراضی عنکم حتی کان مالا بد منه ولا دفع له والحدیث طویل والکلام کثیر وقد ادبر ما ادبر واقبل ما اقبل، فبایع من قبلك واقبل الی فی وفد من اصحابك۔

اللہ کے بندے علیؑ امیر المومنین کی طرف سے معاویہ بن ابی سفیان کے نام۔ اما بعد تم اپنے خاندان کے بارے میں میرا عذر جانتے ہو اور اپنے خاندان کے معاملے میں میری بے تعلقی کا بھی تمہیں پورا علم ہے۔ یہاں تک کہ وہ واقعہ جو پیشین یا پیش آنے والا ہی تھا اور جسے روکا نہیں جاسکتا تھا بات لمبی ہے گفتگو بہت ہے مگر جو ہو چکا ہو چکا اور جو سامنے آنے والا تھا سامنے آگیا اب تم یہ کرو کہ اپنی طرف کے لوگوں سے میری بیعت لو اور اپنے ساتھیوں کا ایک وفد بنا کر میرے پاس چلے آؤ۔

علی بن ابی طالب کا قاصد خط لے کر معاویہ کے پاس پہونچا، معاویہ نے نامہ کی مہر توڑی ایک نظر خط پر ڈالی چہرہ بے رنگ تھا دلی کیفیات کا چہرے سے کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا لیکن تھوڑی دیر کے بعد جب قاصد نظروں کے سامنے سے ہٹ گیا تو اب چہرے پر حقارت بھری مسکراہٹ آگئی بڑے سکون واطمینان سے انھوں نے امیر المومنینؑ کے خط کو ایک طرف رکھا اور ہاتھ بڑھا کر پاس ہی سے دوسرا خط اٹھا کر کھولا اور پڑھنے لگے، مسکراہٹ لبوں پر اب تک کھیل رہی تھی۔

من عمرو بن عاص الی معاویه ابن ابی سفیان اما بعد ما کنت صانعا فاصنع اذا اقشرك ابن ابی طالب من کل مال تملکه کما تقشر عن العصا لحاها۔

عمرو بن عاص کی طرف سے معاویہ بن ابی سفیان کے نام۔ اما بعد اب جو تمیں ع کرنا ہے کرو جبکہ تمہیں ابن ابی طالب تمہارے ہر مال سے اس طرح محروم کر دیں گے جس طرح لکڑی کی چھال اتار لی جاتی ہے۔

ابن نابغہ نے یہی پیشین گوئی کی تھی اس نے جو کہا تھا اب پورا ہو رہا تھا اور علیؑ وہ تمام جاگیریں اور تمام مال ایک ایک کر کے واپس لے رہے تھے جو عثمان نے بانٹے تھے (امام علی بن ابی طالب، استاذ عبدالفتاح عبدالمقصود جلد دوم مطبوعہ مصر)

"حضرت علیؑ نے جو فرامین وخطوط امیر معاویہ کو بھیجے وہ نہج البلاغہ اور دیگر کتب تواریخ میں محفوظ ہیں۔ ان کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ امیر معاویہ کو حاکم عادل اور حکومت الہیہ کی سرداری کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ امیر معاویہ دل سے مسلمان نہیں ہیں بلکہ اپنے کفر سابق پر قائم ہیں، اس اسلام کو جو امیر معاویہ رائج کر رہے تھے حضرت علیؑ صحیح اسلام نہیں سمجھتے تھے واقعات نے آپ کی رائے کی تصدیق کر دی اور ثابت کر دیا کہ بنو امیہ کی حکومت اسلام کے لئے مصیبت عظمیٰ تھی بہت سے مؤرخین کی رائے حضرت علیؑ کے خیال کے مطابق ہے، اندریں صورت حضرت علیؑ کا خیال کہ اگر آپ نے امیر معاویہ کو شام کی حکومت پر برقرار رکھا تو ان کے تمام افعال کا مظلمہ آپ کی طرف عود کر آئے گا بالکل درست تھا لیکن یہ وہ خیال ہے جو زمانہ

حال کے فرنگستانی مؤرخین کی سمجھ میں مطلقاً نہیں آسکتا لہذا وہ اس کو کچھ اہمیت نہیں دیتے، علاوہ بریں دنیاوی سیاست وتدبر کا اقتضاء بھی یہ تھا کہ امیر معاویہ کو مطلقاً مہلت نہ دی جائے، مغیرہ بن شعبہ نے یہ صلاح حضرت کو دی تھی اور علامہ جرجی زیدان اور ان کے ہمخیال مؤرخین کی بھی یہی رائے ہے کہ حضرت علیؑ امیر معاویہ کی برطرفی کی کوشش فوراً ہی شروع نہ کر دیتے بلکہ جب خود اپنی حکومت میں مستقل ہو جاتے اس وقت امیر معاویہ کی برطرفی کا حکم صادر فرمادیتے۔اس قسم کی رائے رکھنے والے لوگ ایک نہایت ضروری امر کو نظر انداز کرتے ہیں وہ یہ کہ اتنے عرصہ میں امیر معاویہ کیا کرتے کیا وہ اس دھوکہ میں آجاتے، حضرت علیؑ اور امیر معاویہ کے دلوں کی حالت ایک دوسرے کو اچھی طرح معلوم تھی اور اس طرح خاموشی سے اس پر پردہ نہیں پڑ سکتا تھا قبل اس کے کہ حضرت علیؑ کسی قسم کا فرمان امیر معاویہ کو بھیجیں حضرت عثمان کی خون آلودہ قمیص دمشق پہونچ چکی اور وہاں کی مسجد میں دکھلائی جارہی تھی اور لوگوں کو حضرت علیؑ کے خلاف بھڑکایا جارہا تھا، امیر معاویہ نے خود اعلان کر دیا تھا (اور اگر اعلان نہ بھی کرتے تو ان کا طرز عمل بتارہا تھا) کہ وہ علیؑ کی اطاعت نہ کریں گے بلکہ ان سے خون عثمان کا بہانہ رکھ کر جنگ کرینگے ایسی صورت میں حضرت علیؑ کی طرف سے مہلت دیئے جانے اور برطرفی و بحالی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے یقیناً امیر معاویہ اپنے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیتے اور وہ اتنے عرصہ تک خاموش رہ کر حضرت علیؑ کو اتنی مہلت ہی نہ دیتے کہ وہ اپنی حکومت میں مستقل ہو جائیں امیر معاویہ تو پہلے ہی سے اپنی حکومت میں مستقل اور مضبوط تھے ان کو کسی وقت اور فرصت کی ضرورت ہی نہ تھی یہ امر مسلمہ ہے اور علامہ جرجی زیدان بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ امیر معاویہ کے دو بڑے ہتھیار تھے۔روپیہ اور زہر اور اپنی حکومت کو مستقل کرنے کے لئے انھوں نے ان سے خوب کام لیا۔علامہ موصوف مانتے ہیں کہ علی بن ابی طالبؑ اس طرح روپیہ خرچ کرنے کو کمینہ پن خیال کرتے ہیں۔(اردو ترجمہ تمدن اسلام ص 90)

بس معاملہ صاف ہو گیا اگر حضرت علیؑ امیر معاویہ کو موقع دیتے تو اس عرصہ میں امیر معاویہ اپنے دونوں ہتھیاروں سے خوب کام لے کر امیر المومنینؑ کے یاروں اور انصاروں کی تعداد میں بہت کمی کر دیتے اور پھر وہ جنگ ہوتی تو اس کے لئے اتنی بھی فوج نہ ملتی جتنی آپ کو جنگ صفین کے لئے مل گئی یہ کتنی غلط اور سطحی رائے ہے جو ان مؤرخین نے قائم کی ہے مغیرہ بن شعبہ اس دن سے حضرت علیؑ کے خلاف تھے جس دن سے ان کے خلاف ام جمیل سے زنا کرنے کا الزام قائم ہوتا تھا اور حضرت علیؑ نے ان کو سنگسار کرنے کی صلاح حضرت عمر کو دی تھی انکا مطلب اس رائے دینے سے یہ تھا کہ امیر معاویہ کو آسان طعمہ مل جائے اور حضرت علیؑ جیسے ماہر جنگ سے مقابلہ کر کے نتیجہ کو غیر یقینی بنانے کی نوبت ہی نہ آئے اور مؤرخین نے بغیر سوچے سمجھے اور بغیر خود معاملہ پر غور کئے نتیجہ نکال لیا کہ مغیرہ بن شعبہ نے درست رائے دی تھی اور غلطی علیؑ ہی کی تھی۔

امر واقعہ یہ ہے کہ دراصل غلطی اس مرکزی حکومت کی تھی جس نے ایک صوبائی گورنر کو اتنا خودسر اور مطلق العنان بنا دیا کہ ایک خلیفہ کی مدد سے قطعی گریز کیا اور دوسرے خلیفہ سے علانیہ جنگ کی، سابقہ مرکزی حکومت نے امیر معاویہ کے ساتھ بہت امتیازی اسلوک روا رکھا تھا باقی ہر ایک گورنر سے حساب لیا جاتا تھا اگر کسی گورنر کے پاس زیادہ روپیہ ہو جاتا تھا تو بغیر حساب لئے ہی اس کا وہ روپیہ ضبط کرلیا جاتا تھا اور برسر عام اس کو کوڑے مار کر رسوا کیا جاتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ کی مثال نہایت مشہور ہے اور خالد بن ولید

۱۔ خلیفہ ثانی کو معاویہ کی تائید اس حد تک مطلوب تھی کہ انھوں نے مسلمانوں کو ان کے اتباع کی وصیت کی تھی چنانچہ صاحب تطہیر الجنان واللسان معاویہ کے فضائل میں ص 30 پر حاشیہ صواعق محرقہ لکھتے ہیں:۔

ومنها ان عمر حض الناس علی اتباع معاویة والهجرة الیه الی الشام اذا وقعت فرقة۔

اور منجملہ فضائل معاویہ یہ بات ہے کہ عمر نے لوگوں کو معاویہ کی پیروی پر ابھارا اور اس پر آمادہ کیا کہ جب مسلمانوں میں پھوٹ پڑے تو وہ ہجرت کر کے معاویہ کے پاس شام چلے جائیں۔

بنی امیہ کو شام میں مضبوط کر دینے کا مقصد بالکل واضح ہے الٰہی نظام سے ٹکر لینے کے لئے ان سے بہتر کوئی فریق نہیں ہو سکتا تھا۔۔۔۔ یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ اس خاندان کی حکومت کا شام میں قائم ہونا تھا کہ انھوں نے ابتدا ہی سے اپنی سیاسی روش شاہانہ رکھی، کوئی سیاح جس نے عہد رسالت کی سادگی دیکھی ہو اور پھر شام جا کر اس دور کے ایک صوبے کے گورنر کے تزک و احتشام کا مشاہدہ کرتا تو وہ حیرت و استعجاب کی ایک دنیا میں چکر لگانے لگتا وہ سادگی جو اسلامی زندگی کا امتیاز تھی وہاں کا و نشان کو بھی نہ تھی بلکہ اس کے بجائے ملوکانہ عظمت وجلالت کے مظاہرات پوری طاقت کے ساتھ نظر آتے تھے، دیکھنے والوں نے دیکھا اور پیغمبر اسلام کے جاری کئے ہوئے طرز زندگی دیکھنے والے بعض صحابہ کرام کو اندیشہ ہوا کہ اس طرح اسلام کا اصول قدر وقیمت اور معیار عظمت جو اس نے بڑی کوشش سے دنیوی جاہ وشوکت کی قدر وقیمت کو مٹا کر قائم کیا تھا فنا ہو جائے گا۔ موطا امام مالک وغیرہ میں ہے کہ معاویہ نے پانی پینے کے پیالے سونے کے زیادہ وزن پر خرید کئے ابو درداصحابی نے منع کیا اور کہا کہ ہم نے رسول اللہ سے سنا ہے کہ زیادہ وزن پر خرید نا منع ہے معاویہ نے کہا میرے نزدیک تو اس میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ یہ سن کر ابو درداصحابی نے کہا کیا خوب، میں تو رسول اللہ کا حکم بیان کر رہا ہوں اور تم اس پر اپنی رائے ظاہر کر رہے ہو میں ایسے مقام پر جہاں تم ہو نہیں رہوں گا۔

علامہ زرقانی اور نسائی وغیرہ صحیح اسناد سے لکھتے ہیں کہ عبادہ بن صامت (مشہور صحابی رسولؐ) کے ساتھ بھی سونے کے بیع وشرا کے معاملہ میں اسی طرح کا قصہ ہوا تھا اور معاویہ نے ان کو بھی یہی جواب دیا تھا کہ ہم اس کو کسی طرح برا نہیں سمجھتے عبادہ نے کہا میں تو رسول کا حکم بیان کرتا ہوں اور تم اپنی رائے بیان کرتے ہو خدا مجھے اس جگہ سے نکالے میں اس سرزمین پر ہرگز نہ رہوں گا جس پر تم حاکم ہو اس کے بعد عبادہ مدینہ چلے گئے۔

حضرت عمر ملک شام میں تشریف فرما ہوئے تو صبح وشام معاویہ جب ان کی ملاقات کو آتے ہر وقت جدا تازہ جلوس سواری ہوتا۔ حضرت عمر نے اس شان وشکوہ کو مشاہدہ فرما کر صرف اتنا ان سے کہا تھا کہ صبح اور جلوس ہوتا ہے اور شام کو اور یہ بھی تذکرہ کیا کہ سنتا ہوں کہ ہر صبح کو تمھارے برآمد ہونے سے پہلے تمھارے دروازے پر اہل حاجات کا مجمع تمھارا منتظر رہا کرتا ہے معاویہ نے جواب دیا کہ دشمن یعنی قیصر روم قریب ہے اور اس کے جاسوس یہاں پھیلے ہوئے نگراں حال ہیں میں چاہتا ہوں کہ وہ خوب شان وشوکت اسلام دیکھیں حضرت عمر نے کہا یہ مرد دانا کا کید اور زیرک وہوشمند کا فریب ہے، معاویہ نے کہا آپ جو فرمایئے اس پر کاربند ہوں حضرت عمر نے کہا کیا خوب حالت تو یہ ہے کہ جس امر میں بقصد اعتراض تم سلسلہ کلام شروع کرتا ہوں تم مجھ کو ایسا متحیر بنا دیتے ہو کہ کچھ نہیں سمجھ سکتا کہ کیا کہوں اور کیا کروں۔ (طبری جلد 6، ص 184)

کو حضرت عمر نے انکی خودسری ہی کی وجہ سے برطرف کیا تھا لیکن برعکس اس کے معاویہ کی طرف سے کسی نے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اوران کوان کے حال پر اتنا چھوڑ دیا کہ مال کثیر جمع کر کے وہ خود مختار بن بیٹھے۔

دوسرا قاعدہ مرکزی حکومت کا یہ تھا کہ ایک گورنر کے مرنے یا موقوف ہونے کے بعد اسکی جگہ کبھی اس کے رشتہ دار کو نہیں لگاتے لیکن خاندان ابوسفیان کے ساتھ سلوک ہی دوسرا تھا پہلے یزید بن ابی سفیان شام کے لشکر کے جنرل اعظم مقرر ہوئے اور جب شام فتح ہوگیا تو اس کے گورنر بنا دیے گئے ان کے مرنے کے بعد ان کے بھائی معاویہ ان کے جانشین قرار پائے ایک خاندان کو اتنی طاقت دینی کہ وہ خودسر ہو جائے اور مرکزی حکومت کی پروانہ کرے اس مرکزی حکومت کی غلطی ہے جس نے یہ صورت حالات پیدا کر دی۔ یہ گمان کرنا کہ حکام سابقہ ایک صوبائی گورنر کو مطلق العنان حاکم بنانے کی خرابیوں سے واقف نہ تھے ان کی ذکاوت وفراست وسیاست کی اہانت ہوگی۔امر واقعہ یہ ہے کہ اس کی مرکزی حکومت کی سیاست کارکن اول ہی یہ تھا کہ بنو امیہ کو خاموش کیا جائے اوران کو اپنے ساتھ ملا کر اپنی حکومت کو مضبوط و مستحکم کیا جاوے۔

(البلاغ المبین)

”کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ پیغمبر اسلام کے بعد پیغمبرؑ کے گھرانے کے لوگ جنیں وبرابر وہ اپنے کاموں میں شریک رکھتے تھے اور جنیں انھوں نے اپنے مقاصد سے پورے طور پر آگاہ کر دیا تھا اور جن کا کردار بھی اس طرح کا تھا کہ وہ اپنے اقوال وافعال سے ان مقاصد کے ترجمان اور محافظ بن سکیں وہ اسلامی انقلاب اوراس کے خصوصیات وامتیازات کے محافظ تھے، دنیا میں عالی شان محل تعمیر ہو چکے تھے لیکن ان کا وہی چھوٹا سا مکان تھا جس میں انیں پیغمبرؑ نے رکھ دیا تھا، دنیا کے محلات میں ریشمی پردے دروازوں پر ہو گئے تھے مگر ان کے دروازے پر وہی پھٹا ہوا پردہ وہ اب بھی نظر آتا تھا دنیا کے جسم پر حریر وزیبا نظر آتا تھا لیکن یہ کھدر کا ملبوس اب بھی زیب تن کرتے تھے، دنیا مفتوحہ ممالک کی دولت سے چین کرتی اور عیش وعشرت میں زندگی گزارتی تھی مگر یہ اب بھی اپنے ہاتھ کی محنت سے روزی کھانا اور مال حلال کی تلاش کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے اور جو دولت بھی ملتی اسے غریبوں، مسکینوں، بیواؤں اور یتیموں کی نذر کر دیتے تھے ان میں ذمہ دار ہستی حضرت علی بن ابی طالبؑ کی تھی۔ اردنگ نے لکھا ہے:۔

”علیؑ ابتدائی قابل ترین مسلمانوں میں سے ایک تھے جنہوں نے کہ اپنے مذہبی تقدس کو رسول اللہؐ کی صحبت سے نشوونما دی تھی اور جنہوں نے آخر وقت تک رسولؐ کی زندگی کا اتباع کیا۔“

اوراس بنا پر ان میں اوراس کے متوازی دوسرے انقلاب کے علمبرداروں میں کش مکش لازمی تھی۔“

حضرت امیر المومنینؑ نے تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے حسب ذیل گورنر اپنی طرف سے مقرر کر کے مختلف ممالک میں روانہ فرمائے۔

(1) عبیداللہ بن عباس بن عبدالمطلب یمن میں (2) سعید بن عباس بحرین میں (3) سماحہ بن عباس تہامہ میں (4) عون بن عباس یمامہ میں (5) قثم بن عباس مکہ میں (6) قیس بن سعد بن عبادہ مصر میں (7) عثمان بن حنیف بصرہ میں (8) سہل بن حنیف شام میں (9) عمارہ بن شہاب کوفہ میں۔

منجملہ ان نو گورنروں کے پہلے پانچ خاندان بنی ہاشم سے اور علیؑ مرتضیٰ کے چچا کے بیٹے تھے، قیس عثمان سہل تینوں انصاری اور عمارہ مہاجر تھے اس تقرری میں بنی ہاشم کو جو زیادہ حصہ دیا گیا تو یہ کوئی واجب بات نہ تھی، بنی ہاشم کے ملک پر بڑے بڑی حقوق تھے جو پہلی تین خلافتوں میں کسی وجہ سے پامال ونظرانداز کئے گئے تھے اس وقت علی مرتضیٰ نے کچھ تو ان کے حقوق کو مقدم سمجھ کر تلافی مافات کی اور زیادہ تر عثمانیہ گورنروں کی بے اعتدالیاں اس عزل ونصب کا باعث ہوئیں۔ (المرتضیٰ)

"شام کے نئے عامل سہل بن حنیف جب تبوک کے مقام پر پہونچے تو انہیں معاویہ کے سواروں کا ایک دستہ ملا انھوں نے ان سے پوچھا" تم کون ہو؟"

سہل نے جواب دیا" میں شام کا نیا امیر ہوں"

ان سواروں نے کہا۔

"اگر تمہیں حضرت عثمان نے بھیجا ہے تب تو خیر ورنہ جس نے تمہیں بھیجا ہے اسی کے پاس چلے جاؤ۔"

سہل بن حنیف نے ان سے کہا۔

"تمہیں پتہ بھی ہے مدینہ میں کیا کچھ ہو چکا ہے"

انھوں نے کہا

"ہمیں سب کچھ پتہ ہے تمہاری خیریت اسی میں کہ تم حضرت علیؑ کے پاس چلے جاؤ۔"

چنانچہ مجبور ہو کر وہ واپس ہو گئے (خلفائے محمد عمر ابو النصر ترجمہ محمد احمد پانی پتی) عبداللہ بن عباس یمن کو روانہ ہوئے اور جاتے ہی گورنری کا چارج لیا مگر یعلی بن امیہ نے جو حضرت عثمان کی طرف سے یمن کا گورنر تھا یہ چالاکی کی کہ جس قدر روپیہ خزانہ میں موجود تھا اور جو سامان مل سکا اسکو ہمراہ لیکر مکہ کو بھاگ گیا اور (علیؑ کے مخالفین) بی بی عائشہ اور طلحہ سے جا ملا اور سب مال ان کے سپرد کر دیا، بروایت صاحب روضۃ الاحباب و ابن خلدون و ابن اثیر یعلی نے جناب عائشہ کو ساٹھ ہزار دینار جو چھ لاکھ درہم

ہوتے ہیں اور چھ سو ۶۰۰ اونٹ اس غرض سے دیئے تھے کہ علیؑ سے لڑنے کی تیاری کریں انھیں اونٹوں میں ایک نہایت عمدہ اور عظیم الجثہ اونٹ تھا جس کا نام عسکر تھا اور جس کی قیمت مسعودی اور اکثر دیگر مورخین نے دو سو ۲۰۰ دینار لکھی ہے حضرت عائشہ اسی اونٹ پر سوار ہو کر جنگ جمل لڑی تھیں۔

قیس بن سعد نے بھی جاتے ہی مصر میں اپنا منصب سنبھال لیا مگر فرقہ عثمانیہ نے جو بروایت ابن اثیر خربتہ میں سکونت پذیر تھا اطاعت قبول نہ کی اور کہا کہ جب تک عثمان کے قاتل مقتول نہ ہوں گے اس وقت تک ہم ہرگز علی مرتضیٰ کی اطاعت نہ کریں گے۔ یہ مخالفت عبداللہ بن سرح کی کوششوں کا نتیجہ تھی جو اس سے پیشتر مصر کا گورنر تھا اور حضرت عثمان کے قتل ہونے کی خبر سن کر شام کو بھاگ گیا تھا۔

عثمان بن حنیف جب بصرہ میں گئے تو ایک فرقہ نے اطاعت قبول کی اور ایک نے مخالفت اختیار کی عبداللہ بن عامر بصرہ کا سابق گورنر علیؑ کے خلیفہ ہونے کا حال سنکر اور یہ جان کر کہ مجھے بغیر معزول کیسے نہ رہیں گے پہلے ہی تمام نقد و جنس لے کر مکہ میں طلحہ و زبیر سے آملا اور علیؑ کی مخالفت میں ان کا شریک ہو گیا تھا بروایت کامل اس نے بھی علیؑ سے لڑنے کے لئے بہت سامال دیا تھا۔

عمارہ بن شہاب جب کوفہ کو گیا تو راستہ میں منزل زبالہ پر طلحہ بن خویلد اسدی اور قعقاع بن عمرو سے مل گئے اور کہا کہ اہل کوفہ اپنے امیر کا بدلہ اور خون کا عوض لینا چاہتے ہیں اور بروایت حبیب السیر و روضۃ الاحباب سنا کر مردم کوفہ سوائے ابوموسیٰ کے کسی کی امارت قبول نہیں کرتے۔ ناچار مدینہ کو واپس آیا پس ابوموسیٰ ہی کوفہ کا گورنر رہا۔

سہل بن حنیف شام سے واپس آچکے تھے۔ لوگوں کو ان کی واپسی سے انتہائی رنج و اندوہ تھا سبھی نے سمجھ لیا کہ معاویہ آمادہ پیکار ہیں لوگوں کو بیچینی تھی کہ دیکھیں علی کیا طے کرتے ہیں جنگ کرتے ہیں یا انتظار کرنے ڈھیل دینے کی پالیسی پر عمل کرتے ہیں لیکن علیؑ حق کے معاملہ میں توقف سے کام لینے والے نہیں تھے ان کا قول و فعل دونوں صاف و صریح ہوتا مکر و فریب اور انتظار کرو اور دیکھو ان کی پالیسی ان کے نزدیک جائز نہ تھی پھر بھی آپ نے معاویہ پر فوج کشی کرنے میں عجلت گوارا نہ کی بلکہ پہلے افہام و تفہیم کر کے حجۃ تمام کر لینی چاہی آپ نے مسور بن مخرمہ کو ایک خط دیکر معاویہ کے پاس بھیجا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ تم بیعت کرو اور معززین شام کا وفد لیکر مدینہ آؤ آپ نے اس خط میں اس کا ذکر نہیں کیا تھا کہ میں تمھیں شام کی حکومت پر برقرار رکھوں گا بعض لوگوں کا بیان ہے کہ آپ نے وہ خط سبرہ جہنی کے ہاتھ بھیجا جب معاویہ نے وہ خط پڑھا تو کوئی جواب نہ دیا بلکہ انھوں نے مکر و فریب اور ٹال مٹول سے کام لینے کو پسند کیا اور علیؑ کا قاصد جب بھی ان سے جواب مانگتا وہ چند اشعار پڑھتا جن کا مطلب یہ تھا:۔

"میں اگر جنگ کروں قلعہ بندی کروں اور ایسی سخت لڑائی لڑوں جو جوانوں کو بوڑھا کردے اور تمہارے سر پر چڑھ آؤں تو کیا ہو؟ اور اس سے اب کیا حاصل ہے مرنے والا تو اس بے بسی اور مظلومیت میں شہید ہوا جس کے ہول سے جوانمردوں کے بال سپید ہو گئے آقا اور مولی سب تھک کہ بیٹھ رہے اس خون کا عوض لینے والا اور فیصلہ کرنے والا میرے سوا کوئی نہ رہا"۔

یہاں تک کہ جب قتل عثمان کو تین مہینے گذر گئے تو معاویہ نے بنی عبس کے ایک شخص کو بلایا اور اسے ایک سر بمہر لفافہ دیا جس پر لکھا ہوا تھا:۔

من معاویہ بن ابی سفیان الی علیؑ ابن ابی طالبؑ

معاویہ نے اپنے قاصد کو تاکید کی کہ جب مدینہ میں داخل ہونا تو یہ سر بمہر مکتوب ہاتھ میں اونچا کئے رہنا تا کہ لوگوں کی نظر سے اوپر کی عبارت گذر جائے پھر علیؑ کو جا کر دیدینا اور اسے سکھا پڑھا دیا کہ علیؑ اگر پوچھیں تو یہ جواب دینا۔ عبسی شام سے چل کر مدینہ پہونچا اور لفافہ کو حسب ہدایت معاویہ اسی طرح ہاتھوں میں بلند کئے رہا جسکی وجہ سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ معاویہ نے خط کا جواب بھیجا ہے، خط میں کیا لکھا ہے یہ معلوم کرنے کے لئے ہر شخص بیچین تھا بہت ممکن ہے کہ بے شمار افراد اس عبسی شخص کے پیچھے پیچھے علی کے دروازہ تک آئے بھی ہوں قاصد نے علیؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر سر بمہر مکتوب پیش کیا جب مہر توڑی گئی اور خط نکالا گیا تو اس میں کچھ بھی تحریر نہ تھا آپ نے قاصد سے پوچھا یہ کیا قصہ ہے، قاصد نے عرض کی میری جان کی امان ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، قاصد نے بتایا کہ میں اہل شام کو اس حال پر چھوڑ آیا ہوں کہ وہ عثمان کا انتقام لینے پر تلے بیٹھے ہیں عثمان کی قمیص لوگوں کے لئے لٹکا دی گئی ہے لوگ اس قمیص کے اردگرد اکٹھا ہو کر نالہ و ماتم کرتے ہیں قاصد نے بتایا کہ شام والے آپ ہی پر الزام لگاتے ہیں کہتے ہیں کہ آپ ہی نے عثمان کو قتل کیا ہے اور بغیر آپکو قتل کئے چین نہ لیں گے، قاصد علیؑ کے پاس سے رخصت ہوا مگر اس خبر سے لوگوں کو اتنا غم و غصہ تھا کہ بڑی مشکل سے اسکی جان بچ سکی۔

حضرت امیر المومنینؑ نے معززین و اکابر مدینہ کو طلب کیا انھیں میں طلحہ و زبیر بھی تھے آپ نے ساری سرگذشت ان لوگوں سے بیان کی اور آگاہ کیا کہ بغیر جنگ کئے چارہ کار نہیں اور اب بھلائی اسی میں ہے کہ فتنہ کا سر ابتدا ہی میں کچل دیا جائے قبل اس کے کہ پھیلے اور قابو سے باہر ہو جائے۔ اور خیریت اسی میں ہے کہ اہل شام پر فوراً چڑھائی کردی جائے قبل اسکے کہ شام والے ہم پر چڑھ دوڑیں مگر معلوم ہوتا ہے لوگوں نے تسلی بخش جواب نہ دیا اور نہ جنگ کے لئے کسی ہمت کا اظہار کیا۔ طلحہ و زبیر نے آپ سے اجازت چاہی کہ مکہ چلے جائیں ان کا اجازت طلب کرنا دوستی کا مظاہرہ نہیں تھا بلکہ انھوں نے اپنی عداوت و عناد کا ثبوت دیا اور ڈھکے چھپے لفظوں میں دھمکی دی کہ اگر آپ اجازت نہ دیں گے تو ہم خود چلے جائینگے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا ہم اس معاملہ سے حتی الامکان نپٹنے کی کوشش کریں گے۔

بہت سے مؤرخین یہ بیان کرتے ہیں کہ طلحہ وزبیر نے حضرت علیؑ سے اجازت چاہی تھی کہ ہم دونوں عمرہ بجالانے کے لئے مکہ جانا چاہتے ہیں اور حضرت علیؑ نے ان کے ارادوں کے متعلق اپنا شک ظاہر کیا تھا اور طلحہ وزبیر نے اطمینان دلایا تھا کہ ہم مکہ صرف عمرہ بجالانے ہی کیلئے جارہے ہیں اور کسی غرض کے تحت نہیں بہر حال جو کچھ ہو طلحہ وزبیر مکہ چلے ہی گئے خواہ وہ علیؑ کی رضامندی سے گئے ہوں یا ناخوشی کے ساتھ۔(الفتنۃ الکبریٰ ڈاکٹر طہٰ حسین جلد دوم)

ساتویں فصل

طلحہ وزبیر کا مطالبہ حکومت

اور انکار امیر المومنین علیہ السلام کے سبب نکث بیعت

ہم گذشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں کہ طلحہ وزبیر نے سب سے پہلے حضرت امیر المومنین کی بیعت کی اور جن لوگوں نے امیر المومنین کو مجبور کیا تھا کہ آپ ضرور خلافت قبول کیجئے ان میں یہ دونوں صحابی پیغمبر پیش پیش تھے۔ اکثر و بیشتر مورخین نے صراحت کی ہے کہ حضرت عثمان جن دنوں محصور تھے امیر المومنین مدینہ میں موجود ہی نہیں تھے آپ کی عدم موجودگی خواہ اس سبب سے رہی ہو کہ لوگ خلافت کا مجھے خواہشمند نہ سمجھیں یا اس سبب سے کہ خود حضرت عثمان نے آپ کو مجبور کر دیا ہو کہ آپ مدینہ چھوڑ دیجئے جیسا کہ حضرت کا ارشاد گرامی ہے۔ ما یرید عثمان الا ان یجعلنی جملا ناضحا بالغرب اقبل و ادبر بعث الی ان اخراج ثم بعث الی ان اقدم ثم ھو الان یبعث الیّ ان اخرج (نہج البلاغہ جلد ا ص ۴۶۸) عثمان کا منشاء یہی ہے کہ وہ مجھے پانی بھرنے والے اونٹ جیسا بنا دیں کہ وہ آتا ہے اور جاتا ہے پہلے انھوں نے مجھے پیغام بھیجا کہ میں مدینہ چھوڑ کر ینبع چلا جاؤں جب میں ینبع چلا گیا تو پیغام بھیجا کہ جلدی آئیے پھر اس وقت کہلا بھیجا ہے کہ میں ینبع چلا جاؤں۔ علامہ ھثمی لکھتے ہیں:۔ ان علیاً لم یکن بالمدینہ حین حصر عثمان و لا شھد قتلہ جب عثمان محصور ہوئے تو آپ مدینہ میں تھے ہی نہیں نہ قتل کے موقع پر موجود تھے (مجمع الزوائد جلد ا ص ۲۳۰)

علامہ طبری لکھتے ہیں:۔ حصر عثمان وعلی بخیبر جب عثمان محصور ہوئے تو علیؑ خیبر میں تھے۔ (تاریخ طبری جلد ۲، ص ۴۰۰)

جب عثمان قتل ہو گئے اور لوگوں کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ خلیفہ کون ہو تو اب لوگوں کی نگاہیں حضرت علیؑ کو ڈھونڈھنے لگیں، ہر مکتبہ خیال کے افراد کا متفقہ فیصلہ تھا کہ علیؑ کے سوا اس امر خلافت کو کوئی نہیں سنبھال سکتا سب ملکر علیؑ کے جائے قیام پر پہونچے منتیں کیں خوشامدیں کیں اسلام کا واسطہ دیا خدا اور رسولؐ کی قسمیں دیں تب چارو ناچار آپ نے اس بار خلافت کو اٹھانے پر آمادگی ظاہر کی۔ آپ کے ہاتھوں پر بیعت ہونے لگی اور سب سے پہلے طلحہ وزبیر نے بیعت کی۔ قال ابسط یدک نبایعک فان الناس لا یرضون الا مک طلحہ وزبیر دونوں نے کہا آپ اپنا ہاتھ بڑھائیے کہ ہم آپ کی بیعت کریں لوگ آپ کے سوا کسی دوسرے پر راضی

نہ ہونگے، حضرت علیؑ نے عذر کیا تو ان دونوں نے کہا ان الناس لا یؤثرون غیرک ولا یعدلون عنک الی سواک فابسط یدک نبایعک اول الناس لوگ آپ کے سوا کسی کو پسند ہی نہ کریں گے اور نہ کسی دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے آپ ہاتھ بڑھائیے تا کہ سب سے پہلے ہم آپکی بیعت کرلیں۔ امیر المومنینؑ نے جب یہ فرمایا کہ میری بیعت مخفی طور پر نہ ہوگی اتنی دیر ٹھہرو کہ میں مسجد پہونچ لوں تو انھوں نے کہابل نبائعك ههنا ثم نبائعك في المسجد فبايعاه اول الناس نہیں ہم یہاں بھی بیعت کریں گے اور پھر چل کر مسجد میں بھی چنانچہ ان دونوں نے سب سے پہلے آپ کی بیعت کی۔ (طبری جلد ۵ ص ۱۵۳ اعقد فرید جلد ۲ ص ۲۶۹)

اس موقع پر حبیب بن ذویب کا یہ قصہ بھی مشہور ہے کہ میں بیعت کرنے والوں کے بے پناہ ہجوم کی وجہ سے دور سے بلندی پر کھڑا بیعت کا منظر دیکھ رہا تھا لوگ آپ کی بیعت کرنے کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے سب سے پہلے میں نے دیکھا کہ طلحہ نے آپ کے ہاتھوں پر بیعت کی طلحہ کا ہاتھ مشلول تھا اور وہی مشلول ہاتھ ان کا بیعت کے لئے بڑھا میں نے یہ منظر دیکھ کر کہا کہ انا للہ وانا الیہ راجعون سب سے پہلا ہاتھ جو علیؑ کیطرف بڑھا وہ مشلول ہے مجھے یہ بات پوری ہوتی نظر نہیں آتی"۔

مگر ہائے ہوا وہوس اور حرص و آرزو کا برا ہو کہ جب علیؑ کی خلافت مسلم ہوگئی، آپ تخت خلافت پر متمکن ہو گئے اور آپ نے وہ طریقہ اختیار کیا جو بعینہ حضرت سرور کائناتؐ کا طریقہ تھا، آپ نے تقسیم دولت و اموال میں مکمل مساوات برتی اور عجمی عربی قریشی غیر قریشی میں کوئی تفریق نہ کی تو اب یہی طلحہ و زبیر کہنے لگے کہ ہم نے علیؑ کی بیعت خوشی سے نہ کی تھی ہمیں تلوار سے ڈرا دھمکا کر بیعت لی گئی ہم نہ بیعت کرتے تو کیا کرتے کہ مالک اشتر وغیرہ کی تلواریں ہمارے سر پر کھنچی ہوئی تھیں۔

اتنے بڑے جلیل القدر صحابہ پیغمبرؐ اور ان کی زبان پر ایسا کذب صریح!!! اسکی وجہ کیا تھی؟ اسے ہم استاد عبدالفتاح عبدالمقصود کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں۔

استاد موصوف لکھتے ہیں:۔

لقد يجهد المرء في البحث عن الاسباب التي حملته هما على معارضته الامام في نظام التقسيم الجديد فلا يستطيع مع احسان الظن بهما الا ان يجدها سبباً واحداً هوالهوى الشخص دفعهما الى مناجرة علي وهو على حقه (الامام علیؑ ابن ابی طالبؑ جلد دوئم ص ۲۴۱)

اصلی وجہ طلحہ و زبیر کی مخالفت کی نفسانی ہوا وہوس تھی جس نے انھیں علیؑ کا مخالف بنا دیا اور وہ ایسی حرکتوں پر اتر آئے جن سے آپکی خلافت میں رخنے پڑ جائیں حالانکہ وہ جانتے تھے کہ علی حق پر ہیں۔

"ان دونوں کی خواہش یہ تھی کہ وہ کسی جگہ کے والی بن جائیں انھیں اس بات کا یقین تھا کہ حضرت علیؑ انھیں بڑے بڑے صوبوں میں سے کسی صوبہ کا والی بنا دیں گے لیکن جب انھیں اس میں ناکامی ہوئی تو انھوں نے بیعت فسخ کرنے کا ارادہ کیا وہ دونوں حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔

"اے علیؑ آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے آپ کی بیعت کس چیز پر کی تھی؟

حضرت علیؑ نے جواب دیا آپ نے بیعت اس چیز پر کی کہ آپ میری اطاعت کریں گے جس طرح آپ نے ابوبکر و عمر و عثمان کی اطاعت کی تھی۔

ان لوگوں نے کہا: نہیں ہم نے بیعت اس بات پر کی تھی کہ آپ امور خلافت میں ہمیں بھی شریک کریں گے۔

حضرت علیؑ نے ان کی اس بات کو سختی سے رد کر دیا جس پر یہ ناراض ہو کر آپ کے پاس سے چلے آئے۔

(الامامتہ وسیاست، خلفائے محمد عمر ابو النصر)

"ابن عباس نے کہا یہ حکومت کے طالب ہیں زبیر کو بصرہ کا اور طلحہ کو کوفہ کا گورنر بنا دیجئے علیؑ نے اور فرمایا عراقین (بصرہ و کوفہ) میں لوگ بھی زیادہ ہیں اور مال بھی، جب یہ وہاں کے حاکم ہوں گے تو بیوقوفوں کو لالچ دے کر اپنی طرف مائل کر لیں گے اور کمزور پر بلائیں نازل کریں گے اور زبردستوں سے زیادہ زبردست ہو جائیں گے اور اگر کسی کو اس کے ضرر و نفع کیلئے مقرر کرتا تو معاویہ ہی کو شام کا حاکم رہنے دیتا اور اگر انکو گورنر بننے کی حرص نہ ہوتی تو شاید میری انکی نسبت رائے بھی ہوتی پس علیؑ نے مصلحتہً طلحہ و زبیر کو یہ جواب دیا کہ مجھے انصرام معاملات میں تمھارے مشورہ کی ضرورت ہے جب تم مدینہ سے باہر چلے جاؤ گے تو میں کس سے مشورہ لوں گا ہر چند یہ جواب معقول تھا مگر دونوں اس کو سن کر ناخوش ہوئے اور لوگوں میں آ کر کہنے لگے کہ علی مرتضیٰ نے ہم سے بجبر و اکراہ بیعت لی ہے ہم نے مالک اشتر کی تلوار کے خوف سے بیعت کی ہے ہمیں ان سے بیعت نہیں ہے انھوں نے عثمان کے قاتلوں کا پتہ لگانے میں وقفہ کر رکھا ہے۔

(المرتضیٰ، روضتہ الاحباب، تاریخ کامل العبر والمختصر فی الاخبار البشر تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم)

ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:۔

ولكنه مع ذالك لم يطلب الخلافه ولم ينصب نفسه للبيعته الا حين الشكره على ذالك استكراهاً وحين حدوثه بعض الذين ثاروا بعثمان بان يبدؤ يبايعه به فيلحقوه بصاحه المقتول و حين فزع اليه المهاجرون والانصار من اهل المدينه يلحون عليه فى ان يتولى امور المسلمين لنخرجهم من هذه الفتنة المظلمة ثم هو حين قبل البيعته لم يكره عليها حدًا من اصحاب النبى ﷺ و انما قبل البيعته

من بايعه وترك من لم يردان يبايعه ترك سعد بن ابی وقاص و عبدالله بن عمرو اسامه بن زيد و ترك جماعة من الانصار على راسهم محمد بن مسلمة و لم يستثن الهذين الرجلين، طلحه والزبير خاف منهما الفتنة لموقفهما من عثمان والثائرين به فرضى ان يستكرهما على البيعته فيهما يقول اكثر المورخين واكاد اعتقدانا انهما لم يستكرها كمازعما و كما زعم كثيرمن الرواة و انما اقبلا على البيعة راضين ثم بدالهما بعد ذالك حين رايا من الخليفة ما لم يكونا ينظران كانا يقدر ان فی اكبر الظن ان عليا محتاج اليهما اشد الاختياج لاحدهما قوه فی الكوفه ولاحدهما الاخوقوة فی و قد شارك اهل الكوفه و اهل البصرة و فی الثورة مشاركة خطيرة و كان الناس يظنون انهم انما شاركوا فی هذه الثورة عن تحريض،او على اقل تقدير عن رضى من طلحه والزبير۔ فكان يفكران فی ان عليا سيعرف لهما مكانهما و قوتهما سلطانهما على حزبيهما من اهل البصرة و الكوفة و سيشركهما فی امره و ستكون الخلافة ثلاثية يتقاسمها هولاء النفر الثلاثه من اصحاب الشورىٰ لعلی الحجاز والمصر و ماوراءهما من بلاد العرب و مما فتح او يفتح فی شمال افريقيا و للزبير البصره وما يليها والطلحه الكوفة وماوڑها۔ و كانا يظنان ان هذه الخلافة الثلاثيه ان استقامت لهم كان امر الشام يسيرا ولكن عليا ابی عليهما ولايه هذين المصرين ...... انما قال لهما ورفق رفيق: احب ان تكونا معی اتجمل بكما فانی استوحش لفراقكما هنالك عرف الشيخان ان ظنهما لم يصدق وان تقديرهما لم يكن صوابا۔۔۔وان امرهما معه فی المدينة سكون كاسرهما و كامر غيرهما من اعلام المهاجرين .... سيقيمان فی المدينة و سياخذ ان عطاء هما كل عام و لن يلقيا من علیّ بعض ما كان يمنحهما عثمان من الرفق والتسامح واللين۔ فلم يطالبا بالكوفة ولا البصرة وانما سكتا على مضض ودبرا امرهما فی روية و اماة۔

(الفتنۃ الکبریٰ جلد ۲، ص ۲۱، ۲۳)

لیکن علیؑ باوجود ان سب باتوں کے خلافت کے طلبگار نہ ہوئے اور خلافت قبول کرنے بیعت لینے پر آمادہ بھی ہوئے تو اسوقت جب بہت شدت کے ساتھ آپ مجبور کیے گئے اور جب لوگوں نے دھمکیاں دیں کہ ہم آپ کو بھی عثمان کے پاس پہونچا دینگے آپکو بھی قتل کرڈالیں گے۔ اور اسوقت جبکہ تمام مہاجرین وانصار نے آپ سے فریاد کی سب کا شدید اصرار تھا کہ مسلمانوں کے امور کی نگرانی یعنی خلافت کو اپنے ہاتھ میں لے لیجیئے تاکہ اس تاریک فتنہ سے ہم لوگ نکل سکیں پھر آپ نے جب خلافت قبول کرلی تو پیغمبرؐ کے کسی صحابی کو بھی بیعت پر آپ نے مجبور نہیں کیا جن لوگوں نے خوشی خاطر بیعت کی ان کی بیعت کی جس نے بیعت نہ کرنی چاہی اسے چھوڑ دیا۔ سعد بن ابی وقاص کو چھوڑ دیا۔ عبداللہ بن عمر کو چھوڑ دیا۔ اسامہ بن زید کو چھوڑ دیا۔ انصار کے کچھ لوگوں کو چھوڑ دیا جن

کے سرگروہ محمد بن مسلمہ تھے آپ نے صرف دو شخصوں کی بیعت پر زور دیا ایک طلحہ دوسرے زبیر آپکو خطرہ تھا کہ یہ بیعت نہ کر کے بعد میں کہیں فتنہ و فساد برپا نہ کریں کیونکہ یہ دونوں قتل عثمان میں اہم پارٹ ادا کر چکے تھے اور قاتلین عثمان میں انھیں بڑا اثر و نفوذ حاصل تھا اس لئے ان دونوں کے مجبور کیئے جانے پر آپ راضی رہے جیسا کہ اکثر مورخین کہتے ہیں لیکن میرا اعتقاد یہ ہے کہ دونوں طلحہ و زبیر ہرگز بیعت کے لئے مجبور نہیں کیئے گئے جیسا کہ ان دونوں نے بعد میں دعویٰ کیا جیسا کہ بہت سے روایان حدیث کا دعویٰ ہے یہ دونوں خوشی خوشی بیعت کے لئے دوڑ کر آئے۔ پھر جب انھوں نے دیکھا کہ خلیفہ (علیؑ ابن ابی طالبؑ) ہماری امیدوں کو خاک میں ملائے دے رہے ہیں تو انکی رائے بدل گئی انھیں، بہت بڑی توقع تھی کہ علیؑ ہم دونوں کے، بہت زیادہ محتاج ہیں ہم میں سے ایک کو بصرہ میں قوت حاصل ہے دوسرے کو کوفہ میں۔ اور انھیں دونوں شہروں کوفہ و بصرہ کے لوگ قتل عثمان میں شریک تھے اور لوگوں کا خیال تھا کہ کوفہ و بصرہ والے قتل عثمان میں محض انھیں کے بھڑکانے سے شریک ہوئے یا کم از کم طلحہ و زبیر کی رضامندی انھیں حاصل تھی۔

لہذا یہ دونوں سوچا کرتے تھے کہ علیؑ ہماری قدر و منزلت پہچانیں گے اور سمجھیں گے کہ ہم دونوں کو بصرہ و کوفہ کے لوگوں میں کتنا اقتدار حاصل ہے۔ لہذا ہماری اہمیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی حکومت میں شریک کر لینگے اس طرح خلافت تین حصوں میں ہوگی جسے اصحاب شوریٰ کے تینوں افراد بانٹ لیں گے، علیؑ کے لئے حجاز مصر اور دیگر بلاد عرب کی حکومت ہوگی نیز اور جو ممالک مفتوح ہوں یا شمالی افریقہ پر جتنا قبضہ حاصل ہو۔ زبیر کے لئے بصرہ اور اس پاس کے مواضعات ہونگے اور طلحہ کیلئے کوفہ اور قریبی مواضعات ان دونوں کا گمان تھا کہ یہ تین حصوں میں بٹی ہوئی حکومت اگر جم گئی تو شام کا معاملہ سہل ہو جائے گا۔ لیکن علیؑ نے صاف انکار کر دیا کہ بصرہ و کوفہ کی حکومت ہم تمھیں نہیں دے سکتے آپ نے۔ بہت نرم و ملائم الفاظ میں کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ لوگ میرے ہی پاس رہیں آپ دونوں کی موجودگی سے مجھے قوت حاصل رہے گی آپ کے فراق سے، بہت متوحش ہوں گا اس موقع پر ان دونوں نے سمجھ لیا کہ ہمارے خیالات صحیح نہیں نکلے ہم نے جو اندازہ قائم کر رکھا تھا وہ درست نہ تھا۔ علیؑ کیساتھ مدینہ میں ہماری زندگی ایسی ہی ہوگی جیسے اور دیگر مہاجرین کی ہوگی اور ہم دونوں مدینہ میں رہیں گے اور جو مقررہ وظائف ہیں وہ ہر سال پاتے رہیں گے اور حضرت عثمان کی نرمی چشم پوشی اور مہربانی کی وجہ سے جو فائدے ہم کو پہونچتے تھے علیؑ کی طرف سے وہ فائدے ہرگز ہمیں نہیں پہونچیں گے۔ ان دونوں نے بصرہ و کوفہ مطالبہ ملتوی کر دیا اور پیچ و تاب کھا کر رہ گئے زبان سے کچھ نہیں کہا اور آئندہ اقدام کے لئے سوچنے لگے۔

"اس کے بعد طلحہ اور زبیر حضرت علیؑ کے پاس آئے اور کہنے لگے۔"

"امیر المومنینؑ ہم عمرہ کے لئے جا رہے ہیں، اگر آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں تو ہم آپ کی پیروی کریں گے۔"

حضرت علیؑ نے ان دونوں کی طرف دیکھا اور فرمایا:۔

"تمہارا اصل مقصد عمرہ کرنا نہیں ہے بلکہ مجھ سے غداری کرنا اور اپنی بیعت توڑنا ہے جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔"

چنانچہ وہ مدینہ سے چلے گئے" (خلفائے محمد)

سچی بات یہ تھی کہ معاویہ کے خط دونوں کے پاس پہونچ چکے تھے۔گذشتہ صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے کہ جب امیر المومنینؑ نے معاویہ کو بیعت کرنے اور شام کے وفد کے ساتھ مدینہ آنے کے لئے خط لکھا اور تین مہینے کے بعد معاویہ نے بنی عبس کے ایک شخص کو جواب دیکر بھیجا اسی قاصد کو زبیر بن العوام کے نام بھی انھوں نے ایک خط دیا جس میں لکھا ہوا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے امیر المومنین عبداللہ الزبیر کے نام۔ بعد سلام واضح ہو کہ میں نے آپ کے لئے اہل شام سے بیعت لے لی ہے انھوں نے بڑی خوشی سے آپ کو امیر المومنین مان لیا ہے۔اب آپ کو چاہیے کہ کوفہ اور بصرہ والوں کو اپنے ساتھ ملائیں کیونکہ اگر ان دونوں شہروں کے لوگوں نے آپ کی اطاعت قبول کرلی تو آپ کے لئے راستہ بالکل صاف ہے آپ کے بعد میں نے طلحہ بن عبیداللہ کے لئے بیعت لی ہے، اب آپ کو چاہیے کہ علیؑ سے عثمان کے انتقام کا مطالبہ کریں اور لوگوں کو اپنی طرف بلائیں، آپ دونوں کی طرف سے اس معاملہ میں پوری کوشش اور جلدی ہونی چاہیے خدا متعالے آپ دونوں کو کامیاب اور آپ کے دشمنوں کو خائب وخاسر کرے۔

"جب یہ خط حضرت زبیر کے پاس پہونچا تو وہ بے حد خوش ہوئے اور طلحہ کو بھی یہ خط دکھلایا۔حضرت معاویہ نے جو کچھ انھیں لکھا تھا انھوں نے اس میں کسی قسم کا شک نہیں کیا اور معاویہ کی نصائح پر عمل کرتے ہوئے حضرت علیؑ کے خلاف ہو گئے اور اپنی بیعتیں توڑ دیں۔

معاویہ چاہتے تھے کہ طلحہ وزبیر امیر المومنینؑ سے ٹکرا جائیں فریقین میں سے ایک ختم ہو جائے گا اور جسے فتح ہوگی وہ بھی کمزور پڑ جائے گا اور معاویہ کو اپنی سلطنت قائم کرنے میں آسانی ہو جائے گی (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد اول، ص ۷۷ ترجمہ و شرح نہج البلاغہ جلد دوم مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی ص ۲۳ خلفائے محمد عمر ابوالنصر ترجمہ محمد احمد پانی پتی)

"معترضین کہتے ہیں کہ علیؑ کو چاہیے تھا کہ کوفہ و بصرہ طلحہ وزبیر کو دیکر ان کو اپنا کر لیتے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا وہ علیؑ کے حقیقی اور دلی طرف دار ہو جاتے ہرگز نہیں وہ خود کہتے تھے کہ ہم نے علیؑ کی بیعت طوعاً اور کرہاً کی ہے جب کوئی چارہ کار نہ دیکھا، ان بزرگواروں کی جبلت وخصلت وعادت تو وہ تھی جو حضرت عمر نے تجویز شوریٰ کے وقت بیان کی تھی، یہ بزرگوار بہت مغرور خود سر تھے اور سمجھتے تھے کہ ہم نے علیؑ کو تخت پر بیٹھایا ہے لہذا علیؑ کا فرض ہے کہ جو ہم چاہیں وہ ہم کو دیں جو کچھ علی سے ملتا وہ اس کو علیؑ کی

مہربانی سمجھ کر نہ لیتے اور اپنے تئیں ان کا زیر احسان سمجھ کر ان کے دوست نہ بن جاتے بلکہ جو کچھ علیؑ دیتے اس کو اپنا حق سمجھ کر لیتے اور خیال کرتے کہ ابھی ہمیں پورا حق نہیں ملا، بصرہ و کوفہ ابھی پہلا قدم تھا اصلی مطالبے تو ذرا قدم جمانے کے بعد آتے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگوار خلافت کی خواہش رکھتے تھے اور جنگ جمل سے انکا مقصود خلافت حاصل کرنا تھا۔ (تاریخ طبری ج ۵ ص ۱۶۹ تاریخ ابن خلدون اردو ترجمہ جلد چہارم ص ۲۹۸ شمس التواریخ حکیم مظہر الحق ص ۹۲۵) اور یہی مقصود ان کا امارت کوفہ و بصرہ مانگنے سے تھا۔ ایسی صورت میں طلحہ و زبیر کو امارت کوفہ و بصرہ دینے کے یہ معنی تھے کہ حضرت علیؑ کو بجائے ایک معاویہ کے تین معاویوں سے لڑنا پڑتا۔ یہ ایک ایسی غلطی ہوتی جس کے نتائج پر غور کرنے سے حضرت علیؑ کی دور اندیشی و سیاست کا اندازہ ہوتا ہے، امیر معاویہ تو جناب علی مرتضیٰ سے جنگ پر تلے ہوئے تھے۔ زبیر و طلحہ اپنے صوبہ میں بیٹھے ہوئے اس جنگ کا نتیجہ دیکھتے اور وہ نتیجہ عیاں ہے، کوفہ و بصرہ سے علیؑ کو کوئی کمک نہ ملتی، مکہ و مدینہ پہلے ہی سے امیر معاویہ کے روپیہ کے زیر اثر تھے پھر جناب امیر المومنینؑ کو فوج کہاں سے ملتی، جناب امیرؑ یا شہید ہو جاتے یا خلع خلافت پر مجبور کیے جاتے۔ اس کے بعد اصل جنگ شروع ہوتی، حضرت عائشہ تو ضرور اپنے بہنوئی زبیر کے ساتھ ہوتیں، طلحہ میں اتنی طاقت نہ ہوتی کہ تنہا معاویہ سے مقابلہ کرتے وہ ناچار ان سے مل جاتے ان کی والدہ ابوسفیان کی زوجہ رہ چکی تھیں اور حضرت عثمان سے بھی ان کی رشتہ داری تھی غرضیکہ معاویہ اور طلحہ ایک طرف اور زبیر و عائشہ دوسری طرف یہ اس جنگ عظیم کے فریق ہوتے۔ بہت ممکن تھا کہ اس وقت امیر معاویہ شاہ روم سے مدد کا خواستگار ہوتا اور وہ بہت خوشی سے مداخلت کرتا، اب وہ فتنہ اٹھتا جو اسلام کو نیست و نابود کر دیتا۔ ہم کو جناب امیرؑ کا شکر گزار ہونا چاہیے تھا کہ انھوں نے اسلام کو اس طرح فنا ہونے سے بچالیا، غرضیکہ یہ امیدواران خلافت کی جماعت تھی جس نے سارے فتنہ و فساد اپنے اغراض کے لئے پیدا کئے اس جماعت کو منصہ شہود پر لانے والی سیاست سابقہ اور واقعات گذشتہ تھے جنھوں نے خلافت کو ایک سستی سی سہل الحصول شئے بنا دیا کہ ہر کس و ناکس امیدوار بن بیٹھا انھوں نے دیکھا کہ حصول خلافت کے لئے کسی خاص فضیلت یا حق کی ضرورت نہیں محض موقع محل کی مساعدت کافی ہے لہذا وہ حالات اور وہ سیاست قابل الزام ہیں جنھوں نے خلافت الٰہیہ و جانشینی رسول کو اس درجہ تک گرا دیا" (البلاغ المبین جلد اول)

دوسرا باب

جنگ جمل

ہر سوسائٹی، جماعت اور انجمن کے کچھ سربرآوردہ افراد ہوا کرتے ہیں وہی اس کے داعی نقیب اور اصلی کارکن ہوتے ہیں، یہی حال ہر ہنگامہ اور فتنہ وفساد کا بھی ہوتا ہے اس کے بھی کچھ خاص کرتادھرتا لوگ ہوتے ہیں، وہی لیڈران ہنگاموں کی تخم ریزی کرتے ہیں اور سیدھے سادے عوام کو سبز باغ دکھا کر بڑی سے بڑی قانونی نافرمانیوں پر تیار کر دیتے ہیں۔

وہ فتنہ وفساد جسکی ابتداء امیر المومنینؑ کے تحت نشین ہوتے ہی ہوگئی اس کے سرغنوں کے نام بھی اسی وقت کافی مشہور ہو گئے تھے، ایک معاویہ بن ابی سفیان امیر شام دوسرے طلحہ تیسرے زبیر جو اکابر صحابہ تھے چوتھے حضرت عائشہ جو پیغمبرؐ کی بیوی تھیں، انھیں چاروں نے اس فتنہ وفساد کی تخم ریزی کی اور لوگوں کو اسکی طرف دعوت دی، خلیفہ برحق حضرت امیر المومنینؑ سے انکی مخالفت کی ظاہری وجہ حضرت عثمان کے انتقام کا مطالبہ تھا ان لوگوں نے محض ظلم وعداوت کی بنا پر خون عثمان کا الزام آپ کے سر ڈال دیا تھا لیکن حقیقی اسباب جو ان حضرات کی فتنہ انگیزی کے باعث ہوئے وہ کچھ اور تھے ہمیں بھی معلوم ہے اور دوسروں کو بھی کہ معاویہ کے دل میں خلافت کی ہوا وہوس تھی انھیں بنی امیہ کی پشت پناہی بھی حاصل تھی، طلحہ وزبیر پہلے تو خلافت کے متمنی رہے اور اسی تمنا وآرزو کے سبب حضرت عثمان کی ہلاکت میں ان کی اتنی سرگرمیاں ظہور میں آئیں لیکن جب منصوبے درہم وبرہم ہو گئے عثمان کے قتل ہونے کے بعد بھی خلافت انھیں نہیں ملی علیؑ خلیفہ ہو گئے تو انھوں نے اسی کو غنیمت جانا کہ بصرہ اور کوفہ کی گورنری ہاتھ آجائے کہ وہاں کی آمدنی بھی پیٹ بھرنے کے لئے کافی تھی اور وہاں رہ کر خلیفہ کی راہوں میں روڑے بھی اٹکا سکتے تھے۔

البتہ حضرت عائشہ کے متعلق آج تک لوگوں کو پتہ نہ چل سکا کہ اس فتنہ وفساد میں شرکت سے انکی اصلی غرض کیا تھی؟ بہت سے مورخین کہتے ہیں کہ چونکہ حضرت امیر المومنین انکے سسرالی عزیز تھے اور ہر بہو سسرال کے لوگوں سے نفرت کرتی ہے یہ بھی علی سے متنفر تھیں، لیکن یہ نفرت چاہے کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو پھر بھی ایسی چیز تو نہ تھی کہ وہ گھر سے باہر نکل پڑتیں اور فسادیوں کو لیکر اس شخص کے مقابلہ میں اٹھ کھڑی ہوتیں جو انکے شوہر حضرت محمد مصطفےٰؐ کا انتہائی چہیتا اور پیارا بھائی تھا۔

آخر کیا وجہ ہوئی کہ وہ ایسے ہولناک اقدام پر آمادہ ہوگئیں، ہم اس کی حقیقت سے بالکل ناواقف ہیں مورخین نے بھی کوئی ایسی وجہ نہیں بیان کی جس سے کچھ تسلی ہو سکے۔ مزید برآں یہ اشخاص حضرت امیر المومنینؑ کی نافرمانی اور آپ سے جنگ کرنے

کیلئے، کوئی اور وجہ جواز پیش ہی نہ کرسکے اور نہ کوئی ایسا سبب بیان کرسکے جو عام مسلمانوں کو مطمئن کرسکتا؛ بس لے دے کے وہی ایک مطالبہ خون عثمان تھا جسکے متعلق ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں کہ خود ان حضرات نے عثمان کی ہلاکت کے سامان فراہم کئے اور بعد میں علیؑ کے سر الزام تھوپ دیا درحالیکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ علیؑ خون عثمان سے بالکل بری ہیں لیکن جان بوجھ کر انھوں نے از راہ ظلم و عداوت علیؑ کو اس سے متہم کیا انھیں فضا بھی ساز گار ملی۔ بہتیرے مسلمان ان کے پروپاگنڈوں سے متاثر ہونے کے لئے تیار تھے کیونکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ کچھ لوگ تو ایسے تھے جو شروع سے علیؑ سے جلتے چلے آرہے تھے اور بہت سے ایسے تھے جو آپ کی عظمت سے ناواقف تھے، پھر اس زمانہ میں زیادہ تر حکام و عمال بنی امیہ یا انکے ساتھی سنگھاتی تھے اور ارباب حکومت کا جو اثر و اقتدار رعایا پر ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔

حضرت عائشہ کی عداوت: اور ہم نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ کے متعلق سبھی حیران ہیں کہ آخر انھیں کیا پڑی تھی کہ اس فتنہ و فساد میں شریک ہوئیں اور امیر المومنینؑ کی اتنی مخالف بن گئیں کہ جو چار افراد امیر المومنینؑ کے خلاف ہنگاموں کے بانی اور دشمنوں کے سرغنہ تھے جنھوں نے لوگوں کو بھڑکا کر آپ کے خلاف محاذ قائم کیا اور حضرت کے عہد خلافت کو تشویق و اضطراب کا عہد اور خانہ جنگیوں کا زمانہ بنا دیا کہ رفتہ رفتہ آخر کار آپکی شہادت کی نوبت بھی آگئی انھیں چاروں اشخاص میں حضرت عائشہ کی ذات کو ایک نمایاں حیثیت بلکہ رہبر و قائد کا درجہ حاصل تھا۔ ارباب تاریخ سرگشتہ ہیں کہ حضرت عائشہ کے اس اقدام کی وجہ کیا تھی، وہ تاریخ کے اوراق الٹ پلٹ کر دیکھتے ہیں۔ حضرت سرور کائناتؐ کے زمانہ میں حضرت عائشہ کے سوانح حیات کی چھان بین کرتے ہیں کہ شاید کوئی مناسب وجہ عائشہ کی عداوت و کینہ کی نکل آئے ان مورخین نے کئی ایسی باتیں بیان کی ہیں جو ممکن ہے عائشہ اور حضرت فاطمۃ الزہرا دختر پیغمبرؐ یا عائشہ اور علیؑ کے درمیان پیش آئی ہوں مگر وہ باتیں ایسی ہی ہونگی جو عام طور پر اس قسم کے رشتہ داروں میں پیش آتی ہیں جیسے علیؑ و فاطمہؑ اور عائشہ ایک دوسرے کے رشتہ دار تھے لیکن وہ باتیں تو اس قابل بھی نہیں کہ معمولی درجہ کی عورتوں کے لئے ایسی عداوت اور دائمی غم و غصہ کا باعث ہوں چہ جائیکہ حضرت عائشہ جو غیر معمولی خاتون تھیں اور ۹ برس کے سن ہی سے حضرت سرور کائناتؐ کے گھر میں آگئی تھیں اور آپ ہی کے یہاں پروان چڑھیں خود حضرت امیر المومنینؑ ان کے متعلق حیران تھے کہ آخر عائشہ کو ہم سے کیوں اس درجہ عداوت ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں ومالنا الی عائشہ من ذنب الا انا ادخلناہ فی حیرنا۔ ہم نے عائشہ کی کوئی خطا نہیں کی سوا اس کے کہ انھیں اپنے کنبہ میں داخل کر لیا تھا۔

بعض مؤرخین کا یہ خیال ہے کہ حضرت عائشہ نے دشمنان عثمان کی جو ہمت افزائی کی اور انھیں برانگیختہ کیا تو ان کا مقصود یہ تھا کہ حضرت عثمان معزول کر دیے جائیں اور اگر معزول نہ ہوسکیں تو قتل کر دیئے جائیں اور پھر طلحہ بن عبید اللہ خلیفہ مقرر ہوں تا کہ

خلافت حضرت عائشہ کے خاندان میں پلٹ آئے۔

یہ مؤرخین اسکی توجیہہ یوں کرتے ہیں کہ حضرت عثمان کے عہد حکومت میں جب بنو امیہ جی جاہلی عصبیت پلٹ آئی حضرت عثمان بنی امیہ کی آنکھ بند کر کے طرف داری کرنے لگے اور بنی امیہ خلافت وحکومت کو اپنا موروثی حق سمجھنے لگے تو اس کے نتیجہ میں قریش کے دیگر قبیلوں کی رگ عصبیت بھی پھڑکی اور وہ بھی زمانہ جاہلیت کی باہمی رقابت پر اتر آئے۔ اس سلسلہ میں حضرت عائشہ اور طلحہ کی متحدہ کوششیں تھیں کہ خلافت پھر بنی تیم میں پلٹ آئے کہ ابوبکر اور طلحہ دونوں بنی تیم سے تعلق رکھتے تھے، ان کی دلیل یہ بھی کہ اول خلیفہ حضرت ابوبکر تیمی تھے اور طلحہ بھی تیمی پھر حضرت عمر نے اپنے مرتے وقت جو چھ آدمیوں کی کمیٹی مقرر کی تھی اور کہا تھا کہ یہی چھ آدمی خلافت کے حقدار ہیں انھیں میں سے ایک طلحہ بھی تھے، ممکن ہے کہ کسی کی نگاہ میں یہ دلیل کچھ وزن رکھتی ہو لیکن سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عائشہ کو اس کی کچھ بھی امید تھی کہ علیؑ کے رہتے ہوئے لوگ طلحہ کو خلیفہ بنانے پر راضی ہو جائیں گے؟

اسی خاندانی عصبیت کی وجہ سے حضرت عثمان نے بنی امیہ کو سر پر چڑھایا اور اسی خاندانی عصبیت کیوجہ سے ان کے خلاف محاذ قائم ہوا اور آخر کار انھیں جان سے ہاتھ دھونا پڑا کیا اس پر بھی ان دونوں کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اور انھیں احساس نہ ہوا کہ یہ بری چیز ہے اور اس سے کامیابی کی امید نہیں؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا طلحہ وعائشہ اپنے خاندان بنی تیم اور اپنے ہوخواہ یعنی کوفہ والوں کو اس قابل پاتے تھے کہ وہ بنی امیہ پر فتح یاب ہو جائیں جن کی ہر صوبہ میں حکومت قائم تھی، شام میں تو خیر معاویہ ہی کی حکومت تھی اور شام والے معاویہ کے غلام بنے ہوئے تھے، لیکن شام کے علاوہ ہر شہر ہر ضلع ہر صوبہ کی حکومت بھی حضرت عثمان نے اپنے مخلصین ہی کو دے رکھی تھی بنی امیہ ہی سے نپٹنا مشکل تھا چہ جائیکہ وہ بنی ہاشم کو بھی مغلوب کر پاتے جنھیں تمام مسلمانوں میں عزت ووجاہت حاصل تھی اور ہر دیندار ان کا اعزاز واحترام اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا تھا۔

سچ تو یہ ہے کہ اگر عائشہ وطلحہ کا اجتہاد اسی حد تک تھا تو ان کی ناکامی بھی یقینی تھی اور آخر کار انھیں محرومی کا سامنا کرنا بھی پڑا۔

طلحہ وزبیر کی عداوت: طلحہ وزبیر کی امیرالمومنینؑ سے عداوت کوئی زیادہ تعجب خیز نہیں، جس دن سے کہ حضرت عمر نے عشرہ مبشرہ میں سے چھ آدمی منتخب کر کے شوریٰ کی تجویز کی اور طلحہ اور زبیر کو اس شوریٰ کا ممبر مقرر کیا اس دن سے ان دونوں کے دل میں خلافت کی امید میں پرورش پا رہی تھیں ہم جانتے ہیں کہ طلحہ وزبیر بالکل ایک نہ تھے بلکہ ہر ایک کے مقاصد جدا گانہ تھے، طلحہ سقیفہ کے دن ہی سے حضرت ابوبکر کے مخصوص طرفداروں میں تھے، کیونکہ طلحہ بھی تیمی تھے اور ابوبکر بھی تیمی اور آپ کو معلوم ہی ہے کہ مرنے کے وقت جب حضرت ابوبکر نے عمر کو اپنا خلیفہ نامزد کیا تو طلحہ ان کے پاس غصہ میں بھرے ہوئے آئے اور بہت

سخت لب ولہجہ میں انکے اس فعل کی مخالفت کی کہ آپ عمر کو خلیفہ بنائے جا رہے ہیں حالانکہ دوسرے لوگ ان سے زیادہ لائق و اہل موجود ہیں۔ رہ گئے زبیر تو یہ قصی کے خاندان سے تھے اور ننھیال کی طرف سے بنی ہاشم میں یہ بھی محسوب ہوتے تھے۔ انکی ماں صفیہ بنت عبدالمطلب تھیں جو حضرت محمد مصطفےٰ اور امیر المومنینؑ کی پھوپھی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ بنی ہاشم ہی کے ایک فرد سمجھے جاتے تھے یا کم سے کم بنی ہاشم کے طرفداروں میں سے تھے، محدثین بیان کرتے ہیں کہ جب سقیفہ میں ابوبکر کی بیعت ہوئی تو زبیر علیؑ کا حق چھننے پر بیحد غضبناک ہوئے انھوں نے تلوار بھی کھینچ لی تھی، یہ زبیر، ابوسفیان اور مہاجرین کے کچھ افراد حضرت عباس اور امیر المومنینؑ کے پاس آئے اور ان سے درخواست کی کہ آپ خلافت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں چاہے تلوار سے کام ہی کیوں نہ لینا پڑے مگر آپ نے فتنہ کے خوف سے انکار کر دیا پھر زبیر نے ابوبکر کی بیعت کی بھی تو بادل ناخواستہ انھوں نے اولاً انکار کر دیا تھا اور جناب معصومہؑ کے گھر میں بیٹھے رہے تھے یہاں تک کہ حضرت عمر تلوار ہاتھ میں لئے آئے اور تلوار کے زور سے ان لوگوں کو مجبور کر کے ابوبکر کے پاس لے گئے، حضرت امیر المومنینؑ بھی فرمایا کرتے تھے ما زال الزبیر منا حتی کبر ابنہ عبداللہ فاقصاہ زبیر ہم ہی میں سے تھے یہاں تک کہ انکا بیٹا عبداللہ بڑا ہوا اور اس نے زبیر کو ہم سے دور کر دیا۔ عبداللہ بن زبیر کی ماں حضرت ابوبکر کی صاجزادی حضرت عائشہ کی بہن اسماء تھیں حضرت عائشہ نے عبداللہ کی پرورش کی اور اسی رعایت سے حضرت عائشہ کی کنیت ام عبداللہ کہی جاتی ہے۔

اس بنا پر ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت عائشہ ہی نے عبداللہ کے دل میں امیر المومنینؑ کی عداوت ڈالی اور بغض وعناد کی تخم ریزی کی اسی سبب سے کہ عبداللہ نے اپنے باپ زبیر کو امیر المومنین سے برگشتہ کیا اور پھر شوریٰ کے موقع پر زبیر کے دل میں خلافت کی طمع پیدا ہو ہی چکی تھی دونوں چیزوں نے انھیں حضرت امیر المومنینؑ کا مخالف بنا دیا۔

یہ طلحہ و زبیر دونوں حضرت عثمان کے شدید مخالف تھے، انھیں یہ بات انتہائی ناگوار تھی کہ حضرت عثمان نے ساری مملکت کا نظم و نسق بنی امیہ کے سپرد کر رکھا ہے انھوں نے بارہا حضرت عثمان پر اعتراضات کئے، انھیں نصیحتیں کیں جیسا کہ حضرت امیر المومنینؑ ابوذر، عبدالرحمان بن عوف عائشہ اور دیگر مہاجرین نے بھی کیا لیکن جب فتنہ وفساد کی آگ پوری طرح بھڑک اٹھی تو یہ بلوائیوں کے لیڈر بن گئے اور انھیں قتل عثمان پر اپنی پوری قوت سے برانگیختہ کرنے لگے، چنانچہ محدثین ہی کا بیان ہے کہ حضرت عثمان جن دنوں محصور تھے تو کہا کرتے ویلی علی ابن الحضرمیہ اعطیتہ کذا و کذا بہاأ ذھبأ وھویرو مردمی یحرض الناس علی نفسی اللّٰھم لا تمتعہ بہ ولقہ عواقب بغیہ۔ ابن خضرمیہ (طلحہ) کا ستیاناس ہو میں نے انھیں منوں سونا دیا اور وہی لوگوں کو میرے خلاف بھڑکاتے ہیں، خداوندا میری دی ہوئی دولت سے انھیں فائدہ اٹھانے کا

موقع نہ دے اور ان کی سرکشی کے نتائج میں انھیں مبتلا کر۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ بروز قتل عثمان، طلحہ چہرے پر نقاب ڈالے لوگوں کی نگاہوں سے چھپ چھپ کر حضرت عثمان کی طرف تیر پھینکتے تھے۔ مؤرخین ہی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ جب محاصرین کو عثمان کے گھر میں گھسنے کا راستہ نہ ملا تو طلحہ ہی انھیں قبیلہ انصار سے کسی شخص کے گھر میں لے گئے انھیں چھت پر چڑھایا اور اس چھت کے ذریعہ محاصرین حضرت عثمان کے گھر میں پھاندے اور وہاں جا کر ان کا کام تمام کر دیا۔

زبیر پہلے تو گھر میں بیٹھے رہے لیکن جب بلوائیوں کے بعض سر کردہ افراد ان کے پاس آئے جنھیں زبیر بھڑکایا کرتے تھے کہ تم لوگ عثمان کو معزول کر دو یا قتل کر ڈالو تو یہ بھی ان کے ساتھ باہر نکلے اور بآواز بلند کہنے لگے اقتلوا عثمان فقد بدل دینکم قتل کر ڈالو کہ انھوں نے تمھارے دین کو بدل ڈالا ہے لوگوں نے کہا مگر آپ کے صاحبزادے عبداللہ تو عثمان کی حمایت میں ان کے دروازہ پر محاصرین سے لڑ رہے ہیں، زبیر نے کہا ما اکرہ ان القتل عثمان ولو بدیٔ بابنی ان عثمان لجیفۃ علی الصراط غدا مجھے عثمان کا قتل کیا جانا ذرا بھی ناگوار نہیں چاہے ابتدا میرے فرزند ہی سے کیوں نہ ہو۔ بلاشبہ بروز قیامت پل صراط پر عثمان ایک مردار ہی ہوں گے۔

ان تمام روایات کی تائید ایک تو اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عثمان نے اپنے محاصرہ کے دنوں میں حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ سے برابر مدد چاہی انھیں ہر موقع پر یاد کیا لیکن طلحہ وزبیر سے قطعی امداد کی درخواست نہیں کی، یہ قطعی ثبوت ہے کہ حضرت عثمان کو امیر المومنینؑ کے اخلاص اور بے لوثی اور طلحہ وزبیر کی بدباطنی اور خبث نیت کا یقین کامل تھا، دوسرے یوں کہ بروز جنگ جمل مروان نے طلحہ کو تیر مار کے ہلاک کیا اور یہ کہہ کر تیر چلایا کہ میں عثمان کا بدلہ لے رہا ہوں کیونکہ یہی قاتل ہیں وہ تو کہئے زبیر پہلے ہی راہ فرار اختیار کر چکے تھے ورنہ اگر وہ بھی ہوتے اور مروان کو موقع مل جاتا تو انھیں بھی طلحہ ہی کی طرح موت کے گھاٹ اتارتا۔ تیسرے یوں کہ جب حضرت امیر المومنین کو معلوم ہوا کہ طلحہ وزبیر بیعت توڑ کے خون عثمان کے انتقام کا نعرہ بلند کر کے میرے خلاف صف بستہ کر رہے ہیں تو آپ نے فرمایا:

"واللہ ما انکروا علی منکرا ولا جعلوا بینی و بینھم نصفا و انھم لیطلبون حقا ھم ترکوہ ودما ھم سفکوہ فان کنت شریکھم فیہ فان لھم نصیبھم منہ و ان کانوا ولوہ دونی فما الطلبۃ الا قبلھم و ان اول عدلھم لحکم علی انفسھم ان معی لبصیرتی ما لبست ولا لبس علی و انھا للفئۃ الباغیۃ فیھا الحما و الحمۃ و الشبھۃ المغدفہ و ان الامر واضح قداح الباطل عن لضابہ و انقطع لسانہ من شغبہ و ایم اللہ لا فوطن لھم حوضا انا ما تحہ لا یصدرون عنہ بری ولا یعبون بعدہ فی حسی"۔

خدا کی قسم، انھوں نے مجھ پر کوئی سچا الزام نہیں لگایا اور نہ انھوں نے میرے اور آپنے درمیان انصاف برتا وہ مجھ سے اس حق کا مطالبہ کرتے ہیں جسے خود ہی انھوں نے چھوڑ دیا اور اس خون کا عوض چاہتے ہیں جسے انھوں نے خود بہایا ہے، اب اگر اس میں ان کا شریک تھا تو اس میں ان کا بھی حصہ نکلتا ہے اگر وہی اس کے مرتکب ہوے ہیں میں نہیں تو پھر اس کا مطالبہ صرف انھیں سے ہونا چاہیے اور ان کے عدل و انصاف کا پہلا قدم یہ ہونا چاہیئے کہ وہ آپنے خلاف حکم لگائیں، اور میرے ساتھ میری بصیرت کی جلوہ گیری ہے نہ میں نے خود جان بوجھ کر کبھی آپنے کو دھوکا دیا اور نہ مجھے واقعی کبھی دھوکا ہوا اور بلاشبہ یہی وہ باغی گروہ ہے جس میں ایک ہمارا سگا (زبیر) اور ایک بچھو کا ڈنک خمیرا ہے اور حق پر سیاہ پردے ڈالنے والے شبھے ہیں اب تو حقیقت حال کھل کر سامنے آچکی ہے اور باطل اپنی بنیادون سے ہل چکا ہے اور شرانگیزی سے اس کی اسکی زبان بند ہو چکی ہے خدا کی قسم میں اُن کے لیے ایک ایسا حوض چھلکاؤں گا جس کا پانی نکالنے والا میں ہوں، جس سے سیراب ہو کر پلٹنا انکے امکان میں نہ ہوگا اور نہ اس کے بعد کوئی گڑھا کھود کر پانی پی سکیں گے۔"

امیرالمومنینؑ کا یہ ارشاد گرامی سب سے بڑا ثبوت ہے کہ طلحہ و زبیر مخالفین عثمان ہیں سب سے پیش پیش اور ان کے خلاف محاذ قائم کرنے والوں کے لیڈر تھے بظاہر تو وہ انکی حرکتوں کو برا کہتے تھے مگر دل میں یہ تھا کہ عثمان خلافت سے دستکش ہو جائیں چاہے لوگ انھیں معزول کر دیں یا یہ مار ہی ڈالے جائیں اور یہ خلافت ہمارے ہاتھ لگ جائے۔ یہاں تک تو یہ دونوں ایک نقطہ پر متحد تھے دونوں کا اتفاق تھا کہ عثمان خلافت سے علیحدہ ہوں یا مقتول ہوں لیکن اُن کے بعد خلافت کس کے ہاتھ آئے اس میں انکے خیالات جداگانہ تھے کیونکہ دونوں ہی اپنی ذات کے لئے خلافت کے خواہشمند تھے اس مرحلہ پر پہونچ کر کسی کو دوستی کا پاس نہیں تھا مشہور ہے کہ غرض مرض ہے لہذا قتل عثمان کے بعد جب خلافت امیرالمومنینؑ کے قدموں میں آگئی تو انکی مہربانیوں کا نشانہ امیرالمومنینؑ کے سوا اور کسے بننا چاہیئے تھا۔

چنانچہ امیرالمومنینؑ ارشاد فرماتے ہیں

اقبلتم الی اقبال العوذ المطا فیل الی اولادھا تقولون البیعة البیعة قبضت کفیّ فبسطتموھا و ما زعتکم یدی فجاذ بتموھا اللھم انھما قطعانی رظلمانی و نکثا بیعتی و البا الناس علی فا حلل ما عقدا و لا نحکم لھما ما ابرما. و ارھما المسائة فیما امّلا و عملا و لقد استشبّھا قبل القتال و استانیت الھما امام الوقاع فغمطا النعمة و ردّ العافیة

تم اس طرح شوق و رغبت سے) بیعت بیعت پکارتے ہوے میری طرف بڑھے جس طرح نہی بیائی ہوئی بچوں والی اونٹنیاں اپنے بچوں کیطرف دوڑ کر آتی ہیں میں نے اپنے ہاتھوں کو اپنی طرف سمیٹا تھا تم نے اپنی جانب پھیلایا میں نے اپنے

ہاتھوں کو تم سے چھیننا چاہا مگر تم نے انھیں کھینچا۔ خدایا ان دونوں نے میرے حقوق کو نظر انداز کیا ہے اور مجھ پر ظلم ڈھایا ہے اور میری بیعت کو توڑ دیا ہے اور میرے خلاف لوگوں کو اکسایا ہے لہذا انہوں نے جو گرہیں لگائی ہیں تو انھیں کھول دے اور جو انھوں نے بٹا ہے اسے مضبوط نہ ہونے دے اور انھیں ان کی امیدوں اور کرتوتوں کا برا نتیجہ دکھا، میں نے جنگ کے چھڑنے سے پہلے انھیں باز رکھنا چاہا اور لڑائی سے قبل انھیں ڈھیل دیتا رہا لیکن انھوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی اور عافیت کو ٹھکرا دیا۔

مختصر یہ کہ طلحہ و زبیر دونوں اپنی اپنی ذات کے لیے طلبگار خلافت تھے لیکن جب خلافت نہ مل سکی تو ان کی کوششیں اسکے لیے رہیں کہ کوفہ و بصرہ کی حکومت ہی مل جائے لیکن جب اس میں بھی ناکامی ہوئی تو یہ سرکشی پر تل گئے اور مطالبہ خون عثمان کے بہانے آپکی جان لینے پر تیار ہو گئے۔

معاویہ کی عدالت

رہ گئی معاویہ کی دوشمنی اور عداوت امیر المومنینؑ اس پر کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، حضرت عمر کے زمانہ سے شام کی حکومت اُن کے قبضہ میں تھی اس وجہ سے انکی ہمت بھی بلند تھی اور اختیارات بھی وسیع۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اُسوقت کے تمام مسلمانوں میں سب سے زیادہ چالاک اور مکروفریب سے بھرپور انسان تھا اور اسی نے بنوامیہ کے دلوں میں اقتدار کی ہوس اور اُن کے دماغوں میں زمانہ جاہلیت کے کھوئے ہوئے وقار کو پلٹانے کی فکر پیدا کی، شام کی حکومت نے اس کے لئیے موقع بھی فراہم کردیا اور حضرت عمر کے زمانہ ہی میں اس نے اتنی اہمیت حاصل کرلی کہ حضرت عمر بھی اس سے دب گئے۔ حضرت عمر اپنے عمال پر جتنا تشدد برتتے تھے وہ دنیا جانتی ہے، ذرا بھی کسی کی کوئی بات اُنھیں ناگوار گزرتی تو بیک جنبش قلم اُسے معزول کردیتے حالانکہ کسی عامل، کسی گورنر نے بھی اتنا پیر نہیں پھلایا ہو گا جتنا معاویہ نے پھلایا اور نہ اتنی من مانی حرکتیں کی ہوں گی جتنی معاویہ نے کیں۔ حضرت عمر بہت سختی سے اپنے عمال پر نگرانی رکھتے تھے، اُنھیں نہ تو عشرت پسندی کسی کی گوارا تھی نہ یہ منظور تھا کہ مال و دولت کوئی ذخیرہ کرکے رکھے، معاویہ نے یہ سب کچھ کیا اور حضرت عمر خاموشی سے یہ دیکھتے رہے، اس سے ہر شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ حضرت عمر کو یقین کامل تھا کہ معاویہ کو معزول کردینا آسان بات نہیں، بلکہ ہم تو یہاں تک کہنے پر مجبور ہیں کہ حضرت عمر نے مرنے کے وقت خلافت کو شوریٰ کے سپرد جو کیا تو معاویہ ہی کے ڈر سے، انھوں نے سمجھ لیا تھا اگر میں کسی ایک کو خلیفہ نامزد کرتا ہوں اور وہ کوئی ایک عثمان کے علاوہ دوسرا شخص ہو، تو معاویہ فساد برپا کرے گا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمر کا خلافت کو شوریٰ کے سپرد کرنا ہی ان تمام فسادات کا باعث ہوا انھوں نے خلافت ہتھیانے کی مشکل آسان کردی اور راستہ بتلادیا کہ کامیابی کیونکر حاصل ہوسکتی ہے، نہ وہ حضرت عثمان کو شوریٰ کا ایک ممبر قرار دیتے اور نہ ہی بنی امیہ کے دل میں اسکی لالچ پیدا ہوتی ہمیں تو یقین کامل ہے کہ شوریٰ کے موقع پر عبدالرحمان بن عوف وغیرہ نے عثمان کو جو کامیاب بنایا اور اُنکی خلافت پر اتفاق کیا وہ صرف معاویہ کے خوف اور اُس کے اثر واقتدار کے اندیشہ سے اور حضرت عثمان نے تمام امور مملکت جو بنوامیہ کے سپرد کردیے وہ بھی معاویہ ہی کے دباؤ سے، مختصر یہ کہ معاویہ مکروفریب کا مجسمہ تھے اور اپنی غرض پوری کرنے میں ہر جائز وناجائز ذریعہ سے کام لینے کے خوگر، انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ انعام واکرام داد و دہش سے لوگوں کو کیسے خریدا جاسکتا ہے، لہٰذا اگر لوگ ان کے اردگرد مجتمع ہوگئے ہوں اور اُن کے ہمدردوں اور ہواہوں کی جماعت تیار ہو

گئی ہو تو تعجب کی بات نہیں لوگ ہمیشہ سے اپنے منافع کے غلام ہیں اور اپنی بھلائی ہی کے لیے ہر شخص کی جدوجہد ہوتی ہے۔

ایک تو یہ سبب تھا معاویہ کی عداوت اور عناد کا یعنی خلافت کی حرص و ہوس، رہ گئی اُن کی شخصی اور ذاتی طور پر عداوت تو یہ بھی کوئی مخفی چیز نہیں معاویہ سے بڑھ کر امیرالمومنینؑ کا دشمن اور کون ہو سکتا ہے، علی ہی کے ہاتھوں معاویہ کا بھائی حنظلہ اور اس کا ماموں ولید اور اس کا نانا عتبہ غزوات میں موت کے گھاٹ اترے، عرب کے لوگوں کو اپنے عزیز ترین افراد کے قاتلوں سے جو بغض و کینہ ہوتا تھا وہ ظاہر ہے، معاویہ بھی عرب کے رہنے والے تھے اور عرب والوں ہی کے عادات و خصائل کے حامل تھے لہٰذا اگر انھیں اپنے قریب ترین اعزہ کے قاتل سے بغض و عداوت ہو تو کیا تعجب؟ لہٰذا یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ علیؑ کے مطیع بن کر اُنکے آگے جھکا دیتے جبکہ انھیں یہ زعم بھی رہا ہو کہ علیؑ سے ٹکر لینے اور اُن کے تخت خلافت کو متزلزل کرنے پر ہمیں قوت بھی حاصل ہے۔

جو شخص بھی معاویہ کے حالات و کیفیات، اُن کی حرص و ہوس شام پر انکے مکمل تسلط و اقتدار اور عرب کے بڑے بڑے لوگوں کو اپنے انعام و اکرام داد و دہش سے خرید لینے پر گہری نظر کرے اسے اس نتیجہ پر پہنچنے میں ذرا بھی دیر نہ ہوگی کہ معاویہ کا امیرالمومنینؑ کی بیعت کرنا بیحد دشوار تھا وہ ضرور علی سے جنگ کرتے اور جنگ کے سوا اُن کے لیے کوئی دوسری صورت ہی نہ تھی، پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ معاویہ کو شام میں چاہے کتنا ہی غلبہ اقتدار حاصل رہا ہو مسلمانوں کو انھوں نے خواہ کتنا ہی بلیک میل کر لیا ہو لیکن اگر عمال عثمانی نہ ہوتے تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے عمال عثمانی سب کے سب بنی امیہ یا ہوا خواہان بنی امیہ سے تھے اور انھیں کا تمام ممالک اسلامیہ پر تسلط تھا۔ حکام کا جو رعایا پر اثر ہوتا ہے وہ معلوم ہے وہ جدھر چاہتے ہیں رعایا کو لیجاتے ہیں ہم گزشتہ صفحات میں امیرالمومنینؑ کا وہ خط نقل کر چکے ہیں جو آپ نے معاویہ کو بیعت کے لئے لکھا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ آپ نے اس میں یہ فقرہ نہیں لکھا کہ میں تمھیں شام کی حکومت پر برقرار رکھتا ہوں لیکن آپ نے معزولی کی آگاہی بھی انھیں نہیں دی تھی۔ لیکن معاویہ کے دل میں چور چونکہ پہلے ہی سے موجود تھا اس لئے انھوں نے بیعت تو کی نہیں البتہ طلحہ و زبیر کو ایسے خطوط لکھے جن میں انھیں خلافت کی امیدیں دلائی تھیں اور تحریر کیا تھا کہ میں نے آپ دونوں صاحبان کے لیے یکے بعد دیگرے اہل شام سے بیعت لے لی ہے امیرالمومنینؑ سے یہ باغیانہ سرگرمیاں اور گہری سازشیں مخفی نہ تھیں انھیں سب باتوں کو دیکھتے ہوئے آپ نے محسوس کیا کہ معاویہ کی حرکتوں سے چشم پوشی یا تجاہل عارفانہ مناسب نہیں اور ایسے شخص کو ڈھیل دینے کا فائدہ بھی کیا جو خلافت سے کم پر راضی ہی نہیں۔[1]

---

[1] قصیدہ علویہ عبدالمسیح انطاکی مطبوعہ مصر۔

دوسری فصل

امیرالمومنین علیہ السلام کی خلافت پر حضرت عائشہ کا غم وغصّہ اور جنگ کی تیاریاں

جس زمانہ میں حضرت عثمان محصور تھے حضرت عائشہ حج کے ارادہ سے مکّہ معظمہ چلی گئی تھیں۔ گزشتہ جلد میں ہم ابن سعد و بلاذری وغیرہ کی روایتیں اس مضمون کی لکھ چکے ہیں کہ جب جناب عائشہ آمادہ سفر ہوئیں تو مروان، زید بن ثابت، عبدالرحمان بن عتاب اُن کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ ام المومنین کیا اچھا ہوتا کہ آپ سفر کا ارادہ ملتوی کردیتیں، آپ دیکھ رہی ہیں کہ خلیفہ وقت محصور ہیں آپ کی موجودگی ان کے بچاؤ کا ذریعہ ہوگی؛ عائشہ نے کہا اب تو ہم نے رخت سفر باندھ لیا ہے رُکنا ممکن نہیں، ان لوگوں نے دوبارہ درخواست کی عائشہ نے مثل سابق انکار کیا۔ مروان یہ شعر پڑھتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

وحرّق قیس علیّ البلا وحتیّٰ اذا استعرت اجذما

قیس نے شہروں میں میرے خلاف آگ لگادی، جب وہ آگ خوب بھڑک اٹھی تو وہ خود بھاگ کھڑا ہوا۔

عائشہ نے کہا سنو! خدا کی قسم میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارے اور تمہارے صاحب (عثمان) دونوں کے پیروں میں ایک ایک چکّی بندھی ہوتی اور تم دونوں سمندر میں ڈال دیے جاتے۔ یہ کہہ کر آپ مکّہ روانہ ہوگئیں۔[۱]

جب مکہ سے واپسی میں مقام سرف پر پہونچیں اور انھیں وہاں خبر ملی کہ حضرت قتل کرڈالے گئے تو اس خوش فہمی میں کہ خلافت طلحہ کے ہاتھ آئی ہوگی بار بار اظہار مسّرت فرماتیں، چنانچہ اُن کی زبان سے یہ فقرے بار بار سنے بھی گئے ایہ ذالاصبع آہا انگلیوں والے ایہ اباشبل واہ اے ابوشبل ایہ یابن عم کیا کہنا تمہارا اے چچا کے بیٹے لکانی انظرالی اصبعہ وھو یبائع لہ میں گویا اپنی آنکھوں سے اُن کی انگلیوں کو دیکھ رہی ہوں اور انکی بیعت کی جارہی ہے ایہ ذا اصبع للہ ابوک واہ کیا کہنا تمہارا اے انگلیوں والے خدا تمہارا بھلا کرے اما انھم وجدوا طلحۃ لھا کفوا بے شک ان لوگوں نے طلحہ کو خلافت کے لئے سربسر موزوں پایا۔

مگر تھوڑی دور آگے چل کر جب خبر ملی کہ مہاجرین وانصار سب نے مل کر علیؑ کو خلیفہ منتخب کرلیا تو آپ کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں اور اب بجائے اظہار مسرت ٹھنڈی سانسیں تھیں، قیس بن حازم بیان کرتا ہے کہ اس خبر کو پاکر کہنے لگیں" کاش یہ آسمان زمین پر پھٹ پڑتا" پھر آپ نے اپنی سواری کو مکہ پلٹانے کا حکم دیا۔ میں نے راستہ بھر انھیں دیکھا کہ بار بار گویا اپنے

۱۔ طبقات ابن سعد جلد ۵ ص ۲۵ طبع لیدن کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ ص ۷۱ و ۷۵۔

نفس سے مخاطب ہو کر کہتی جاتیں قتلوا ابن عفان مظلوماً لوگوں نے عثمان کو مظلوم قتل کیا، میں نے عرض کیا مادر گرامی ابھی میں نے آپ کو کہتے سنا خدا عثمان کو غارت کرے۔ یہ بھی میں دیکھ چکا ہوں آپ سب سے زیادہ ان کی دشمن تھیں اور سب سے زیادہ انہیں برا کہتی تھیں، عائشہ نے کہا ہاں بات تو ایسی ہی ہے مگر پھر میں ان کے معاملہ میں غور کیا اور اس نتیجہ پر پہونچی کہ لوگوں نے اس سے توبہ کرائی جب وہ توبہ کر کے مثل چاندی کے پاک وصاف ہو گئے تو قتل کر ڈالا۔

علامہ طبری لکھتے ہیں کہ مکہ سے واپسی میں جناب عائشہ جب مقام سرف میں پہونچیں تو وہاں عبد ابن ام کلاب سے ملاقات ہوئی جوان کا ننہالی رشتہ دار تھا جناب عائشہ نے اس سے پوچھا:

"کہو کیا خبر ہے"؟

عبدابن ام کلاب! لوگوں نے حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا اور قتل کرنے کے بعد آٹھ دن تک پڑے رہے۔

عائشہ! اس کے بعد ان لوگوں نے کیا کیا؟

عبدابن ام کلاب! تمام اہل مدینہ نے متفق ہو کر بہترین راستہ پیدا کر لیا سب نے حضرت علیؑ (کی خلافت) پر اتفاق کر لیا۔

عائشہ! اگر تم سچ کہتے ہو تو خدا کرے آسمان زمین پر پھٹ پڑے، واپس لے چلو مجھے، واپس لے چلو۔

چنانچہ آپ مکہ واپس ہوئیں تو یہ کہتی ہوئی قتل واللہ عثمان مظلوماً عثمان بخدا مظلومی کی حالت میں مارے گئے۔ خدا کی قسم میں ان کا انتقام لوں گی۔ عبدابن ام کلاب نے پوچھا: یہ کیا؟ خدا کی قسم آپ ہی نے سب سے پہلے ان کی مٹی پلید کی، آپ ہی کہا کرتی تھیں اقتلوا نعثلاً فقد کفر نعثل کو مار ڈالو یہ کافر ہو گیا ہے۔

عائشہ۔ لوگوں نے توبہ کرا کے مار ڈالا یوں کہنے کو میں نے بھی کہا تھا اور لوگوں نے بھی کہا، لیکن اب میری آخری بات پہلی بات سے بہتر ہے۔

عبدابن ام کلاب: مادر گرامی بہت پھسپھسی معذرت ہے۔

اس کے بعد عبد نے چند اشعار پڑھے:

منك البداء ومنك الغير ومنك الرياح ومنك المطر
وانت امرت بقتل الامام وقلت لنا انه قد كفر
فهبنا اطعناك فى قتله وقاتله عندنا من امر
لم يسقط السقف من فوقنا ولم ينكسف شمسنا والقمر

وقد بايع الناس ذا قدرة　　يزيل الشبا ر يقيم الصحر

ويلبس للحرب اثوابها　　وما من وفي مثل من قد غدر

اے بادصبا این همه آورده تست" آپ ہی نے حضرت عثمان کے قتل کا حکم دیا آپ ہی نے کہا عثمان کافر ہو گئے ہم نے آپ کی اطاعت کی اور انھیں مار ڈالا"۔ ہمارے نزدیک عثمان کا قاتل تو وہی ہے جس نے ان کے قتل کا حکم دیا۔ ہم پر نہ آسمان ٹوٹا نہ چاند سورج گہن میں آئے۔ اب لوگوں نے اس مرد عظیم المنزلت کی بیعت کر لی ہے جو ہر قسم کی گمراہی کو دور اور ہر کجی کو سیدھا کر دے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ وفا کیش بدعہدوں اور غداروں جیسا نہیں ہوتا۔[۱]

استاد عبد الفتاح عبد المقصو د لکھتے ہیں:۔

"لیکن یہ دلیل بالکل واہیات تھی اس سے پہلے حضرت عثمان کے متعلق حضرت عائشہ کے زبان و دہن سے جو باتیں نکل چکی تھیں ان سے بالکل میل نہیں کھاتی، حضرت عثمان کی کیفیت کے مطابق بھی نہیں، حضرت عثمان اگر واقعاً توبہ کئے ہوتے تو چاہیے تھا کہ توبہ کے مطابق عمل بھی کرتے۔ مظلوموں کی دادرسی کرتے ان کی شکایتوں کی تلافی کرتے مگر انھوں نے ان مسلمانوں کے ساتھ کوئی انصاف نہیں کیا بلکہ ان کی شکایتیں جوں کی توں بغیر علاج کے چھوڑ دیں۔ حضرت عائشہ نے عثمان کی اس حرکت کو بے حد ناپسند کیا اور ہمیشہ ان پر ناراض رہیں۔ یہاں تک کہ لوگوں نے حضرت عثمان کا محاصرہ کر لیا اور ان پر پانی بند کر دیا تو مدینہ سے چل کھڑی ہوئیں کہ حضرت عثمان کو بچانا نہ پڑے بلکہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ اپنے ہاتھوں سے لے جا کر سمندر میں ڈال دیتیں اور اس طرح مسلمان ان کی حکومت سے نجات پاتے، حج کا ارادہ کر کے مکہ روانہ ہو گئیں محض اس قصد سے کہ حضرت عثمان بے یار و مددگار رہ جائیں اور اطراف و اکناف عالم سے آنے والے حاجیوں کے دل میں اچھی طرح عثمان سے نفرت و بیزاری کرنے کا موقع مل جائے، وہ تو کہیے عبد اللہ بن عباس نے حضرت عائشہ کی بات نہ مانی ورنہ مکہ معظمہ میں حضرت عائشہ کی طرف سے عثمان کی دشمنی کا نزالا گل کھلتا۔ حضرت عائشہ جتنے دن مکہ میں رہیں ہر آنے والے سے مدینہ کی خبریں دریافت کرتی رہیں اس امید میں کہ اب ایسی خبر پہونچ جائے جس سے دل کو سکون حاصل ہو اور انتظار کی کشمکش سے نجات ملے، انھیں دنوں ایک جھوٹی خبر حضرت عائشہ کو ملی کہ مصر سے جتنے فریادی حضرت عثمان کے پاس آئے تھے حضرت عثمان نے سب کو قتل کرا دیا چونکہ اس جھوٹی خبر میں حضرت عثمان کی فتحیابی اور مصر والوں کا مقتول ہونا مذکور تھا اس لئے انتہائی غیظ و غضب کے عالم میں بپھر کر کہنے لگیں، ايقتل قوماً جاؤا يطلبون الحق و ينكرون الظلم والله لا نرضى بهذا۔ کیا مناسب تھا

۱۔ تاریخ طبری، جلد ۵، ص ۱۴۰ و ۱۷۲ و ۱۷۶ و ۱۷۲۔

کہ عثمان ایسے لوگوں کو قتل کر ڈالیں جو صرف ظلم کی شکایت اور حق کا مطالبہ کرنے آئے تھے خدا کی قسم ہم ہرگز برداشت نہیں کر سکتے۔

یہ کہنے کے بعد (جب صحیح خبر ملی کہ عثمان کو مصریوں نے قتل کر ڈالا اور علیؑ خلیفہ ہو گئے) حضرت عائشہ کا عثمان کی حمایت اور ہمدردی میں غضبناک ہونا کتنا حیرت انگیز و تعجب خیز ہے، سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عائشہ کو واقعاً اطمینان ہو گیا تھا کہ عثمان نے توبہ کر لی ہے، کیا ظلم و زیادتی پر صرف زبان سے توبہ کر لینا بغیر ظلم کی تلافی کئے ہوئے کافی ہے؟ حضرت عائشہ اور دوسرے مسلمان ان کی جن جن باتوں پر غضبناک ہوئے ان باتوں سے کتنی دیر حضرت عثمان علیحدہ رہے؟

حضرت عائشہ جب مدینہ میں تھیں اور حضرت عثمان ان کی مدد کے بہت محتاج تھے بقول ان کے وہ توبہ بھی کر چکے تھے تو پھر کیوں نہیں ان کی مدد کے لئے اٹھ کھڑی ہوئیں اور مدینہ سے باہر آئی ہی کیوں؟ اور آ کر اتنے دن رکی کیوں رہیں اور اتنے دنوں میں مکہ والوں کو آمادہ کیوں نہیں کیا کہ وہ حضرت عثمان کی مدد کریں جنھیں وہ انتہائی مصیبت کے عالم میں چھوڑ آئی تھیں جس سے نجات پانے کی کوئی امید ہی نہ تھی؟

سچی بات یہ ہے کہ آج کے دن عثمان کی حمایت کی ان کے پاس کوئی معقول دلیل نہ تھی سوائے علیؑ کی دشمنی و عداوت کے، یہ عداوت ہزار دلیلوں کی ایک دلیل تھی، وہ ہمیشہ ہی ان سے ناراض رہیں ان کے شعور و احساس میں علیؑ کی نفرت جا گزیں رہی، وہ پہلے عورت تھیں بعد میں عائشہ ان کی خصلتیں بھی عورتوں جیسی تھیں اور طبیعت بھی عورت کی، ان کے احساسات شعور کے تابع تھے اور جو جوش و ہیجان اندر ہی اندر پیدا ہوتا اس پر انہیں کوئی قابو حاصل نہ تھا وہ بہت پہلے ہی سے علیؑ کی عداوت و عناد کلیجہ میں سمیٹے بیٹھی تھیں اس وقت سے جب کہ منافقوں نے آپ پر تہمت تراشی کی تھی اور صفوان ابن معطل کے ساتھ متہم کرتا تھا اس

۱؎ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ غزوہ مصطلق میں پیغمبرؐ کے ہمراہ جناب عائشہ بھی تشریف لے گئیں واپسی میں کہیں قیام ہوا پھر کوچ کی تیاری ہوئی، اسی اثناء میں حضرت عائشہ لشکر سے باہر نکل کر قضائے حاجت کے لئے چلی گئی تھیں پلٹنے لگیں تو دیکھا کہ گلے میں گلوبند ندارد، خیال ہوا کہ ٹوٹ کر کہیں گر پڑا ہے اسے تلاش کرتی ہوئی پھر پلٹیں جب ہار لے کر واپس ہوئیں تو لشکر روانہ ہو چکا تھا آپ کا سن بھی کچھ زیادہ نہ تھا اور بدن بھی ہلکا پھلکا تھا جس ہودج میں آپ سوار تھیں اس کے اٹھانے والوں نے سمجھا کہ ہودج میں بیٹھ چکی ہیں لشکر روانہ ہو گیا اور آپ تنہا رہ گئیں مطمئن تھیں کہ ہماری عدم موجودگی کا علم ہوگا تو خود ہی لوگ واپس آ کر لے جائیں گے، صفوان بن معطل سلمی لشکر اسلام کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا وہ جب آپ کے پاس پہونچا اور آپ کو صحرا میں تنہا دیکھا تو اس نے اونٹ بٹھا دیا آپ کو سوار کر کے خود ناقہ کی مہار پکڑے لشکر سے جا ملا اس پر منافقوں کو موقع مل گیا اور انہوں نے آپ پر تہمت لگا دی، سب سے پہلے یہ خبر عبداللہ بن ابی مشہور منافق نے اڑائی، حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ نے بھی اس چنگاری کو ہوا دی شدہ شدہ پیغمبرؐ کے کانوں میں بھی اس کی بھنک پہونچی جناب عائشہ کو بھی مسطح کی ماں کی زبانی اس چرچے کی خبریں ملیں۔

علامہ وحلان اپنی سیرت میں لکھتے ہیں: جب نزول وحی میں دیر ہوئی تو پیغمبرؐ نے علی ابن ابی طالبؑ اور اسامہ بن زید کو عائشہ سے جدائی اختیار کرنے کے بارے میں مشورے کے لئے بلایا اسامہ نے تو یہ کہا کہ یا رسول اللہؐ عائشہ آپ کی زوجہ ہیں ہم ان میں کوئی برائی نہیں پاتے، علیؑ نے کہا یا رسول اللہ خدا نے آپ پر تنگی نہیں کی ہے عائشہ کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتیں آپ کو مل جائیں گی۔ آپ جناب عائشہ کی کنیز سے تو تصدیق کریں آنحضرتؐ نے بریرہ کنیز عائشہ سے دریافت کیا اس نے قسم کھا کر بیان کیا کہ میں نے عائشہ میں کوئی نازیبا بات نہیں دیکھی، پیغمبرؐ منبر پر تشریف لے گئے اور فرمایا مجھے جہاں تک علم ہے میں اپنی بیوی میں بجز نیکی اور بھلائی کوئی چیز نہیں پاتا اور جس مرد یعنی صفوان بن معطل کی نسبت لوگ چرچا کرتے ہیں اس میں بھی کسی طرح کی خرابی نہیں دیکھتا۔ وحی نے بھی اتر کر بات صاف کر دی ان الذین جآوا بالافک عصبۃ

منکم۔

حضرت عائشہ کو امیر المومنینؑ سے جو بغض وعناد تھا اسکی توجیہ علماء اہل سنت نے اسی واقعہ سے کی ہے، جب حضرت عائشہ کو یہ تک گوارا نہ تھا کہ پیغمبرؐ دوسری ازواج کی طرف متوجہ ہوں تو پیغمبرؐ سے قطع تعلق کیوں کرانہیں منظور ہوسکتا تھا اس لئے علیؑ کے یہ کہنے پر کہ ”خدا نے آپ پر تنگی نہیں کی ہے عائشہ کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتیں آپ کو مل جائیں گی“۔ یہ ان کے دل میں گرہ بیٹھ گئی اور وہ ہمیشہ ان سے کبیدہ خاطر رہیں اور یہی کبیدگی آگے چل کر جنگ جمل کی صورت میں سامنے آئی مگر ہمیں اس واقعہ کی صحت میں کئی وجہوں سے تامل ہے۔

(۱) پیغمبرؐ کا علیؑ واسامہ سے مشورہ کرنا عقل نہیں مانتی، محض اتنی سی بات پر کہ کچھ منافقوں نے وہ بھی عبداللہ بن ابی کے ایسے منافقوں نے آپ کی زوجہ کے متعلق ایک غلط بات مشہور کردی نہ انہوں نے کوئی ثبوت پیش کیا نہ اس پر کسی نے گواہی دی پیغمبرؐ کا مشکوک ہوجانا اور طلاق دے دینے پر آمادہ ہوجانا، علیؑ واسامہ کو بلا کر ان سے مشورہ کرنا ہماری عقل میں نہیں آتا، بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ بغیر باقاعدہ جرم ثابت ہوئے پیغمبرؐ عائشہ کو طلاق دینے کا تصور بھی دماغ میں نہیں لاسکتے تھے، بغیر جرم ثابت ہوئے عائشہ کو طلاق دے دینے کے لئے تہیہ کرلینا یہ تو اور شک وشبہ پیدا کردیتا، لوگوں کو خیال ہوتا کہ کوئی بات ہے جبھی پیغمبرؐ عائشہ سے جدائی اختیار کرنے کے خواہشمند ہیں، جو دھبہ آپ کے اور آپ کے عیال کے دامن پر یوں لگنے والا نہیں تھا آپ کے اس رادہ سے لگ جاتا، ایسا اقدام تو کوئی بے وقوف انسان بھی نہیں کرے گا چہ جائیکہ حضرت خاتم المرسلین جو مکمل ترین خلائق تھے پھر علیؑ آپ کو ایسا غلط مشورہ کب دے سکتے تھے، یہ تو کھلا ہوا فریب تھا علیؑ سے کمتر انسان بھی ایسی بات زبان سے نہ نکال سکتا تھا چہ جائیکہ علیؑ؟ حقیقت تو یہ ہے کہ علیؑ کے دشمنوں ہی نے علیؑ کی طرف نازیبا باتیں منسوب کرنے کے سلسلہ میں یہ حدیث بھی گھڑ دی ہے۔

(۲) علیؑ پیغمبرؐ کو یہ مشورہ کیوں کر دے سکتے تھے کہ آپ کنیز سے پوچھ دیکھیں، رسول اس کنیز سے کیونکر دریافت کرنے کا ارادہ کرتے یہ تو اور گندگی اچھالنے والی بات ہوتی جو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں چہ جائیکہ پیغمبرؐ کے لئے، اگر کوئی شخص ایسی بات زبان سے نکالتا اور شرعی طریقہ پر اس کی گواہی پوری نہ اترتی تو اس پر حد جاری کرنا واجب و لازم ہوتا لہذا پیغمبرؐ کنیز کو ایسی بات پر کیونکر مجبور کرسکتے تھے کہ اگر وہ بات سہی نہ نکلتی تو کنیز خود پھنستی اور تہمت تراشی کی سزا بھگتنی پڑتی، نیز مان بھی لیا جائے کہ علیؑ نے پیغمبرؐ کو مشورہ دیا کہ آپ کنیز سے پوچھ دیکھیں اور پیغمبرؐ نے کنیز سے پوچھا بھی تو فرض کیجئے اگر کنیز جناب عائشہ کے خلاف کہتی انھیں واقعاً عیب لگاتی تو کیا محض اس کنیز کے الزام لگا دینے پر پیغمبرؐ کنیز کو سچا اور جناب عائشہ کو خطا کار سمجھتے؟ ممکن تھا پیغمبرؐ ان کو اس وقت تک خطا کار سمجھ ہی نہیں سکتے تھے جب تک مطابق قانون شرع چار شخص حلف اٹھا کر گواہی نہ دیتے یہ مسئلہ بہت سخت ہے، کسی کی عصمت پر حرف لانا قدرت نے بے حد عظیم سمجھا ہے اسی لئے اور مواقع پر دو گواہوں سے کام چل جاتا ہے، مگر اس معاملہ میں چار گواہوں کو شرعی حلف کے ساتھ گواہی دینی پڑتی ہے، جب اتنا سخت مسئلہ ہے تو ایک اکیلی کنیز سے پوچھنے اور عائشہ کے کیریکٹر کے متعلق تصدیق کرانے کا فائدہ ہی کیا تھا، اگر کنیز جناب عائشہ پر الزام لگا ہی دیتی تو پیغمبرؐ عائشہ پر فرد جرم کس قاعدہ سے لگا سکتے تھے کیونکر جائز تھا ان کے لئے کہ محض ایک کنیز کے بیان کر دینے پر عائشہ سے علیحدگی کا تہیہ کرلیتے ان سب امور کی وجہ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ پیغمبرؐ کا جناب عائشہ کی طرف سے بدظن ہونا، علیؑ واسامہ سے عائشہ کو طلاق دینے کے متعلق مشورہ کرنا سراسر جھوٹ سب سے بڑا افتراء وبہتان ہے، آپ نے تو صرف منبر پر جا کر دشمنوں کی ایذا رسانی کا شکوہ کیا تھا کہ لوگ میری گھر والی کے متعلق لب کشائی کرکے کیوں میرے درپے آزار ہیں؟:

اس بنا پر حضرت عائشہ کے بغض وعناد کا سبب یہ واقعہ ہرگز نہ تھا بلکہ کچھ دوسرے ہی اسباب تھے، خود استاد عبدالفتاح عبدالمقصود نے آگے چل کر ان اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے، دیگر مورخین نے بھی اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے کہ آخر عائشہ کی عداوت کا سبب کیا تھا کیوں جلتی تھیں؟ امیر المومنینؑ سے۔

ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:

”وکانت تنکر علی علی فیما اعتقد امرین آخرین، احدهما لم یکن لعلی فیه خیرة واحدة فقد تزوّج فاطمة بنت رسول اللهؐ و رزق منها الحسنؑ والحسینؑ فکان ابا الذریة الباقیة للنبیؐ و لم یتح لها هی الولد من رسول اللهؐ مع انه اتیح لمارية القبطه ام ابراهیم فی اواخر ایام النبی فکان هذا العقیم یوذیها فی نفسها بعض الشیء ولاسیما و هی کانت احب نساء النبیؐ الی النبی اما الامر الآخر فهو ان علیاً قد تزوّج اسماء الخثعمية بعد وفاة ابی بکر و اسماء الخثعمية هی ام محمد بن ابی بکر الذی نشأ فی حجر علی فکانت عائشه تجد علی علی لهذا کله“۔ (الفتنة الکبری، جلد دوم، ص ۲۹)

میرا اعتقاد یہ ہے کہ عائشہ دوسری ہی وجہ سے علیؑ سے متنفر تھیں ایک بات تو ایسی ہے جس میں علیؑ کا کوئی اختیار ہی نہ تھا اور وہ یہ کہ علیؑ کی شادی دختر پیغمبرؐ فاطمہ زہراء (س) سے ہوئی اور خداوند عالم نے ان فاطمہ سے علیؑ کو حسنؑ وحسینؑ ایسے فرزند عطا کئے اس طرح علیؑ پیغمبرؐ کی باقی رہنے والی ذریت اور اولاد کے باپ ہوئے اور عائشہ کو رسولؐ سے کوئی بچہ نہ ہوا حالانکہ پیغمبرؐ کی آخری عمر میں ماریہ قبطیہ مادر ابراہیم کے بطن سے بچہ ہوچکا تھا پس یہی بانجھ پن ان کے لئے سوہان روح تھا تھیں پیغمبرؐ کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی مگر اولاد نہ ہوئی۔

دوسری بات یہ کہ علیؑ نے اسماء خثعمیہ زوجہ ابی بکر سے ان کے مرنے پر شادی کرلی یہی اسماء محمد ابن ابی بکر کی مادر گرامی ہیں وہ محمد جو علی کی آغوش میں پلے بڑھے پس ان تمام وجوہ واسباب سے عائشہ علیؑ پر غضبناک تھیں۔

کے علاوہ حضرت عائشہ میں بھی رشک وجلن اسی طرح کوٹ کوٹ کر بھری تھی جس طرح ہر عورت میں ہوتی ہے اس غیرت و جلن کو جتنا غلبہ عورتوں کے دل پر ہوتا ہے، اس غلبہ سے اپنے دل کو بچانا انھیں ممکن ہی نہ تھا۔ ہر عورت ماں بننے کی تمنا و آرزو میں بے چین رہتی ہے۔ برابر اس لگی رہتی ہے کہ گود ہری ہو، شوہر سے سسرال والوں سے سرخ روئی نصیب ہو، مگر قضا و قدر نے ان کے خوبصورت خوابوں کی تعبیر نہ دی جب تک ان کے شوہر زندہ رہے وہ بانجھ ہی رہیں، ان کے مقدر ہی میں نہ ہوا کہ زوجیت کو اولاد کے ذریعہ نبوت کے رشتہ سے استوار کر سکیں، کتنا کتنا انہوں نے چاہا کہ پیغمبر کو ایک بچہ پیش کریں جو ان کے خون اور پیغمبرؐ کے صلب سے ہوتا اور پیغمبرؐ کی پدرانہ محبت و عطوفت سے نہال کیا کرتی اور خود پوتے پروں میں مدتوں زندہ رہتیں لیکن اس نعمت سے وہ یکسر محروم رہیں، اس محرومی نے انہیں انتہائی محزون بنا دیا میرا خیال ہے کہ اس منزل پر ان کے شعور و احساسات، حسرت کے مشابہ تھے، وہ اپنی آنکھیں اٹھا کر دیکھتی تھیں، انہیں نظر آتا تھا کہ ان کے شوہر اپنی بیٹی کو محبتوں کا خزانہ دئے دیتے ہیں، مگر اس کو کیا کیا جائے کہ یہ خصوصی نعمت خدیجہ کے نصیب کی تھی، وہ مرنے کے بعد بھی پیغمبرؐ کی ذریت میں قیامت تک زندہ رہیں، خدیجہ پیغمبرؐ کی پہلی رفیقۂ حیات، جو چوتھائی صدی تک پیغمبرؐ کی شریک زندگی رہیں اس پورے عرصہ میں انھوں نے ایک مرتبہ بھی پیغمبرؐ کی ناراضی کا موقع نہ آنے دیا پیغمبرؐ نے ان سے اس وقت شادی کی جب پیغمبرؐ کا عنفوان شباب تھا اور خدیجہ جوانی کی منزل طے کر کے بڑھاپے کی حدوں سے قریب ہو رہی تھیں مگر پیغمبرؐ نے کسی دوسری بیوی کی ضرورت محسوس نہ کی اور خدیجہ کے مرنے کے بعد بھی کوئی عورت پیغمبرؐ کو اتنا خوش نہ کر سکی جتنا خدیجہ نے خوش کیا۔ خدیجہ نے ادھیڑ عمر کی عورت ہونے کے باوجود پیغمبرؐ کی وہ محبت حاصل کر لی جو عائشہ نے کمسنی اور دوشیزگی کے باوجود نہ حاصل کیا۔ خدیجہ نے ادھیڑ عمر ہونے کے باوجود پیغمبرؐ کو بچہ پیش کیا اور عائشہ خوبصورتی اور کمسنی کے باوجود قاصر رہیں۔ خدیجہ مرنے کے بعد بھی پیغمبرؐ کی دل کی گہرائیوں میں متمکن رہیں۔ پیغمبرؐ اٹھتے بیٹھتے عزت و احترام کی لفظوں سے خدیجہ کو یاد کرتے، عائشہ سنتیں اور محسوس کرتی تھیں کہ خدیجہ دنیا میں نہ ہونے کے باوجود ہمارے شوہر کی محبت کے بہت بڑے حصہ پر قابض ہیں خود حضرت عائشہ نے اپنے جذبات و خیالات کی ترجمانی کی ہے۔

”ماغرت علی احد من نساء النبی ﷺ ما غرت علی خدیجة ..... وما رایتها ولکن کان النبی ﷺ یکثر ذکرها و ربما ذبح الشاة ثم یقطعها اعضاء ثم یبعثها فی صدائق خدیجة فربما قلت له کانه لم یکن فی الدنیا الا خدیجة فیقول: انها کانت ... کانت ... وکان لی منها ولد“۔

جتنا میں نے خدیجہ پر رشک کیا اتنا پیغمبرؐ کی کسی دوسری بیوی پر نہیں، حالانکہ خدیجہ کو میں نے دیکھا بھی نہیں تھا لیکن پیغمبرؐ اکثر و بیشتر ان کا ذکر کرتے رہتے، بسا اوقات آپ بکریاں ذبح کرتے اور اس کے ٹکڑے خدیجہ کی سہیلیوں کو بھیجتے میں نے کبھی

مرتبہ کہا بھی کہ معلوم ہوتا ہے کہ خدیجہ کے سوا دنیا میں کوئی ہوا ہی نہیں، آنحضرتؐ جواب دیتے وہ ایسی تھیں اور ایسی تھیں اور مجھے ان سے اولاد بھی ہوئی۔

تو خدیجہ مرنے کے بعد بھی باقی تھیں، وہ قلب و دماغ میں پیغمبرؐ کے اسی طرح رچی بسی تھیں جس طرح کل وہ پیغمبرؐ کی دنیا میں تھیں، وہ حضرت کے تخیلات وافکار پر چھائی ہوئی تھیں عائشہ کا وجود ان کا حسن و جمال اور عنفوان شباب بھی ایک لمحہ کے لئے پیغمبرؐ کو خدیجہ سے غافل نہیں کرتا تھا خدیجہ فاطمہ زہرا کے پیکر میں زندہ وسلامت موجود تھیں، پیغمبرؐ کی پدرانہ محبت کی شکل میں باقی تھیں، ہر لحہ قلب پیغمبرؐ کے جس کے چشمے جاری تھے، خود عائشہ کے دل کی دھڑکنوں میں باقی تھیں جس طرح رشک وغیرت کا جذبہ ان کے دل میں باقی اور ہر لمحہ انہیں بہکاتا رہتا تھا۔

حضرت عائشہ ہمیشہ خدیجہ سے ہراساں رہیں سال پر سال گذرتے رہے مگر ان کے دل سے خوف نہ گیا نہ ان کی سوکن (خدیجہ) کی تصویر ان کی نگاہوں سے دور ہو سکی زمانہ بھی خدیجہ ہی کا حلیف بن گیا وہ انہیں مسلسل زندگی کی طرف پلٹاتا رہا اور ان کے نواسے نواسیوں کی شکل میں اسی طرح دھرا کر لایا جیسا بیٹی کی شکل میں پہلی مرتبہ دھرا چکا تھا، یہ مختلف تصویریں (حسن وحسین ،زینب وام کلثوم علیہم السلام کے روپ میں) عائشہ کے سامنے ہر دن آتیں اور ان کے گھر میں گھومتی پھرتیں اور ان کے کان اور ان کی آنکھوں میں سما جاتیں۔

عائشہ کی نگاہیں جب پیغمبرؐ پر پڑتی ہوں گی وہ پیغمبرؐ کو اپنے نواسوں کے ساتھ کھیلتے، ان کے ساتھ پیغمبرؐ کی وہ بھرپور چاہت وہ فریفتگی دیکھتی ہوں گی تو کون بتا سکتا ہے کہ ان کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔

اللہ ہی جانے ان کا وہی سوتاپا اور خدیجہ سے ان کی جلن آج کے دن خدیجہ کی چہیتوں کے لئے جاگ اٹھی تھی یا اولاد سے محرومی کی حسرت اس نوبت کو پہونچ گئی تھی یا یہ علیؑ کی دشمنی تھی۔ وہ علیؑ کے بس انھیں سے فقط ان کے شوہر حضرت محمد مصطفیٰؐ کی نسل ہمیشہ کے لئے باقی رہی۔

حضرت عائشہ بھی دوسری عورتوں کی طرح ایک عورت تھیں وہ دل کی باتیں سنتیں اور اس کی آواز پر لبیک کہتیں، غیرت وجلن میں، حسرت واندوہ سے بے قابو ہو جانے میں علیؑ سے دشمنی رکھنے میں عورت کی طبیعت کے عین مطابق تھیں، یہ ان کا پرانا زخم تھا جس نے انھیں اس اقدام پر مجبور کیا اور امام (علی ابن ابی طالبؑ) کے مقابل لا کر کھڑا کیا۔ ظاہر ہے کہ جب دل کی آواز عقل کی آواز کے مخالف ہوتی ہے تو دل ہی کی بات سنی جاتی ہے اور عقل کی آواز جذبات کی چیخ وپکار میں گم ہو جاتی ہے۔[1]

---

[1] الامام علی ابن ابی طالبؑ، جلد دوم، مطبوعہ مصر۔

(۲)

حضرت عائشہ نے عثمان کے قتل کیے جانے اور علیؑ کے خلیفہ مقرر ہونے کی خبر راستہ میں سنی اور سنتے ہی الٹے پیروں پھر مکہ پلٹ پڑیں، راستہ میں تو کچھ نہ بولیں، لیکن جب کعبہ کے دروازہ پر پہونچیں اور لوگ ارد گرد جمع ہو گئے تو کھڑی ہوئیں اور اس طرح خطاب کیا۔

"لوگو! مختلف مقامات کے مفسدین نے اہل مدینہ کے غلاموں کی مدد سے حضرت عثمان کو مظلوم شہید کر دیا، ان لوگوں نے پہلے حضرت عثمان پر کچھ الزامات لگائے اور جب انہیں ثابت نہ کر سکے تو بغاوت کر دی، جس خون کو خدا نے حرام کر دیا تھا اسے بہایا بلد حرام (مدینہ) اور شہر حرام (ذی الحجہ) کی تقدیس کو توڑا انھوں نے حرام مال لوٹا، خدا کی قسم عثمان کی ایک انگلی ان بلوائیوں کی ساری دنیا سے محترم ہے یہ فتنہ ابھی دبتا ہوا نظر نہیں آتا اس لئے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائگاں نہ جانے دو اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ"۔ (خلفائے محمد عمر ابو النصر)

استاد عبد الفتاح عبد المقصود لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ کی ظاہری لفظیں خلوص کی حامل نہ تھیں بلکہ ان میں فتنہ و فساد کی آمیزش تھی، مقتول کا قصاص لینا حاکم شریعت کا حق ہے، انتقام خون عثمان کا مطالبہ کر کے اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دے کر انھوں نے شریعت کی اولین بنیاد منہدم کر دی، نہ حاکم شریعت کی طرف سے انھیں اس کا حق حاصل تھا نہ مقتول کے ورثاء نے انھیں اس کی اجازت دی تھی انھوں نے حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینی چاہی جس کی نہ تو وہ اہل تھیں، نہ انھیں اس کی قدرت حاصل تھی، انھیں امور سیاست کا کیا علم، ان کی یہی خطا کیا کم تھی کہ وہ ایسے فتنہ پر غضبناک ہوئیں جو فرو ہونے کے قریب تھا اور اس مٹتے ہوئے فتنہ کا علاج انھوں نے ایک نئے فتنے سے کرنا چاہا جس کی آگ فوراً بھڑک اٹھی اور اس کے شعلوں نے تمام مملکت اسلامیہ کو اپنے لپیٹ میں لے لیا۔

حضرت عائشہ کے اس طرز عمل کو دیکھ کر انسان کا غرق حیرت ہو جانا گریز ہے، وہ تمام عمر اپنے گھر میں گوشہ نشین رہیں، باہر کیا ہو رہا ہے اس سے انہیں کبھی سروکار نہیں رہا زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا تھا کہ لوگ آتے اور آپ سے مسئلے مسائل پوچھ لیا کرتے رسول اللہؐ کی وفات کے بعد تقریباً پچیس سال ان کی زندگی خاموشی سے گذری، تاریخ کے صفحات ان کے ذکر سے بالکل خالی ہیں صرف حضرت عثمان کے آخری زمانہ حیات میں ان کا نام آتا ہے کہ وہ ان کی حرکتوں پر ناراض ہوئیں، اور ان کے افعال پر کلمات اعتراض زبان سے نکالے، مگر ان کی یہ ناراضی تنہا نہ تھی بلکہ سارے ہی مسلمان ان سے ناراض تھے ان کی آواز تمام مسلمانوں کی آواز میں مخلوط تھی، لیکن یہ نیا جرأت مندانہ اقدام، یعنی انتقام خون عثمان کا مطالبہ، ایک سیاسی تحریک کی صورت میں

نمایاں ہوا جس کی ان سے توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔

حیرت زدہ ہو کر ہر انسان یہ سوال کرنے پر مجبور ہو ہی جاتا ہے کہ اگر تخت خلافت پر علیؑ کے علاوہ کوئی دوسرا متمکن ہوا ہوتا تو کیا اس وقت بھی وہ ایسا ہی کرتیں؟ بہر حال دیکھنے والوں کی نظر میں یہ ایک سیاسی تحریک تھی جس نے نئے امیر علی ابن ابی طالبؑ کے خلاف آگ لگا دی، وہ علیؑ جن کی عداوت ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی وہ بہت پہلے سے ان کی دشمن تھیں کیونکہ قصۂ افک میں علیؑ نے ان کی طرفداری نہ کی تھی، اگر چہ انھوں نے ان کے خلاف ایک فقرہ بھی زبان سے نکالا نہ تھا صرف پیغمبرؐ سے اتنا کہا تھا آپ غم نہ کیجئے آپ کو بہت سی عورتیں مل جائیں گی۔

لیکن ایک تو ان کی نچلی نہ بیٹھنے والی افتاد مزاج، اس پر سے دوسرے اسباب غم غیرت وحسد وغیرہ ان سب چیزوں سے مجبور ہو کر انہوں نے ایک ایسے فتنہ کی آگ بھڑکائی جس کا بدترین انجام ہوا، ان کے اس اقدام کی وجہ سے جو براون دیکھنے میں آیا کون اسے بھول سکتا ہے، انھیں کی پیدا کی ہوئی پریشانیوں میں امام کی زندگی ختم ہوئی اور امامؑ کی زندگی ہی نہیں ختم ہوئی بلکہ اس روحانی سلطنت کا زمانہ ختم ہو گیا جس سے نوخیز دولت اسلامیہ کو ہر بھلائی کی امید تھی، اگر حضرت کا عہد حکومت چند برس اور رہ جاتا تو نہ معلوم یہ دولت اسلامیہ کہاں سے کہاں پہونچ جاتی۔

کون شبہ کر سکتا ہے اس میں کہ حضرت عائشہ کا یہ فتنہ ہوا وہوس اور حرص وآز کے ہاتھوں کے لئے ایک تباہ کن اسلحہ تھا جسے بنی امیہ اور دوسرے دہشت پسندوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا کیونکہ اس طرح ان کی تمنا بر آئی تھی اور دینی حکومت کو مٹا کر شخصی سلطنت کی بنیاد قائم کرنے میں مدد مل رہی تھی۔

حضرت عائشہ کے اس اقدام نے نفوس میں ان خواہشوں کو بیدا کر دیا جو سو رہی تھیں، یہی نہیں بلکہ ان کے اس طرز عمل نے ہر نئے حاکم سے سرکشی اور تمرد کی دعوت دی رعایا میں اس کو بے وقعت، حکام وعمال کی نگاہوں میں خفیف بنا دیا۔ حضرت عائشہ کا مطالبہ خون عثمان بظاہر تو بے لوث انسانی دعوت تھی، مگر حقیقت میں ایک بہت گہری اور سیاسی چال تھی اور واحد مقصود یہ تھا کہ حاکم وخلیفہ ہونے کی حیثیت سے علیؑ کی جو قدر ومنزلت ہونی چاہیے وہ باقی نہ رہے۔ مظلوم کا انتقام اس کے ظالموں سے لینا محض حاکم وقت کا حق ہے کسی دوسرے کو یہ حق حاصل نہیں، عوام وحکام دونوں پر اس کا حکم چلتا ہے، حضرت عائشہ کے مطالبہ خون عثمان لے کر اٹھ کھڑے ہونے نے بہت سے لوگوں کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ حضرت عائشہ محض اس لئے اٹھی ہیں کہ خود علیؑ اٹھنا نہیں چاہتے انہیں منظور نہیں کہ قاتلوں سے انتقام لیا جائے، یا ان میں اس کی ہمت ہی نہیں کہ قاتلین عثمان سے قصاص لے سکیں بلکہ ان غلط فہمی میں مبتلا ہو جانے والوں میں کچھ لوگ تو ایسے بھی تھے جو یہ سمجھنے لگے کہ علیؑ نے جان بوجھ کر عثمان کی مدد سے پہلوتہی کی،

کیونکہ مدد نہ کرنے کی صورت ہی میں ان کی خواہش پوری ہو سکتی تھی، اس قسم کی غلط اور ناروا بدگمانیاں ان لوگوں کی زبانوں پر بھی آئیں یہاں تک کہ ان لوگوں نے اپنی باتوں میں علیؑ کو بلوائیوں کا شریک بھی ٹھہرایا یہ بڑا کارگر اسلحہ تھا جو عائشہ نے معاویہ اور اس کے انصار کو فراہم کر دیا وہ اس اسلحہ سے برابر کام لیتے رہے، علیؑ کے اٹھ جانے کے بعد بھی یہ اسلحہ علیؑ کے خلاف کام میں لایا جاتا رہا۔

عائشہ کا یہ اقدام صرف انھیں بندگان حرص وہوس کے نفوس پر اثر انداز نہ ہوا جن کی تمنائیں علیؑ کی حکومت سے خاک میں مل گئیں اور سیاسی اقتدار کے خواب چکنا چور ہو گئے بلکہ اس سے ہر وہ شخص متاثر ہوا جس کی اپنی کوئی خواہش تھی، ان کمزور عزائم والوں پر بھی پڑا جو کسی رائے پر جمتے نہیں اور جدھر کی ہوا دیکھتے ہیں ادھر ہو جاتے ہیں ان سادہ مزاجوں پر بھی پڑا جو ظاہری حیثیت دیکھ کر مرعوب ہو جاتے ہیں حقیقت کا پتہ چلانے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے، ان لوگوں پر بھی پڑا جن کے منصوبے تو کچھ اور تھے مگر رائے عامہ سے مغلوب ہو کر انھوں نے علیؑ کی بیعت کر لی تھی ان تمام اقسام کے لوگوں کو حضرت عائشہ کے اقدام نے ان کے گڑھے میں دھکیل دیا اور یہ سب آخر تک ان کے ساتھ کئے انھیں جیسے دوسرے لوگ جو مکّہ سے باہر دوسرے اسلامی شہروں میں تھے ان کے کانوں میں جب حضرت عائشہ کی آواز پہونچی تو وہ بھی دوڑ پڑے۔ مدینہ نبوی پہلا وہ شہر تھا جس کے کانوں سے فتنہ کی آواز ٹکرائی، مدینہ سے جو لوگ حج کرنے مکہ گئے تھے جب وہ حج سے واپس ہوئے تو ساتھ ہی ساتھ حضرت عائشہ کی تیاریوں کی خبر بھی لائے اور خبر کے آتے ہی طلحہ و زبیر علیؑ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے انجام کار یہ ہوا کہ لوگ جو غرض لے کر اٹھے تھے وہ غرض بھی پوری نہ ہوئی، علیؑ سے لڑے بھی اور آخر میں ابن ابوسفیان کیلئے راستہ ہموار کر گئے۔

طلحہ و زبیر کے متعلق جب آدمی غور و فکر سے کام لیتا ہے تو اسی کا یقین حاصل ہوتا ہے کہ انہوں نے جب علی کی بیعت کی تھی تو خلوص نیت سے نہ کی تھی، واقعا یہی دونوں مجمع سے آگے بڑھ کر نکلے، سب سے پہلے خلافت کا سلام انھیں دونوں نے کیا اس وقت تک کسی دوسرے کا سلام کے لئے ہاتھ نہ اٹھا تھا لیکن ان سب کے باوجود ہمارا خیال یہی ہے کہ انہوں نے عوام کے جذبات و احساسات کی متابعت میں جو کچھ کیا خلوص سے نہیں کیا بلکہ انہوں نے دیکھا کہ ہماری سلامتی اسی میں ہے کہ ہم علیؑ کی بیعت کر لیں وہ ڈرے کہ اگر ہم بیعت نہیں کرتے تو جمہور کے غیظ و غضب کا نشانہ بن جائینگے۔

لیکن یہ انکا خوف وہمی اور خیالی تھا، حقیقت سے دور کا بھی اسے لگاؤ نہیں، کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ علیؑ نے اس وقت اپنے موافق کوئی جماعت بنانے کی کوشش کی اور نہ ایسے لوگ مقرر کیے جو دوسروں سے زبردستی بیعت لیتے پھریں، بلکہ ثابت و محقق تو یہ ہے کہ علی کو حکومت و اقتدار کی رتی برابر بھی خواہش نہ تھی سب سے زیادہ بے نیاز اس خلافت سے اگر کوئی تھا علیؑ تھے اور جن دنوں اطراف واکناف عالم کے آئے ہوئے مسلمان حضرت عثمان کو تخت حکومت سے ہٹانے کے لئے سر دھڑ کی بازی

لگائے تھے اور ان کی تمنا تھی کہ علیؑ کو ہم انکی جگہ خلیفہ مقرر کریں تو جتنا علیؑ دور دور رہے کوئی بھی نہیں رہا۔ یہاں تک کہ جب تمام مسلمانوں نے آپ کو مجبور کیا و بےبس کر دیا اور آپ کو چار ناچار خلافت قبول کرنا ہی پڑی تو آپ نے پہلی شرط یہ لگائی کہ اگر بیعت ہوگی تو مسجد میں، عام وخاص کی آنکھوں کے سامنے تاکہ لوگوں کو اچھی طرح سوچ سمجھ لینے کا موقع مل جائے۔ غرض یہ تھی کہ آزادی رائے کا تمام مسلمانوں کو برابر کا حق حاصل رہے جو چاہے علی کی خلافت کی تائید کرے جس کی خواہش ہو انکار کر دے۔ آپ جس طرح چاہتے تھے ٹھیک اسی طرح آپ کی بیعت مسجد نبوی کے اندر ہوئی۔ ہمیں تو قطعی علم نہیں کہ اس موقع پر کسی نے مخالفت کی ہو اور اسکے ساتھ ویسی سختی برتی گئی ہو جیسی باغیوں کے ساتھ کی جاتی ہے بلکہ آپ نے ہر ایک کو آزاد چھوڑ دیا، اگر کسی نے انکار بھی کیا تو آپ نے اس کے ساتھ انتہائی نرمی و مہربانی کا سلوک کیا۔

باوجود اس کے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ندامت و شرمندگی طلحہ وزبیر کے دلوں میں اس وقت سے گھر کیے ہوئے تھی جس وقت سے کہ ان دونوں نے امیرالمومنینؑ کی بیعت کی، انھوں نے مسجد سے باہر نکلتے ہی سمجھ لیا کہ ہم نے علیؑ کے ہاتھوں پر بیعت کر کے اپنے پیروں میں آپ کلہاڑی مار لی، انہوں نے محسوس کیا کہ ہم نے بغیر کسی وجہ وسبب کے علیؑ کو مقدم کر دیا اور انکا خلیفہ ہونا منظور کیا حالانکہ ہم دونوں علیؑ سے زیادہ سزاوار خلافت تھے، کیونکہ علیؑ نے نہ تو خلافت کے حصول کے لیے کوشش کی اور نہ عثمان کے خلاف لوگوں کو برانگیختہ کرنے اور ان کے قتل کے اسباب فراہم کرنے میں انھوں نے کوئی حصہ لیا۔ برخلاف اسکے علیؑ ہمیشہ عثمان کے خیر خواہ ہی رہے اور اگر عثمان ان کی بات سنتے اور انکی رائے مانتے تو انکی ہلاکت کی نوبت ہی نہ آتی اور طلحہ وزبیر کے حکومت حاصل کرنے کے منصوبے خاک میں مل جاتے اگر عثمان اپنا معاملہ علیؑ کے ہاتھوں میں چھوڑ دیتے اور ان کے کہے پر عمل کرتے۔

حق یہ ہے کہ جب طلحہ وزبیر کی امیدیں نہ برآئیں تو ندامت و شرمندگی ہی انکے دلوں کو تسکین دے سکتی تھی انہوں نے عثمان کی حکومت ہتھیانے کی کوشش کی مگر ان کی تدبیریں سب کی سب الٹی ہوگئیں اور جس پھل کی وہ تاک لگائے تھے وہ علیؑ کی گود میں ٹپک پڑا، جو سکون و اطمینان سے گھر بیٹھے تھے اور انگلی تک انہوں نے اسکی طرف نہ اٹھائی۔ کوئی شک نہیں آخری مرحلہ پر قضا وقدر کا انکی آرزوں کی عمارت منہدم کر دینا بڑا عجیب ہے، لیکن اس سے بڑھ کر تعجب خیز یہ ہے کہ قدرت نے خود انہیں مجبور کر دیا اس پر کہ یہ اپنے ہاتھوں اپنی آرزوں کی عمارت ڈھائیں۔ نہ جانے کب سے یہ دونوں خلافت کے آرزومند تھے، اتفاق سے سنہرا موقع بھی مل گیا، علیؑ ابھی تک تخت خلافت تک پہونچے بھی نہیں تھے، اس وقت یہ بہت آسانی سے مسند خلافت پر متمکن ہو سکتے تھے، کیونکہ خود علیؑ نے انکے سامنے یہ صورت پیش کی تھی کہ یا تو میں آپ دونوں کی بیعت کر لیتا ہوں یا آپ دونوں میری بیعت کر

لیں بلکہ علیؑ نے انکی طرف ہاتھ بھی بڑھایا اور قریب تھا کہ علی خلافت کا سلام بھی انہیں کر ڈالیں۔ اگر یہ دونوں قبول کر لیتے تو اسوقت کی بیعت آزادانہ بیعت ہوتی، عوام بھی راضی ہو جاتے کیونکہ انکے سامنے کی بات تھی، لیکن انکے دل میں اس گھڑی خوف نے ایسا گھر کیا کہ وہ اس موقع سے فائدہ ہی نہ اٹھا سکے ہاتھ آیا ہوا موقع ہاتھ سے نکل گیا کامیابی شکست سے بدل گئی۔ خوف عوام کا، ان تمام مسلمانوں کا جو علیؑ کے والہ و شیدا تھے، سخی و کریم خلافت پیش کر رہا تھا، مگر عوام کے خوف سے پہلے تو انہوں نے پس و پیش کی کہ قبول کریں یا نہ کریں پھر ہاتھ سمیٹا کہ نہ قبول کرنا ہی بہتر ہے، اور آخر انہوں نے اپنی زبان سے بھی انکار کر دیا کہ نہیں ہم خلافت قبول نہیں کرینگے آپ ہاتھ بڑھائیے ہم آپ کے ہاتھوں پر بیعت کرتے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ طلحہ اس گھڑی کو یاد کرتے ہوں گے اور حسرت و اندوہ سے ہاتھ مل مل کر رہ جاتے ہوں گے۔ اس وقت جو مختصری گفتگو ہوئی تھی اس کا تصور کرتے ہونگے اور ندامت سے دل پارہ پارہ ہو جاتا ہوگا۔

علی ان سے کہتے تھے:

طلحہ ہاتھ بڑھاؤ میں تمہاری بیعت کروں"

اور طلحہ کی زبان سے ناگہانی طور پر نکل گیا۔

" بلکہ آپ اسکے زیادہ حقدار ہیں، آپ امیر المومنین ہیں اپنا ہاتھ دیجئے۔"

غالباً طلحہ کی زبان بے قصد و ارادہ فقرہ نکل گیا ہوگا اور اسکی اہمیت کا اندازہ انھیں اسوقت ہوا ہوگا جب لفظیں انکے زبان و دہن سے نکل چکی ہوں گی، لیکن بہر حال بات زبان سے نکل چکی تھی اور تلوار سے بڑھ کر اس نے کام کیا، اس نے فوراً ہی ان کا انجام مقرر کر دیا اور ان کے نخل تمنا کی جڑ کاٹ کر رکھ دی جس کی عہد ابو بکر سے آبیاری کرتے آرہے تھے، نہ گیا ہوا وقت واپس پلٹتا ہے نہ منھ سے نکلی ہوئی بات واپس آتی ہے انسان کے بس میں ہوتا تو کہی ہوئی بات پلٹا کر زمین کی تہوں مین دفن کر دیتا لیکن یہ تو عمر کی گھڑیوں کی طرح ہے، جو گھڑی گذر چکی واپس نہیں آتی۔

یہ منظر طلحہ اور ان کے رفیق زبیر کی نگاہوں کے سامنے آتا اور انکی زندگی کے دن مکدر ہو کر رہ جاتے اور انکے نفوس پر حسرت و افسوس کا تاریک سایہ پڑ کر رہ جاتا حریف کے کامیاب ہو جانے سے بڑھ کر انسان کے لیے اور کیا چیز اندوہناک ہو سکتی ہے۔

لیکن انھوں نے اپنی حسرت و افسوس کو دبایا اور اسے علیؑ کی عداوت و عناد سے تبدیل کر لیا۔ جب ان سے بیعت کے متعلق پوچھا جاتا تو جواب دیتے۔

"ہم نے اپنے جان کی خوف سے بیعت کی تھی، ہم پہلے ہی سے جانتے تھے کی علیؑ ہماری بیعت نہ کریں گے۔

علیؑ کی بیعت ہو جانے کے بعد ان کے دل میں یہ بات جم گئی تھی کہ انکے عہد خلافت میں ہماری پہلی حیثیت باقی نہ رہے گی اور نہ معاملات سلطنت میں ہمارا کوئی دخل رہے گا کیونکہ انہیں بخوبی معلوم تھا کہ علی اپنی صلاحیتوں سے پوری طرح آگاہ ہیں، اپنے نظریہ کی صداقت اپنی رائے کی درستی پر انہیں پورا پورا بھروسہ ہے۔اس صورت میں یہ نسبت دیگر صحابہ رسول کے، علیؑ سے خصوصی برتاو کی کوئی امید نہیں کر سکتے تھے نہ علیؑ کمزور ارادہ کے تھے کہ ان سے عزم مستعار لیتے نہ بزدل تھے کہ ان سے شجاعت بھیک مانگتے نہ غیر دور اندیش تھے کہ ان سے مشورہ طلب کرتے نہ علیؑ کی شخصیت میں کوئی ایسی کمی تھی جسکی تلافی ان دونوں میں سے کسی سے ممکن تھی، علیؑ تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے زیادہ گوناگوں کمالات کے حامل اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منہاج سے سب سے زیادہ قریب تھے۔طلحہ وزبیر علیؑ کے خلق، علیؑ کے علم، علیؑ کی اصابت رائے اور تمام صفات وکمالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر تھے، انہوں نے پہلے ہی لحہ میں جان لیا کہ علیؑ ہم سے مستغنی ہیں، انھوں نے یہ بھی یقین کر لیا کہ علیؑ کے نظام حکومت میں ہمارا اثر بہت خفیف ہو کر رہ جائے گا اور دن بدن ہماری وجاہت کم ہوتی جائے گی، خود طلحہ نے کھلے لفظوں میں اپنے اندیشوں کو بیان کیا:۔مالنا فی ھذا الامر الا کحسة انف الکلب۔

علیؑ کی حکومت میں ہمارا حصہ بس اتنا ہی ہے جتنا کتے کی ناک محسوس کرتی ہے۔

یہ تو غم وغصہ ان کا آج کا تھا، اسی کے ساتھ پرانی کدورتوں کو بھی ملا لیجیے، علیؑ اپنے خصائل وعادات اور خصوصی فضائل ومکارم کے سبب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل میں جو جگہ کئے ہوئے اور ان وجوہ سے تمام صحابہ پر سبقت رکھتے تھے اسکی وجہ سے بھی کو ان سے رشک وحسد تھا اور ان دونوں حضرات سے حرکتیں ظہور میں آئیں وہ اسی رشک ہی رشک وحسد صدائے بازگشت اور پرانے بخارات تھے جو ان کے سینوں میں عرصہ تک محبوس رہے تھے، جب انھوں نے دیکھا کہ علیؑ بیعت نہ کرنے والوں کے ساتھ نرمی کا سلوک کر رہے ہیں، ساتھ ہی مکہ میں عائشہ کی طرف جوگل کھلا تھا اسکی بھی انھیں خبر مل گئی تو ان کے دلوں میں آتش عداوت بھڑک اٹھی اور وہ فوراً وہاں سے کھلم کھلا دشمن بن کر کھڑے ہوئے۔

انھوں نے علیؑ کی مخالفت کے اظہار میں ہر موقع سے فائدہ اٹھایا، ان کا منصوبہ یہی تھا کہ علیؑ کی کھل کر مخالفت اور صریحی طور پر ان سے ٹکر لی جائے، ہم سمجھتے ہیں کہ ان کے اس فعل کی کوئی جائز وجہ نہ تھی علیؑ اور طلحہ وزبیر کی مخالفت کے بنیادی اسباب کی جب ہم چھان بین کرتے ہیں تو ہمیں ایک بات بھی ایسی نہیں ملتی جو زبانی جھگڑے کی مقتضی ہو چہ جائیکہ تلوار کھینچے کی نوبت آجائے۔

لیکن بہر حال وہ اسی راستہ پر چلے جس راستہ پر ناراضی وبرہمی نے ان کی قیادت کی جسکی طرف اس فتنہ نے انہیں دعوت دی جس کا مکہ سے آغاز ہوا تھا۔وہ بے سوچے سمجھے دشمنی کی راہ پر چل کھڑے ہوئے یہاں تک کہ ہر دیکھنے والے نے یہی دیکھا اور

سمجھا کہ علیؑ کی حکومت کی تباہی و بربادی ہی انکا واحد مقصود ہے اور بس وہ یہی چاہتے ہیں۔[۱]

(۳)

پھر یہی استاذ موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں:۔

اس وقت سب سے بڑا کٹھن مسئلہ امیر المومنین کے لیے بلوائیوں کا تھا وہ مدینہ میں مقیم تھے آپ نے پوری طرح غور وفکر کر کے یہی طے کیا کہ ابھی انہیں چھیڑنا مناسب نہیں ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مسلمان دو گروہوں میں بٹ جائیں، ایک جماعت ان بلوائیوں کی حامی وموافق ہو دوسری مخالف، دونوں کے ٹکراؤ کے نتیجہ میں وہ خانہ جنگی برپا ہوگی کہ سلطنت کا شیرازہ پراگندہ ہو جائے گا کوئی شک نہیں کہ آپ کا نظریہ بالکل صحیح اور اسی میں عافیت تھی، آپ نے اسلام کو بہت بڑے فتنہ سے بچا لیا جسکی آگ اگر بھڑک اٹھتی تو تمام بلاد اسلامیہ کو جلا کر خاکستر کر دیتی بلکہ بہت ممکن تھا کہ یہی بلوائی حکومت پر قابض ہو جاتے۔ شریعت کی حکومت نہ ہوتی بلکہ اسلحے اور سرکشی کا اقتدار ہوتا، اسی برے دن سے آپ طلحہ وزبیر کو خوف دلاتے اور ان سے صبر کرنے کو کہتے کہ اتنے دن ٹھہر جاؤ جب یہ ہیجان کم ہولے اور لوگوں کی پراگندہ خاطری دور ہو جائے اس وقت ان بلوائیوں سے نپٹ لینا زیادہ مشکل نہ ہوگا۔

یہی وجہ تھی کہ حکام کا تقرر کرنے کے وقت آپ نے غیر معمولی احتیاط سے کام لیا آپ نے مملکت کے کسی منصب پر بھی ایسے کسی شخص کو فائز نہ کیا جس کا قتل عثمان میں ذرہ برابر بھی ہاتھ تھا، ان سے اسی لئے اجتناب کیا تاکہ نہ دشمنوں کی بدگمانی کی گنجائش ہو اور نہ انھیں زبان کھولنے کا موقع ہاتھ آئے، ہر طرح خون عثمان سے پاک وصاف ہونے پر دشمنوں نے آپ کو اتنا مہتم کیا اور دشمنان عثمان میں آپ کو بھی قرار دیا اگر کہیں بلوائیوں میں سے دو ایک کو حکومت کے عہدے دے دیے ہوتے تو پھر نہ جانے آپ کے دشمن کتنا بدنام کرتے۔

اس طرح بلوائیوں کے دل میں بھی آپ کی طرف سے خوف بیٹھ گیا اور وہ آپ سے چوکنے رہنے لگے، انھیں اپنی سلامتی خطرہ میں اسلئے اور زیادہ معلوم ہونے لگی کہ چہار جانب سے ناگوار خبریں آنے لگی تھیں، ہر شہر میں انکی اس حرکت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا تھا مکہ میں شام اور خود مصر میں بھی، اور اب انکی مخالفت دوسرے شہروں میں بھی پھیلتی جارہی تھی، حتیٰ کہ طلحہ وزبیر جو ان کے پیر و مرشد تھے انھوں نے بھی رنگ بدل لیا، اگر کوئی شخص اس وقت ان بلوائیوں کو اپنے قابو میں کر سکتا تھا تو وہ بس طلحہ تھے ھنگامہ کے دوران ان بلوائیوں کی باگ ڈور انھیں کے ہاتھوں میں تھی لیکن طلحہ آج بالکل دوسرے بن گئے تھے، ان کا

۱۔ الامام علی ابن ابی طالب استاذ عبد الفتاح عبد المقصود جلد دوم مطبوعہ مصر۔

وہ مقصد ہی پورا نہ ہوا جسکے لئے انھوں نے ان بلوائیوں کو آلہ کار بنایا تھا لہذا انھوں نے دوسری راہ اختیار کی کہ شاید اس طرح منزل مقصود تک پہونچنا نصیب ہو۔

طلحہ نے اس وقت اپنا رنگ بدل دیا اور اب انکی نگاہ مکہ کی طرف تھی جہاں کامیابی کی دوسری صورتیں نظر آرہی تھیں جو حضرت عائشہ نے انکے لئے فراہم کر رکھی تھیں۔ وہاں حضرت عائشہ تھیں جو نئے عنوان سے ظاہر ہوئی تھیں اور انکے گرد خلقت کا اژدحام تھا، اگر چہ کل کی طرح وہ آج کھل کر طلحہ کا نام نہ لیتی تھیں نہ یہ کہتی تھیں کہ علیؑ کو ہٹا کر طلحہ کو خلیفہ مقرر کردو۔ آج تو مقتول خلیفہ پر گریہ وماتم کررہی تھیں جن کے قتل کا کل فتوی صادر کر چکی تھیں مگر انکی اس دورخی پالیسی کا مطلب یہ تھا کہ خلافت پھر بنی تیم میں پلٹ آئے، تخت خلافت پر ایک ایسا شخص بیٹھے جس سے عائشہ کو وہ عداوت نہ ہو جو علیؑ سے تھی۔

واقعات بتارہے ہیں کہ خون کا مطالبہ ایک ایسا شعبدہ تھا جسکی ایجاد میں تمام علیؑ کے مخالفین شریک تھے، جو علیؑ کی عظمت و جلالت اور ان کی حکومت سے خار کھاتے تھے۔۔۔۔ لہذا واقعاً انھیں قصاص سے کوئی غرض نہ تھی یا یوں کہا جائے کہ حضرت عائشہ جس مقصد کو لیکر اٹھی تھیں اس پر آخر تک جمی نہیں رہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آئے دن ان میں تبدیلی وتغیر پیدا ہوتا رہا یہاں تک کہ خالی خولی لفظیں ہی رہ گئیں، جان باقی نہ رہی لفظوں میں، کرنے کو انھوں نے بہت کچھ کیا اور بہت سے نتائج تک پہونچیں مگر مقتول خلیفہ عثمان کا قصاص وہ کسی سے نہ لیا۔

حضرت عائشہ کی اپیل مکہ ہی میں منحصر ہو کر نہ رہی بلکہ مدینہ کے حاجیوں کے ساتھ مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی پہونچی اور وہاں سے اس اپیل متاثر ہونے والے بہت سے مل گئے، سب سے پہلے تو بنی امیہ اور انکے خلیفوں نے اس پر لبیک کہی اور وہ ایک ایک کر کے کھسکنے لگے، انھیں امید تھی کہ اس طرح عائشہ کے پردے میں ہم اپنی حکومت پلٹا لیں گے، بہت سے شرفائے قریش نے انکی پیروی کی، یہ لوگ وہ تھے جو علیؑ سے پرانی عداوت رکھتے آرہے تھے اور اب علیؑ کی حکومت نے انکی عداوت اور بڑھادی تھی۔

امیر المومنینؑ کی پریشانیوں اور بڑھنے لگیں اس ہجرت سے یقیناً ایسی مشکل پیش آسکتی تھی کہ بلوائیوں کے دل سے حکومت کا رعب دواب ہی اٹھ جائے خالص عرب جو حکومت کے دست وبازو تھے اور جنکی وجہ سے داخلی اور خارجی عناصر میں توازن قائم تھا ان کے میدان خالی کردینے کے بعد اسلامی دارالسلطنت میں بلوائیوں ہی کا طوطی بولنے لگتا، انہیں کی پالیسی پر حکومت بھی چلنے میں مجبور ہو جاتی، اگر ہجرت عام حالات میں ہوئی تو ہر گز آپ روکنے کی کوشش نہ کرتے کیونکہ آپ کی نظروں میں ہر مقام کے باشندے برابر تھے، مگر یہ ہجرت ایک ہنگامے کے اختتام پر ہو رہی تھی ایسے وقت کہ اگر امیر المومنینؑ ان بلوائیوں کے بڑھتے

ہوئے دلولہ کو ایک حد پر روکنے کی کوشش نہ کرتے تو قوی اندیشہ تھا کہ انکی سرکشی نظام سلطنت پر مسلط ہو جائے۔اس پر مستزاد یہ کہ ہجرت بھی ایسے شہر کی طرف ہو رہی تھی جہاں دوسرا فتنہ تیار کھڑا تھا۔ایسے وقت میں ہجرت پابندی نہ لگانا جلتی لکڑی پر تیل ڈالنے کے مترادف ہوتا۔

ابتدا ہی میں آپ نے روک تھام شروع کر دی،قریش کو مدینہ سے باہر جانے کی ممانعت ہو گئی انہیں مدینہ کی چوحدی میں محبوس کر دیا گیا جیسا کہ اس سے پہلے عمر ابن خطاب بھی کر چکے تھے اور سلطنت اسلامی اور امت کی شیرازہ بندی کی خاطر اس پر تشدد بھی برت چکے تھے۔

لیکن قریش والوں نے آپکی مخالفت پر کمر باندھ رکھی تھی،جب بھی انہیں موقع ملا علانیہ عداوت کا مظاہرہ کیا۔عمر سے ڈر کر اسوقت تو رک گئے تھے مگر اب رکنے پر تیار نہ ہوئے اور انھوں نے علیؑ کو اس قابل سمجھا کہ انکی اطاعت کی جائے اور جو وہ کرنا چاہتے ہیں وہ کرنے دیا جائے۔

اب وہ علیؑ کو اپنے پرانے بزرگوں کی نگاہوں سے دیکھنے لگے،علیؑ اب انہیں دوسرے ہاشم نظر آتے تھے،علیؑ کے فضل و کمال پر وہ پہلے ہی سب جلتے تھے۔حاکم وقت ہو جانے پر انکا جلنا ضروری ہی تھا،اسی لئے قریش والوں نے آپکی بات بات مخالفت اور رعایا میں آپ کی ہیبت گھٹانے کی کوشش کی۔

قریش والوں کی حیثیت اسلامی حکومت میں مثل دیگر مسلمانوں کے نہ تھی بلکہ انھیں خاص وجاہت حاصل تھی حکومت کی مشنری کے وہی لوگ کل پرزے تھے،سرداران قریش قریب قریب ایسے تھے جیسے ممبران پارلیمنٹ یا ایڈوائزری کمیٹی،خلیفہ وقت کو جب کسی مشورے کی ضرورت ہوتی تو یہ لوگ تعاون کرتے اور اپنے مشورے دیا کرتے تھے،اب وہی لوگ علیؑ کے وقار و منزلت کو گھٹانے پر تلے ہوئے تھے،یہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے حکومت کے بعض حکام اعلیٰ دوسرے بڑے حکام کی مخالفت پہ تل جائیں اور اس طرح عوام کو حکومت سے بغاوت کی ترغیب دیں۔

ان سب کے باوجود قریش حضرت کے سلطنت کو روز بروز درہم و برہم کرنے پہ تلے رہے،برابر یہ لوگ مدینہ سے نکل نکل کر ان فتنہ انگیزوں کی جماعت سے ملتے رہے جیسے حضرت عائشہ نے مکہ معظمہ میں ترتیب دیا تھا۔اتنا ہی نہیں بلکہ راستوں میں بازاروں میں عوام کو علیؑ کی مخالفت پر ابھارا گئے،مکہ معظمہ جو مرکز تھا اور جہاں سے ہر سمت کو راستہ جاتا تھا وہاں سے ان کے غلط پروپاگنڈے اور ناجائز اتہامات دوسرے تمام شہروں میں پھیل گئے اور اسطرح ہر شہر میں فتنہ کا ایک مرکز قائم ہو گیا۔

اور وہ لوگ جو کسی سبب سے مدینہ سے باہر نہ جاسکے وہ نزدیک رہتے ہوئے بھی حضرت کی مخالفت او منقصت سے باز نہ رہے

وہ موقع موقع سے حضرت پر نکتہ چینیاں کرتے اور آپ کے خلاف لوگوں میں سازشیں کرتے رہتے، آپ کے ارشادات میں تحریف، آپ کے مقاصد کی الٹی توجیہیں کرتے حضرت کا ارادہ کچھ ہوتا اور وہ لوگوں کو بتاتے کچھ تھے، حضرت کے افعال وحرکات پر کڑی نظر رکھتے کہ کہیں اعتراض کا موقع مل جائے اور لوگوں میں اسے بڑھا چڑھا کر بیان کریں، جب اسطرح انہیں کامیابی نہ ہوتی اور انکا مکروفریب رائگاں جاتا تو واضح وبدیہی باتوں میں دوبدو آپ کی مخالفت کرنے لگتے، عوام تو بارگاہ خلافت میں تو آتے نہیں تھے کہ انہیں اس بحث وتکرار کو سننے کا موقع ملتا جو علیؑ اور انکے مخالفین میں ہوتی وہ صرف اس گفتگو کے نتائج سے باخبر ہوتے جو یہ مخالفین خود اپنی لفظوں میں جا کر انھیں بتاتے، ظاہر ہے کہ اس صورت حال کی بنا پر آخر میں عوام کا آپ کی طرف ڈانوا ڈول ہو جانا کوئی اچنبے کی بات نہیں۔

طلحہ ہمیشہ اس جماعت کے لیڈر رہے جو کانٹا بنکر امام کے پہلو کو زخمی کر رہی تھی زبیر سایہ کی طرح ان کی متابعت کرتے، طلحہ جہاں چاہتے انھیں لیجاتے دونوں ایک جان دو قالب تھے اور دونوں ایک مشترکہ مقصد کے لئے سرگرم تھے جو بغیر علیؑ کی معزولی کے حاصل نہیں ہو سکتا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ مقصد یہی تھا علیؑ کے ہاتھوں سے حکومت چھین لی جائے اور ہم خود ان کی جگہ تخت خلافت پر بیٹھ جائیں۔

لیکن جب ہم واقعات کو دیکھتے ہیں تو ہمیں ایک منٹ کے لیے بھی اس بات میں شک وشبہ نہیں ہوتا کہ زبیر طلحہ کی خواہشوں کی قربانی بھی تھے اور انکی سواری بھی۔ ہم تو نہیں سمجھتے کہ اگر طلحہ کامیاب ہو جاتے اور خلافت ان کے ہاتھ لگ جاتی تو وہ آدھا آدھا بانٹ لیتے، طلحہ تو اکیلے ہی ہتھیانے کی کوشش کرتے کیونکہ یہی انکی فطرت وطبیعت کے مطابق بھی تھا کسی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ طلحہ اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے مدتوں ہاتھ پیر ماریں اور آخر میں اس لذیذ اور دل پسند ثمر کو آدھا آدھا تقسیم کرلیں۔

ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ زبیر اپنی رائے میں مغلوب تھے وہ اپنی مرضی کے خلاف اپنے ماموں زاد بھائی علیؑ کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے اور طلحہ کے قدم بہ قدم اس طرح چلے جیسے کوئی مسحور۔ ہمارا خیال ہے کہ طلحہ حکومت وخلافت کے لئے جتنا بیچین تھے زبیر اس سے ناواقف نہ ہوں گے، کل ہی کی بات تھی کہ حضرت عائشہ نے علانیہ طور پر حضرت عثمان کے معزول کرنے پر لوگوں کو ابھارا تھا اور طلحہ کو انکی جگہ خلیفہ بنانے کی تحریک کی تھی، حضرت عائشہ کی آواز ابھی فضا میں گونج رہی تھی اور چند ہی دن گزرے تھے کہ انھوں نے ابن عباس سے کہا تھا:۔

”قد ایت طلحه بن عبید الله قد اتخذ علی بیوت الاموال والخزائن مفاتیح فان بل یسر بسیرة ابن عمه ابی بکر ......“

تم دیکھ آئے ہو کہ طلحہ بن عبید اللہ نے بیت المال کی کنجیاں اپنے قبضہ میں کر لی ہیں، اگر طلحہ خلیفہ ہوں گئے تو وہ اپنے ابن عم ابو بکر کی سیرت پر چلیں گے۔

زبیر بلاشبہ گھاٹے میں رہے، لیکن اسکو کیا کیا جائے کہ وہ سمجھتے ہوئے بھی بندہ مجبور کی طرح اس فتنہ میں شریک رہے اور امیدوں کی بس جھلک ہی پر قانع رہے جو یاروں نے انہیں دکھلا دی تھی، دل میں پورا یقین رکھتے ہوئے کہ امیدیں کبھی پوری ہونے والی نہیں وہ طلحہ کے رکاب سے بندھے ہوئے چلتے رہے۔

دن گذرتے رہے اور یہ دونوں حضرات امیر المومنینؑ کے خلاف نیا جھگڑا کھڑا کرنیکی کوششوں میں سرگرم رہے لیکن حالات نے یاوری نہ کی اور علیؑ ابن ابیطالب کے افعال میں کوئی خرابی نظر آئی جو انھیں اعتراض کرنیکا موقع ہاتھ آتا۔ پہلے وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ علیؑ کے مساویانہ تقسیم پر ہمارا اعتراض ہی ذی وجاہت مسلمانوں کو بھڑکانے کے لئے کافی ہوگا۔ مگر ان کے سوا کسی کو بھی یہ تقسیم ناگوار نہیں گذری اور قریش میدان میں انھیں تنہا چھوڑ کر بھاگ نکلے لہذا ان دونوں نے قصد مصمم کر لیا کہ دارالسلطنت کی سیاسی فضا میں جو ٹھہراؤ پیدا ہو چلا ہے اسے باقی نہ رہنے دینا چاہیے علیؑ کی مخالفت کا ایک نیا بہانہ پیدا کرنا چاہتے تا کہ لوگوں کو قیل وقال کا ذریعہ ہاتھ آئے۔ یہ دونوں آپکی خدمت میں شکایت لیکر پہونچے۔

”آپ اپنے مشکلات میں ہم سے مدد نہیں لیتے، نہ معاملات میں ہم سے مشورہ لیتے ہیں“

حالانکہ وہ سمجھے تھے کہ مدد ومشورہ انھیں باتوں میں درکار ہوتا ہے جو مدد ومشورہ کے لائق ہوتی ہیں اور ابھی تک کوئی ایسی بات ہی رونما نہ ہوئی تھی کہ علیؑ کو کسی کی مدد یا کسی کے رائے کی ضرورت پڑتی ان دونوں کی باتوں سے ظاہر تھا کہ وہ خاص امر کے تعیین نہیں کرتے، نہ انھوں نے نام لے کر کسی کی مدد یا کسی کے رائے کی ضرورت پڑتی ان دونوں کی باتوں سے ظاہر تھا کہ وہ خاص امر کے تعیین نہیں کرتے انھوں نے نام لے کر کوئی ایسی بات ہی بتائی جس میں ان دونوں سے مشورہ لینا ضروری تھا اور علیؑ نے نہ لیا، انھوں نے مطلق شکایت کی کہ آپ ہم سے مشورہ نہیں لیتے، آپ نے ان کی شکایت سن کر فرمایا:۔

”۔۔۔۔۔الا تخبرانی ای شی لکمافیه حق دفعتکما عنه؟۔۔۔۔وای قسم استاثرت علیکما به؟۔۔۔امر ای حق رفعه الی احد من المسلمین ضعفت عنه؟ ام جهلته؟ ام اخطابت به؟“

بتاؤ تو سہی کس چیز میں تمہارا حق تھا اور میں نے تمھیں وہ حق نہ دیا، اور کون سا مال تھا کہ خود لے لیا اور تمھیں محروم رکھا۔ یا کسی مسلمان نے کونسی شکایت میرے سامنے پیش کی جس میں میں نے کمزوری دکھائی؟ یا میں نے جہالت برتی؟ یا مجھ سے خطا ہوئی؟۔

میرا خیال ہے کہ اس گھڑی ان دونوں نے اپنے حافظہ وذہن کو گردش دی ہوگی، علیؑ کے ایک ایک عمل کا جائزہ ذہن میں لیا ہوگا اور تھک کر رہ گئے ہوں گے اور انھیں ایک بات بھی ایسی نہ ملی ہوگی جیسے اپنی شکایت کے ثبوت میں پیش کر

سکیں، لیکن حضرت نے ان کے دل کے پوشیدہ اسرار پڑھ لئے، یہ خواہش نفسانی ہی تھی جو معترض بنا کر انھیں یہاں لائی اور حضرت کے ہاتھوں سے حکومت چھین لینے کی ہوا و ہوس ہی تھی جو ہمیشہ انہیں مخالفت اور ہنگامہ خیزی پر مجبور کرتی تھی، حضرت نے اس راز کو بے نقاب کر دیا، اسی گفتگو میں آپ نے ارشاد فرمایا:۔

"والله ما كانت لى فى الخلافه رغبه، ولا فى الولاية اربه، ولكنكم دعوتمونى اليها وحملتمونى عليها، فلما افضت الى، نظرت كتاب الله وما وضع لنا وامرنا بالحكم به فاتبعته، وما استسن النبى فاقتديته، فلم احتج فى ذالك الى ريكما ولا راى غيركما، ولا وقع حكم جهلته فاستشير كما واخوانى المسلمين ولو كان ذالك لم ارغب عنكما ولا عن غيركما ۔۔۔"

خدا کی قسم مجھے خلافت کی کوئی خواہش نہ تھی، نہ حکومت کی کوئی تمنا، تم ہی لوگوں نے مجھے دعوت دی اور اسکے قبول کرنے پر مجھے مجبور کر دیا۔ جب میں تخت خلافت پر بیٹھ گیا تو میں نے خدا کی کتاب پیش نظر رکھی اور اس میں جو احکام مقرر تھے انکی پیروی کی رسولؐ جو دستور مقرر کر گئے تھے اس کا پابند بنا، خدا کی کتاب اور رسولؐ کی سنت کی پیروی کرتے میں نہ تو تمہارے رائے کا محتاج تھا نہ تمھارے غیر کی رائے کا نہ کوئی مسئلہ ہی ایسا پیش آیا جسکے حکم سے میں ناواقف تھا اور میں تم دونوں سے اور اپنے مسلمان بھائیوں سے اس میں مشورہ لیتا، اگر ایسی کوئی بات پیش آئی تو نہ میں تم دونوں سے بے توجہی کروں گا اور نہ دوسروں سے"

حضرت کو خلافت سے کوئی رغبت نہ تھی مگر سوال یہ ہے کہ کیا ان دونوں کو بھی خلافت سے رغبت نہ تھی؟ اگر رغبت نہ ہوتی تو اس قسم کی حرکتوں پر وہ مجبور کیوں ہوتے۔"[1]

ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:۔

"علیؑ جتنا معاویہ کے مقابلہ میں حق پر تھے اتنا ہی طلحہ و زبیر اور عائشہ کے مقابلہ میں بھی، کیونکہ طلحہ و زبیر نے خود بیعت کی تھی لہذا انکا فریضہ تھا کہ وہ ایفائے عہد کریں اور خلوص نیت کا ثبوت دیں، اور اگر وہ علیؑ کی اطاعت ناپسند کرتے تھے یا ان کے بعض ارادوں میں مددگار بننا انہیں منظور نہ تھا تو وہ کنارہ کش ہو کر بیٹھ سکتے تھے، جس طرح سعد ابن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، اسامہ بن زید، محمد بن مسلمہ وغیرہ اصحاب نبیؐ نے کنارہ کشی و گوشہ نشینی اختیار کی، طلحہ و زبیر جنگ نہ کرتے، لوگوں کو اس پر ابھارتے نہیں اور نہ اس نامناسب و ناپسندیدہ طریقہ پر مسلمانوں میں تفرقہ پردازی کے مرتکب ہوتے۔

رہ گئیں عائشہ تو وہ ازدواج پیغمبرؐ میں داخل تھیں ازدواج پیغمبر کو خداوند عالم نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھی رہیں، انھیں چاہیے تھا کہ علیؑ کے عہد حکومت میں اپنی وہی روش رکھتیں جو روش انکی خلفا یا سبق کے عہد میں رہی، وہ امر بالمعروف اور ر

۱۔ الامام علی بن ابی طالب جلد دوم مطبوعہ مصر

نہی عن المنکر کرتی رہتیں اور گھر میں بیٹھے رہنے کا جو انھیں حکم دیا گیا ہے اسکے خلاف نہ کرتیں، قرآن، نماز پڑھا کرتیں جیسا کہ دیگر ازدواج نبی کا مشغلہ تھا اگر علیؑ کی بیعت انھیں پسند تھی تو علیؑ اپنی خلافت ان سے منوانے پر مصر تو نہیں تھے وہ ان کی خلافت ناپسند کرتے ہوئے بھی علیؑ کی طرف سے بدسلوکی کا اندیشہ نہ کرسکتی تھیں، وہ ام المومنین تھیں پیغمبرؐ کی محبوب زوجہ اور ابوبکر کی صاحبزادی۔ لازمی بات تھی کہ علیؑ نے دیگر کنارہ کشی کرنے والوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا کم سے کم وہی برتاؤ عائشہ کے ساتھ بھی کرتے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جنگ جمل کے بعد علیؑ نے عائشہ کا اعزاز، واحترام ہی کیا۔

کہا جاتا ہے کہ طلحہ وزبیر وغیرہ صرف عثمان ہی کے لیے ناراض نہ تھے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ خلیفہ مسلمانوں کے مشورہ سے مقرر ہو نہ کہ بلوائی عثمان کے بدلہ ان کا کوئی امام مقرر کریں لیکن ابوبکر کی بیعت بھی تو مسلمانوں کے مشورہ سے نہ ہوئی تھی وہ چھینا چھپٹی کی بیعت تھی جسکے شر سے اللہ نے محفوظ رکھا جیسا کہ حضرت عمر کا قول ہے اسی طرح حضرت عمر کی بیعت بھی مسلمانوں کے مشورہ سے نہ ہوئی تھی وہ تو ابوبکر نے انکے لئے عہد نامہ لکھ دیا مسلمانوں کو چونکہ شیخین پر بھروسہ تھا وہ ان سے محبت بھی رکھتے تھے اس لئے انھوں نے اسے قبول کرلیا۔ اسی طرح شوریٰ بھی جسکے ذریعہ عثمان کی بیعت پایہ تکمیل کو پہونچی نہ تو کافی تھا اور نہ اطمینان بخش، حضرت عمر نے قریش کے چھ آدمیوں کو مخصوص کر کے کسی کو منتخب کرنے کا حق دیدیا تھا ان لوگوں نے عثمان کو منتخب کیا اور بڑا گمان یہ ہے کہ ایسا کر کے انہوں نے مسلمانوں کی خیر خواہی کی اور فتنہ اور اختلاف سے محفوظ رہے۔

لہذا طلحہ وزبیر اور تمام بیعت سے گریز کرنے والوں کا فرض تھا کہ وہ معاملہ کو حتی الامکان سدھارنے کی کوشش کرتے اور خوشی خاطر علیؑ کی بیعت کر لیتے ناگواری کے ساتھ نہیں، اور اسکے بعد علیؑ کے ساتھ ملکر بلوائیوں کے پھیلائے ہوئے فساد کو مٹانے کو کوشش کرتے اور خلیفہ کے انتخاب اور امور سلطنت کے نظم وانصرام کے لئے ایک ایسا دائمی اور مستقل دستور بناتے کہ پھر وہ خرابیاں نہ رونما ہوتیں جو عثمان میں رونما ہو چکی تھیں، لیکن اسکو کیا کیا جائے کہ وہ لوگ ہماری عقل کے علاوہ دوسری عقلوں سے سوچنے اور ہمارے دلوں کے علاوہ دوسرے دلوں سے کام لیتے اور حتی الامکان اپنے دین اور نفوس کے لئے اجتہاد کرتے۔

ابوبکر کے لئے بھی شروع زمانہ خلافت میں علیؑ سے تھوڑی بہت ملتی جلتی صورت پیش آئی، عامہ عرب ان کے خلاف ہو گئے اور انھیں زکوۃ دینے سے انہوں نے انکار کر دیا لیکن ابوبکر کو اصحاب پیغمبرؐ میں بہت سے ناصر مددگار مل گئے انہوں بہت جلد فتنہ فرد کر کے عربوں کو مختلف اطراف عالم میں چلتا کیا اور انھیں ممالک کی فتوحات میں مشغول کر دیا ان کے بعد عمر آئے انہوں نے بھی عربوں کو فتح ممالک میں مشغول رکھا، عثمان بھی سنت شیخین پر چلے اور انکی خلافت کی ابتدائی زمانہ میں مسلمان فتوحات میں لگے رہے، لیکن علیؑ! وہ جیسے ہی تخت خلافت پر متمکن ہوئے ان کے مخالف وہی لوگ ہو گئے جو ابوبکر و عمر کے مددگار رہ چکے

تھے یکسوئی ابھی ہونے بھی نہ پائی تھی کی پراگندگی پھیل گئی اور مسلمان خود مسلمانوں سے لڑنے پر تیار ہو گئے، سرحدوں پر جو مسلمان مقیم تھے وہ سرحد ہی پر رک گے اور فتح کے ارادہ سے آگے نہ بڑھے بلکہ شام کی سرحدوں پر جو مسلمان مقیم تھے انھوں نے تو اپنے مسلمان بھائیوں (یعنی علیؑ کے ساتھیوں) سے لڑنے کے لئے سرحد بھی چھوڑ دی، یہاں تک کہ روم والوں کو لالچ پیدا ہوئی کہ مسلمان ان سے جو کچھ چھین چکے ہیں وہ سب پلٹا لیا جائے، انہوں نے شام پر حملہ کرنے کی تیاری بھی کرنی تھی مگر معاویہ نے انھیں زر و مال دیکر ان سے صلح خرید لی اور جب ان کی حکومت جم گئی تو پھر انکی طرف متوجہ ہوئے۔"[1]

(۴)

طلحہ و زبیر مکہ جانے کے لیے کمر بستہ ہو گئے مگر حضرت نے چونکہ پابندی لگا دی تھی اس لئے یہ دونوں عمرہ کا بہانہ کر کے اجازت کے طلبگار ہوئے، ان کے منصوبے حضرت سے مخفی نہ تھے، آپ نے فرمایا تم عمرہ کا ارادہ نہیں رکھتے ہو تم بے وفائی پر تلے ہوئے ہو اور بیعت توڑ کر جانا چاہتے ہو، ان لوگوں نے قسمیں کھائیں کہ ہم آپکی مخالفت یا نکث بیعت کا قصد نہیں رکھتے ہمارا ارادہ محض عمرہ بجالانے کا ہے، آپ نے فرمایا اچھا تو پھر دوبارہ بیعت کرو، انھوں نے پہلے سے بھی زیادہ عہد و پیمان کے ساتھ بیعت کی تکرار کی آپ نے انھیں اجازت دیدی کہ جہاں جانا چاہتے ہو جاؤ۔

انکے جانے کے بعد آپ نے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا، تم لوگ، بہت جلد انھیں فتنہ میں مبتلا ہو کر جنگ کرتے دیکھو گے، لوگوں نے کہا حضور پھر حکم دیجئے انھیں راستہ ہی میں روک لیا جائے آپ نے فرمایا نہیں، انھیں جانے دو خدا کا جو کچھ حکم ہو چکا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔"

حضرت کے اس جواب سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ان سازشوں سے بے خبر نہیں تھے لیکن پھر بھی آپ نے ان لوگوں کے ساتھ سختی مناسب نہیں سمجھی، ورنہ آپ کے دشمنوں کو ایک اور بہانہ ہاتھ آجاتا وہ پہلے ہی قتل عثمان کا الزام آپکے سر رکھتے تھے اگر آپ طلحہ و زبیر کو اس وقت گرفتار کر لیتے جب کہ وہ عمرہ کی اجازت لینے آئے تھے تو اس وقت بنی امیہ اور چیخ پکار مچاتے کہ کل علیؑ نے عثمان کو قتل کیا اور آج طلحہ و زبیر کو مقید کر لیا ہے خلافت میں من مانی کرنے کے لیے۔"

اس پروپاگنڈہ سے فضا کافی خراب ہو جاتی کیونکہ طلحہ و زبیر صحابہ پیغمبرؐ میں نمایاں حثیت رکھتے تھے اور ہر ایک کا حلقہ اثر بھی تھا۔ اس موقع پر حضرت کی دور اندیشی لائق ہزار آفریں ہے کہ آپ نے انکی آزادی سے کوئی تعرض نہ کیا بس اتنا کیا کہ مسجد نبویؐ کے اندر بھرے مجمع میں دوبارہ بیعت لے لی۔

طلحہ و زبیر مدینہ سے روانہ ہو مکہ آپہونچے راستہ میں جس جس سے ملاقات ہوئی ہر ایک سے یہی کہا کہ علیؑ کی بیعت ہمارے

۱۔ الفتنۃ الکبری جلد دوم مطبوعہ مصر

گردنوں میں نہیں، ہم نے تو جان کے خوف سے ان کی بیعت کر لی تھی۔ امیرالمومنینؑ کو بھی ان باتوں کی مدینہ آنے والوں سے خبر ملی آپ نے فرمایا:۔

"ابعدھما اللہ واغرب دارھما. اما واللہ لقد علمت انھما سیقتلان نفسیھا اخبث مقتل، ویاتیان من وردا علیہ باشام یوم، واللہ ما العمرۃ یریدان، ولقد اتیانی بوجھی فاجرین، ورجعا بوجھی غادرین ناکثین واللہ لا یباتیانی بعد الیوم الا فی کتیبہ خشنا یقتلان فیھا بنفسیھا. فبعدا لھما وسحقا"

خدا انھیں غارت کرے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ دونوں بری طرح اپنے کو ہلاک کریں گے، اور جس کے پاس جائیں گے، اسے مبتلا مصیبت کریں گے۔ خدا کی قسم ان کا ارادہ عمرہ بجالانے کا نہیں وہ میرے پاس فاجروں کا منھ لے کر آئے اور بدعہدوں کا منہ لے کر پلٹے۔ کل وہ بہت بڑے لشکر کے ساتھ مجھ پر چڑھائی کریں گے اور خود اپنے دست و بازو سے جنگ کریں گے۔ ہلاکت ہو ان کی اور بربادی نصیب ہو انہیں۔[۱]

(۵)

"مکہ میں جو کچھ ہو رہا تھا حضرت اس سے لاعلم نہ تھے، ہر جگہ آپ کے شیدائی موجود تھے جو فرط محبت سے خاموش بیٹھے نہیں رہ سکتے تھے۔ بہت سی خواتین ایسی تھیں جو اپنی جان قربان کر کے دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنا دینے پر تیار تھیں، اگرچہ مکہ اسوقت دشمنوں کا مرکز بنا ہوا تھا پھر بھی وہاں والوں کی نقل و حرکت آپ کو پوری تفصیل سے معلوم تھی، حضرت شام کیطرف جانے کی تیاریوں میں مشغول ابھی مدینہ ہی میں مقیم تھے کہ مکہ سے خطوط نے آکر انکی جنگی تیاریوں کو بے نقاب کر دیا۔ اس خبر پر حضرت کا رنجیدہ وملال ہونا ناگزیر تھا، پیغمبرؐ کی صورت ابھی لوگوں کی نگاہوں سے غائب بھی نہ ہوئی تھی کہ اتنی جلدی مسلمانوں کی طبیعت میں اتنا عظیم الشان تغیر واقع ہوگیا۔ آج پھر دنیا دین سے انتقام لینے پر تلی ہوئی تھی اور مادیت روحانیت کی لاش پر کھڑی خندہ زن تھی، اگر یہ نزاع نظریاتی نزاع ہوتی، خیالات و افکار کا تصادم ہوتا تو آپ بڑی خندہ پیشانی سے میدان میں تشریف لاتے لیکن یہ تو تقریبا ڈکیتی کی صورت تھی، ڈاکوں کا حملہ تھا جس میں اسلام کے بنیادی اصول تہس نہس کر دیئے گئے۔

یہ آفت آپ کے لیے کوئی نئی آفت نہ تھی بلکہ دیرینہ عداوت تھی جس کی جڑیں کافی گہری ہو چکی تھیں، آپ ہمیشہ ہی سے بغض و عناد کا شکار اور اپنی قوم والوں کے حسد کی قربانی رہے۔ پیغمبرؐ خدا کے ساتھ کل جو کیا گیا تھا آج علیؑ کے ساتھ وہی دہرایا جا رہا تھا۔

حضرت کو جب مکہ میں قریش کے شکست بیعت اور جنگی تیاریوں کی خبر ملی تو آپ نے اپنے بھائی عقیل سے کہا:۔

"۔۔۔دع عنک قریشا وترکا مھم فی الضلال وتجوالھم فی الشقاق وجماحھم فی التیہ، فانھم قد

۱۔ قصیدہ علویہ عبدالمسیح انطا کی مطبوعہ مصر

اجمعوا علیٰ حربی کاجماعهم علیٰ حرب رسول الله قبلی.... جزت قریشاً عنی الجوازی! لقد جهلوا حقی، وجحدوا فضلی وقطعوا رحمی وسلبونی سلطان ابن عمی، وجدوا فی اطفا نور الله..."

تم قریش کو گمراہی میں دوڑنے دو، افتراق انگیزی کی سرگرمیوں کا خیال نہ کرو نہ غرور میں ان کی منہ زوری کی پرواہ کرو، انہوں نے میری جنگ پر اسی طرح ایکا کرلیا ہے جس طرح رسول اللہ کی جنگ پر ایک ہو گئے تھے خدا قریش سے میرا بدلہ لے، انہوں نے میرا رشتہ کاٹا اور میری ماں[1] کے بیٹے کی حکومت مجھ سے چھینی اور نور خدا کو بجھانے کی کوشش کی۔ (ترجمہ نہج البلاغہ جلد دوم مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی)

یہ سب باتیں حضرت شروع ہی سے جانتے تھے کبھی بھی اس سے غافل نہیں رہے کہ ایک نہ ایک دن یہ لوگ مجھ سے آمادہ پیکار ہوں گے اور ہر اسلحہ سے لیس ہو کر میرا خون بہانے کی کوشش کریں گے، لہذا مکہ میں متضاد جماعتوں کے متحدہ محاذ قائم کرنے سے آپ کو ذرا بھی تعجب نہیں ہوا، بنی امیہ جو حضرت عثمان کے خاندان والے تھے طلحہ و زبیر وغیرہ جنھوں نے حضرت عثمان کے قتل کے اسباب فراہم کیے، دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مغائر تھیں مگر مشترکہ مقصد کے تحت متحد ہو چکی تھیں اور وہ مشترکہ مقصد یہی تھا کہ علیؑ کا قلع قمع ہو جائے، اسی مقصد کے تحت آپ پر ناحق خون عثمان کی تہمت لگائی گئی اور سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دے کر آپ کے خلاف صف بستہ کیا گیا، اور اس مقولہ کے بنا پر کہ محبت وعداوت میں ہر چیز جائز ہے انہوں نے جائز و ناجائز کی تمیز اٹھا دی اور جو مال ان کے لئے حرام تھا حلال و مباح سمجھ کر قابض ہوئے اور اسی سے اس جنگ کے ساز و سامان فراہم ہوئے، عبداللہ بن عامر گورنر بصرہ اور یعلی بن امیہ گورنر یمن اپنی معزولی کی خبر سن کر مکہ چلے آئے تھے اور سال بھر میں جتنا مال خراج انہوں اکٹھا کیا تھا وہ سب بھی ساتھ لیے ہوئے آئے اور لا کر حضرت عائشہ کے حوالہ کر دیا حالانکہ اس مال پر نہ ابن عامر کا کوئی حق تھا نہ ابن امیہ کا۔

اب تک دستور یہ تھا کہ موسم حج میں ہر صوبہ کا گورنر مکہ آ کر خلیفہ وقت سے ملتا تھا اور سال بھر میں وہ جتنا مال خراج وزکوۃ وغیرہ جمع کیے ہوتا خلیفہ کی خدمت میں پیش کر دیتا۔ خلیفہ وقت اسے بیت المال میں داخل کر کے مسلمانوں پر خرچ کرتے رہتے، یہ حکام و عمال امین وخزانچی ہوا کرتے تھے انھیں دینے دلانے کا کوئی حق نہیں ہوتا تھا۔ لیکن ان دونوں کو معزولی کا غم و غصہ تھا ہی حضرت عائشہ کی جنگی تیاریوں سے موقع بھی مل گیا یہ دونوں آ کر ان سے مل گئے اور اس خدمت کے صلہ میں ان کا تقرر بھی کر دیا گیا کہ وہ مسلمانوں کے اموال و دولت کو اکٹھا کرتے پھریں۔

---

[1] امیر المومنینؑ کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے رسول کی پرورش کی تھی اور آپ نے فرمایا تھا میری ماں کے بعد فاطمہؑ میری ماں ہیں اسی لیے امیر المومنینؑ نے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں (ترجمہ نہج البلاغہ جلد دوم مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی مطبوعہ لاہور)

یہ حضرت عائشہ جو مدعی تھیں کہ ہمارا مطالبہ خون عثمان محض اسلیے ہے کہ مسلمانوں میں جو پھوٹ پڑ گئی ہے وہ دور ہو جائے حالانکہ انھیں کیوجہ سے مسلمانوں میں خلیج پیدا ہوئی، مطالبہ خون عثمان کی آواز بلند کر کے لوگوں کو انتقام پر ابھارا اور جب ان کے گرد مجمع اکٹھا ہو گیا تو ان کی ہمت افزائی اور رہبری کرتی ہوئی جنگ کے لیے نکلیں، ان شہروں پر تاخت کرنے کے لیے جو علیؑ کی محبت کا دم بھرتے تھے اور ان کے حلقہ اطاعت میں داخل تھے، جناب ام سلمہ کا کتنا صحیح خیال تھا اور کتنی سچی بات انہوں نے عائشہ کو کہلا بھیجی تھی۔

"یہ اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر میدانوں اور پہاڑوں کی خاک چھانتے اگر رسول تمھیں دیکھ لیں اور تم سے پوچھیں تو کیا کہوگی ان سے؟ یہ خدا کے ڈالے ہوئے پردے کو جو تم چاک کر رہی ہو اگر تم سے باز پرس ہوئی تو کیا جواب اس کا تم دوگی؟ تم جو ارادے لیکر اٹھی ہو اگر میں ان کی مرتکب ہوئی ہوتی اور مجھ سے جنت میں جانے کو کہا جاتا تو مجھے جنت جاتے اور خدا کا سامنا کرتے شرم آتی" (الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم)

لیکن حضرت عائشہ کب ماننے والی تھیں وہ تو یہ سمجھتی تھیں کہ قضا و قدر نے ہمیں ایک بڑے مقصد کیلئے مقرر کیا ہے اور زندگی نے موقع بھی فراہم کر دیا ہے۔ جناب ام سلمہ نے انھیں جو نصیحت کی وہ ان کی پاکیزہ طبیعت کو دیکھتے ہوئے مناسب بھی تھی لیکن عائشہ کے لئے ناممکن تھا کہ اس نصیحت کو قبول کرتیں، عائشہ نے پہلے کب کوئی بات ان کی مانی تھی جو یہ جو بات مانتیں اتنے زمانہ تک علیؑ کی نفرت و عداوت دل میں رکھنے کے بعد وہ آج علیؑ سے خوش اور ان کی حکومت پر راضی کیونکر ہو سکتی تھیں۔ ام سلمہ سے بھی ان کا میل نہیں رہا۔ دونوں کے شوہر اگر چہ ایک تھے مگر افکار و خیالات دونوں کے جداگانہ، ان دونوں میں بس اتنا ہی تعلق خاطر تھا جتنا دو سوکنوں میں ممکن ہے، پیغمبرؐ کی اولاد ان کے بطن سے ہوئی نہ ان کے بطن سے، لیکن ام سلمہ کے پہلے شوہر سے اولاد ہو چکی تھی، ماں کی مامتا کا مزہ چکھ چکی تھیں۔ جب وہ پیغمبرؐ کی زوجیت میں آئیں تو رحمۃ للعالمین پیغمبرؐ نے ان کے یتیم بچوں پر باپ سے زیادہ شفقت کی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ان کی مامتا جاگتی ہی رہی بن ماں کی بیٹی اور ماں کی شفقتوں سے محروم فاطمہ زہراء پر وہ اپنی مامتا کے خزانے لٹاتیں۔ چاہت اور پیار سے خدیجہ کا غم غلط کرتی رہیں۔ برخلاف اس کے عائشہ ایک کم سن لڑکی تھیں ان کے ننھے دل میں شوہر کے علاوہ کسی کی محبت آہی نہیں سکتی تھی اور نہ وہ پیغمبرؐ کی محبت میں کسی کو شریک دیکھنے کی روادار تھیں چاہے آنحضرتؐ کی پارہ جگر فاطمہؑ زہراء ہی کیوں نہ ہو۔

ام سلمہ کا عائشہ کے ارادوں میں حارج ہونا ضروری ہی تھا وہ بہر حال فاطمہؑ کے ماں کی جگہ پر تھیں۔ ہر ماں بیٹی کے اطمینان و مسرت کی حریص ہوتی ہے اور بیٹی اگر دنیا سے اٹھ چکی ہو تو اسکی روح کی خوشی کیلئے کوشاں ہوتی ہے۔ فاطمہ زہراء اس دنیا سے اٹھ

چکی تھیں ان کی یاد کو محفوظ رکھنا اور ان کے شوہر سے ویسی ہی محبت کر کے ان کی محبت تازہ رکھنا ان کا فریضہ تھا بلکہ ان کے امکان میں ہوتا تو تلوار کھینچ کر ان کے دشمنوں کو دفع کرنے کی کوششیں کرتیں مگر وہ عورت ذات تھیں انھیں معلوم تھا کہ ہم کس لیے پیدا ہوئے ہیں، لہذا عائشہ کی طرح میدان حرب وضرب میں جانے پر تیار نہ ہوئیں اور نصیحت کرنا ہی بہتر سمجھا کہ شاید اس طرح خداوند عالم انھیں نیکی کی توفیق دے مگر ع: اے بسا ارزو کہ خاک شدہ

جناب ام سلمہ نے ایک ہی مرتبہ عائشہ کو نصیحت نہیں کی بلکہ متعدد بار نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی عواقب ونتائج سے ڈرایا

۱۔ حضرت عائشہ نے جناب ام سلمہ سے جب ساتھ چلنے کی فرمائش کی تو ام سلمہ نے کہا: ابوبکر کی بیٹی تم خون عثمان کا قصاص لینا چاہتی ہو حالانکہ خدا کی قسم تم ہی سب سے پہلی وہ عورت ہو جو عثمان کو نعثل کے سوا دوسرے لفظ سے یاد نہ کرتی تھی اور بار بار کہا کرتی تھیں لعن اللہ نعثلا قتل اللہ نعثلا نعثل پر خدا کی لعنت خدا اسے قتل کرے)

ابھی کل کی بات ہے کہ تم اس پر دشنام زنی کرتیں اور کافر کہتی تھیں۔ اور آج امیر المومنینؑ خلیفہ مظلوم کہتی ہو اور ان کے معاملہ میں اپنے کو صاحب مصیبت وتعزیت ظاہر کر کے اس گروہ کا ساتھ دے رہی جو حضرت علی بن ابی طالبؑ پر خروج کر رہا ہے۔ وہ بنی امیہ کا آدمی تھا۔ اور تم بنی تیم کی ایک بڑھیا ہو۔ تم کو اس گروہ سے کیا سروکار اور پھر اس گروہ کا ساتھ دینا چاہتی ہو جو بے عقلی کے باعث علیؑ سے جنگ کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ علی ابن ابی طالبؑ برادر رسولؐ و داماد رسولؐ، پسر عم رسولؐ، زوجہ بتول اور مستحق خلافت وریاست ہونے میں تمام اہل خانہ میں جو ممتاز حیثیت رکھتے ہیں وہ ظاہر ہے۔ اس کے بعد آنجناب کے بہت سے فضائل عائشہ کے سامنے بیان کیے جس پر عائشہ خاموش ہوگئیں، عبداللہ بن زبیر پردہ کی دوسری طرف کھڑے یہ گفتگو سن رہے تھے، کہنے لگے اے بنت ابی امیہ ہم پہلے سمجھ چکے تھے کہ تم زبیر سے عداوت رکھتی ہو۔ کاش عائشہ نے تم سے یہ خواہش نہ ظاہر کی ہوتی۔ ام سلمہ نے جوابدیا کیوں کیا تمھارا یہ خیال ہے کہ مہاجرین وانصار علیؑ کے ہوتے ہوئے تمھارے باپ زبیر یا انکے دوست طلحہ پر راضی ہوجائیں گے۔ حالانکہ سرور کائنات ان کی شان میں فرما چکے ہیں۔

علی ولی کل مومن ومومنه من کنت مولاه فعلی مولاه علی ہر مومن اور مومنہ کے ولی ہیں۔ جس کا میں مولا اس کا علیؑ بھی مولا ہیں۔

عبداللہ بن زبیر نے کہا میں نے آنحضرتؐ سے یہ حدیث نہیں سنی۔ ام سلمہ نے جواب دیا کہ اگر تم نے نہیں سنی تو تمہاری خالہ عائشہ موجود ہیں، انہوں نے تو سنی ہے ان سے پوچھ لو سنی ہے کہ نہیں کہ آنحضرت فرمایا کرتے تھے۔

علی خلیفتی علیکم فی حیاتی ومماتی فمن عصاه فقد عصانی۔

علی تم پر میرے خلیفہ ہیں، میری زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی پس جو شخص ان کی مخالفت کرے گا وہ میرا مخالف ہے۔

کیوں عائشہ تم نے سنا ہے کہ نہیں۔ عائشہ نے جواب دیا کہ ہاں میں نے سنا ہے۔ اس کے بعد ام سلمہ نے بطور نصیحت کہا اے عائشہ خدا سے ڈرو۔ اور اس امر سے بچو جس سے سرور عالم نے تم کو ڈرایا تھا۔ اور صاحبہ کلاب حواب نہ بنو۔ میں تم کو خدا کی قسم دیتی ہوں سچ کہنا کیا رسول اللہؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا۔ کہ بہت عرصہ نہیں گزرے گا۔ کہ میری ایک بی بی پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔ اور جس عورت پر یہ واقعہ گزرے گا وہ باغیوں فسادیوں اور فتنہ انگیزوں سے ہوگی۔ اس وقت میرے ہاتھ میں پانی سے بھرا ہو سبو تھا۔ یہ سن کر میرے ہاتھ کانپنے لگے اور سبو میرے ہاتھ سے گر گیا۔ آنحضرتؐ نے میری طرف غور سے دیکھا۔ تو میں نے عرض کی یا رسول اللہؐ خدانخواستہ کہیں وہ عورت میں نہ ہوں، تب حضرتؐ نے اے عائشہ تمہاری طرف مڑ کر دیکھا۔ اور فرمایا کہ میرا گمان ہے کہ اے حمیرا وہ عورت تم ہوگی عائشہ نے سن کر جواب دیا کہ یہ حدیث بھی میں نے آنحضرتؐ سے سنی ہے۔ ام سلمہ نے کہا اے عائشہ تم طلحہ وزبیر کے دھوکہ میں نہ آؤ۔ ورنہ سارا وبال تمہارے سر پر ہوگا یہ لوگ اپنے ذاتی نفع کے لیے ایسا کر رہے ہیں۔ مگر ان کا نفع تم کو عذاب سے نہ بچا سکے گا اس پر عائشہ خاموش ہوگئیں۔

روضۃ الاحباب جلد ۳ ص ۱۹ تا ۲۳ لکھنو، روضۃ الصفا جلد ۲ ص ۳۰۵، اعثم کوفی ص ۱۲۲ بمبئی، وفات عائشہ مولانا مرزا یوسف حسین صاحب

ان حقائق کو بے نقاب کر کے نظروں کے سامنے لائیں جن پر ہوا و ہوس نے پردے ڈال رکھے تھے۔ پیغمبر خدا کی زندگی کے صفحات ان کے سامنے رکھے کہ آنحضرتؐ علیؑ کا کتنا اعزاز و احترام کرتے کتنی بے پایاں محبت فرماتے، پیغمبرؐ کی وہ حدیثیں یاد دلائیں جن سے پیغمبرؐ نے علیؑ کی عظمت و جلالت ظاہر کی تھی اور یہ بتایا تھا کہ آیندہ ان کے سرکش دشمن کس کس طرح درپے آزار ہوں گے۔

ام سلمہ کی بیان کی ہوئی ایک بات بھی اس جنگ کو روکنے کے لئے کافی تھی، لیکن قضا و قدر میں پہلے ہی سے طے ہو چکا تھا نصیحت کا کوئی فائدہ نہ ہوا دل لوگوں کے دیرینہ عداوت سے بھرے ہوئے تھے اور جب ظرف بھرا ہوا ہو تو چھلکنا لازم۔

عائشہ نے ام سلمہ کی نصیحتوں کو اس کان سے سنا دوسرے کان سے اڑا دیا، انہیں بس اتنا ہی یاد رہا کہ یہ باتیں میری سوکن کی زبان سے نکلی ہیں وہ علیؑ پر چڑھائی کرنے کی تیاریوں میں مشغول رہیں ان انکی توجہ ان لوگوں پر مرکوز تھی جن سے انھیں اپنی دعوت پر فوراً لبیک کہنے کی امیدیں تھیں اور اس میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی، عائشہ کے گرد وہ تمام لوگ سمٹ آئے جو عائشہ ہی کے ایسے خیالات اور انھیں کے جذبات کے حامل تھے۔

کسی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں مشہور اور نام برآوردہ شخصیتوں کو سمیٹ لیا جائے اور یہ چیز آج طلحہ و زبیر کے شامل ہو جانے سے آسانی سے ہاتھ آگئی تھی، اور طلحہ و زبیر کے کوفہ و بصرہ میں بہت سے ماننے والے موجود تھے ان دونوں کی شرکت کیوجہ سے لا محالہ وہ لوگ بھی ضرور ساتھ دیتے اور اسطرح کامیابی کی امید پہلے ہی سے قوی تھی مگر عائشہ نے چاہا کہ ہمارا اقدام دنیاوی مقصد کے تحت لوگ نہ سمجھیں اور نہ کسی کو یہ خیال ہو کہ ہمارا جھگڑا خلافت کے متعلق ہے، ہم لوگ اقتدار کے خواہاں ہیں، وہ یہ بھی سمجھتی تھیں کہ طلحہ و زبیر سر سے پیر تک سیاسی اغراض میں ڈوبے ہوئے ہیں، انکی معیت ہماری تحریک کو زیادہ فائدہ بخش نہ ہوگی، لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ سب حکومت کی لالچ میں کیا جا رہا ہے اس لیے ان کی کوشش رہی کہ اس تحریک میں ایسی مقدس ہستیوں کو بھی شامل کر لیا جائے جن کے متعلق اس قسم کے شبہات کی گنجائش ہی نہ ہو ان کے لیے یہ چیز دشوار نہ تھی۔ مکہ اس وقت معزز و محترم مومنین و مومنات سے چھلک رہا تھا موسم حج نے بے شمار ذی وجاہت مقدس ہستیوں کو اکٹھا کر دیا تھا جنکے فضل و کمال زہد و تقدس کا عالم میں شہرہ تھا اور عوام ان سے غیر معمولی عقیدت رکھتے تھے۔ ازواج رسولؐ سے بڑھ کر عوام پر کس کا اثر ہو سکتا تھا اگرچہ جناب ام سلمہ نے عائشہ کی حمایت سے انکار کر دیا تھا مگر ام سلمہ کے علاوہ اور بھی تو بہت سی ازواج پیغمبرؐ موجود تھیں ان میں سے ایک جناب حفصہ کو اپنے ساتھ ملا لینا کافی تھا۔

رابطہ قلبی نے پھر ایک مرتبہ ان جلیل القدر خواتین کو ایک نقطہ پر متحد کیا ایک حضرت ابو بکر کی پارہ جگر تھیں دوسری حضرت عمر کی دختر نیک اختر گویا قریش کی وہ جماعت پھر زندہ ہو گئی تھی جس نے آج سے ۲۵ برس پہلے خلافت کے لیے نزاع کی تھی اور ابو بکر

وعمر گویا اس دنیا میں پھر بھیج دیے گئے کہ خلافت کے لئے وہی ہنگامہ آرائی کریں جو انہوں نے رسولؐ کے مرنے پر کی تھی اور علیؑ اور خلافت کے درمیان دیوار بنکر حائل ہوجائیں۔

حفصہ کا عائشہ کی حمایت پر کمربستہ ہونا اور فتنہ کی آگ بھڑکانے میں انکی معیت تعجب خیز نہیں تعجب کی بات جب ہوتی جب وہ عائشہ کی حمایت میں کسی قسم کا تردد کرتیں پیغمبرؐ کی زندگی میں وہ عائشہ سے ہمیشہ ہی وابستہ رہیں انھیں کی رائے پر عمل کرتیں، انہیں کے طریقہ پر چلتیں اور اگر عائشہ اور دیگر ازواج میں کبھی نزاع قائم ہوتی تو انھیں کا ساتھ دیتیں، حضرت عمر کی صاحبزادی بہت کچھ اپنے باپ کی خو بو رکھتی تھیں، انکے باپ نے کل خلافت کے معاملہ میں جو علیؑ سے برتاؤ کیا تھا۔ وہ انکی آنکھوں کے سامنے کا واقعہ تھا، اسکے علاوہ انھیں بھی علیؑ سے وہی کدورت تھی جو عائشہ کو تھی، رہ گئیں دیگر ازواج پیغمبرؐ جو اسوقت مکہ میں موجود تھیں ان کا معاملہ عائشہ کے لیے بہت آسان تھا، رسولؐ کی چہیتی ہونے کی وجہ سے سبھی ان سے مرغوب ان کی راضی سے خائف اور انکی اطاعت کی عادی تھیں آج عائشہ کی تحریک پر ہمرکاب ہوگئیں۔

غالبا حضرت عائشہ نے سمجھا ہوگا کہ ازواج رسول کو ساتھ لے کر ہم نے کافی قوت حاصل کرلی اب کسی کو شبہ نہ ہوگا کہ یہ سب کچھ سیاسی اغراض کے تحت ہو رہا ہے، بلکہ ہر شخص یہی سمجھے گا کہ ہماری جدوجہد بہت پاکیزہ اور بلند مقصد کے لیے ہے لیکن فی الحقیقت اتنی کامیابی پر بھی وہ مطمئن نہ تھیں نہ ان کی حوالی موالی مطمئن تھے، اب بھی امکان تھا کی بھرم کھل جائے اور لوگ اصل حقیقت کا ادراک کرلیں، ازواج رسول کو اپنی تحریک میں شامل کرلینے سے کوئی ضروری نہ تھا عوام کی نگاہوں میں بھی یہ تحریک خالص دینی اور حرص وہوس سے پاک تحریک نظر آتی۔ ازواج کو چھوڑ کر جتنی شخصیتیں اس تحریک میں ساتھ تھیں وہ لوگوں کے لئے اجنبی نہ تھیں اقتدار کی کش مکش اور حکومت کی لالچ سب کی مشہور تھی۔ ازواج کی شرکت اس پر پردہ نہیں ڈال سکتی تھی۔ طلحہ نے اس خامی کا احساس کرتے ہوئے ایک دن زبیر سے کہا:۔

"لوگوں کو ملانے کی اس سے بہتر تدبیر نہیں ہوسکتی کہ ہم لوگ عبداللہ بن عمر کو ساتھ لے لیں"

زبیر نے تائید کی اور دونوں حضرات عبداللہ بن عمر کے پاس پہونچے اور تملق آمیز پیرائے میں بولے:۔

اے ابو عبدالرحمان ہماری مادر گرامی اس معاملہ کو ہاتھ میں لے اٹھی ہیں اس امید میں کہ لوگوں کے حالات سنور جائیں اور ہنگامہ فرد ہو تم بھی ہمارے ساتھ چلو اگر لوگوں نے ہماری بیعت کی تو اس خلافت کے تم ہی زیادہ حقدار ہو۔"

عبداللہ بن عمر نے جواب دیا:۔

کیا آپ حضرات مجھے گھر سے نکال کر علیؑ کے چنگل میں ڈالدینا چاہتے ہیں لوگ درہم ودینار کی خاطر مبتلائے فریب ہوئے اور

میں اسے پہلے ہی چھوڑ چکا ہوں، آپ لوگ مجھے تو معاف ہی کیجئے۔[۱]

دونوں ان کے پاس سے اٹھ کر چلے آئے اور دل کی تمنا دل ہی گھٹ کر رہ گئی۔ مگر بہر حال فوج کی روانگی ضروری تھی بہت سے مراحل طے ہو چکے تھے اب تو منزل پر پہونچ کر ہی دم لینا تھا۔ منزل کہاں ہوگی؟ یہ حضرت عائشہ کے اختیار کی بات تھی۔ ان کا فریضہ یہ تو یہی تھا کہ وہ مناسب سمجھیں اس کی پابندی کریں، کیونکہ حضرت عائشہ کی قیادت ہی کامیابی کی ضامن تھی۔

حضرت عائشہ کی رائے شروع میں تھی کہ سب سے پہلے مدینہ پر حملہ کیا جائے، مدینہ اسلامی سلطنت ہے، اس پر قبضہ ہو گیا تو باقی صوبے رفتہ رفتہ خود ہی قبضہ میں آجائیں گے۔ طلحہ و زبیر بھی اس رائے کے مخالف نہ تھے کم سے کم ان کی باتوں سے لوگوں نے یہی سمجھا لیکن آج ان کے دلوں میں خوف مسلط تھا، انھیں اندیشہ تھا کہ کہیں یہ حملہ ناکام ثابت ہو، نہ ان کے ہمراہیوں میں بلوائیوں سے نپٹنے کی طاقت تھی جو مرنے پر تیار بیٹھے تھے نہ علی ابن ابیطالبؑ دارالسلطنت میں ان لوگوں کو آسانی سے گھسنے دیتے ملک کے امن وامان کی ذمہ داری انہیں کے سر تھی، وہ غیر متعلق افراد کو من مانی کارروائیوں کی اجازت دیکر حکومت کا وقار نہیں ضائع کر سکتے تھے بفرض محال علیؑ اگر خاموش تماشائی کی حیثیت سے بیٹھے رہتے اور انہیں من مانی کرنے دیتے اور یہ لوگ بلوائیوں پر کامیاب بھی ہو جاتے تو نتیجہ کیا ہوتا؟ کیا علیؑ کی موجودگی میں خلافت ان کے ہاتھ آجاتی؟ کبھی نہیں بر عکس اس کے علیؑ ہی کی حکومت اور مضبوط ہو جاتی۔

ان دونوں حضرات نے سوچا کہ تمام ساتھیوں کو جمع کر کے رائے مشورہ کیا جائے اگر متفقہ طور پر کوئی رائے قرار پا گئی تو حضرت عائشہ کو بھی اس کے لیے آمادہ کر لینا دشوار نہ ہوگا۔

(۵)

حضرت عائشہ کی اقامت گاہ پر مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ کل جو ایک دوسرے کے دشمن تھے آج مشترکہ مقصد کے تحت ایک دوسرے کے دوست اور حمایتی بنکر آئے ان میں وہ بھی تھے۔ جو ظاہری حالات سے فریب کھا کر آئے تھے اصل حقیقت تک پہونچنے کی کوشش ہی نہ کی وہ بھی جنھیں ہوا و ہوس اسیر کر لائی تھی اور کچھ ایسے بھی تھے جو اصل حقیقت سے آگاہ ہونے کے باوجود ضمیر کا گلا گھونٹ کر شریک ہوئے۔ مختلف اور متضاد عناصر تھے لیکن ایک مقصد ایک فکر نے سبھوں کو ایک صف میں لاکھڑا کیا تھا اور وہ آج سر جوڑ کر بیٹھے کہ کامیابی حاصل کرنے کا آسان ذریعہ کیا ہوگا۔

گفتگو شروع ہونے تک مکہ کا کوئی باشندہ بھی اس سے ناواقف نہ تھا کہ یہ سب تیاریاں مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے

۱۔ الامام علی بن ابی طالب جلد دوم مطبوعہ مصر۔ احسن الانتخاب محمد علی حیدر کاکوروی۔ روضۃ الاحباب جلد ۳ ص ۷، وغیرہ

ہو رہی ہیں۔ حضرت عائشہ نے بھی قتل عثمان کی خبر سن کر اپنی تقریر میں یہی ارادہ ظاہر کیا تھا اور اسی کی ترغیب لوگوں کو دی تھی، آج جب وہ پس پردہ اس مجلس شوریٰ کی صدارت فرما رہی تھیں ان کو وہم وگمان بھی نہ ہوا کہ ہماری سوچی ہوئی اسکیم قابل ترمیم سمجھی جائے گی۔

شروع میں یہ بات واضح ہوگئی کہ مدینہ پر حملہ آسان نہیں مزاج کی گرمی اور شجاعت کا جوش اب کافور ہو چکا تھا رفتہ رفتہ عقل واپس آنے لگی تھی۔ جنگ دوسر دارو، ہمیشہ سے مشہور ہے کامیابی وناکامی دونوں کا امکان تھا ایک طرف زندگی تھی دوسری طرف موت، لہٰذا ضروری تھا کہ اچھی طرح غور وفکر کر لی جائے اور قدم اٹھانے سے پہلے احتیاطی پیش بندیاں کر لی جائیں۔

آج انہیں پہلی مرتبہ علیؑ کی بالغ نظری اور دور اندیشی کا بادل ناخواستہ اقرار کرنا پڑا۔ اب انکی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ مدینہ پر حملہ آوروں اور بلوائیوں سے خون عثمان کا انتقام لیں جو مدینہ پر چھائے بیٹھے تھے کل جب علیؑ نے یہی طلحہ وزبیر سے کہا تھا کہ مدینہ پر بلوائیوں کا قبضہ ہے ہر طرف وہ چھائے ہوئے ہیں حالات سازگار ہونے تک ذرا رک جاؤ تو یہ دونوں حضرات یہ الزام لگا کر کہ علیؑ قاتلوں سے انتقام لینے میں عمداً سستی کر رہے ہیں مکہ چلے آئے تھے، وہی طالبین انتقام (جن میں طلحہ وزبیر بھی داخل تھے) اتنے ساز وسامان اور حضرت عائشہ ام المومنین کی پشت پناہی کے باوجود مدینہ پر حملہ کرنے کے خیال سے ہراساں اور علیؑ کے نظریہ کی تصدیق کر رہے تھے چنانچہ سارے مجمع کی متفقہ آواز تھی:۔

”مدینہ۔۔۔ اس کے باشندوں سے بھلا ہمارا کیا مقابلہ؟ ہمارے ساتھ جتنے لوگ ہیں وہ بلوائیوں سے ٹکر لے ہی نہیں سکتے۔“

باطل کی زبان پر کتنی بڑی سچ بات تھی کون ان سے پوچھتا کہ اب وہ پرانے دعوے کیا ہوئے؟ تم اسی کے تو مدعیٰ تھے کہ ہم علیؑ کی مخالفت پر اسی لیے کھڑے ہوئے کہ وہ قاتلین عثمان کو سزا دینے میں سستی کر رہے ہیں آج تو تم نے لشکر بھی تیار کر لیا اور اسلحے بھی فراہم کر لیے ہیں علیؑ نے جس کام میں تساہلی برتی تھی بڑی مستعدی سے تم اس کام کو انجام دے سکتے ہو۔ کیوں نہیں مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت ہو رہی ہے جو اسی طرح بلوائیوں کا آماجگاہ بنا ہوا ہے؟

آج یہ بات ان لوگوں نے اپنی زبان سے نکال کر کھلے لفظوں میں اقرار کر لیا کہ علیؑ بالکل بے قصور ہیں وہ دھبہ ان کے دامن سے دھو دیا جو خود انہوں نے لگایا تھا، سادہ لوح مسلمانوں کو عرصہ سے جس فریب میں مبتلا کیے ہوئے تھے اپنی ہی زبان سے اس کی قلعی کھول دی۔ اب کسی کی خواہش نہ تھی کہ عثمان کا انتقام لیا جائے نہ کسی کو اسکی فکر کہ بلوائیوں کے پنجہ سے مسلمانوں کی گلوخلاصی کرائی جائے۔

بحث ومباحثہ ہوتا رہا۔ حضرت عائشہ ایک ایک لفظ سنتی رہیں رائے پیش ہوئی کہ ہم لوگوں کو شام چلنا چاہیے وہ بہت محفوظ جگہ

ہے وہاں سے ہم لوگ اسلامی سلطنت کے دیگر صوبوں پر تاخت کر سکیں گے اور اس طرح علیؑ کی حکومت کی انیٹ سے انیٹ بج جائے گی، زبیر نے اس رائے کی بڑے جوش سے تائید کی کہنے لگے:۔

ہاں یہی ٹھیک ہے ہمیں شام ہی چلنا چاہیے وہاں اپنے ہی خواہ لوگ بھی ہیں اور مال و دولت بھی، پھر وہاں حضرت عثمان کے ابن عم معاویہ موجود ہیں اگر ہمیں کامیابی نصیب ہوئی تو معاویہ ہم ہی لوگوں کو خلیفہ بنائیں گے۔

یہ کہہ کر انہوں نے طلحہ کی طرف دیکھا کہ وہ بھی اس تجویز کی تائید کریں گے۔ مگر یعلیٰ ابن منبہ ان سب سے زیادہ ہشیار تھا اس نے کہا یہ رائے ٹھیک نہیں، معاویہ تم سے پہلے شام میں موجود ہیں، وہاں کے عوام ان کے فرماں بردار بھی ہیں اور متحد بھی اس کے علاوہ عثمان کے ابن عم بھی ہیں۔ اگر انہوں نے آپ کو شام سے نکال باہر کیا یا یہ کہا کہ خلافت کا معاملہ شوریٰ سے طے ہو تو کیا آپ لوگ ان سے لڑائی مول لیں گے شوریٰ پر تیار ہو کر خلافت سے ہاتھ دھونا گوارا کر لیں گے؟

ولید بن عقبہ نے کہا کہ یہ رائے ٹھیک نہیں ہے اس واسطے کہ عثمان نے اپنی محصوری کے زمانہ میں معاویہ سے مدد کی درخواست کی تھی مگر اس نے باوجود قوت وشوکت کے مدد نہ کی جس سے ظاہر ہے کہ وہ شام کا مستقل حاکم ہونا چاہتا ہے وہ وہ شام کا علاقہ تمہارے سپرد نہ کرے گا اور تمہارا ماتحت ہونا منظور نہ کرے گا۔[1]

ادھر معاویہ کو جب ان لوگوں کے شام کی طرف آنے کا حال معلوم ہوا تو اس نے کسی دوسرے کے نام سے کچھ اشعار مکہ میں بھیجے جن کا مضمون یہ تھا کہ معاویہ ایک برا آدمی ہے وہ تم لوگوں کا شریک نہ ہوگا اگر اسے شرکت منظور ہوتی تو خود عثمان کی مدد کو وہ مدینہ کیوں نہ جاتا تم یہاں آؤ گے تو ناحق آپس میں فساد ہوگا۔ زبیر نے ان اشعار کو دیکھ کر کہا یہ اشعار ضرور معاویہ نے لکھے ہیں۔[2]

طلحہ وزبیر اس خطرے سے نہ پہلے غافل تھے نہ آج، مگر یہ سیاست کی کرشمہ نمائی تھی کہ دشمن دشمن کی طرف جھک رہا تھا، ابن منبہ اور ولید بن عقبہ نے ان کی خیر خواہی ہی کی جو سچی بات کہہ دی، دمشق میں اس وقت بنی امیہ کا غول تاک لگائے بیٹھا تھا کہ علیؑ سے خلافت یہ لوگ چھینیں اور ہم ان سے ہتھیالیں۔

دوبارہ بحث شروع ہوئی۔ حضرت عائشہ بہت توجہ سے سن رہی تھیں، دل کو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں یہ بحث و تکرار اختلاف و نزاع کی صورت نہ اختیار کر لے۔ مروان بن حکم بھی اس خفیہ اجلاس میں موجود تھا اب تک اسکے بولنے کی نوبت نہ آئی تھی، اس نے کہا:۔

''آپ لوگ کیوں نہیں خود خلافت کا دعویٰ کر کے اپنی بیعت لے لیتے اس طرح علیؑ کی بیعت کا جواب ہو جائے گا آپ دونوں

۱۔ احسن الانتخاب و تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم

۲۔ تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی، تاریخ اسلام احسان اللہ وکیل مطبوعہ گورکھپور

حضرات کی جو عظمت و جلالت مسلمانوں کی نگاہ میں ہے وہ ظاہر ہے۔"

مگر معلوم ہوتا ہے طلحہ و زبیر مروان کے اس فریب کو سمجھ گئے، یا اس مشورہ کو بھی اس کی حماقت ہی پر محمول کیا بہر حال انہوں نے اسے فوراً ہی ٹھکرا دیا طلحہ نے کہا:۔

"تمام لوگ علیؑ کی بیعت کر چکے ہیں اب ہماری بیعت کیونکر ہو سکے گی"

زبیر نے کہا۔

"پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہم نے عثمان کی نصرت سے عمداً پہلوتہی کی اور خود دوڑ کر علیؑ کی بیعت کرنے گئے اب کس منہ سے ہم مسلمانوں کے پاس اپنی بیعت کے لئے جائیں گے۔"

آخر عبداللہ بن عامر نے یہ گتھی حل کی اس نے کہا:۔

"آپ لوگ بصرہ چلئے وہاں کے لوگوں پر میرے احسانات ہیں۔"

بصرہ ہو یا کوفہ دونوں شہر برابر تھے، ایک میں طلحہ کے حمایتی موجود تھے، دوسرے میں زبیر کے بھی خواہوں کی کثرت تھی، حیرت ہے کہ اب تک ان لوگوں کی نگاہیں ان دونوں شہروں کی طرف کیوں نہ گئیں اس تجویز کے پیش ہوتے ہی دونوں اچھل پڑے۔ ابن عامر نے اپنی تجویز کی وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

آپ دونوں حضرات بصرہ تشریف لے چلئے، اگر آپ لوگ علیؑ پر غالب آگئے تو پھر شام بھی آپ ہی کا ہے اور اگر علیؑ فتحیاب ہوئے تو اس صورت میں معاویہ آپ کے لیے سپر بن جائے گا اور یہ دیکھیے بصرہ والوں کے خطوط ہیں جو انہوں نے میرے پاس بھیجے ہیں۔

لوگوں نے اعتراض کیا کہ اگر ایسا ہی تھا تو خود تم بصرہ سے کیوں بھاگ آئے تم اگر بصرہ میں ہوتے تو ہم کو بصرہ کی طرف سے اطمینان رہتا۔

مگر آخر اسی تجویز پر سب کا اتفاق ہو گیا اور حضرت عائشہ سے درخواست کی گئی۔

ام المومنین مدینہ کا خیال چھوڑ دیجئے، ہمارے ساتھ جتنے لوگ ہیں وہ وہاں کے بلوائیوں کا مقابلہ نہ کرسکیں گے آپ ہمارے ساتھ بصرہ تشریف لے چلیں۔ ممکن ہے وہاں کے لوگ ہم سے احتجاج کریں اور علیؑ ابن ابیطالب کی بیعت کا عذر پیش کریں، آپ انہیں بھی انتقام خون عثمان لینے پر اسی طرح آمادہ کریں گی جس طرح آپ نے مکہ والوں کو آمادہ کرلیا۔[1]

---

[1] استاذ عبدالفتاح عبدالمقصود الامام علی ابن ابیطالب مطبوعہ مصر جلد سوم

تیسری فصل

حضرت عائشہ کی بصرہ کو روانگی

ابن عامر اور یعلی ابن سنبہ یمن و بصرہ سے جو مال واسباب لے کر بھاگ آئے تھے، اس سے لشکر کا ساز وسامان فراہم کیا گیا۔ اس سفر میں حضرت عائشہ کا ہودج اس اونٹ پر رکھا گیا جو یعلی بن سنبہ نے نذر کیا تھا۔ اس کا نام عسکر تھا۔ یہ اسی یا سو دینار کو خریدا گیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ قبیلہ عرینہ میں سے ایک شخص کا تھا۔ اس لڑائی کا نام حرب الجمل مشہور ہے۔ عربی میں اونٹ کو جمل کہتے ہیں۔" (احسن الانتخاب وتاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم)

حضرت عائشہ کی طرف سے منادی نے مکہ کے گلی کوچوں میں اعلان کیا کہ:

"حضرت عائشہ اور طلحہ وزبیر بصرہ کی طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ جس کو اسلام کی ہمدردی اور اعزاز دین منظور ہو اور مخالفین سے جنگ اور حضرت عثمان کے خون کا بدلہ لینا ہو، ہمارے ساتھ چلے۔ جسکے پاس سواری اور سامان سفر نہ ہو ہم سے لے۔"

جب مکہ سے روانگی ہوئی تقریباً دو ہزار کا لشکر جو کہ مکہ اور مدینہ کے لوگوں پر مشتمل تھا حضرت عائشہ کے ساتھ تھا۔ ان میں سے چھ سو آدمیوں کو حضرتؓ عائشہ کی طرف سے سواریاں مہیا کی گئیں۔ راستہ میں بدو بھی فوج کے ساتھ ملتے جاتے تھے۔ جب یہ لشکر بصرہ پہونچا تو اس کے افراد کی تعداد تین ہزار ہو چکی تھی۔ (تاریخ کامل ابن اثیر خلفائے محمد عمر ابو النصر وغیرہ)

روانگی کے وقت مکہ کی پوری آبادی اور ازواج رسولؐ بھی حضرتؓ عائشہ کو رخصت کرنے کے لئے ساتھ تھیں۔ جب یہ لشکر مقام ذات عرق پر پہونچا جہاں سے لشکر کو بصرہ کی راہ لینی تھی اور وداع کرنے والوں کو علیحدہ ہونا تھا اس جگہ پر سب حضرتؓ عائشہ سے مل کر خوب روئیں اسلام کی نازک حالت پر سخت ماتم کیا چونکہ اس دن کے سوا ذات عرق میں کبھی اس قدر مرد وعورت رونیوالے جمع نہیں ہوئے لہذا اس کا نام یوم النحیب ہو گیا۔

(الامام علیؑ ابن ابی طالب جلد سوم احسن الانتخاب محمد علی کاکوروی ص 320)

پیغمبرؐ کی سبھی ازواج نے عائشہ کی حمایت کا عہد کیا تھا اور اطمینان دلایا تھا کہ ہم بھی تمہارے دوش بدوش رہیں گے مگر آج صورت حال بدل چکی تھی۔ طے یہ تھا کہ سبھی مدینہ جائیں گے مگر حضرتؓ عائشہ بجائے مدینہ کے بصرہ جا رہی تھیں۔ اب سوا علیحدگی کے کوئی چارہ کار نہ تھا، اب صرف ازواج کی ہمدردیاں ساتھ رہ گئیں وہ اپنے کو بالکل تنہا پا رہی تھیں، ساتھ میں اگر مرد تھے بھی تو

حرص وہوس کے بندے جن کی موجودگی سادہ لوح مسلمانوں کو متاثر کرنے سے قاصر تھی، حتیٰ کہ حفصہ بھی ان سے آخر میں جدا ہوگئیں جوان کے سایہ کی طرح کبھی اس نے جدا نہ ہوا کرتی تھیں یا تو وہ خود سے علیحدہ ہوگئیں یا اپنے بھائی عبداللہ بن عمر کے دباؤ سے مجبور ہو کر جدا ہوئیں۔ نہ جانے فکر نے انہیں کتنا لاغر بنا دیا تھا، وہ اپنے ذہن میں پورے واقعات کو الٹ پلٹ کر دیکھتیں۔ عثمان کیساتھ اپنا طرزِ عمل پھر علیؑ کے خلاف کمر بستہ ہونا، فوجوں کی قیادت اور میدان جنگ کا بھیانک تصور جہاں موت اپنے سینہ کو کشادہ کیے منتظر تھی۔ یہ بھی پتہ نہیں کہ انجام کیا ہوگا، وہ محسوس کر رہی ہوں گی کہ میں ایسے راستہ پر چل رہی ہوں جس میں روشنی کا گذر تک نہیں۔ روشنی تو اس وقت سے پہلے ہی چھوڑ آئی ہوں، جبکہ صدائے فریاد بلند کی تھی اور لوگوں کو انتقام خون عثمان کی ترغیب دلائی تھی۔

مگر اب قدم اٹھ چکے تھے واپسی کا کوئی سوال نہ تھا۔ جس طرح پیاس سے جاں بلب انسان ریگ زار کو دور سے دیکھ کر دریا سمجھتا ہے اس خیال سے کہ رکوں گا تو پیاسا مرنا پڑے گا رفتار اور تیز کر دیتا ہے عائشہ بھی منزلیں طے کرتی رہیں، سینہ میں امید و بیم کی کش مکش لیے کہ کامیابی نصیب ہوتی ہے یا ناکامی ومحرومی۔

البتہ طلحہ وزبیر ابھی پر امید تھے، زبیر کے مقابلہ میں طلحہ کی امنگیں کچھ زیادہ تھیں اور ہونا بھی چاہیے کیونکہ وہ ایسے شہر کی طرف جارہے تھے جہاں انکی مان جان تھی، وہ محسوس کرتے تھے کہ قضا وقدر میری ہمرکاب اور پشت پناہ ہے۔ انہیں وہم وگمان بھی اس کا نہ تھا کہ مکہ سے اتنے آدمی ساتھ ہو جائیں گے۔ پھر جب اتنا بڑا لشکر ہمرکاب تھا اور منزل مقصود بصرہ ہے جہاں اپنے طرفداروں کی کثرت ہے تو ان کا پر امید ہونا ضروری بھی تھا۔ اگر ازواج رسولؐ نے ساتھ چھوڑ دیا تو کیا ہوا حضرتؓ عائشہ تو موجود ہیں ان کی ہستی تمام مسلمانوں کو سمیٹ لانے کے لئے کافی ہے۔

یہیں سعید بن عاص اور مغیرہ بن شعبہ بھی آ کر ساتھ ہو گئے، طلحہ وزبیر نے دونوں کو خوش آمدید کہی۔ سعید نے طلحہ وزبیر کو علیحدہ لے جا کر پوچھا۔

سعید ابن عاص: ”اگر آپ لوگ کامیاب ہو گئے تو سچ بتائیے کسے خلیفہ بنائیے گا؟“

طلحہ وزبیر: ”ہم دونوں میں سے جسے لوگ منتخب کر لیں۔“

سعید ابن عاص: ”نہیں آپ لوگوں کو چاہیے کہ عثمان کے کسی لڑکے کو خلیفہ بنائیں کیونکہ عثمان ہی کے خون کا انتقام لینے کے لیے آپ لوگ اٹھے ہیں۔“

طلحہ وزبیر: ”عثمان کے لڑکے کو؟۔۔۔ ہم شیوخ مہاجرین کو چھوڑ کر ان کے چھوکروں کو خلیفہ بنائیں گے؟“

سعید نے سمجھ لیا کہ انتقام خون عثمان کا مطالبہ محض بہانہ ہے۔ یہ لوگ اس ذریعہ سے حکومت ہتھیانے کے پھیر میں ہیں۔ اس نے کہا تب تو مجھے اسی کی کوشش کرنی چاہیے کہ خلافت عبد مناف کی اولاد سے نہ جانے پائے، سعید اور مغیرہ دونوں پلٹ پڑے مگر فوراً واپس نہ ہوئے بلکہ حضرت عائشہ کی خدمت میں پہونچے۔ سعید نے آگے بڑھ کر پوچھا:

"مادر گرامی کہاں کا ارادہ ہے؟"

جناب عائشہ: "بصرہ جارہی ہوں۔"

سعید بن عاص: "بصرہ جا کر کیا کیجئے گا؟"

جناب عائشہ: "قاتلین عثمان سے انتقام لوں گی۔"

سعید بن ابی عاص: قاتلین عثمان تو یہ کیا آپ کے ساتھ ہیں (انہیں کیوں نہیں قتل کرڈالتیں)

اسکے بعد یہ سعید، مروان اور اسکے ساتھیوں سے ملا جنمیں ابان اور ولید فرزندان عثمان بھی تھے۔ اس نے مروان سے پوچھا:

"تم کہاں جارہے ہو؟"

مروان: "بصرہ۔"

سعید ابن عاص: "وہاں جا کر کیا کروگے۔"

مروان: "قاتلین عثمان سے قصاص لوں گا۔"

سعید ابن عاص: "قاتلین عثمان تو یہ تمہارے ساتھ ہی ہیں۔ انہیں دونوں طلحہ وزبیر نے عثمان کو قتل کیا ہے۔ خود خلیفہ بننا چاہتے تھے جب مغلوب ہوگئے (علیؑ کی بیعت ہوگئی) تو انہوں نے کہا خون کو خون سے دھوئیں گے اور گناہ کو توبہ سے رفع کریں گے۔"

اس کے بعد مغیرہ نے کہا:

"لوگو! اگر تم محض مادر گرامی کی معیت میں نکلے ہو تو اب انہیں پلٹا لے جاؤ، یہی تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر قتل عثمان پر غضبناک ہوکر نکلے ہو تو تمہارے انہیں سرداروں نے عثمان کو قتل کیا ہے اور اگر تم علیؑ سے کسی بات پر ناراض ہو تو بتاؤ وہ کونسی باتیں ہیں میں تمہیں خدا کا واسطہ دیتا ہوں ارے ایک سال میں دو دو دھنگا مے۔"

(الامامت والسیاست جلد ا،ص ۵۵، طبری جلد 5، ص 168، الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم۔ احسن الانتخاب وغیرہ)

مکہ سے نکل کر جب نماز کا وقت آیا تو قافلہ ٹھہرا۔ مروان نے آذان دی۔ مسلمان فریضہ کی ادائیگی کے لیے تیار ہو کر قبلہ رو ایستادہ ہوگئے صفیں قائم ہوگئیں مگر امام جماعت کی جگہ خالی تھی، کسی کو پتہ نہ تھا کہ امام کون بنے گا۔ لشکر میں طلحہ کے حمایتی بھی موجود تھے اور زبیر کے بھی۔ دونوں جماعتوں کی اپنے اپنے نمائندوں کے متعلق خواہش تھی۔ مروان نے اذان کہہ کر دونوں جماعتوں کی

آتش غیرت کو ہوا دے دی۔اس پر مزید یہ کہ اس نے طلحہ وزبیر کے پاس آ کر کہا:

''میں خلافت کا سلام کس کو کروں؟ امامت کون کرے گا؟''

عبداللہ بن زبیر نے کہا:''میرے والد امامت کریں گے۔'' محمد ابن طلحہ نے کہا:''نہیں میرے باپ امامت کریں گے۔'' تکرار ہونے لگی۔طلحہ نے چاہا کہ آگے بڑھ کر امامت کی جگہ پر کھڑے ہو جائیں تاکہ یہ بحث ہی ختم ہو جائے۔زبیر بھی لپکے اور دونوں میں مقابلہ ہونے لگا۔دونوں ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے جاتے۔ادھر عبداللہ بن زبیر میں اور محمد بن طلحہ میں گالم گلوچ شروع ہو گئی تھی۔

مروان کھڑا مسکراتا رہا اس نے جو چال چلی تھی وہ کامیاب ہوئی جا رہی تھی۔

معاذ بن عبید اللہ امامت نماز کے لئے طلحہ وزبیر کی اس عجیب وغریب دوڑ کو دیکھ کر دل میں کہنے لگے۔خدا قسم اگر مروان کی چال کامیاب ہو جاتی تو ہم سب فتنہ میں پڑ جاتے۔نہ زبیر پیچھے ہٹنا چاہتے تھے اور نہ طلحہ زبیر کو اس کا موقع دینا چاہتے تھے۔

قضاوقدر کی طرف سے حضرتؓ عائشہ کے لئے ایک نئی روشنی تھی شاید اب بھی وہ سنبھل جائیں اور سمجھ لیں کہ وہ جس تحریک کو لے کر اٹھی ہیں اس کا انجام کیا ہوگا۔مگر انہوں نے اس مرتبہ بھی اپنی آنکھیں بند ہی رکھیں۔جیسا اب تک بند رکھتی چلی آ رہی تھیں۔جس طرح ماں اپنے بچہ کو خطرہ میں دیکھ کر بچانے کی کوشش کرتی ہے انہوں نے بھی مروان کی اس فتنہ انگیزی کو محسوس کر لیا اور فوراً اسکے پاس آدمی بھیجا:''تمہارا ناس ہو کیا تم ہمارے معاملہ میں پھوٹ ڈالنا چاہتے ہو؟۔۔۔۔''

اسکے بعد انہوں نے حکم دیا میری بہن کا بیٹا عبداللہ بن زبیر نماز پڑھائے۔ایک روایت میں ہے کہ عبدالرحمان بن عتاب ابن اسید امام مقرر ہوئے۔قتل ہونے تک وہی امامت کرتے رہے۔

(امام علی بن ابی طالب جلد سوم۔تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین۔احسن الانتخاب وغیرہ)

(۲)

حضرتؑ امیر المومنینؑ مدینہ سے شام کی طرف خروج کی تیاریاں کر رہے تھے کہ آپ کو اطلاع ملی عائشہ اور طلحہ وزبیر نے قصاص عثمان کے نام پر مکہ میں ایک فوج جمع کی ہے۔آپ نے تمام صورت حال سے اہل مدینہ کو آگاہ کیا اور فرمایا کہ جب تک وہ لوگ مدینہ پر حملہ نہیں کریں گے ہم خاموش رہیں گے اور ان لوگوں سے تعرض نہیں کریں گے۔اگر ان لوگوں نے ہم سے لڑائی نہ چھیڑی تو ہم بھی ان سے لڑائی نہیں چھیڑیں گے۔

کچھ دنوں بعد حضرتؑ کو معلوم ہوا کہ حضرتؓ عائشہ کا لشکر روانہ ہو گیا ہے۔آپ کو حضرتؓ عائشہ کی لشکر کشی کا بے حد رنج تھا۔آپ فرماتے تھے:''اگر ان لوگوں نے ہم سے لڑائی چھیڑ دی تو مسلمانوں کا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔''(خلفائے محمد عمر ابوالنصر)

امیر المومنین کو مدینہ میں برابر خطوط پہونچ رہے تھے جن میں حضرت عائشہ اور ان کی تیاریوں کی پوری تفصیل ہوا کرتی۔ قاصدوں نے زبانی بھی آ کر ایک ایک دن کی روداد بیان کی۔ مکہ سے بھی اطلاعیں ملیں پھر جن جن راستوں سے حضرت عائشہ اور ان کا لشکر گزرا وہاں سے بھی خبریں پہونچیں۔ غالباً سب سے زیادہ جناب ام سلمہ کے خط سے امیر المومنین متاثر ہوئے۔ یہ معظمہ اب بھی علیؑ سے اسی طرح خلوص رکھتی تھیں۔ زمانہ کے تغیر نے ان میں تبدیلی نہیں پیدا کی تھی، مکہ میں عائشہ کو ان کے ارادوں سے باز رکھنے کی امکانی کوشش کر کے وہ بہ عجلت مدینہ واپس ہوئیں اور آتے ہی امیر المومنینؑ کے پاس پہونچ کر بڑے حزن واندوہ سے انہوں نے سارے چشم دید واقعات بیان کیے اور آخر میں کہا:

"اے امیر المومنینؑ اگر خدا کی نافرمانی نہ ہوتی اور آپ کی ناراضی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں بھی آپ کے ساتھ ضرور چلتی۔ اب یہ میرا فرزند عمر ہے اور مجھے وہ اپنی جان سے زیادہ پیارا ہے۔ یہ آپ کے ساتھ جائے گا اور سایہ کی طرح ساتھ رہے گا۔"

جناب ام سلمہ نے اپنی پوری پونجی اور زندگی کا سہارا امیر المومنین کے حوالہ کر دیا۔

اب یہ وقت خاموش بیٹھنے کا نہیں تھا، قضا و قدر نے جو فرض آپ کے کاندھوں پر رکھ دیا تھا اسے بہر حال اٹھانا تھا۔ یہ بڑی جانکاہ منزل تھی، اگر صبر کرتے ہیں مصالحت سے کام لیتے ہیں تو دشمن جنگ جانے پر تیار اور اگر انکے مقابلے پر کمر بستہ ہوتے ہیں تلوار کا جواب تلوار سے دیتے ہیں تو اندیشہ ہے کہ مسلمان، مختلف فرقوں میں نہ بٹ جائیں، ہر فرقہ دوسرے سے برسر پیکار ہو۔ تھوڑی دیر میں ان اطلاعات کی تصدیق بھی ہوگئی۔ آپ نے قثم بن عباس کو مکہ کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجا تھا۔ انہوں نے حضرت کو ان تمام تیاریوں کی تفصیل لکھ بھیجی اور مطلع کیا کہ عائشہ لشکر کے ہمراہ بصرہ روانہ ہو چکی ہیں۔

آپ کے بس میں ہوتا تو ان لوگوں کو اس سرکشی و گمراہی سے باز رکھنے کوشش اٹھا نہیں رکھتے۔ شیوہ بیانی مفید ہوتی تو آپ مدینہ ہی میں بیٹھ کر وعظ و نصیحت فرماتے لیکن اب تو مصیبت کھڑی ہو چکی تھی اور اسکے نتائج کا ظہور میں آنا ناگزیر تھا۔ جنگ کے بادل پوری فضا پر محیط تھے۔ کسی بات پر ان لوگوں کا کان دھرنا محال تھا۔ اب صرف تلوار ہی کی بات وہ سن سکتے تھے۔

قیس بن سعد نے بطور مشورہ عرض کیا:

"امیر المومنینؑ، طلحہ و زبیر بصرہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں اور بصرہ والے سب کے سب ان کے طرفدار نہیں، آپ کوفہ کی طرف چلیں وہاں کی پوری آبادی آپ کی طرفدار ہوگی، آپ کوفہ والوں کو ساتھ لے کر بصرہ پر چڑھائی کیجئے، خوف کی بات تب ہوتی جب یہ دونوں معاویہ کے پاس شام چلے جاتے، اس وقت یہ کہا جاتا کہ یہ (طلحہ و زبیر) پیغمبرؐ کے صحابہ ہیں یہ ام المومنینؓ ہیں اس وقت صورت حال بڑی نازک ہو جاتی۔ لیکن جبکہ وہ لوگ بصرہ جا رہے ہیں جہاں کے لوگ آپکی اطاعت قبول کر چکے ہیں اور آپ

کے عامل کا وہاں تسلط بھی ہو چکا ہے تو اب کوئی پرواہ نہیں، آپ چل کھڑے ہوئیے خدا آپ کے ساتھ ہے۔"

امیر المومنینؑ کی اب بھی خواہش تھی کہ یہ سارا معاملہ نرمی و ملائمت سے طے ہو جائے۔ آپ بے یار و مددگار تھے آپکی حمایت پر بڑے بڑے صحابہ کرام تھے، جن کی شجاعت و بہادری پورے عرب میں مشہور تھی۔ وہ حضرتؑ کے حق پر ہونے کا ویسا ہی اعتقاد بھی رکھتے تھے جیسا انہیں پیغمبرؐ کی نبوت کا یقین کامل تھا۔ وہ ایسے وفا کے مجسمے تھے کہ علیؑ کے علاوہ اس وقت اگر کوئی دوسرا ہوتا اور اسے ایسے اصحاب نصیب ہوتے تو آنکھ بند کر کے میدان جنگ میں کود پڑتا، مگر ان سب کے باوجود آپ نے صلح و آشتی کا خیال ترک نہ کیا۔ یہ جنگ جو چھڑنے والی تھی یہ صرف ایسی جنگ ہی نہ تھی جس میں سروں کی بارش ہوتی، اجسام کے چیتھڑے اڑتے، نہ ایسی جنگ تھی جس میں ایک فریق کے زمین پر قابض ہونے اور دوسرے کے پسپا ہو جانے کے لحاظ سے فتح و شکست کا فیصلہ ہو جاتا، یہ تو اتنا قیامت خیز فتنہ تھا جس میں غالب و مغلوب دونوں کی تباہی تھی سارے مسلمان ہی مبتلائے مصیبت ہونے کے قریب تھے، جس فریق کو شکست ہوتی اس کے افراد کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے کینہ و عداوت بیٹھ جاتی اور وہ عداوت ہمیشہ بڑھتی ہی رہتی اور جس فریق کو فتحیابی نصیب ہوتی اسے بھی سوا تلخ کامی کے ہاتھ کچھ نہ آتا۔

حضرتؑ امیر المومنینؑ ایسی فتحیابی کے خواہشمند نہ تھے جس کے نتیجہ میں دشمنوں کے دل میں ہمیشہ کے لئے عداوت متمکن ہو جائے۔ آپ کی تمنا تو گمراہ طبیعتوں پر قابو پانے اور ان کے دلوں کو ہاتھ میں لینے کی تھی جن پر ہوا و ہوس نے پردے ڈال دیے تھے۔ یہی آرزو آپ کے دل کو بے چین کئے ہوئے تھے اور اسی کے حصول کے لئے آپ کمر بستہ ہوئے۔ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اصحاب جمل کو ہم راستہ ہی میں جالیں اور قبل اس کے کہ وہ لوگ بصرہ پہونچیں اور لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کریں سمجھا بجھا کر واپس پلٹالیں۔ اتنا وقت نہ تھا کہ جنگ کی تیاری کی جائے اور بطور احتیاط لشکر فراہم کرلیا جائے کہ اگر ضدی دشمن لڑائی ہی پر کمر بستہ ہو تو زک نہ اٹھانی پڑے۔ آپ مطمئن تھے کہ اگر راستہ میں مڈبھیڑ ہوگئی تو مقصد میں کامیابی یقینی ہے، آپ نے نہ پوری رسد ساتھ لی نہ ضرورت کے لائق سامان جنگ مہیا کئے۔ تھوڑی سی جمعیت لی اور (آخر ماہ ربیع الثانی 36ھ میں) مدینہ سے چل پڑے۔

اہل مدینہ کو ابتداءً حضرتؑ عائشہ اور طلحہ و زبیر پر خروج کرنا شاق گذرا۔ زیاد بن حنظلہ تمیمی یا خود حنظلہ لوگوں کو سست دیکھ کر کھڑے ہوئے اور سب کے سامنے اپنی مستعدی ظاہر کی اور امیر المومنینؑ سے عرض کیا:

"اوروں کو خروج کرنا ناگوار ہے تو کیا مضائقہ میں ساتھ ہوں اور جان دینے کو حاضر ہوں۔"

ان کے اٹھتے ہی جلیل القدر اصحاب جو انصار میں ذی عزت اور عالی مرتبہ تھے ابو الہیثم بن تیہان بدری اور خزیمہ بن ثابت بھی رفاقت پر مستعد ہو گئے۔ ابو قتادہ انصاری نے عرض کیا:

امیر المومنینؑ آنحضرتؐ نے یہ تلوار اپنے دست مبارک سے میرے گلے میں ڈالی تھی، میں نے عرصہ تک نیام میں رکھا۔ اب اس کے نکلنے کا وقت آگیا ہے، اب آپ کے مخالفین پر چلنا چاہتی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھ کو سب سے پہلے بصرہ کی طرف روانہ کریں۔

چنانچہ آپ نے ان کو پہلے سے بھیج دیا۔ امیر المومنینؑ نے روانگی سے پہلے مدینہ میں تمام بن عباس کو اپنا نائب مقرر کیا۔ چار ہزار فوج جو روانگی شام کے لئے جمع کی تھی، اس کو ہمراہ لے کر بصرہ روانہ ہوئے، ان چار ہزار میں چار سو آدمی اصحاب بیعت الرضوان میں سے اور ۸ سو انصار تھے۔ اس لشکر کے علمدار محمد بن حنفیہ تھے، میمنہ پر امام حسنؑ اور میسرہ پر امام حسینؑ، سواروں پر عمار یاسر، پیادوں پر محمد ابن ابی بکر اور ہراول دستہ کے سردار عبداللہ بن عباس تھے۔

مدینہ سے نکل کر کچھ دور پر عبداللہ بن سلام صحابی ملے۔ انہوں نے امیر المومنینؑ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا:

"امیر المومنینؑ! آپ مدینہ سے نکل کر باہر نہ جائیں، واللہ اگر آپ چلے جائیں گے تو مسلمانوں کو گروہ پھر یہاں واپس نہیں آئے گا۔"

لوگوں نے عبداللہ بن سلام کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ امیر المومنینؑ نے روکا کہ جانے دو، یہ پیغمبر خدا کے صحابی اور اچھے آدمی ہیں۔

مدینہ سے چل کر آپ نے ربذہ میں منزل کی۔ وہی ربذہ جہاں حضرت عثمان کے حکم سے ابوذر جلاوطن کئے گئے تھے، جہاں پیغمبرؐ کے اس بوڑھے صحابی کی آرامگاہ تھی۔ علیؑ نے اس ریگزار پر نظر کی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور ابوذر کا یہ فقرہ کانوں میں گونجنے لگا:

"خدا آپ لوگوں پر اے اہلبیتؑ اپنی رحمت نازل کرے، ابوالحسن جب میں آپ کو اور آپ کے فرزندوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے رسول اللہ یاد آجاتے ہیں۔"

ابھی یہ لشکر ربذہ میں پہونچا ہی تھا کہ خبر ملی طلحہ اور زبیر بصرہ میں داخل ہو گئے۔

آپ نے بہتر سمجھا کہ ربذہ ہی میں توقف کیا جائے جب تک کمک نہ آجائے اور رسد فراہم نہ ہو جائے۔ اب پوری تیاری کر کے بصرہ چلنا چاہیے۔ دو ہی صورتیں ہیں: یا تو دشمن مرعوب ہو کر ہتھیار ڈال دیں گے اور صلح پر مجبور ہوں گے اور یہی مقصود ہے، اور اگر جنگ ہی پر تلے ہوں گے تو ان فوجوں کی موجودگی کے سبب انہیں مغلوب کر لینا مشکل نہ ہوگا۔ آپ نے جس طرح قثم بن عباس کو حجاز میں چھوڑ دیا کہ کمک فراہم کر کے ہمیں بھیجتے رہیں، اسی طرح ان تمام شہروں کے عاملوں کو بھی فوجوں سے مدد کرنے کے لئے خطوط بھیجے، جو حلقہ اطاعت میں آچکے تھے اور وہاں کے مسلمانوں نے آپ کی بیعت کر لی تھی۔ آپ نے اہل کوفہ

کو خط لکھا:

اما بعد فانی خرجت من حیّی هذا اما ظالما و اما مظلوما و اما باغیا و اما مبغیّا علیه وانی اذ کر من بلغه کتابی هذا لما نفر الی فان کنت محسنا اعاننی وان کنت مسیئا استعتبنی ۔(نہج البلاغہ جلد دوم)

میں اپنے اس مقام سے جارہا ہوں اور اس حال میں ہوں کہ ظالم ہوں یا مظلوم، سرکش ہوں یا خود مجھ پر سرکشی کی گئی ہے۔ میں خدا کے نام پر ان سب پر لوگوں سے کہتا ہوں جن کے پاس میرا خط پہونچے کہ جوق جوق چلے آئیں اور خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں اگر میں حق پر استوار نکلوں تو میرا ساتھ دیں باطل پر دکھائی دوں تو مجھے سیدھی راہ پر کھڑا کر دیں۔(ترجمہ مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی)

اس وقت کی عجب اشتباہی کیفیت تھی۔ لوگ متحیر تھے کہ عائشہ کے طرفداروں میں شامل ہو جائیں یا امام کے جان نثاروں میں۔ شعور کبھی ایک طرف کھینچتا کبھی دوسری طرف۔ نہ جانے کتنے لوگ حیرانی و سرگشتگی کے عالم میں پڑے ہوئے تھے۔ حق کیا ہے؟ اس کے متعلق کوئی قطعی رائے نہیں قائم کر پاتے۔ ہر دل کو تذبذب تھا کہ علیؑ کے ساتھ ہو جاؤں اور ان کی حمایت میں طلحہ وزبیر اور ام المومنینؑ سے جنگ کروں یا علیؑ کے مخالف صف میں آجاؤں اور یہ بہت ہولناک ہے۔

لیکن ان لوگوں کا یہ تذبذب اس وقت کی کیفیت کی صحیح تصویر ہمارے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ یہی تذبذب اصل سبب تھا اس کا کہ عامۂ ناس میں بہت سے لوگوں نے امیر المومنینؑ کی مدد کرنے میں سستی کی اور حضرتؑ کے لشکر میں شامل نہ ہوئے اور یہی تذبذب بھڑکتی ہوئی آگ بن گیا جس نے مسلمانوں کو جھلس کر رکھ دیا۔ اس کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کے سامنے بس وہی مخلص مومنین ثابت قدم رہ سکے جو علیؑ کی حقیقت کا یقین رکھتے تھے۔ چنانچہ آپؑ کے ساتھ بس وہی لوگ ہوئے جو ہوا وہوس اور دنیاوی آلائشوں سے پاک وصاف تھے۔ اسی طرح آپ کے دشمنوں کی صف میں وہی لوگ جا کر ملے جو گمراہی میں غرق اور حرص وہوس کے بندے تھے۔ یہ نفسیاتی کیفیت امیر المومنینؑ کی نگاہوں سے مخفی نہ تھی۔ اسی سبب سے آپ نے بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ نہیں لیا۔ بہت سے قبیلے راستے میں آپ سے آکر ملے اور انہوں نے ساتھ چلنے اور آپ کی معیت میں جنگ کرنے کی اجازت مانگی مگر آپ نے ان کی مدد قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ سمجھتے تھے کہ ان کی حمایت ایمانداری کی جہت سے نہیں بلکہ یہ صرف مال غنیمت کے لالچ میں چلنا چاہتے ہیں۔ آپ ان کی مدد قبول کرنے سے عذر قبول کر دیتے اور فرماتے:

الزموا قرادکم ایها الناس فی المهاجرین کفایة۔

لوگو! تم اپنی جگہ بیٹھے رہو۔ مہاجرین ہی نپٹ لینے کافی ہیں۔

علیؑ کے علاوہ اگر کوئی دوسرا ہوتا تو دیدہ ودل ایسے لوگوں کے لئے بچھا دیتا۔ دنیا کے سلاطین اپنی طاقت بڑھانے کی ہر

امکانی کوشش کرتے ہیں۔ سلطنت کی آدھی سے زیادہ آمدنی فوجی مصارف پر خرچ ہوتی ہے، صرف اس لئے کہ ہماری سلطنت مضبوط رہے اور تاج وتخت کو کسی قسم کا خطرہ لاحق نہ ہو۔ لیکن یہ علیؑ تھے امن وسلامتی کے علم بردار جو صاحب سلطنت ہونے کے پہلے صاحب عقل ودانش تھے۔ ان کا مطمع نظر کہیں بلند تھا، ان کی زندگی کا واحد مقصد ہی یہ تھا کہ دین خدا کا فروغ ہو اور اسکی جڑیں لوگوں کے نفوس میں گہری ہوں جیسا کہ انبیاءؑ ومرسلینؑ کی تمنائیں رہا کیں۔ وہ اس حکومت پر کبھی خوش نہ ہوئے اور نہ اقتدار وسطوت شاہانہ نے انہیں خود فریبی میں کبھی مبتلا کیا۔ یہ صرف امت کی بہبودی اور بھلائی تھی جو علیؑ کے دل کو بے چین کیے ہوئے تھی اور اسی کے لئے حضرتؑ کی ساری کوششیں تھیں۔ یہ حکومت وخلافت تو امت کی بہبودی کا وسیلہ تھا۔ حضرتؑ نے اپنے عہد خلافت میں جتنے دفاعی اقدامات کیے، وہ حقیقتہً مسلمانوں کی حمایت اور ان کی طرف سے مدافعت تھی۔ حضرتؑ سمجھتے تھے کہ دوسروں کے سایہ میں جا کر امت وہ بھلائی ہرگز نہ پاسکے گی جو ہماری حکومت کے زیر سایہ رہ کر اسے نصیب ہوگی۔

حضرتؑ مقام ذی قار پر جبکہ ٹھہرے ہوئے تھے ایک دن عبداللہ بن عباس حاضر خدمت ہوئے۔ اس وقت آپ اپنی جوتیاں ٹانک رہے تھے۔ حضرتؑ نے ابن عباس کو سر اٹھا کر دیکھا اور پوچھا:

"ابن عباس ان جوتیوں کی کیا قیمت ہوگی؟"

عبداللہ ابن عباس: "امیر المومنینؑ ان جوتیوں کی تو کوئی بھی قیمت نہیں۔"

آپ مسکرائے اور ارشاد فرمایا:

"خدا کی قسم یہ بوسیدہ نعلین مجھے تم لوگوں کی حکومت سے زیادہ محبوب ہے، مگر یہ کہ میں کسی حق کو قائم کروں یا کسی باطل کو دور کروں۔"

مگر اس دریا دلی، سیر چشمی اور اس زہد وبے نیازی نے آپ کو احتیاطی اقدامات سے باز نہیں رکھا۔ آپ نہ کوتاہ ہمت تھے اور نہ جبان وضعیف القلب۔ جب طلحہ وزبیر نے آپکی بیعت توڑ ڈالی اور آپ کے لئے دوصورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کرنا واجب ہوگیا کہ یا تو آپ اس ذلت پر صبر کر کے بیٹھ رہیں اور بحیثیت حاکم شرعی کے جو وجاہت آپ کو حاصل تھی اسے خاک میں ملتے دیکھتے رہیں، یا آپ انہیں واپس پلٹانے کے لیے ان کا تعاقب کریں اور اگر ہتھیار اٹھانے کی ضرورت آپڑے تو اس سے بھی باز نہ رہیں، تو آپ نے اسی راستہ کو اختیار کیا جو آپ کی مردانگی کے شایان تھا اور جس کو اختیار کر کے آپ اس فرض کو ادا کر سکتے تھے جو مملکت اسلامیہ کی حفاظت اور مسلمانوں کے اتحاد وشیرازہ بندی کی جہت سے آپ کے ذمہ تھا، آپ نے ایک لمحہ کے لئے بھی اس میں سستی نہیں کی۔

شارحین نہج البلاغہ لکھتے ہیں کہ امام حسنؑ نے آپ کی خدمت میں عرض کی: "بابا! آپ جنگ کا ارادہ نہ فرمائیں کیونکہ آپکے دشمن بہت ہیں اور حق سے عداوت رکھنے والے بے حد ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ آپ کام آجائیں۔ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیجئے۔ ان کا جو جی چاہے وہ کریں۔" یہ عرض کر کے آپ رونے لگے کیونکہ باپ کی حالت دیکھ کر دل بھر آیا تھا۔ امیر المومنینؑ نے جواب میں فرمایا:

واللہ لا اکون کالضبع تنام علی طول اللدم حتی یصل الیھا طالبھا و یختلھا راصدھا ولکنی اضرب بالمقبل الی الحق المدبر عنہ وبالسامع المطیع العاصی المریب ابدا، حتی یاتی علی یومی، فواللہ مازلت مدفوعا عن حقی مستاثرا علی منذ قبض رسول اللہ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یوم الناس ھذا۔

خدا کی قسم! (اب میں خاموش نہ بیٹھوں گا) اور اس بجو کی طرح نہ ہوں گا جس کا بھٹ (اسکے شکار کیلئے) کھٹکھٹایا جاتا ہے اور وہ سو جاتا ہے، یہاں تک کہ گھات میں لگا رہنے والا اور پکڑنے والا پہونچ کر اسے فریب دے کر پکڑ لیتا ہے۔ بلکہ میں حق والوں کو ساتھ لیکر (باطل پرستوں سے) جو حق سے پیٹھ پھیرے ہوئے ہیں، لڑوں گا۔ اور فرمانبرداروں کے ہمراہ نافرمانوں سے جو شک میں گرفتار ہیں ہمیشہ جنگ کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ موت آجائے۔ (یہ آج کوئی نئی بات نہیں) بلکہ جب سے رسول اللہ کا انتقال ہوا اس وقت سے آج تک میں برابر اپنے حقوق سے ہٹایا جاتا رہا اور مجھ پر دوسروں کو فضیلت دی جاتی رہی (اور چڑھائی کی جاتی رہی) یہاں تک کہ اب (قیام جنگ جمل) ہو رہا ہے اور لوگوں نے جنگ کا قصد کیا ہے۔

(ترجمہ نہج البلاغہ: مولوی ظفر مہدی صاحب مرحوم ص ۸۷)

(۲)

مدینہ سے کمک پہونچ گئی اور ربذہ لوگوں کی کثرت سے چھلکنے لگا۔ لیکن کوفہ سے اب تک مدد نہیں پہونچی۔ کوفہ، جس سے حضرتؑ کو بڑی امیدیں تھیں، اور حضرتؑ نے وہاں کے باشندوں کو دیگر مقامات کے مسلمانوں پر ترجیح بھی دی تھی۔ آپ نے محمد ابن ابی بکر کو وہاں روانہ کیا تھا کہ مسلمانوں کو جنگ پر آمادہ کر کے ساتھ لائیں۔ وہاں سے نہ محمد کا کوئی مکتوب ملا نہ خبر ملی جس سے پتہ چلتا کہ کوفہ والوں نے محمد ابن ابی بکر اور حضرتؑ کے مکتوب کا کیونکر استقبال کیا۔ باشندگان کوفہ کی طرف سے تو اندیشہ نہ تھا البتہ ابوموسیٰ اشعری کی طرف سے حضرتؑ متردد تھے کیونکہ یہ شخص حضرتؑ سے اندرونی عناد رکھتا تھا۔

کافی تاخیر ہو چکی تھی، اتنی دیر میں حضرتؑ عائشہ اپنی جمعیت کو لے کر بصرہ کے قریب پہونچ چکی ہوں گی یا ممکن ہے زبردستی شہر پر قابض بھی ہو گئی ہوں۔ حضرتؑ کو اس کا خوف نہ تھا کہ طلحہ و زبیر مجھ سے خلافت چھین لیں گے لیکن حضرتؑ یہ ضرور چاہتے تھے کہ اگر ممکن ہو تو اس فتنہ کا ابتدا ہی میں سد باب کر دیا جائے۔ دیگر شہروں تک اس کی آگ نہ پھیلنے پائے۔ طلحہ و زبیر سے حضرتؑ

ڈرتے نہ تھے۔ان کی قدروعافیت آپ کو بخوبی معلوم تھی۔ان کے دلوں میں جو بات مخفی تھی وہ بھی آپ پر روشن تھی۔زمانہ خود انہیں کیفر کردار کو پہونچانے کے لئے کافی تھا۔آج نہیں تو کل ان کی نیتوں کا فتور منظر عام پر آجاتا۔اگر انہیں کامیابی نصیب بھی ہو جاتی تو قضاوقدر انہیں اس کامیابی پر خوشی منانے کی مہلت نہ دیتی کیونکہ اسی وقت ان میں حکومت حاصل کرنے کے لئے لڑائی ٹھن جاتی اور دونوں ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بن جاتے۔حضرتؑ نے اپنے ایک خطبہ میں ان دونوں کی تصویر کشی فرمائی ہے۔

كل واحد منهما يرجو الامر له ويعطفه عليه دون صاحبه لا يمتان الى الله بحبل و لا يمدان اليه بسبب. كل واحد منهما حامل ضب لصاحبه وعما قليل يكشف قناعه به والله لئن اصابوا الذى يريدون لينزعن هذا نفس هذا وليأتين هذا على هذا. قد قامت الفئة الباغية فأين المحتسبون. فقد سنت لهم السنن وقدم لهم الخبر. ولكل ضلة علة ولكل ناكث شبهة والله لا اكون كمستمع اللدم. يسمع الناعى....ويحضر الباكى ثم لا يعتبر۔ (ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین جلد دوم ص ۶۱)

ان دونوں (طلحہ وزبیر) میں سے ہر ایک اپنے لیے خلافت کا امیدوار ہے اور اسے اپنے ہی طرف موڑ کرلانا چاہتا ہے نہ اپنے ساتھی کی طرف۔وہ اللہ کی طرف کسی وسیلہ سے توسل نہیں ڈھونڈھتے اور نہ کوئی ذریعہ لے کر اسکی طرف بڑھنا چاہتے ہیں۔وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف سے (دلوں میں) کینہ لیے ہوئے ہیں اور جلد ہی اس سلسلہ میں بے نقاب ہو جائیں گے۔خدا کی قسم اگر وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جائیں تو ایک ان میں سے دوسرے کو جان ہی سے مار ڈالے اور ختم کر کے ہی دم لے۔(دیکھو) باغی گروہ اٹھ کھڑا ہوا ہے۔(اب) کہاں ہیں اجر وثواب کے چاہنے والے جبکہ حق کی راہیں مقرر ہو چکی ہیں اور یہ خبر انہیں پہلے سے دی جا چکی ہے۔ہر گمراہی کے لئے حیلے بہانے ہوا کرتے ہیں اور ہر پیمان شکن (دوسروں کو) اشتباہ میں ڈالنے کے لئے کوئی نہ کوئی بات بنایا کرتا ہے۔خدا کی قسم! میں اس شخص کی طرح نہیں ہوں گا جو ماتم کی آواز پر کان دھرے، موت کی سنانی دینے والے کی آواز سنے اور رونے والے کے پاس (پرسے کے لئے) بھی جائے اور پھر عبرت نہ حاصل کرے۔

حضرتؑ اپنی تیاریاں مکمل کر کے چلنے پر آمادہ ہوئے۔چلتے وقت رفاعہ بن رافع نے حضرتؑ سے پوچھا۔مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ حضرتؑ نے لائحہ عمل کیا تجویز کیا ہے:"امیر المومنینؑ! آپ کا ارادہ کیا ہے اور ہمیں کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟"

آپ نے بغیر تردد کے فرمایا:"قصد تو اصلاح ہے بشرطیکہ وہ کہنا مان جائیں۔"

"اگر انہوں نے کہنا نہ مانا تو کیا کیجئے گا؟"

"ہم ان کو ان کے عذر پر چھوڑ دیں گے اور صبر سے کام لیں گے۔"

"اگر وہ اس پر راضی نہ ہوئے تو کیا کیجئے گا؟"

"جب تک وہ ہم کو چھوڑے رہیں گے ہم بھی ان سے معترض نہ ہوں گے۔"

"اگر وہ نہ مانیں تب؟"

"اس صورت میں بھی ہم ان سے اپنے آپ کو بچائیں گے۔"

(سیرۃ علویہ، جلد اول موسوم بہ احسن الانتخاب، شاہ محمد علی حیدر کاکوروی، ص ۲۳۴، الامام علی عبدالفتاح عبدالمقصود وغیرہ)

ان جوابات سے حضرتؑ نے صاف صاف صراحت کر دی کہ ہمارا اصل مطمع نظر صلح و آشتی ہے، ہم آخر تک اسی کی کوشش کریں گے، چاہے دشمن مخالفت اور بغض و عناد ہی پر مصر کیوں نہ رہیں۔ صبر سے کام لے کر خود کبھی پہل نہیں کریں گے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اگر دشمن ہمارے درپے آزار ہی رہے تو حتی الامکان ہم صرف مدافعت کریں گے۔ ممکن آج نہ سہی کل یہ ان کی یک طرفہ یورش سست پڑ جائے اور وہ راہ راست پر آجائیں۔

یہ محیر العقول کشادہ دلی بڑے بڑے پیشواؤں میں نہیں ہوتی چہ جائیکہ میدان کارزار کے سورماؤں میں۔ اسی کشادہ دلی سے متاثر ہو کر حجاج بن غزیہ انصاری نے کھڑے ہو کر کہا:

"خدا کی قسم ہم آپ کو اپنے کام سے خوش کر دیں گے۔ جس طرح آپ نے اپنے قول سے ہم کو خوش کیا ہے۔ ہم خدا کی مدد کریں گے جس طرح اس نے ہمارا نام انصار رکھا۔" (سیرۃ علویہ و الامام علیؑ)

حضرتؑ کی قیادت میں لشکر روانہ ہوا۔ سرخ اونٹ پر سوار حضرتؑ لشکر کے آگے آگے تھے۔ صحرائی قبائل رستہ میں آ آ کر حضرتؑ سے ملتے اور درخواست کرتے کہ ہمیں بھی اپنے لشکر میں شامل کر لیجئے۔ حضرتؑ اپنے پہلے ارادہ پر اب تک قائم تھے، انہیں بلطائف الحیل واپس کرتے جاتے۔ بدو عربوں کو ساتھ لینے میں بڑی قباحت تھی۔ بدو عرب بھی قتل عثمان میں شریک تھے، ممکن ہے حضرتؑ کے ساتھ ایسے اعراب بھی ہو جاتے جو حضرت عثمان کے مخالفین میں ہوں۔ اس طرح دشمنوں کو بہانہ ہاتھ آجاتا۔ جب حضرتؑ مقام فید پر پہونچے، وہاں قبیلہ اسد والے آئے۔ انہوں نے ساتھ چلنے کی درخواست کی آپ نے انکار کر دیا۔ ان کے بعد بکر بن وائل والے آئے تھے۔ وہ بھی حضرتؑ کے لشکر میں کوئی جگہ نہ پاسکے۔ کچھ منزلیں حضرتؑ نے طے کی تھیں کہ کوفہ کا ایک شخص عامر بن مطر شیبانی حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اولاً اہل کوفہ کا حال پوچھا پھر ابوموسیٰ اشعری کے متعلق دریافت فرمایا کہ ان کا کیا قصد ہے اس نے کہا:

"اگر آپ صلح کریں تو آپ کے ساتھ ہیں، اگر آپ کا قصد جنگ کا ہے تو ساتھ نہیں۔"

آپؑ نے فرمایا:

"بخدائے لایزال، میں بجز صلح کے کچھ اور نہیں چاہتا۔ ہاں، اگر نہ مانیں گے تو مجبوری ہے۔" (سیرۃ علویہ اور الامام علیؑ)

ابوموسیٰ اشعری کو کیونکر معلوم ہوا کہ حضرتؑ اپنے دشمنوں سے آمادہ پیکار ہیں۔ یہ سب ابوموسیٰ کی حیلہ سازیاں تھیں۔ حضرتؑ نے چونکہ پہلے ان کی معزولی کا حکم صادر فرمایا تھا، اس لیے وہ حضرتؑ کی مدد سے پہلوتہی کر کے اور اپنے شہر کے لوگوں کو آپؑ کی مدد سے روک کر انتقام لینا چاہتے تھے، ورنہ جب حضرتؑ کی بیعت کر چکے تھے اور آپؑ کی طرف سے کوفہ کے عامل تھے تو پھر چون و چرا کی گنجائش ہی کیا تھی، اور اس کا اختیار ہی انہیں کیا تھا کہ جس حکم کو چاہیں مانیں جس کو چاہیں نہ مانیں۔ اصل بات یہ ہے کہ عائشہ کی تحریر انہیں پہلے وصول ہو چکی تھی کہ اہل کوفہ کو علیؑ کی معاونت سے باز رکھنا۔ (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم)

جوں جوں منزلیں گذرتی جاتی تھیں تشویش انگیز خبروں میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ فید میں جب حضرتؑ پہنچے تو ابوموسیٰ کے معاندانہ طرز عمل کی اطلاع ملی اور پتہ چلا کہ وہ حضرتؑ کی مدد سے پہلوتہی پر مصر ہیں۔ ثعلبیہ پہونچنے پر عثمان بن حنیف عامل بصرہ کی اس ذلت واہانت کی تفصیل معلوم ہوئی جو حضرتؑ عائشہ اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں انہیں اٹھانی پڑی۔ مقام آساء پر پہونچ کر حکیم بن جبلہ کی داستان معلوم ہوئی۔

ان سب خبروں پر حضرتؑ کا مغموم ہونا قدرتی تھا۔ کچھ اور آگے بڑھنے پر ایک شتر سوار ملا، جو سواری کو تیز ہنکائے چلا جارہا تھا۔ حضرتؑ کی فراست نے اندازہ کرلیا کہ اس سوار سے بہت سی خبریں مل سکیں گی۔ آپ نے اسے آواز دی اور قریب بلا کر پوچھا:

"وہ معظمہ کہاں تک پہونچیں؟"

شتر سوار پر دہشت طاری ہوگئی کہ امیر المومنینؑ کو کہاں سے معلوم ہوگیا کہ میں ام المومنین عائشہ کو بصرہ کے قریب پہونچا کر آرہا ہوں۔ اس نے سمجھ لیا کہ میرا سامنا ایک غیر معمولی فہم و فراست والے انسان کا ہے، جس سے کوئی بات چھپی نہیں۔ اس نے جو کچھ گذرا تھا سب بیان کر دیا، کوئی بات چھپائی نہیں۔ اس سفر کی پوری تفصیل جس میں اس نے رہبر کے فرائض انجام دیے تھے۔ مکہ معظمہ جہاں سے ام المومنین کا لشکر روانہ ہوا تھا، بصرہ تک کے حالات جہاں سفر تمام ہوا۔ شتر سوار نے آخر میں کہا:

"حضور یہ عائشہ کا دیا ہوا اونٹ ہے میں نے اپنا سرخ اونٹ انکے ہاتھ بیچا تھا۔"

امیر المومنینؑ نے کہا: "ذی قار تک میرے لشکر کی رہبری کر سکتے ہو؟"

شتر سوار نے کہا: "میں حاضر ہوں۔" (الامام علی جلد سوم)

حضرتؑ کو مدینہ سے روانہ ہوئے ۸ راتیں گذر چکی تھیں اور اب تک محمد ابن ابی بکر کوفہ سے واپس نہیں آئے تھے۔ اصل مصیبت ابوموسیٰ کی ذات تھی جو ایسی حرکتوں پر اتر آئے تھے جو سرکاری عہدیدار کے لئے ہرگز مناسب نہیں۔ وہ حضرتؑ کے راستہ

میں روڑے اٹکا رہے تھے۔ اگر وہ حضرتؑ کی تحریر پر توجہ دیے ہوتے اور کوفہ کے سورماؤں کے ذریعہ حضرتؑ کے مختصر سے لشکر کی مدد کرتے تو عائشہ کے پہونچنے کے قبل حضرتؑ کا لشکر پہونچ جاتا اور حضرتؑ کے لئے ممکن تھا کہ جس صلح و آشتی کا ارادہ کر کے مدینہ سے چلے ہیں اسے عمل میں لائیں لیکن ابوموسیٰ کی نافرمانی نے گوناگون مشکلات پیدا کر دیں یہاں تک کہ حضرتؑ کے خلاف تمام اسباب اکٹھا ہو گئے۔ سرکشوں کو پیر پھیلانے اور ہر چیز پر چھا جانے کا موقع مل گیا۔ والی بصرہ کی نرمی اور امن پسندی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر انہوں نے سستی کامیابی بھی حاصل کر لی۔ ان تمام آفتوں کے ذمہ دار ابوموسیٰ اشعری تھے اور بعد میں جتنی تباہیاں ہوئیں سب کا بار انہیں کے سر ہے۔

امیرالمومنینؑ جب ذی وقار پہونچے تو بصرہ پر عائشہ کے قابض ہو جانے کی اطلاع ملی۔ کوفہ سے کمک آنے میں مسلسل تاخیر اور آخر بصرہ پر عائشہ کے تسلط ہو جانے سے اشعری کی گہرائی عداوت کی مزید تصدیق ہو گئی۔

ہاشم بن عتبہ، جنھیں حضرتؑ نے ابوموسیٰ اشعری کی تحقیقات کے لئے بھیجا تھا، کوفہ پہونچکر انہوں نے جو خط حضرت کو بھیجا اس میں انہوں نے لکھا تھا:

۔۔۔۔ قد قدمت علی رجل غال مشاق ظاهر الغل والشنآن ۔۔۔۔

میں نے موسیٰ کو حد سے متجاوز، جھگڑالو اور علانیہ دشمن پایا۔ (الامام علیؑ ابن ابیطالب جلد سوم)

(۳)

ذی وقار پہونچنے سے پہلے حضرت کو جو شتر سوار ملا تھا، عسکر نامی اونٹ کا مالک جس پر حضرتؑ عائشہ سوار ہو کر بصرہ گئی تھیں، اس کا بیان ہے میں اپنے اونٹ پر بیٹھا چلا جا رہا تھا کہ ایک سوار سامنے آیا اور اس نے مجھ سے کہا:

''اے اونٹ والے تم یہ اونٹ بیچتے ہو؟''

''ہاں۔''

''کتنے میں بیچو گے؟''

''ہزار درہم میں۔''

''پاگل ہوئے، ایک ہزار میں بھی کوئی اونٹ بکتا ہے؟''

''ہاں میرا اونٹ ہے بھی ایسا ہی۔ میں نے اس اونٹ پر بیٹھ کر جس کا بھی پیچھا کیا اسے پا کے رہا اور اگر میرا کسی نے پیچھا کیا تو وہ میری گرد کو نہ پا سکا۔

کسی نہ کسی طرح آخر میں اس اونٹ والے کو راضی کیا گیا۔ بہت بڑی رقم بھی دی گئی اور ایک ناقہ بھی دیا گیا اور یہ شخص حضرتؓ عائشہ کے لشکر کی رہبری کرتا ہوا آگے آگے چلا۔ جب کسی زمین پر پہونچتا پکار کر کہتا کہ یہ فلاں موضع ہے۔ کسی چشمہ سے گذرتا تو بتاتا کہ فلاں چشمہ ہے۔ وہ مزدور پیشہ آدمی تھا، اسے نہ جنگ وجدال سے مطلب نہ کشت وخون سے غرض، نہ اس کی فکر کہ یہ لشکر کشی کس مقصد کے لئے ہے۔ چونکہ رہبری پیشہ تھا، اس لیے ہر خطہ زمین سے واقفیت تھی، جس جس منزل سے گذرتا گیا اس کا نام لے کر پکارتا گیا۔ آخر ایک منزل پر پہونچ کر اس نے اعلان کیا:

"یہ حواب ہے۔"

ٹھیک اسی وقت وہاں کے کتوں نے بھونکنا شروع کیا۔ حضرتؓ عائشہ نے گھبرا کر محمل کا پردہ سرکایا۔ ادرگرد نظر ڈالی۔ محمد بن طلحہ قریب تھے دریافت کیا:

"اے محمد یہ کون سا چشمہ ہے؟"

"ام المومنینؓ یہ چشمہ حواب ہے۔"

حضرتؓ عائشہ نے کانپتے ہوئے کہا: "مجھے اب تو واپس ہی ہونا پڑے گا۔"

اس نام کو سنتے ہی حضرتؓ عائشہ کی کیفیت ہی بدل گئی۔ ضبط وقرار کی جگہ خوف وہراس نے لے لی۔ سراسیمگی کے عالم میں چیخ چیخ کر کہنے لگیں:

"میں بھولی ہوئی تھی مجھے واپس لے چلو۔"

رہبر حیران کہ حواب کا نام سنتے ہی ام المومنین پر دہشت کیوں طاری ہوگئی؟ اسے پتہ بھی نہ چل سکا کہ لفظ حواب نے ام المومنین کے دل پر کتنی کاری ضرب لگائی ہے۔ رہبر کی طرح غالباً قافلہ والوں کو بھی اس کا اندازہ نہیں ہوگا۔ ان کے سمجھ میں یہ بات نہ آتی تھی کہ آخر حواب کا نام سن کر گھبرانے کی کیا وجہ ہے۔ آپس میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔ سارے لشکر میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے دشمن نے چھاپہ مار کر زغہ میں لے لیا ہو۔ سبھی اپنے اونٹ بٹھا کر ام المومنین کی طرف دوڑ پڑے۔ حواب تک زاروقطار رو رہی تھیں۔ عبداللہ بن زبیر آگے بڑھے، پوچھا:

"مادر گرامی، کیا قصہ ہے؟"

حضرتؓ عائشہ پھر چیخ پڑیں۔

"خدا کی قسم میں ہی کلاب حواب والی ہوں۔ مجھے واپس لے چلو، مجھے واپس لے چلو۔"

(طبری، جلد 5، ص ۱۷۱ تا ۱۷۹ مصر/ ابوالفدا، جلد اول، ص ۱۷۳ مصر/ کتاب الامامت والسیاست/ روضۃ الصفا، جلد ۲، ص ۳۰۵/ الامام علیؑ، جلد سوم/ سیرۃ حلبیہ حصہ اول)

بات سچی تھی۔ واقعاً تھیں بھی وہی کلاب حوأب والی۔ کاش وہ جناب ام سلمہ کی نصیحت کان دھر کے سنے ہوتیں تو نہ نوبت یہاں تک پہونچتی اور نہ یہ صورت پیش آتی۔ مگر یہ تو ہونے والی تھی کہ پیغمبرؐ خدا اسکی خبر دے چکے تھے اور آنحضرتؐ کی نگاہیں غیب کے پردوں کو چاک کر کے اس منزل پر اپنی زوجہ کو دیکھ چکی تھیں۔ وہ دن عائشہ کے ذہن میں پتھر کی لکیر بن گیا تھا، جبکہ پیغمبرؐ خدا نے اس منزل پر آنے سے ڈرایا تھا۔ اس دن کی یاد ان کے ذہن سے محو نہ ہوئی تھی۔ پھر دو ہی چار دن گزرے تھے کہ ان کی سوکن جناب ام سلمہؓ نے اس دن کی یاد تازہ کر دی تھی اور انہیں باغیوں کے لشکر کی قیادت سے روکنا چاہا تھا، لیکن حضرتؓ عائشہ نے توجہ نہ دی، گویا اس حدیث سے غافل ہو گئیں مگر اس وقت طبل جنگ کی آواز اور تلواروں کی جھنکار میں اپنے کو پا کے پھر وہ منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا جسے گذرے چند ہی برس ہوئے تھے۔

عائشہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے سامنے برتن میں پانی رکھا ہوا تھا، اس سے وہ حضرتؐ پیغمبرؐ خدا کے سر مبارک کو دھوتی جاتی تھیں۔ پاس ہی ام سلمہ بیٹھی دودھ میں کھجور بھگو کر غذا تیار کر رہی تھیں۔ نجانے حضرتؐ کے ذہن میں کون سا خیال آیا کہ آپ نے ایک مرتبہ اپنا سر عائشہ کے ہاتھوں کے درمیان سے کھینچ لیا اور ایک اچٹتی ہوئی نظر عائشہ اور ام سلمہ پر ڈالی اور بولے۔

”کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تم دونوں میں کون جمل والی ہوگی جس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے اور وہ صراط مستقیم سے منحرف ہوگی۔“

ام سلمہ نے جلدی سے ہاتھ کھینچ لیا اور سہم کر کہا: ”میں خدا اور رسولؐ کی پناہ مانگتی ہوں اس سے۔“

”میرا خیال ہے کہ تم ہی سے کسی پر حوأب کے کتے بھونکیں گے۔“

اس کے بعد آپ نے عائشہ کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر فقرہ کو اسطرح مکمل کیا:

”دیکھو اے حمیرا! تم وہ عورت نہ ہونا۔“

مگر خوبی تقدیر کہ آخر وہی ہو کر رہیں۔ پیغمبرؐ کا ڈرانا کچھ بھی مفید نہ ہوا۔ دل میں ہوک اٹھنے لگے کہ کاش ام سلمہؓ کی نصیحت کو میں قبول کر لیے ہوتی۔ آج معلوم ہو گیا کہ کل ام سلمہ نے کتنی سچی نصیحت کی تھی۔ حضرتؓ عائشہ مجبور نہ کر دی گئی تھیں۔ اب بھی موقع تھا کہ وہ پلٹ جاتیں۔ اگر ان کے بھانجے عبداللہ بن زبیر نہ ہوتے تو کچھ بعید نہ تھا، وہ ان باغیوں کو چھوڑ کر الٹے پیروں مکہ واپس ہو جائیں، مگر ابن زبیر سمجھتے تھے کہ عائشہ کی واپسی میں کتنا بڑا خطرہ ہے۔ ام المومنین باغیوں کے لشکر کا نشان تھیں۔ انہیں کی وجہ سے لوگوں کی اتنی بڑی جمعیت ساتھ ہو گئی تھی۔ اگر ام المومنین کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا تو ساری جمعیت تتر بتر ہو جاتی اور ان کا منصوبہ ہی درہم و برہم ہو جاتا اور جن تمناؤں، آرزؤں کو لے کر وہ امیر المومنینؑ سے جنگ کرنے نکلے تھے سب ملیا میٹ ہو جاتے۔

عبداللہ ابن زبیر نے کہا:

"مادر گرامی، رہبر نے غلطی کی ہے۔ یہ حوآب کا چشمہ نہیں۔ انہوں نے بہت سے بدو عربوں کو کچھ دے دلا کر جھوٹی شہادت بھی دلوا دی کہ آپ کو محض وہم ہوا ہے۔ یہ چشمہ حوآب ہے ہی نہیں۔"

طبری فارسی میں ہے اور مسعودی اور ایر ونگ نے بھی لکھا ہے کہ خود طلحہ وزبیر نے کہا کہ یہ ماء حوآب نہیں ہے اور انہوں نے جھوٹے گواہ بنا کر پیش کیے۔ کہتے ہیں کہ یہ اول جھوٹی گواہی ہے جو اسلام میں واقع ہوئی۔

(روضۃ الاحباب/طبری فارسی/مروج الذہب/ایر ونگ/تاریخ اسلام: ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم)

حضرتؓ عائشہ اب بھی متردد تھیں۔ نہ انہیں ابن زبیر کے قسم کھانے پر پورا اطمینان ہوا نہ بدویوں کی شہادت پر۔ ان کے متردد ہونے سے قریب تھا کہ ابن زبیر کی تدبیر ناکام رہے اور حضرتؓ عائشہ واپسی ہی کو ترجیح دیں کہ اتنے میں ابن زبیر نے ایک دوسری چال چلی ایک سمت نظر ڈالی، کچھ دیر دیکھتے رہے پھر زور سے چیخے:

"بھاگو بھاگو، خدا کی قسم! علیؑ آپہونچے۔"

لشکر والے گھبرا کے اپنی اپنی سواریوں کی طرف لپکے اور اپنے اونٹوں کو تیزی سے بھگانے لگے۔ عائشہ بھاگنے والوں میں سب سے آگے تھیں۔ وہ عسکر پر سوار تھیں جو انہیں لشکر کے آگے آگے دوڑائے لیے جارہا تھا۔ رہبر پیچھے ہی چھوٹ گیا۔ لوگوں نے جی بھر کے اسے گالیاں دیں کیونکہ اس غریب نے حوآب کا نام لیا تھا اور اسے خبر نہ تھی کہ چپ رہنا ہی بہتر ہے۔ وہ حیران و سرگرداں اکیلا چلا جارہا تھا کہ راستہ میں امیر المومنین سے ملاقات ہوئی اور اس نے حضرتؑ سے یہ سارا قصہ بیان کیا۔

حضرتؓ عائشہ کا لشکر بصرہ کی راہ پر تیزی سے گامزن تھا۔ ام المومنین ہودج میں بیٹھی گزرے ہوئے واقعات پر غور کر رہی تھیں۔ ہمارا خیال کہ اب بھی وہ متردد تھیں کہ طلحہ وزبیر وغیرہ نے ان سے سچی قسم کھائی تھیں یا یہ سب کچھ جھوٹ تھا۔ محمد ابن طلحہ ان کے نزدیک ناقابل اعتبار نہ تھے اور انہوں نے بھی بتایا کہ یہ چشمہ حوآب ہی ہے۔ اور رہبر نے بھی یہی کہا تھا۔ پھر دل بھی ان کا یہی کہتا تھا۔ ان کے دل کو اب تک شک کھائے جارہا تھا۔ جوں جوں ہودج ہلتا تھا، پرانی باتیں ایک ایک کر کے یاد آتی جاتی تھیں۔ اب وہ یقین کرنے لگی تھیں کہ یہ سب میری جلن کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ جلن نہ ہوتی تو حقیقت سے آنکھیں بند نہ کرتی اور علیؑ ہی کو حق سمجھتی۔ لیکن بہر حال وہ عورت تھیں۔ ان کی بے چین طبیعت ہی نے انہیں اس محل پر لا کھڑا کیا۔ اس سے پہلے بھی انہوں نے اپنے جذبات سے مجبور کو کر نہ جانے کتنی زیادتیاں طئے پر کی تھیں اور نہ عقل کی آواز پر توجہ دی تھی، نہ شوہر کی فہمائش کی پرواہ کی تھی۔ انہیں وہ دن یاد آتا جبکہ وہ بالکل ہی حد سے گذر گئی تھیں اور رسول اللہؐ کی موجودگی بھی انہیں باز نہ رکھ سکی۔ جناب ام سلمہؓ نے مکہ میں وہ دن یاد بھی دلایا مگر اس وقت انہوں نے کوئی دھیان نہ دیا تھا۔ آج تنہائی کے عالم میں ماضی کے واقعات ایک

ایک کر کے یاد آتے جا رہے تھے۔

حضرت سرورِ کائناتؐ ایک غزوہ سے واپس ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ بعض ازواج بھی تھیں جن میں عائشہ بھی تھیں اور ام سلمہ بھی۔ آنحضرتؐ علیؑ کو ایک طرف لے جا کر کچھ راز کی باتیں کرنے لگے اور اس گفتگو میں کچھ دیر بھی ہوگئی۔ حضرتؐ عائشہ کو جلن پیدا ہوئی اور غم وغصہ سے چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا۔ ام سلمہ نے ان کی بے چینی محسوس کر لی۔ انہوں نے عائشہ کو روکا مگر انہیں صبر نہ آیا۔ غصہ میں بھری ہوئی اس جگہ پہونچیں جہاں رسولؐ اللہ علیؑ سے محوگفتگو تھے۔ آتے ہی علیؑ پر برس پڑیں اور چیخ کر کہنے لگیں:

"نو دن میں ایک دن مجھے رسولؐ اللہ کے یہاں ملتا ہے، اب تم میرا وہ دن بھی لے لینا چاہتے ہو۔"

علیؑ نے تحمل سے کام لیا، کچھ نہ بولے، مگر حضرت سرورِ کائناتؐ برداشت نہ کر سکے۔ غیظ وغضب کے مارے چہرہ سرخ ہوگیا اور آپ نے جھڑک کر کہا:

"چلو، واپس جاؤ۔"

عائشہ ٹھٹک گئیں۔ انہیں یہ محسوس ہوا کہ مجھ اس وقت بڑی زیادتی ہوگئی۔ آنحضرتؐ نے اسی غیظ وغضب کے عالم میں فرمایا:

"خدا کی قسم! میرے اہلبیتؑ میں سے کسی کو وہی دشمن رکھے گا جو ایمان سے خارج ہو۔"

عائشہ شرمندہ ہو کر اپنی جگہ واپس پلٹ گئیں۔ (الامام علیؑ جلد سوم مطبوعہ مصر)

کیا حضرتؐ عائشہ واقعاً صحیح معنوں میں علیؑ سے بغض رکھتی تھیں؟ ایسا نہیں، بلکہ یہ صرف رشک وغیرت کا بڑھتا ہوا جذبہ اور

---

[1]۔ یہ ساری عبارت استاد عبدالفتاح عبدالمقصود کی عبارت کا ترجمہ ہے۔ موصوف اب تک حضرت عائشہ کے بغض وعناد کو مسلسل ذکر کرتے آرہے تھے۔ اسی سلسلہ میں موصوف نے پیغمبرؐ کی یہ حدیث بھی لکھ دی کہ اہل بیتؑ سے بغض رکھنے والا خارج الایمان ہے۔ یہ بہت بڑی بات تھی۔ ام المومنینؓ پر براہ راست آنچ آرہی تھی۔ اس لیے موصوف نے تعبیر بدل دی کہ بغض وعناد نہ تھا بلکہ رشک وغیرت تھی اور اسی غیرت ہی کے سبب انہوں نے یہ سارے اقدامات کیے۔ آگے چل کر موصوف نے جو حدیث لکھی ہے اس سے ممکن ہے کسی کو غلط فہمی ہو کہ واقعاً رسالتمآبؐ نے کسی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا اور بغیر اپنے جانشین کے نامزد کیے ہوئے اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ حالانکہ حضرت رسالتمآبؐ نے ابتدائے بعثت ہی میں قریش کے بھرے مجمع میں علیؑ کی وزارت، وصایت اور خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔ واقعہ انذر عشیرتک الاقربین کے بیان میں تمام مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اسکے بعد بھی ہر محل وہر موقع پر اپنے اعلان کو دہراتے رہے، قولاً بھی عملاً بھی۔ آخر میں غدیر خم میں ایک لاکھ ۲۰ ہزار صحابہ کے مجمع میں بر سر منبر اعلان کیا اور علیؑ کو اپنے برابر بلند کر کے سارے مجمع کو دکھا بھی دیا۔ ہم حضرت امیر المومنینؑ حصہ اولیٰ میں ان مقامات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ یہ موقع تفصیل میں جانے کا نہیں۔ خلافت والی جلد میں ہم انشاءاللہ تفصیلی بحث کریں گے۔ موصوف بہرحال سنی المسلک ہیں۔ لہٰذا خود اپنے قلم سے اپنے عقائد کو صدمہ کیسے پہونچا سکتے تھے۔ پھر بھی آگے چل کر وہ جتنا لکھ گئے ہیں، بساغنیمت ہے۔ مصر کے کسی فاضل نے اب تک اتنی جرأت کی مثال نہیں پیش کی۔ ہم نے ناظرین کی دلچسپی کے لئے موصوف کی کتاب کے اکثر وبیشتر صفحات اس سوانح عمری میں منتقل کر دیے ہیں۔ طول ضرور ہے مگر خالی از منفعت نہیں۔

رقیبانہ چشمک تھی۔ وہ اس وقت بھی ان سے بغض نہیں رکھتی تھیں جبکہ مکہ میں انہیں علیؑ کے خلیفہ ہونے کی خبر ملی اور انہوں نے ان کی خلافت سے انکار کیا۔ وہ علیؑ سے بغض رکھ ہی نہیں سکتیں۔ انہیں اچھی طرح یاد تھا کہ علیؑ سب سے زیادہ محمدؐ کے دل سے قریب، سب سے بڑھ کر پسندیدہ اور ہر ایک سے زیادہ محبوب تھے۔ مزید برآں خاندانی لحاظ سے سب سے زیادہ شریف اور سب سے بڑھ کر پاکیزہ طبیعت بھی تھے۔ وہ یہ تمام باتیں اچھی جانتی تھیں۔ انہیں کبھی شک وشبہ دامنگیر نہیں ہوا لیکن اس کو کیا کیا جائے، وہ یہ سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی رشک وغیرت کے جذبات سے مغلوب تھیں۔ بھلا وہ کیسے بھول سکتی تھیں کہ آنحضرتؐ صاف وصریح لفظوں میں وصیت کر کے اپنے بعد علیؑ کو جانشین بنانے والے ہی تھے، مگر اس ڈر سے کہ کہیں امت میں فرقہ بندیاں نہ ہو جائیں آپ ایسا نہ کر سکے۔ انہیں وہ واقعہ رہ رہ کے یاد آتا تھا کہ ایک مرتبہ اسی طرح رسالتمابؐ کے ساتھ عائشہ سفر میں تھیں۔ ام سلمہ بھی ساتھ تھیں۔ حضرتؐ اپنی ازواج کے پاس تشریف فرما تھے۔ ابوبکر وعمر دروازہ پر آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ عائشہ وام سلمہ پردہ کے پیچھے چلی گئیں۔ دونوں حضرات نے آکر سلام کیا اور آغاز گفتگو کرتے ہوئے عرض کی:

"یا رسول اللہ ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ آپ ہمارے درمیان کتنے دن اور زندہ رہیں گے۔ اگر آپ بتا دیتے کہ آپ کے [بعد] کون جانشین ہوگا تو ہمارے لیے وہ شخص آپ کے بعد جائے پناہ ہوتا۔"

رسالت مابؐ نے ایک طرف نگاہ کی۔ کچھ دیر غور سے دیکھا کیے، پھر آپؐ نے فرمایا:

"میں اس شخص کو جانتا ہوں .... لیکن اگر میں نام لے لوں تو تم اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جاؤ جس طرح بنی اسرائیل ہارون کے متعلق گروہ در گروہ ہو گئے تھے۔"

ابوبکر وعمر یہ جواب سن کر خاموشی کے ساتھ سر جھکائے رخصت ہو گئے۔

عائشہ وام سلمہ پردہ کے پیچھے بیٹھی اس سوچ میں غرق تھیں کہ رسولؐ کسے کہنا چاہتے تھے؟ اگر وہ ٹھنڈے دل سے غور کرتیں تو یقیناً ان کا ذہن بس ایک ذات پر جا کر رک جاتا۔ صحابہ کبار میں سے کسی ایک شخص سے بھی پوچھا جاتا تو وہ فوراً بتا دیتا کہ رسولؐ اللہ کی مراد کس سے ہے؟ رسول اللہؐ نے نام نہ لیا نہ سہی مگر بہت سے دلائل ایسے تھے جو اس شخص کی نشاندہی کرتے تھے۔ خیالات کی رو، پیغمبرؐ خدا کی اس حدیث کو آنحضرتؐ کی دوسری حدیث سے مربط کرتی تھی جو پیغمبرؐ نے ایک موقع پر اپنے ابن عم کے متعلق صریح لفظوں میں فرمائی:

یا علی انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔

اے علیؑ! تم کو مجھ سے وہی تعلق ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھا۔

پیغمبرؐ کی یہ لفظیں اور یہ تشبیہ جو گہرے مطالب دامن میں لیے ہوئے ہے، وہ ظاہر ہے۔ کیا پیغمبرؐ خدا کا اشارہ علیؑ کی طرف تھا؟ نہ عائشہ سمجھ سکیں نہ ام سلمہ۔ وہ ایسے اہم معاملات میں قیاس و گمان کا سہارا لینا پسند نہ کرتی تھیں۔ گمان کبھی صحیح ہوتا ہے، کبھی غلط۔ عورت کی فطرت میں تجسس داخل ہے۔ قبل اس کے کہ ام سلمہ کچھ بولیں، عائشہ نے پردے سے باہر آ کر پیغمبرؐ سے پوچھا:

''یارسول اللہ آپ کسے خلیفہ بنانے والے ہیں؟''

آپ نے بس اتنا کہا:

''خاصف النعل۔''

اتنا کہہ کر حضرتؐ خاموش ہو گئے اور انہیں قیاس آرائیوں کے لئے چھوڑ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد شکوک وشبہات کی رہی سہی گنجائش بھی جاتی رہی۔ جب اس جگہ سے روانگی ہوئی تو قریب ہی ایک درخت کے سایہ میں انہوں نے اسی خاصف النعل کو دیکھ لیا جس کی تلاش تھی۔ علیؑ بیٹھے ہوئے ان کے شوہر کی نعلین ٹانک رہے تھے۔ جب علیؑ کے چہرے پر ان کی نظر پڑی تو سمجھ گئیں کہ پیغمبرؐ کی مراد کس سے تھی اور ان کے ذہن میں یہ بات جم گئی کہ دونوں حدیثیں: ''یا علی انت بمنزلۃ ھارون من موسیٰ'' اور ''خاصف النعل'' ایک دوسرے سے مرتبط ہیں۔

عائشہ نے حیرت زدہ ہو کر کہا: ''یارسول اللہ! میرا خیال ہے کہ آپ علیؑ کو کہنا چاہتے تھے۔''

آنحضرتؐ نے فرمایا: ''ہاں! وہی مقصود ہیں۔''

اب وہی عائشہ اسوقت اونٹ کی پشت پر ہودج میں بیٹھی لشکر کے ساتھ بصرہ کی طرف جا رہی تھیں۔ ایسے مقصد کو لے کر نکلی ہیں کہ پتہ نہیں انجام کار امت کس نوبت کو پہونچے؟ اور وہ شخص کتنا مبتلائے مصیبت ہو جس کی ذات پر تمام مسلمان متفق ہو چکے ہیں۔ کتنا ہولناک یہ خروج تھا اور کیسے شخص کے خلاف؟ ایسے شخص کے خلاف جو نظیر ہارون تھا، جن کے بارے میں بنی اسرائیل مختلف ٹولیوں میں بٹ گئے تھے۔

چوتھی فصل

حضرت عائشہ کا بصرہ میں ورود

حضرت عائشہ نے پردہ کے شگافوں سے چاروں طرف نظر کی۔ تا حد نگاہ میدان خالی تھا۔ علیؑ کے لشکر کا کہیں دور تک پتہ نہ تھا۔ سمجھ گئیں کہ ابن زبیر کی چیخ محض سفر جاری رکھنے کے لئے حیلہ و فریب تھی۔ لشکر مقام حفیر کے قریب پہونچ چکا تھا اور اب یہاں سے بصرہ تک ایک دن یا کچھ زیادہ کی مسافت رہ گئی تھی۔ یہیں عمیر بن عبداللہ تمیمی حضرت عائشہ سے آکر ملے۔ انہوں نے کہا:

"ام المومنین میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ آپ ہرگز ایسی قوم میں تشریف نہ لے جائیں جن سے آپ نے پہلے خط و کتابت نہ کی ہو۔ اولاً عبداللہ بن عامر کو بھیجئے۔ یہ وہاں کے عامل رہ چکے ہیں۔ ان سے وہاں کے لوگوں کے تعلقات و مراسم ہیں۔ پہلے یہ ملاقات کریں اور آپ کا ارادہ بیان کریں پھر آپ تشریف لے جائیں تاکہ وہ لوگ آپ کی بات سنیں اور مطیع و فرمانبردار ہوں۔"

حضرت عائشہ نے اس رائے سے اتفاق کیا اور عبداللہ بن عامر کو بصرہ روانہ فرمایا۔ (سیرۃ علویہ جلد اول۔ الامام علیؑ ابن ابی طالب)

حضرت عائشہ اس وقت جن الجھنوں میں گرفتار تھیں اگر وہ الجھنیں نہ ہوتیں تو کبھی اپنا پیام ایسے شخص کے ذریعہ نہ بھیجتیں جس کے متعلق معلوم تھا کہ تھوڑے ہی دن ہوئے بصرہ والوں نے اسے نکال باہر کیا ہے، مگر کرتیں بھی کیا؟ ابن عامر ہی ایک اکیلا وسیلہ تھا۔ اسے بصرہ بھیجنا ضروری تھا، شاید کامیابی کی صورت نکل سکے۔ یہ مدتوں بصرہ میں حکومت کر چکا تھا۔ وہاں اس کے اعوان و انصار بھی رہے ہوں گے جو اسکی حکومت کے زمانے میں اپنے اغراض کے تحت اس کے حاشیہ نشین اور اس کی وفاداری کا دم بھرتے تھے۔ اس کے بصرہ پہونچنے پر اس توقع میں کہ ممکن ہے اس کا ساتھ دینے میں پھر وہ دن پلٹ آئیں، اس کے قدیمی دوست احباب کا حمایت پر کمر بستہ ہو جانا زیادہ مشکل نہ تھا۔ اس میں کچھ کامیابی ہوئی بھی۔ بصرہ کے ایک حصہ کی رائے حضرت عائشہ کے موافق ہو گئی۔ ایک حصہ تردد میں پڑ گیا کہ کس کا ساتھ دیں اور کس کا نہ دیں۔ ایک حصہ البتہ حضرت امیر المومنینؑ کی اطاعت و وفاداری پر ثابت قدم رہا۔

عثمان بن حنیف والی بصرہ بھی ان باتوں کو سمجھتے تھے لیکن اس کا صحیح اندازہ نہ تھا کہ لوگوں کے خیالات کس حد تک مختلف ہو چکے ہیں۔ انہوں نے مسجد میں ایک شخص کو بھیجا جس نے مجمع عام میں کہا:

"ایہا الناس! یہ لوگ ڈر کر مکہ سے اگر تمہارے پاس آئے ہیں تو بالکل خلاف قیاس ہے، کیونکہ یہ ایسے شہر سے آئے ہیں

جہاں چڑیوں تک کو امن ہے اور اگر یہ لوگ حضرت عثمان کے خون کا انتقام لینے آئے ہیں تو ہم قاتلین عثمان نہیں۔تم لوگ میری بات مانو،ان کو واپس کر دو۔"

اس شخص کی [بات] پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ دوسرے گوشے سے جواب میں کسی نے کہا:

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ لوگ ہم کو قاتلین عثمان سمجھ کر آئے ہیں۔ایسا نہیں ہے بلکہ اس غرض سے آئے ہیں کہ ہم لوگوں کو اپنا مددگار بنا کر قاتلین عثمان پر حملہ کریں۔"

یہ جواب سن کر عثمان بن حنیف کو یقین ہوگیا کہ ہمارے شہر میں بھی ایک خفیہ جماعت موجود ہے جو عائشہ کے لئے کام کر رہی ہے اور اندر ہی اندر جنگ کی سازشیں ہو رہی ہیں۔"

حضرت عائشہ نے ابن عامر کو بصرہ بھیجا تاکہ اپنے دوست احباب سے میل ملت بڑھائے اور ایسے لوگوں کو تلاش کرے جو عائشہ کے لئے کام کریں،لوگوں کو ان کی مدد پر ابھاریں۔معززین بصرہ کو حضرت عائشہ نے اس مضمون کے خط بھی بھیجے کہ ہمارے جھنڈے تلے آجاؤ اور ہماری مدد کرو۔بیج بونے کے بعد ٹھہر کر کھیتی کے تیار ہونے کی گھڑی کا انتظار کرنے لگیں۔

علامہ ابوعمر و صاحب استیعاب لکھتے ہیں:"احنف بن قیس مرد زیرک و دانا تھے۔جب عائشہ علیؑ کے خلاف لوگوں کو صف بستہ کرنے کے لئے بصرہ پہونچیں تو احنف بن قیس کو بلا بھیجا۔انہوں نے انکار کیا۔دوبارہ پیغام بھیجا۔احنف آئے۔عائشہ نے کہا:

"وائے ہو اے احنف،امیر المومنین عثمان کے قاتلوں سے جہاد نہ کرنے کا کیا عذر خدا کے روبرو بیان کرو گے؟کیا تعداد کی کمی کے سبب جنگ پر تیار نہیں ہو یا قبیلہ میں تمہاری بات نہیں مانی جاتی؟"

احنف بن قیس:مادر گرامی!میں کوئی بوڑھا نہیں ہوا نہ زیادہ دن کی بات ہے۔گذشتہ سال میں نے اپنی آنکھوں سے ...آپ کو دیکھا اور اپنے کانوں سے عثمان کو برا بھلا کہتے سن چکا ہوں۔ام المومنین!میں آپ کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ جس روز عثمان قریب بہ ہلاکت تھے،میں نے آپ سے پوچھا تھا (اس وقت طلحہ و زبیر بھی آپ کے ساتھ تھے) کہ اگر عثمان مارے گئے تو میں کس کی بیعت کروں؟کیا آپ نے نہیں کہا تھا کہ علی ابن ابی طالب کی بیعت کرنا؟"

حضرت عائشہ نے جواب دیا:

"ہاں اس دن میں نے یہی کہا تھا مگر اس وقت ایسے معاملات در پیش ہیں جن کو میں تم سے بہتر سمجھتی ہوں۔"

احنف بن قیس:خدا کی قسم!میں ہرگز علیؑ بن ابی طالب سے مقابلہ نہیں کروں گا۔پھر جناب امیرؑ کے فضائل بیان کرنا شروع کیے اور مجلس سے اٹھ کر چلے آئے۔(سیرۃ علویہ ص ۲۲۲،تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی،روضۃ الاحباب،روضۃ الصفاء،تاریخ کامل وغیرہ)

زید بن صوحان کو، جو اکابر کوفہ سے تھے، حضرت عائشہ نے خط میں لکھا تھا:

"اے میرے خالص بیٹے! میرا خط پہونچتے ہی میری مدد کو روانہ ہو جاؤ اور اگر مدد کو نہ آؤ تو لوگوں کو علیؑ کی نصرت سے باز رکھنا۔"

زید نے جواب میں لکھا: "اے ام المومنین! میں آپ کا خالص بیٹا ہوں اگر آپ اس امر سے کنارہ کشی کر کے اپنے گھر واپس چلی جائیں، ورنہ سب سے پہلا مخالف آپ کا میں ہی ہوں۔"

اور کہا کہ خدا ام المومنین پر رحم کرے۔ انہیں حکم دیا گیا کہ اپنے گھر سے نہ نکلیں اور ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم قتال کریں۔ پس جس بات کا انہیں حکم دیا گیا تھا، اس کو خود تو انہوں نے ترک کیا اور ہم کو اس کا حکم دیا اور جس بات کا ہمیں حکم تھا وہ خود انہوں نے کی اور ہمیں اس سے روکا۔ (طبری/ تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم)

عثمان بن حنیف کی جان سخت مشکل میں تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں اور کیسے کریں؟ مسلمانوں کو دیکھتے تھے کہ فتنہ کی طرف بڑھے جا رہے ہیں۔ ان کی سرکشی بھی علانیہ ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا پہلا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ امیر المومنینؑ کی بیعت دلوں سے کم ہو جائے گی اور آخری انجام یہ ہوگا کہ جمہوری حکومت کا خاتمہ ہی ہو جائے گا، لیکن ان سب کے باوجود وہ اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے ڈرتے تھے۔ انہیں کچھ پتہ نہ تھا کہ اگر میں کوئی اقدام کرتا ہوں اور مسلح قوت سے کام لے کر ان سرکشوں کو نکال باہر کرتا ہوں تو امیر المومنینؑ ہمارے اس فعل کو پسند کریں گے یا نہیں۔ اس کا بھی اطمینان نہ تھا کہ اگر میں صبر سے کام لیتا ہوں ان کے خلاف اسلحہ نہیں اٹھاتا تو یہ لوگ ہم پر حملہ نہیں کر بیٹھیں گے اور قبل اس کے کہ علیؑ کا کوئی حکم پہونچ سکے ہمارا قصہ پاک نہ کر دیں گے۔

اسی کشمکش میں وہ عرصہ تک مبتلا رہے، پھر بھی ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا ممکن نہ تھا۔ انہوں نے عمران بن حصین اور ابوالاسود دوئلی کو حضرت عائشہ کی خدمت میں بغرض دریافت حال بھیجا۔ یہ دونوں حفیر میں حضرت عائشہ کے پاس پہونچے اور کہا:

"ام المومنین! ہمیں ہمارے حاکم نے آپ کے پاس بھیجا ہے یہ دریافت کرنے کے لئے کہ آپ کس غرض سے تشریف لائی ہیں؟ کیا آپ اس پر کچھ روشنی ڈالنا پسند کریں گی؟

حضرت عائشہ: "خدا کی قسم! میرے رتبہ کے اشخاص کسی بات کو چھپا کر گھر سے نہیں نکل سکتے اور نہ کوئی ماں اپنے بیٹوں سے اصل حقیقت چھپا سکتی ہے۔"

اس کے بعد انہوں نے اپنے جدید خیالات ظاہر کرنا شروع کیے۔ ایسے جدید خیالات جن کا خطور پہلے کبھی ان کے دماغ میں

نہ ہوا تھا۔ امیر المومنینؑ کے خلیفہ ہونے کے بعد ہی یہ خیالات ذہن میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے سلسلۂ گفتگو میں کہا:

''قبائل کے آوارہ گردوں نے مدینہ پر جو حرم محترم تھا، حملہ کیا اور وہاں فتنے برپا کیے۔ انہوں نے فتنہ پردازوں کو پناہ بھی دے رکھی ہے۔ اس بنا پر وہ خدا اور رسولؐ کی لعنت کے مستحق ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے بیگناہ خلیفۃ المسلمین کو قتل کیا۔ معصوم خون کو حلال جان کر بہایا۔۔۔ ہم اصلاح کی دعوت لیکر کھڑے ہوئے ہیں جس کا خدا اور رسولؐ نے ہر چھوٹے بڑے اور زن و مرد کو حکم دیا ہے۔ یہ ہے ہمارا مقصد جس کی نیکی پر ہم تمہیں آمادہ کر رہے ہیں اور جس کی برائی سے تمہیں روکنا چاہتے۔''

عمران اور ابوالاسود نے گفتگو ختم ہونے پر کہا:

''اس سفر کے متعلق حضرت سرورکائنات بھی آپ کو کوئی ہدایت دے گئے ہیں؟''

حضرت عائشہ نے غضبناک ہو کر کہا: ''عثمان کے مظالم تم لوگوں پر تو میں دیکھ نہ سکی، تم لوگوں کی تلواریں عثمان پر کیسے برداشت کر سکتی ہوں؟''

عائشہ کے پاس سے رخصت ہو کر یہ لوگ طلحہ کے پاس گئے اور پوچھا کہ آپ کے آنے کا مقصد کیا ہے؟

طلحہ نے کہا: ''ہم عثمان کے خون کا انتقام لینے نکلے ہیں۔''

اس پر ابوالاسود دوئلی نے آگے بڑھ کر کہا: ''اے ابومحمد! آپ لوگوں نے حضرت عثمان کو قتل کیا اور ہم سے کوئی مشورہ نہیں لیا۔ پھر آپ لوگوں نے علیؑ کی بیعت کی اور اس کے متعلق بھی ہم لوگوں کی رائے دریافت نہیں کی۔ ہم لوگ نہ عثمان کے قتل ہونے پر غضبناک ہوئے نہ علیؑ کی بیعت ہو جانے پر ہم لوگوں کو ناراضی ہوئی۔ پھر یہ سب کچھ ہونے کے بعد آپ لوگوں کے خیالات میں تبدیلی آگئی اور اب آپ لوگ علیؑ کو معزول کرنا چاہتے ہیں۔ ہم لوگ تو پہلی ہی بات پر قائم ہیں، آپ جانیں اور آپ کا کام۔

عمران نے کہا:

''اے طلحہ! تم لوگوں نے عثمان کو قتل کیا ہم لوگ اس پر غضب ناک نہ ہوئے کیونکہ تم نے ان کا قتل کیا جانا برا نہیں [سمجھا]۔ پھر تم لوگوں نے علیؑ کی بیعت کر لی۔ تمہارا دیکھا دیکھی ہم نے بھی بیعت کر لی۔ اگر عثمان کا قتل کیا جانا جائز تھا تو پھر تمہارے یہاں آنے کی کیا وجہ ہے؟ اور اگر عثمان کا قتل ناجائز تھا تو ان کے قتل میں تم لوگوں کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔''

طلحہ سے اور تو کوئی جواب بن نہ پڑا، کہنے لگے:

''اے عمران و ابوالاسود! تمہارے صاحب (علیؑ بن ابیطالب) اپنی حکومت میں کسی کو شریک کرنا نہیں چاہتے اور ہم لوگوں

نے اس پر ان کی بیعت نہیں کی تھی۔"

یہ جواب سن کر عمران اور ابوالاسود دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اصل حقیقت کا انکشاف ہو چکا تھا۔ ابوالاسود نے راستہ میں عمران سے کہا:

"عمران! طلحہ نے تو صاف اقرار کر لیا کہ ان کا غم وغصہ محض حکومت کی خاطر ہے۔"

اس کے بعد یہ دونوں زبیر کے پاس پہونچے۔ انہوں نے طلحہ سے بھی زیادہ کھل کر دلی خیالات ظاہر کر دیئے۔ سلسلہ گفتگو میں انہوں نے کہا:

"طلحہ اور میں ایک جان دو قالب ہیں۔ عثمان کے بارے میں ہم دونوں سے کچھ لغزشیں ہوئی تھیں۔ ہم نے عذر و معذرت کی آڑ ڈھونڈھی۔ اگر وہ ہم لوگوں کا خیال کیے ہوتے تو ہم ضرور ان کی مدد کرتے۔"

(الامامۃ والسیاست جلد ا ص56، 57 / عقد فرید جلد ۲ ص ۲۷۸ / شرح ابن ابی الحدید جلد ۲ ص ۸۱ / الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم / سیرۃ علویہ حصہ اول وغیرہ)

ایک بات طلحہ وزبیر نے اور بھی کہی تھی اور وہ یہ کہ علیؑ کی بیعت ہم دونوں نے مجبور ہو کر کی جبکہ تلوار ہماری گردنوں پر رکھی ہوئی تھی۔"

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ایسا ہوا بھی یا نہیں؟ اور اگر ہوا بھی تو کب؟ اور کیا علیؑ کی مرضی کو بھی اس میں کوئی دخل تھا؟

نکث بیعت کے الزام سے بچنے کے لئے جہاں انہوں نے اور بہت سے بہانے تلاش کیے وہاں ایک یہ بھی بہانا تھا مگر یہ عذر جتنا مہمل و واہیات تھا، وہ معمولی بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔ علیؑ کی بیعت بہت سے لوگوں نے نہیں کی مگر علیؑ کسی کے پاس یہ پوچھنے نہیں گئے کہ تم نے کیوں نہیں بیعت کی؟ اور نہ کسی کو بیعت پر انہوں نے مجبور ہی کیا بلکہ ہر ایک کو آزاد چھوڑ دیا۔ عبداللہ ابن عمر، سعد ابن ابی وقاص، اسامہ بن زید کی داستان کسے نہیں معلوم؟ لیکن بہر حال یہ بھی ایک بہانہ تھا جیسا کہ ابھی ہم نے بیان کیا، محض یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ہم نے جو علی کی بیعت توڑی ہے اس میں ہم خطا کار نہیں۔ سچ کہا ہے کسی نے کہ عذر گناہ بدتر از گناہ۔

ابوالاسود نے بصرہ واپس جا کر عثمان بن حنیف سے بے کم وکاست یہ تمام گفتگو نقل کر دی۔ اس پر نہ کوئی تبصرہ کیا نہ اپنی کوئی رائے ظاہر کی، بس اتنا کہا:

"اے ابن حنیف! میں وہاں سے آ گیا۔ اب تم اٹھ کھڑے ہو، ان لوگوں سے جنگ کرو، ثابت قدم رہو اور جمے رہو اور دامن گردان کر اسلحے سے لیس ہو کر مقابلہ کے لئے نکل پڑو۔"

ابوالاسود کا یہی مشورہ اور نصیحت تھی۔ دلوں کے بھید معلوم کرنے کے بعد وہ اسی نتیجہ پر پہونچے کہ گربہ کشتن روز اول ہی ٹھیک ہے، نہ اس میں تساہلی برتنی چاہیے اور نہ تردد۔ ابوالاسود نے خود حضرت عائشہ سے بھی اپنی اس رائے کا اظہار کر دیا تھا جب طلحہ وزبیر سے گفتگو کر کے پلٹنے لگے اور حضرت عائشہ نے ٹوہ لینے کے لیے پوچھا:

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ عثمان بن حنیف مجھ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔''

انہوں نے برجستہ کہا:

''ہاں، خدا کی قسم! وہ ایسی شدید جنگ ہوگی جس میں سر اڑتے پھریں گے۔'' (الامامۃ السیاسۃ جلد اول ص ۵۷)

لیکن عثمان بن حنیف اب بھی حیرت میں پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے ابوالاسود کا مشورہ سن کر سر ہلایا اور کہا:

''اناللہ وانا الیہ راجعون۔ برب کعبہ اسلام کی چکی چلی خدا خیر کرے، دیکھئے کیا انجام ہوتا ہے؟''

عمران بن حصین نے کہا: ''خدا کی قسم! عائشہ تم لوگوں سے طولانی جنگ کریں گی۔ عثمان نے کہا: ''تو مشورہ دو کیا کیا جائے؟''

عمران نے کہا: ''میں تو گھر میں جا کر بیٹھتا ہوں، تم بھی بیٹھ رہو۔''

عثمان نے کہا: ''یہ مجھ سے نہ ہوگا۔ میں روکوں گا جب تک امیرالمومنین تشریف نہ لائیں۔'' (سیرۃ علویہ جلد اول)

عمران بن حصین جا کر بیٹھ رہے۔ ایسے لوگوں کے مقابلہ میں تلوار اٹھانے کی انہیں ہمت نہ ہوئی جو برادران اسلامی تھے، حالانکہ اگر غور وفکر سے کام لیتے تو ان سے لڑنا واجب نظر آتا۔ اسلام کی حمایت میں اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی کی خاطر یہ جنگ مقدس جنگ ہوتی۔ اگر بات بڑھنے سے پہلے ہی روک تھام کر دی جاتی تو بعد میں حضرت عائشہ اور طلحہ وزبیر کے فتنہ کے سبب مسلمانوں پر جو تباہیاں آئیں، ہمیشہ کے لئے اختلاف پیدا ہوگئے، یہ سب کچھ بھی نہ ہوا ہوتا۔ بہر حال یہ عمران کا نظریہ تھا اور ان کے اپنے جذبات اور کسی کے جذبات پر کون پہرہ بٹھا سکتا ہے؟ عثمان بن حنیف نے اپنے مصاحبین کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور تقریر کرتے ہوئے کہا:

''اے لوگو! تم نے اللہ کی بیعت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ تمہارے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ جو شخص اپنے عہد کو توڑے گا اپنا نقصان کرے گا، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ سے اپنے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو اجر عظیم دے گا۔ خدا کی قسم! اگر علیؑ کے علاوہ اور کوئی شخص خلافت کا حقدار ہوتا تو علیؑ کبھی خلافت قبول نہ کرتے۔ اگر لوگ علیؑ کے علاوہ کسی اور شخص کی بیعت کر لیتے تو علیؑ کو بھی اسکی بیعت میں کوئی عذر نہ ہوتا۔ نہ علیؑ صحابہ میں سے کسی کے محتاج ہیں نہ صحابہ علیؑ سے بے نیاز۔ صحابہ کو جو محاسن وفضائل حاصل ہیں، علیؑ ان میں برابر کے حصہ دار ہیں۔ علیؑ کو جو فضائل ومحاسن حاصل ہیں ان میں کوئی ان کا شریک

نہیں ۔۔۔۔۔ یہ دونوں شخص علیؑ کی بیعت کر چکے ہیں لیکن اس سے ان کی غرض خدا تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرنا نہ تھا۔ انہوں نے خدا تعالیٰ سے ثواب حاصل کرنے کے بجائے بندوں سے ثواب حاصل کرنا چاہا۔ اب یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے بیعت مجبوری کی حالت میں کی تھی، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عامۃ المسلمین کدھر ہیں؟ جدھر عامۃ المسلمین ہیں، ادھر ہی ہدایت ہے۔ یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ عامۃ المسلمین نے علیؑ کی بیعت کرلی ہے۔ کیا اب بھی حق کے بارے میں کوئی شک وشبہ باقی رہا؟ (خلفائے محمد: عمر ابوالنصر ترجمہ محمد احمد پانی پتی مطبوعہ لاہور/ الامام علی حصہ سوم مطبوعہ مصر وغیرہ)

عثمان بن حنیف بخوبی سمجھتے ہوئے بھی کہ طلحہ وزبیر علیؑ سے حسد رکھتے ہیں اور اسی حسد کے سبب دشمنی پر اتر آتے ہیں اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ نکث بیعت کے پردے میں کون سی خواہشیں پوشیدہ ہیں، تشدد سے کام لینے پر تیار نہ ہوئے۔ غالباً انہیں یہ بھی خیال رہا ہوگا کہ خود بصرہ میں دو پارٹیاں ہو چکی ہیں۔ عمران بن حصین اور ابوالاسود دوئلی کی باتوں سے بھی یہ حقیقت ظاہر ہو چکی تھی۔ ابوالاسود کی رائے جنگ کی تھی اور عمران نے خاموش بیٹھ رہنے کو بہتر سمجھا۔ انہی دونوں پر بصرہ کی آبادی کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو ایسے لوگ کم ہی رہے ہوں گے جو اس فتنہ کو بزور شمشیر مٹانا واجب سمجھتے ہوں؛ چنانچہ ہشام بن عامر نے کہا:

"جو تدبیر آپ کرنا چاہتے ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو کوئی امر مکروہ نہ پیش آجائے۔ فی الحال ملائمت سے کام نکالیے تاوقتیکہ جناب امیرؑ کا حکم نہ آجائے۔"

حکیم ابن جبلہ کو جوش آگیا۔ انہوں نے کھڑے ہو کر کہا:

اگر یہ لوگ بصرہ میں داخل ہوئے تو ہم ان سے لڑیں گے۔ اگر سارے لوگ بھی میرا ساتھ چھوڑ دیں تو میں اکیلا لڑوں گا۔ مجھے حق وانصاف کے راستہ میں کسی روک کی پروانہ ہوگی۔ جو شخص ان لوگوں سے لڑائی کرتا ہوا مارا جائے گا وہ یقیناً شہادت کا درجہ حاصل کرے گا۔ (خلفائے محمد: عمر ابوالنصر/ الامام علی حصہ سوم)

مگر عثمان بن حنیف نے مناسب یہی سمجھا کہ حتی الامکان صلح وآشتی سے کام لیا جائے۔

(۲)

حضرت عائشہ کا لشکر حفیر سے روانہ ہوا۔ غالباً عثمان بن حنیف کی رواداری وامن پسندی نے لالچ پیدا کر دی تھی، یا حفیر میں ٹھہرنے سے مرمد میں جا کر کیمپ کرنا زیادہ بہتر معلوم ہوا جو بصرہ سے بالکل ہی متصل تھا۔ دل کو یہ اطمینان تھا کہ والی بصرہ نے چاہے کتنی ہی احتیاطی تدابیر اختیار کر لی ہوں اور بکتر بند فوجیں سامنے کھڑی کر دی ہوں، بصرہ میں ایک اچھی خاصی تعداد ہماری حمایت کے لئے تیار ہو چکی ہے۔

بعض اشخاص حضرت عائشہ کے پاس یہ درخواست لے کر گئے کہ وہ شہر میں ضرور داخل ہوں۔ان کے مقابلہ میں ایک جماعت امیر المومنینؑ کے مقرر کردہ عامل کے ساتھ بایں عزم کھڑی ہوگئی کہ حضرت عائشہ کے لشکر کو شہر میں داخل ہونے سے بہرحال روکا جائے، خواہ اس کے لیے تلوار چلانا اور جنگ کرنا ہی کیوں نہ پڑے۔ (خلفائے محمد والامام علیؑ)

عثمان بن حنیف نے تساہلی نہیں برتی وہ بھی اپنے لشکر کو لے کر بصرہ سے باہر نکلے۔دونوں فوجوں سے مربد چھلکنے لگا۔ابن حنیف نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد یہ رائے قائم کی خودکوئی پہل نہ کی جائے۔حضرت عائشہ کا لشکر جب تک ابتدا نہ کرے ہم بھی ان پر تلوار نہ اٹھائیں۔انہوں نے تلواریں نیاموں ہی میں رکھیں اور اپنی جماعت کے بہت سے لوگوں کو واپس کر دیا، جو مرنے مارنے پر تیار تھے۔مربد میں دونوں طرف فوجیں صف بستہ ہوئیں، مربد کے دائیں جانب حضرت عائشہ کا لشکر تھا اور بائیں جانب عثمان بن حنیف والی بصرہ کی فوجیں۔دونوں طرف کے لوگوں میں ہیجانی کیفیت تھی، بس بارود کو آگ دکھانا تھا۔

سب سے پہلے طلحہ نے چنگاری پھینکی۔انہوں نے جب اس بھرے ہوئے مجمع کو دیکھا تو اس سے بہتر موقع ہاتھ رنگنے کا انہیں نظر ہی نہیں آیا۔طلحہ کے یہاں آنے مقصد یہ تھا کہ یار و انصار فراہم کریں اور اب اسکی منزل قریب آگئی تھی۔تھوڑے ہی دن کی بات تھی بصرہ والے بھی ان کا دم بھرتے تھے۔بصرہ میں ایک مضبوط جماعت ضرور ایسی تھی جو ان کے اشارہ پر مدد کے لئے تیار ہو جاتی۔ پھر اسی بصرہ میں عبداللہ بن عامر سابق گورنر کے یار و انصار بھی تھے۔ان کے علاوہ بہت سے ایسے لوگوں کی موجودگی بھی ممکن تھی جو عائشہ کی اپیل پر یا ہوا وہوس کے تحت حمایتی بن جاتے۔اب رہے باقی لوگ تو ان میں دو قسم کے لوگ تھے: ایک تو وہ امیر المومنینؑ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے اور انہیں کوئی توڑ نہیں سکتا تھا۔دوسرے وہ جو ڈانواڈول تھے، جدھر ہوا کا رخ دیکھتے ادھر ہو جاتے۔طلحہ کو اگر خوف ہوسکتا تھا تو انہیں لوگوں کا جو امیر المومنینؑ کے وفادار تھے۔مگر جب انہیں یہ پتہ چل گیا کہ عثمان بن حنیف لڑنا نہیں چاہتے، حتی الامکان نرمی برتنا چاہتے ہیں تو یہ خوف بھی جاتا رہا۔انہیں یقین ہوگیا کہ ہم نے بازی جیت لی۔

جب دونوں لشکر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہو گئے تو طلحہ آگے بڑھے اور دونوں فوجوں کے درمیان کھڑے ہو کر ایک تقریر کی جس میں اللہ کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد حضرت عثمان کا ذکر کیا ان کے فضائل بیان کیے۔ان کی مظلومیت کے واقعات دہرائے۔اسکے بعد لوگوں کو ان کے خون کا بدلہ لینے کی ترغیب دی۔طلحہ کے بعد زبیر کھڑے ہوئے اور انہوں نے بھی اسی قسم کی تقریر کی جس قسم کی طلحہ نے کی تھی۔جب یہ دونوں اپنی تقریر ختم کر چکے تو دائیں طرف سے ان کے ساتھیوں نے پکار کر کہا کہ جو کچھ آپ نے کہا بالکل درست اور سچ کہا لیکن بائیں طرف سے ان کے مخالفین کی آوازیں آئیں کہ جو کچھ کہا بالکل غلط کہا۔

آپ لوگوں نے پہلے حضرت علیؑ کی بیعت کی اور پھر اس کو توڑ کر ان کے خلاف محاذ قائم کرلیا۔

اس طرح ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اور ہر طرف سے شوروغل مچنے لگا۔ آخر حضرتؓ عائشہ کھڑی ہوئیں۔ آپ کی آواز کافی بلند تھی۔ آپ نے لوگوں کو خاموش ہوجانے کو کہا۔ جب ہر طرف سے خاموشی چھاگئی تو آپ نے حمدوثنا کے بعد یہ تقریر کی:

''لوگ عثمان پر اعتراض اور ان کے عہدہ داروں کی برائیاں کرتے تھے۔ وہ مدینہ میں آکر ہم سے صلاح ومشورہ کرتے تھے۔ عثمان کی نسبت جب ہم ان لوگوں کی شکایتوں پر غور کرتے تو انہیں بے گناہ، پرہیزگار، راست گفتار اور ان ہنگامہ کاروں کو گنہگار، غدار اور دروغ گو پاتے تھے۔ ان کے دل میں کچھ اور تھا اور زبان پر کچھ اور۔ جب ان کی تعداد بڑھ گئی تو بے قصور اور بلا سبب عثمان کے گھر میں گھس گئے اور جس خون کا بہانا ناجائز تھا اس کو بہایا۔ جس کا مال لینا درست نہ تھا اس کو لوٹا۔ جس سرزمین کا احترام ان پر فرض تھا اس کی بے حرمتی کی۔

وہ کام جو ہمیں اب کرنا ہے، جس کی خلاف ہمارا ہر قدم ناجائز ہوگا وہ عثمان کے قاتلوں کی گرفتاری اور کلام الٰہی کے احکام کا مضبوطی سے اجراء ہے۔ خدائے تعالیٰ نے فرمایا:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ۔ (آلعمران/23

(کیا تم نے ان کے حال پر نظر نہیں کی جن کو (فہم) کتاب (توریت) کا ایک حصہ دیا گیا تھا (اب) ان کو کتاب خدا کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہی کتاب ان کے جھگڑے کا فیصلہ کردے (اس پر بھی ان میں کا ایک گروہ منہ پھیر لیتا ہے اور یہی لوگ روگردانی کرنیوالے ہیں۔)

جب لوگوں نے حضرت عائشہ کی تقریر سنی تو عثمان بن حنیف کے ساتھی دوحصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ نے کھلم کھلا حضرت عائشہ کی طرفداری شروع کردی۔ دوسرا حصہ بدستور مخالف رہا۔ آخر ان دونوں فریقوں میں باہم تکرار شروع ہوگئی، جس کو دیکھ کر حضرت عائشہ پیچھے ہٹ آئیں اور اپنی فوج کو بھی پیچھے ہٹالیا۔ عثمان بن حنیف کی فوج کا وہ حصہ جو حضرت عائشہ کی تقریر سن کر ان کا حامی بن گیا تھا، کچھ دیر کی تکرار کے بعد حضرت عائشہ کے لشکر سے آملا۔ عثمان کے بعض حامی بھی حضرت عائشہ کو سمجھانے بجھانے کے لئے آپ کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک شخص جاریۃ بن قدامۃ العبدی تھا۔ اس نے آکر حضرت عائشہ سے کہا:

''ام المومنین! خدا کی قسم، عثمان کی شہادت اس سے بہت کمتر ہے کہ آپ جیسی شخصیت مسلمانوں سے لڑنے کے لئے اپنے گھر سے نکلے۔ آپ نے اس پردہ کو جو خدائے تعالیٰ نے آپ کے لئے بنایا تھا، ہٹادیا اور اس حرمت کو جو خدا نے آپ کے لئے مقرر کی

تھی، توڑ دیا۔ آپ یہ تو سوچئے کہ جو شخص آپ سے لڑنے کا ارادہ کرے، وہ ضرور آپ کو قتل کرنے کا بھی ارادہ کرے گا۔ آپ ان باتوں پر غور کیجئے۔ اگر آپ اپنی مرضی سے اس لشکر کے ساتھ آئی ہیں تو اب آپ کے لئے بہتر ہے کہ واپس مدینہ تشریف لے جائیں اور اگر ان لوگوں نے جبر کر کے آپ کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے تو اس کے خلاف آپ لوگوں سے مدد طلب کیجئے۔ میں آپ کے ساتھ ہوں گا۔ (خلفائے محمد ص ۴۱ تا ص ۴۳ / سیرۃ علویہ ص 225 / الامام علی وغیرہ)

جاریہ کی اس تقریر نے گویا اس مہر کو توڑ دیا جو لوگوں کی زبانوں پر اب تک لگی ہوئی تھی۔ خوف کی جگہ جرأت نے لی اور حضرت عائشہ کے مخالفین و موافقین میں بحث و تکرار چھڑ گئی۔ مجمع میں سے ایک شخص جھپٹ کر طلحہ کو پکارتا ہوا نکلا۔ ہاتھ میں ایک خط تھا جسے مجمع کے سامنے لہراتا جاتا تھا۔ اس نے پکار کر پوچھا:

"اے طلحہ اس خط کو پہچانتے ہو؟"

طلحہ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر بولے۔

"ہاں!"

"اب پہلی بات سے کیوں پلٹ پڑے؟"

جب طلحہ نے جواب میں کوئی واضح بات نہ کہی تو اس جوان نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

"کل تو تم خط لکھ لکھ کر ہم لوگوں کو حضرت عثمان کے خلاف برانگیختہ کرتے تھے اور آج تم ہمیں ان کا انتقام لینے کی ترغیب دے رہے ہو۔ تمہارا ہی بیان ہے کہ پہلے علیؑ نے تم ہی دونوں (طلحہ و زبیر) کو بیعت کی دعوت دی اور کہا کہ آپ لوگ خلافت قبول کر لیجئے مگر آپ دونوں نے انکار کیا اور علیؑ کو مقدم سمجھا، ان کی بیعت بھی کر لی۔ پھر اب یہ شکست بیعت کیوں؟"

طلحہ: "علیؑ نے بیعت کی پیشکش اس وقت کی جب خود بیٹھنا طے کر چکے تھے اور لوگوں نے ان کی بیعت کر لی تھی۔ ہم نے سمجھا کہ علیؑ اوپری دل سے کہہ رہے ہیں۔ اگر ہم بیعت قبول بھی کر لیں تو ہماری بیعت نہیں کریں گے اور اگر وہ کر بھی لیں تو مہاجرین انصار ہرگز نہ کریں گے اور ہم علیؑ کی بیعت نہ کرنے سے بھی ڈرے کہ کہیں لوگ ہمیں قتل نہ کر دیں۔ اس پر ہم مجبوراً علیؑ کی بیعت کر لی۔"

نوجوان: "اب یہ عثمان کے متعلق تمہاری رائیں کیوں بدل گئیں؟"

طلحہ: "ہم اپنی بدسلوکیوں پر نادم ہوئے جو عثمان سے ساتھ کیں، ان پر اعتراضات کیے، ان کی مدد سے پہلو تہی کی۔ اب اس ندامت اور شرمندگی سے نکلنے کی راہ یہی نظر آئی کہ ہم لوگ ان کے انتقام کا مطالبہ کریں۔"

نوجوان: ''تو اب آپ لوگ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟''

طلحہ: ''یہی کہ تم علیؑ کی بیعت توڑنے اور ان سے جنگ کرنے پر ہم سے بیعت کرو۔''

نوجوان: ''اچھا ہم آپ کی بیعت کر لیں مگر اسکے بعد پھر کوئی اگر آئے اور آپ کی بیعت توڑنے اور آپ سے جنگ کرنے کو کہے تب ہم کیا کریں گے۔''

طلحہ: تم اس بیعت نہ کرنا۔

نوجوان ہنسا اور اس نے کہا: ''آپ لوگوں نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ آپ ہمیں حکم دیتے کہ ہم علیؑ کی بیعت توڑ دیں اور ان سے جنگ کریں حالانکہ ان کی بیعت آپ کی گردنوں میں بھی ہے اور ایسے شخص کی بیعت سے منع کرتے ہیں جس کی آپ نے بھی بیعت نہیں کی۔ اس کے بعد اونچی آواز میں کہا:

''ہم علیؑ کی بیعت کر چکے ہیں۔ اب اگر آپ بھی بیعت لینا چاہتے ہیں تو ہم آپ کی بیعت کر لیں گے مگر بائیں ہاتھ سے۔''
(الامام علی جلد سوم)

اس کے بعد قبیلہ بنی سعد کا ایک نوجوان مجمع سے باہر نکلا جو ابھی ابھی ابن قدامہ اور حضرت عائشہ کی گفتگو سن چکا تھا۔ وہ طلحہ وزبیر کے پاس آیا اور ان سے پوچھا۔

''اے زبیر! تم رسول اللہ کے حواری تھے اور اے طلحہ! تم نے رسولؐ اللہ پر تیروں کی بوچھار کو اپنے ہاتھ پر روکا تھا۔ میں دیکھتا ہوں کہ ام المومنین تمہارے ساتھ ہیں۔ کیا تم اپنی عورتوں کو بھی ساتھ لائے ہو؟''

ان دونوں نے جواب دیا: ''نہیں۔''

اس پر اس شخص نے کہا: ''بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم نے اپنی عورتوں کی حفاظت کی لیکن اپنی ماں (حضرت عائشہ) کو میدان جنگ میں تلواروں، نیزوں اور بھالوں کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا اور انکی عزت وحرمت کا کوئی خیال نہ کیا۔ کیا یہی انصاف ہے؟'' (خلفائے محمد عمر ابوالنصر)

یہ مختصر لمحات جو طلحہ وزبیر نے مربد میں گذارے ان میں کامیابی کی جھلک نظر آنے لگی تھی۔ بہت سے لوگ مشکوک ہو گئے۔ ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ وہ شہر جو علیؑ کے حلقہ اطاعت میں آچکا ہے اس کے باشندے علیؑ کی بیعت کر چکے ہیں اتنا جلد ڈانواڈول ہو جائیں گے۔ لیکن اسی کے ساتھ کچھ ایسی باتیں بھی پیش آئیں جو ان کے دلوں پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتی تھیں۔ وہ باتیں دوسروں کی طرف سے نہیں بلکہ اپنے مخصوص جاں نثاروں کی طرف سے ظہور میں آئیں۔ طلحہ کے نور نظر محمد ابن طلحہ نے

اسی، میدان میں کچھ ایسی باتیں زبان سے کہہ دیں جن سے بھرے میدان میں طلحہ بے نقاب ہو گئے اور قریب تھا کہ خود باپ بیٹے میں جھڑپ ہو جائے۔ قبیلہ جہنیہ کا ایک شخص محمد ابن طلحہ کے پاس آیا اور اس نے کہا:

اے محمد! عثمان کو کن لوگوں نے قتل کیا؟''

محمد نے تھوڑی دیر سکوت کیا پھر سر اٹھا کر اپنے باپ پر نظر کی جو سرخ اونٹ پر بیٹھے ہوئے تھے اور کہا:

''عثمان کا خون تین کی گردن پر ہے: ایک تو یہ ہودج والی (عائشہ)، دوسرے یہ سرخ اونٹ والے (یعنی طلحہ) اور تیسرے علیؑ ابن ابیطالب)۔''

نوجوان ہنسا، کہا کہ دو کے متعلق تو تم نے ٹھیک کہا، تیسرے کے متعلق تم غلط کہتے ہو۔ اب تک میں گمراہی میں پڑا ہوا تھا۔ یہ کہہ کر مخالف صف میں چلا گیا۔ چند شعر بھی اس نے کہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''میں نے طلحہ کے فرزند سے عثمان کے متعلق پوچھا: انہوں نے بتایا کہ تین شخصوں نے ان کی جان لی، ایک عائشہ، دوسرے طلحہ، تیسرے علیؑ۔ ہم لوگ تو دیہاتی ہیں، کھری بات کہنا جانتے ہیں۔ ہم نے کہا پہلے دو کے متعلق تو تم سچ بولے، تیسرے روشن تابندہ شخص کے متعلق تم نے خطا کی۔'' (طبری جلد ۵ ص ۱۷۶)

''تم کہتے پھرتے ہو کہ میں عثمان کا قاتل ہوں؟ باپ کے خلاف گواہی دیتے ہو۔''

جب محمد نے کوئی جواب نہ دیا تو طلحہ پھر چیخے۔

''عبداللہ بن زبیر کی طرح بنو۔'' تم ابن زبیر سے بہتر نہیں ہو اور نہ تمہارا باپ زبیر سے گھٹ کے ہے۔ اپنی زبان بند رکھو نہیں تو یہاں سے نکل جاؤ۔ تمہاری نصرت فرد واحد کی نصرت ہوگی اور تمہارا افساد عام فساد ہوگا۔''

محمد ابن طلحہ نے کہا:

''میں نے سچی بات ہی کہی تھی۔ اب پھر ایسا کبھی نہ کروں گا۔''

(الامام علی بن ابی طالب جلد سوم ص ۸۱) ؎

(۳)

بصرہ میں اضطرابی کیفیت برپا تھی جیسا کہ عام طور پر پھوٹ پڑ جانے پر ہوتی ہے۔ دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور غصہ کے جذبات بھر گئے۔ کوئی دو شخص بھی ملتے تو لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہوئے۔ کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں سکون باقی رہا ہو نہ کوئی قبیلہ ایسا رہا جس کے افراد متحد اور ہم خیال ہوں۔ جو لوگ حضرت عائشہ کی باتوں میں

آگئے، ان کا نظریہ یہ تھا کہ عثمان کا انتقام ضرور لینا چاہیے۔ جو لوگ امیر المومنینؑ کے وفادار تھے وہ اپنی وفاداری پر قائم رہنا چاہتے تھے کیونکہ ایک تو یہی تقاضائے وفا تھا۔ دوسرے یہ کہ وہ جب حضرت عائشہ کے لشکر پر نظر کرتے، اس لشکر کے سرداروں کو دیکھتے تو مکروہ و ناپسندہ صورتیں ہی نظر آتی تھیں۔ کہیں عبداللہ بن عامر نظر آتا تھا جس نے مظالم کے پہاڑ ان پر توڑے تھے اور جسے لوگوں نے بصرہ سے نکال باہر کیا تھا۔ کہیں ولید بن عقبہ مشہور فاسق اور مروان تھا۔ رسولؐ نے جس کے باپ کو ملعون قرار دیا تھا اور مدینہ سے نکال باہر کیا تھا۔ اسی قسم کے اور بھی بہت سے اوباش۔ جب نگاہیں ان اوباشوں پر پڑتیں تو سینہ تنگی کرنے لگتا اور دل کانپ کانپ جاتے کہ خدا ہی خیر کرے اور مسلمانوں کو ان کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھے۔ کیا حضرت عائشہ کو ان سے بہتر لوگ میسر نہ ہوئے۔

خون عثمان کے انتقام کا مطالبہ ایک پردہ تھا جس نے ان بڑے بڑے لوگوں کی حرص و ہوس کو ڈھانک رکھا تھا۔ ایک نقاب تھی جس کے پیچھے حکومت و اقتدار کی لالچ اور من مانی حرکتیں کرنے کی تمنا پوشیدہ تھی۔ اگر ان لوگوں کو موقع اپنی پہلی زندگی کا مل جاتا تو جاہلیت کا ایک ایک انتقام گن گن کر لیتے۔ حضرت عائشہ کے لشکرکشی کو جن جن لوگوں نے شک و شبہ کی نظر سے دیکھا ان میں سے ہر شخص کے دماغ میں یہ خیالات پیدا ہوئے، کسی کو اس سے انکار نہیں تھا کہ عائشہ عثمان کے قصاص کی طالب ہیں مگر وہ یہ بھی بخوبی سمجھتے تھے کہ دیکھنے میں تو یہ مطالبہ منصفانہ ہے مگر فی الحقیقت تباہی و بربادی ہے۔ ان تمام بنیادوں کی تباہی جس کے لیے مسلمانوں نے برسہابرس کفار و مشرکین عرب سے جنگ کی اپنے جان و مال آل و اولاد کی قربانیاں دیں اور بڑی محنت و مشقت سے قائم کیا تھا ان تمام اصول کی بربادی جن کے ذریعہ پیغمبر اسلام نے عرب کے ہر طبقہ کے لوگوں کو ایک وحدت میں ڈھال دیا تھا۔ جہاں بصرہ کے کچھ لوگوں کو یہ دیکھ کر رنج و ملال تھا کہ ام المومنین کی تحریک نے ہم بھائی بھائیوں میں تفرقہ ڈال دیا ہے، وہاں سب سے جانکاہ صدمہ اس بات کا تھا کہ ام المومنین نے اسلامی تہذیب و آداب اور ہمارے درمیان خلیج پیدا کر دی ہے۔

اہل بصرہ میں جو لوگ اپنے جی کو مار کے بیٹھ سکے وہ بیٹھ رہے مگر ایسے بہت کم تھے۔ اور جو عثمان بن حنیف والی بصرہ کے مطیع و فرمانبردار تھے وہ ابن حنیف ہی کی طرح سکون پذیر رہے۔ انہوں نے صلح و سلامتی کو جنگ و جدال سے بہتر سمجھا۔ یہ لوگ عائشہ کے مقابل میں آ کر راہ روک کر کھڑے ہو گئے مگر ایک جماعت ایسی بھی تھی جو اپنے وطن (بصرہ) پر حضرت عائشہ کی لشکرکشی اور یلغار برداشت نہ کر سکی۔ وہ سمجھتی تھی کہ اس لشکرکشی کا مقصد کیا ہے اور مطالبہ خون عثمان کے پردے میں کون سے اغراض کام کر رہے ہیں۔ نیز یہ کہ یہ صلح و آشتی کا موقع نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اسلامی بنیادیں منہدم ہو جائیں گی اور کل عثمان کے عہد حکومت

میں جو مصیبتیں نہ اٹھانی پڑیں وہ ان لوگوں کی کامیابی کی صورت میں اٹھانی پڑیں گی۔ان حمیت وغیرت والوں کی نگاہ میں یہ اوباش لوگ خائن اور پرانے حکام باغی تھے۔حضرت عائشہ کی خبرسن کر ان لوگوں کا خون کھولنے لگا اور اپنے قومی وقار کو برقرار رکھنے کے لیے وہ مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔صبر کی طاقت جب جواب دے گئی تو اب ان کی کیفیت ہی دوسری تھی۔نہ کسی نصیحت کرنے والوں کی نصیحت سنی نہ کسی کے روکے رکے۔وہ نیزہ وشمشیر لیے حضرت عائشہ کے لشکر پر ٹوٹ پڑے نہ انہیں اپنی قلت کا احساس ہوا اور نہ حضرت عائشہ کے لشکر کی بے پناہ کثرت کا خوف۔

حکیم ابن جبلہ نے اپنے قبیلہ عبد قیس اور دوسرے ساتھیوں کو للکار کر کہا: ”ارے یہ قریش ہیں قریش، انہیں ان کی بزدلی اور تند مزاجی ہی مار ڈالے گی۔“

ان کی آواز سن کر سب چل پڑے اور شام تک دونوں لشکروں میں لڑائی ہوتی رہی۔حضرت عائشہ کی فوج پسپا ہوتی جاتی اور حکیم ابن جبلہ کے ساتھیوں کا زور بڑھتا جاتا۔اگر رات نہ ہو جاتی تو حکیم بن جبلہ کے ساتھی فیصلہ ہی کر کے دم لیتے۔حضرت عائشہ نے اپنی فوج کو پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیدیا۔بنی مازن کے قبرستان میں وہ لوگ جا کر رکے۔رات کی تاریکی جب ہر طرف مسلط ہو گئی تو انہیں اطمینان کی سانس لینے کا موقع ملا۔اندازہ سے معلوم ہوا کہ حکیم اور ان کے ساتھی میدان سے واپس جا چکے ہیں اور اب ان کے دوبارہ پلٹ پڑنے کا اندیشہ نہیں۔ایک شخص نے مشورہ دیا کہ بہتر ہے آپ لوگ بھی اس قبرستان کے عقب میں جا کر پڑاؤ ڈالیے۔وہ لوگ وہاں سے چل کر دارالرزق میں آگئے اور یہاں پڑاؤ ڈالا گیا،اور کل صبح جنگ کے لئے صلاحیں ہونے لگیں۔

اس رات عثمان بن حنیف کا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔وہ سوچ رہے تھے کہ ان کی من پسندی اور صلح جوئی کی وجہ سے نہ وہ خود محفوظ رہیں گے اور نہ دوسرے لوگ جو علیؑ کے حلقہ اطاعت میں داخل ہیں۔ان لوگوں کی تعداد مختصر اور عائشہ کی سپاہ بہت زیادہ۔وہ لوگ مکہ ہی سے کثیر تعداد میں آئے تھے پھر یہاں پہونچ کر بصرہ والوں کی ایک جماعت بھی ان میں مل گئی۔حکیم بن جبلہ نے صبر سے کام نہ لیا جو لڑائی چھیڑ دی اگرچہ ان کی جوانمردی نے عائشہ کی سپاہ کو پسپا کر دیا تھا اور کامیابی کی منزل قریب آگئی تھی۔پھر بھی یہ حملہ ناگہانی تھا۔اب اس طرف عائشہ بھی تیاریوں میں مصروف ہوں گی۔ممکن ہے صبح ہوتے ہی چڑھائی کر دیں اگر دوبارہ لڑائی چھڑ گئی تو مقابلہ کیونکر ہوگا؟ عثمان بن حنیف کی دلی خواہش یہ تھی کہ جب تک امیر المومنینؑ کا جواب نہ آجائے کوئی فریق جنگ کا آغاز نہ کرے۔حکیم کے حملہ کے پہلے بھی آپس میں یہی طے تھا چنانچہ عائشہ وطلحہ وزبیر کے آتے ہی عثمان بن حنیف ان سے جا کر ملے تھے اور پوچھا تھا:

"آپ لوگ علیؑ سے کیوں ناراض ہیں؟ طلحہ وزبیر نے کہا ہم انہیں اپنے سے بہتر نہیں سمجھتے اور انہوں نے ایسا ایسا کیا؟ ابن حنیف نے ان سے کوئی تکرار نہ کی بلکہ امن پسندی کو راہ دیتے ہوئے کہا۔"

"علیؑ نے ہمیں بصرہ کا حاکم مقرر کیا ہے۔ میں حضرت کو خط لکھ کر آپ لوگوں کی تشریف آوری کی خبر کرتا ہوں۔ جب تک حضرتؑ کا جواب نہ آجائے میں حاکم کے فرائض انجام دیتا رہوں گا۔"

طلحہ وزبیر راضی ہو گئے اور عثمان بن حنیف نے خط لکھ کر روانہ کر دیا۔

لیکن حکیم کے حملہ کے بعد اس کا اطمینان باقی نہیں رہا کہ طلحہ وزبیر اب بھی پہلے معاہدہ پر باقی رہیں گے بلکہ فی الحقیقت معاہدہ کرنے سے پہلے بھی ابن حنیف انکی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ طلحہ وزبیر کی فوج میں سبھی سازشی اور فریبی اور ایک سے ایک غدار تھے۔ بھلا مروان اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے اطمینان ہو سکتا تھا کہ وہ چپکے بیٹھے رہیں گے؟ اس کے علاوہ امیر المومنینؑ کی طرف سے خط کا جو جواب آتا وہ بھی ظاہر ہے عثمان کا دل کہتا تھا کہ یہ لوگ ضرور غداری کریں گے۔ اب تک ان کا جو قدم اٹھا غداری ہی کیطرف اٹھا آنے والے دن نے ابن حنیف کے اندیشوں کی تصدیق بھی کر دی۔

صبح ہونے پر ابن حنیف پھر اپنی جمیعت کے ساتھ حضرت عائشہ کے مقابل پہونچے۔ جوں جوں آگے بڑھتے جاتے عائشہ کی جنگی تیاریوں کی خبر ملتی جاتی۔ وہ اس امید میں تھے کہ ممکن ہے وہ لوگ ابھی سابق قرارداد پر ہوں مگر جب دار الرزق پہونچے تو اس وقت لشکر اسلحے سے لیس ہو کر میدان میں اترنے کے لئے تیار تھا۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ ابن حنیف جنگ کا ارادہ کر کے نکلے ہوں۔ بصرہ والوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔ بہت سے لوگ حضرت عائشہ سے مل گئے تھے۔ بہت سے گھروں میں گوشہ نشین ہو گئے۔ تھوڑے سے لوگ سچے تھے جو ان کے تابع فرمان تھے۔ ابن حنیف کی تمام تر خواہش یہ تھی کہ حضرت عائشہ اپنی جگہ رکی رہیں جب تک امیر المومنینؑ کی طرف سے کوئی ہدایت نہ آجائے۔ مگر حکیم بن جبلہ اور ان کا قبیلہ عبد القیس جو اگرچہ تعداد میں کم تھے، ابن حنیف شروع ہی میں حکیم کا مشورہ قبول کر لیتے اور حضرت عائشہ کے بصرہ کے قریب آتے ہی ان پر حملہ کر بیٹھتے تو نہ اہل جمل کی ریشہ دوانیاں ان کی طاقت کو کم کرنے پاتیں اور نہ انہیں کامیابی نصیب ہوتی۔ فوراً ہی قضا بدل گئی اور جنگ کا آغاز ہو گیا۔ حکیم اپنے ہمراہیوں سمیت جیسے ہی سامنے آئے آگ بھڑک اٹھی۔ نہ حکیم باطل پرستوں کو چھوڑنے پر تیار ہوئے نہ عائشہ کا لشکر کل کے انتقام سے درگزر کرنے پر آمادہ تھا۔ حکیم کو یقین کامل تھا کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں چاہے اس میں ہماری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔ مزاج کی حدت غیظ وغضب کے جوش سے مخلوط تھی۔ وہ اپنی راہ میں کوئی رکاوٹ برداشت ہی نہیں کر سکتے تھے۔ شیر کی طرح گرجتے ہوئے دشمنوں پر حملہ آور ہوئے۔ لڑائی پوری طرح چھڑ گئی۔ صبح سے شام تک میدان کارزار گرم رہا۔

رات سر پر آئی تو مجبور ہو کر ہاتھ روکنے پر تیار ہوئے، جبکہ ہر طرف کے بے شمار افراد مقتول ہو چکے تھے اور میدان لاشوں سے پٹ گیا تھا۔

اتنا کشت وخون ہونے کے بعد صلح کی بات چیت شروع ہوئی۔عہد نامہ لکھا گیا اور طے پایا کہ جو جس جگہ پر ہے اس جگہ پر قابض رہے۔نہ مسجد میں کوئی روک ٹوک ہو نہ بازار میں نہ راستہ میں۔جو جہاں چاہے آئے جائے۔معاہدہ کی قرارداد یہ تھی کہ ایک شخص مدینہ جائے اور وہاں پہونچ کر پتہ چلائے کہ طلحہ وزبیر نے کن حالات میں بیعت کی۔خوشی خاطر یا جبراً؟ اگر ان لوگوں نے خوشی خاطر بیعت کی ہے تو دیگر مسلمانوں کی طرح یہ بھی امیر المومنینؑ کے تابع فرمان رہیں یا بصرہ چھوڑ دیں اور اگر جبراً ان لوگوں نے بیعت کی ہے تو ابن حنیف بصرہ ان کے حوالہ کر کے باہر نکل جائیں گے۔(الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم/ سیرۃ علویہ حصہ اول خلفائے محمد عرابو النصر/ تاریخ اسلام، ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم)

(۴)

کیا صلح کے بعد تلواریں واقعاً نیاموں میں چلی گئیں؟ افسوس ایسا نہ ہوا۔حضرت عائشہ اور ان کے ساتھی جنگل بیابانوں کی تاک چھانتے اس لئے بصرہ نہیں پہونچے تھے کہ یہاں آ کر صلح ومصالحت کریں۔قریش کی یہ جماعت پہلے ہی سے اپنا پروگرام بنا کر چلی تھی۔منزل مقصود کی راہیں پہلے ہی سے طے تھیں، مقصود یہی تھا کہ خون عثمان کے بہانے امیر المومنینؑ کی بیعت توڑ کر ان سے حکومت چھین لی جائے۔صلح کے بعد قاصد بھیجا گیا پتہ چلانے کے لئے کہ طلحہ وزبیر کی بیعت کن حالات میں ہوئی۔معلوم ہوتا ہے جیسے یہ حضرات اصل حقیقت سے ناواقف تھے یا کوئی شک وشبہ لاحق تھا انہیں۔اگر ہوس پرستی کا غلبہ ان دونوں پر نہ ہوتا تو سچی بات ان کی زبان پر آجاتی اور دلوں میں جو چھپائے ہوئے تھے وہ کھل کر بتا دیتے۔ان کے پاس ایسا خط موجود تھا جس میں صحیح واقعات بلا کم وکاست تحریر تھے لیکن انہوں نے معاہدہ خلوص سے تو کیا نہیں تھا کہ وہ خط کی اشاعت کرتے۔ان کے خیال میں خط کا منظر عام پر آنا حماقت ہی تھا۔اگر اس خط کی اشاعت ہو جاتی تو منہ چھپانے کی کہیں انہیں جگہ نہ ملتی۔امیر المومنینؑ نے انہیں خط میں لکھا تھا:

امابعد،تم دونوں اچھی طرح جانتے ہو اگر چہ چھپا رہے ہو کہ میں لوگوں کی طرف نہیں بڑھتا لوگ ہی میری طرف بڑھے تھے۔میں نے انہیں اپنی بیعت کی طرف نہیں بلایا تھا وہ خود ہی میری بیعت کے لئے آئے تھے اور میں نے بیعت قبول کر لی۔تم دونوں میری طرف بڑھے تھے اور تم دونوں نے میری بیعت کی تھی۔لوگوں نے میری بیعت نہ کسی طاقت کے خوف سے نہ کسی نفع کے لالچ میں کی تھی۔پس اگر تم نے بھی میری بیعت اپنی مرضی سے کی تھی تو لوٹ آؤ اور جلد توبہ کر لو اور اگر مجبوری سے کی تھی تو بھی

اپنے خلاف میری حجت قائم کر چکے ہو اس لئے کہ ظاہر کرتے رہے فرماں برداری اور چھپاتے رہے نافرمانی۔ بخدا مہاجرین میں تم جیسے لوگوں کے لئے تقیہ اور کتمان ہرگز مناسب نہ تھا۔ بیعت میں داخل ہونے سے پہلے اس معاملہ میں تمہیں اختلافت کی گنجائش تھی۔ اب گنجائش کہاں کہ اقرار کر چکنے کے بعد خارج ہو جاؤ۔

تم دعویٰ کرتے ہو کہ میں نے عثمان کو قتل کیا ہے تو آؤ ہم اپنے درمیان مدینہ کے ان لوگوں کو حکم بنا دیں جو مجھ سے بھی الگ ہیں اور تم سے بھی الگ ہیں۔ اس کے بعد ہم میں سے ہر ایک کے حصے میں وہی آئے گا جو اس نے بویا ہے۔

اے سن رسیدہ بزرگو! اپنی روش سے باز آجاؤ۔ اس وقت زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ دنیا کی رسوائی اٹھانی پڑے گی۔ مگر یہ بھی تو سوچو بعد میں دنیا کی رسوائی کے ساتھ دوزخ بھی جمع ہو جائے گی۔

(نہج البلاغہ جلد دوم ترجمہ مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی مطبوعہ لاہور)

امیر المومنینؑ نے اس خط میں جس بے نظیر عدل وانصاف سے کام لیا ہے کسی سے مخفی نہیں۔ آپ نے مدینہ کے ہر ایسے باشندے کو حکم بنانے کی پیش کش کی تھی جو نہ امیر المومنینؑ کا طرفدار ہو نہ طلحہ وزبیر کا۔ مگر طلحہ وزبیر ایسی تحریر منظر عام پر کیوں لاتے۔ انہیں یہ غلط فہمی رہی ہوگی کہ ہمارے چھپانے سے اصل حقیقت چھپی رہے گی۔ یہ نہیں سمجھے کہ حق ایک نہ ایک دن ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ بصرہ جہاں یہ لوگ مقیم تھے اگرچہ امیر المومنینؑ سے دور تھا مگر ان خبروں سے دور نہ تھا جو دور دراز مقامات کے آنے جانے والوں کے ذریعہ پہنچ رہی تھیں۔ سب سے پہلے تو کوفہ ہی سے اطلاعات آگئیں جو بصرہ کے پڑوس میں ہے۔ کوفہ کے باشندوں کو امیر المومنینؑ نے خط لکھا تھا جس میں تمام حالات، عثمان کے ساتھ حضرتؑ کا جو طرز عمل رہا، طلحہ وزبیر نے ان کے ساتھ جو سلوک کیے، سبھی کچھ اس میں مذکور تھا۔

"میں عثمان کا پورا معاملہ تمہارے سامنے اس طرح کھول کے رکھ دیتا ہوں گویا تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو۔

لوگ عثمان سے شاکی ہوئے۔ مہاجرین میں میری روش یہ تھی کہ عثمان کی رضامندی زیادہ چاہتا تھا اور شکووں سے کم سروکار رکھتا تھا۔ طلحہ وزبیر کا ان کے ساتھ چلن سرپٹ دوڑنا اور ہلکے سے ہلکا راگ گلا پھاڑ کے چلانا تھا۔ عائشہ بھی ان کے بارے میں غصہ سے مغلوب ہو گئی تھیں۔ پھر یہ ہوا کہ ایک گروہ نمودار ہوا اور اس نے عثمان کو قتل کر ڈالا۔ اسکے بعد لوگوں نے میری بیعت کی۔ زبردستی اور جبر سے نہیں بلکہ اپنی پوری رضامندی اور دل کی خوشی سے انہوں نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔

اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ دار ہجرت (مدینہ کے) باشندے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ مدینہ کڑھاؤ کی طرح ابل رہا ہے۔ امام کے خلاف بڑا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا ہے لہٰذا اپنے امیر کی طرف کوچ کرنے میں جلدی کرو۔

(نہج البلاغہ جلد دوم ترجمہ مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی)

طلحہ وزبیر نے بصرہ والوں میں پھوٹ ڈال کر یہ سمجھ لیا تھا کہ ہم سیاہ وسپید کے مالک ہو گئے ہیں۔ہم اگر دن کہیں تو دن اور اگر رات کہیں تو رات۔ہم کہتے ہیں کہ علیؑ کی بیعت مجبوری کے عالم میں کی لہذا مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہماری بات صحیح مانیں۔ہم نے چونکہ بیعت توڑ دی ہے لہذا دوسروں کو بھی بیعت توڑ دینا چاہیے۔رہ گیا معاہدہ صلح جو ان میں اور ابن حنیف میں ہوا تو اس سے یہ مقصود نہ تھا کہ مدینہ سے واقعی صحیح رپورٹ آجائے۔۔یہ تو صرف جنگی تیاریوں کے لئے مہلت لینی تھی۔جب وہ بیعت کر کے توڑ چکے تھے تو معاہدہ کو توڑ دینا کون سا مشکل تھا۔

معاہدہ کے بعد بھی بصرہ میں مکمل سکون نہیں رہا۔دونوں فریق کی حدت کم تو ہو گئی مگر بنائے نزاع باقی تھی۔نفوس میں اتنا ہیجان پیدا ہو چکا تھا کہ روک تھام ہو ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ایک طرف حکیم ابن جبلہ اور ان کے اعوان وانصار تھے جو حق پر اہل باطل کا نرغہ اور نصرت کرنے والوں کی کمی دیکھ کر غم وغصہ سے بیتاب تھے۔دوسری طرف حضرت عائشہ کے حمایتی تھے جو اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی تدبیریں کر رہے تھے صرف موقع اور وقت کا انتظار تھا۔ہر فریق دوسرے سے خائف، ایک دوسرے کی نقل وحرکت سے مشکوک کہ غداری نہ کر بیٹھے۔

شب کے وقت اصحاب جمل مسجد میں اکٹھا ہوئے۔لوگوں کو خیال ہوا کہ یہ لوگ نماز پڑھنے آئے ہیں۔جاڑے کی تاریک رات تھی اور آندھی پانی بہ شدت تھا۔ابن حنیف کے بہت سے لوگ ابھی مسجد نہیں پہونچے تھے۔خود ابن حنیف نماز پڑھانے ابھی نہیں آئے تھے۔گارد کے سپاہی جو ابن حنیف کی حفاظت پر متعین تھے ادھر ادھر منتشر تھے۔ابن حنیف کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اصحاب جمل نے اپنے ایک آدمی عبدالرحمان بن عتاب کو آگے کر دیا۔ان کا یہ فعل خواہ نماز کے خیال سے رہا ہو یا وہ پہلے ہی سے کچھ سازش کر کے آئے ہوں۔بہرحال معاہدہ کے خلاف تھا۔معاہدہ کی اولین شرط یہ تھی کہ جب تک مدینہ سے جواب نہیں آجاتا اس وقت تک امامت کے فرائض ابن حنیف بدستور انجام دیتے رہیں گے۔اس پر ابن حنیف کا حفاظتی دستہ بگڑ بیٹھا۔ان کی برہمی جائز بھی تھی! نماز کے بہانے اپنے حاکم کی توہین اور اس کے حق پر ڈاکہ ان بہادروں سے برداشت نہ ہو سکا۔جیسے ہی عبدالرحمن مصلے کی طرف بڑھا، ان لوگوں نے تلواریں سونت لیں۔چشم زدن میں مسجد کا صحن میدان قتال بن گیا۔ لبادوں میں چھپی ہوئی تلواریں باہر آگئیں، اصحاب جمل جو مسجد کے ادھر ادھر چھٹکے ہوئے تھے سمٹ کر ایک جگہ آگئے اور اب ان کی کثرت سے مسجد میں تل دھرنے کی جگہ باقی نہ رہی۔مٹھی بھر حفاظتی دستہ کے سپاہی جن کی تعداد چالیس سے زیادہ نہ رہی ہوگی اس بے پناہ جم غفیر کی مقابلہ ہی کیا کر سکتے تھے۔مگر اس کے باوجود وہ اپنی جان پر کھیل گئے۔جب تک ان کے پیر زمین پر

ٹکے رہے انہوں نے ہتھیار ہاتھ سے نہیں چھوڑا نہ اپنی جگہ سے بالشت بھر ہٹے۔ جہاں ان کے قدم تھے وہیں ایک ایک کر کے ان کی لاشیں گریں۔

حضرت عائشہ کے ساتھی اس کامیابی پر پھولے نہیں سمائے۔ یہ حملہ چاہے پہلے ہی سے سوچ سمجھ کر کیا گیا یا ناگہانی طور پر، بہر حال انہوں سے اتنی کامیابی پر بس نہیں کی بلکہ پورا فائدہ اٹھانے پر تل گئے۔ انہوں نے نماز کو اس جنگ کا بہانہ بنایا تھا۔ اب نماز تو بالائے طاق رہی انہیں یہ فکر پیدا ہوئی کہ چل کر عامل کی خبر لی جائے۔ چھپتے چھپاتے یہ لوگ دارالامارہ میں داخل ہوئے اور جاتے ہی انہوں نے پہریداروں کو تلوار پر دھر لیا کسی کے منہ سے چیخ تک نہ نکل سکی۔ حملہ آوروں کے پیچھے پیچھے ان کا سردار مروان تھا اور ان کے پیچھے طلحہ و زبیر۔ حیرت ہے کہ یہ دونوں جلیل القدر صحابی ایسی حرکتوں پر اتر آئے جسے شیوۂ مردانگی سے دور کا بھی واسطہ نہیں لیکن کامیابی کا نشہ ایسا تھا کہ انہوں نے مناسب و نامناسب ہر چیز کی تمیز اٹھا دی۔ جب پہریداروں کو چن چن کر قتل کر چکے تو یہ لوگ ابن حنیف کی تلاش میں نکلے۔ ابن حنیف نے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ خود اگر زخم کھائے تو انیں ے بھی زخمی کیا مگر ایک اور ہزار کا مقابلہ ہی کیا۔ ان لوگوں نے چاروں طرف سے نرغہ میں لے لیا اور آخر مروان کے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے۔

مروان ایسے اموی شخص کو شرافت سے جو تعلق تھا وہ ظاہر ہے۔ اس نے خوب خوب جی کی بھڑاس نکالی اور جتنی اذیتیں پہونچانی ممکن تھیں ایک ایک کر کے پہونچائیں۔ پہلے تلواروں سے اور گرفتار ہونے کے بعد کوڑوں سے اور جب اس سے بھی اس کے ہاتھ تھک گئے تو ڈاڑھی، مونچھ، پلکوں اور ابروں کے بال ایک ایک کر کے اکھاڑ دیئے۔ ابن حنیف نے محیر العقول صبر و ضبط سے یہ تمام اذیتیں برداشت کیں۔ منہ سے سسکی تک نہ بھری صرف اتنا کہا:

"مروان! دنیا میں تم مجھ سے بچ گئے مگر آخرت میں نہیں بچ پاؤ گے۔"

(تاریخ کامل/ تاریخ خلدون/ سیرہ علویہ/ الامام علی ابن ابی طالب وغیرہ)

(۵)

ابن حنیف کی گرفتاری کے بعد بصرہ میں لوٹ مچ گئی۔ حضرت عائشہ کے لشکر نے دارالامارہ پر قبضہ کر لیا۔ ابن حنیف کے جتنے سپاہی بچے وہ گرفتار کر کے قید میں ڈال دیے گئے۔ صبح ہونے سے پہلے ہی بیت المال پر بھی قبضہ ہو گیا۔

شہر میں ہراس و دہشت کا دورہ دورہ تھا۔ جو لوگ اب تک چپ بیٹھے تھے ان کے لئے دو ہی راہیں رہ گئیں: یا حضرت عائشہ کے لشکر میں شامل ہو جائیں یا ان کے مخالف بن کر ان سے جنگ پر آمادہ ہوں، مگر حضرت عائشہ کے تسلط کے بعد اس کی گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی تھی؟ ان سے ٹکرانے کی کس میں ہمت تھی؟ طلحہ مجمع میں تقریر کرنے کھڑے ہوئے بولے:

"اے لوگو! اے بصرہ کے باشندو! توبہ گناہ کے لئے ہے۔"

معلوم نہیں اس فقرہ سے طلحہ کی مراد یہ تھی کہ بصرہ والوں نے گناہ کیا انہیں توبہ کرنا چاہئے یا یہ کہ حضرت عثمان نے گناہ کیا اس کے بعد توبہ کر لی اور وہ بالکل پاک وصاف ہو گئے جیسا کہ ان کے متعلق پہلے حضرت عائشہ رائے رکھتی تھیں۔ ان کا مشہور فقرہ ہے: "استتابوہ ثم قتلوہ۔ لوگوں نے ان سے پہلے توبہ کرائی پھر قتل کر ڈالا" اس کے بعد طلحہ نے کہا:

"ہم لوگوں نے چاہا تھا کہ عثمان کے متعلق جو عام لوگوں کے شکایات ہیں ان سے انہیں بری کر دیں۔ انہیں قتل کرنے کا ہرگز ہمارا ارادہ نہیں تھا مگر اس درمیان میں بلوائیوں نے ان کو شہید کر دیا۔"

بعض سامعین اس صریحی مغالطہ پر خاموش نہ رہ سکے۔ عثمان کے ساتھ طلحہ کا طرز عمل سب ہی کو معلوم تھا۔ ایک شخص نے چیخ کر کہا:

"اے ابو محمد! آپ کے خطوط تو ہمارے پاس اس کے خلاف آئے تھے۔"

اس فقرہ پر طلحہ کی زبان گنگ ہو گئی، کچھ بول نہیں سکے۔ زبیر نے یہ دیکھ کر کہ بات بگڑی جاتی ہے، کھڑے ہو کر کہا:

"اچھا ہم نے بھی تمہیں کوئی خط لکھا تھا؟"

زبیر کی کوشش تھی کہ مجمع کے خیالات کا رخ موڑ دیں، طلحہ کے لحاظ سے حضرت عثمان کے خلاف ان کی سرگرمیاں ذرا مخفی رہتی تھیں لہذا طلحہ کے مقابلہ میں عوام کے لئے یہ زیادہ قابل قبول تھے مگر زبیر کی تقریر بھی عوام پر اثر انداز نہ ہو سکی۔ کامیابی کے نشہ میں یاد ہی نہ رہا کہ ان فیصلہ کن لمحات میں ہمیں کیا بولنا چاہیے۔ انہوں نے علیؑ کی منقصت شروع کر دی۔ آپ کو برا بھلا کہنے لگے۔ اس پر مجمع سے بنی عبد قیس کا ایک شخص سامنے آیا اور غضبناک ہو کر بولا۔

"آپ ذرا چپ رہیں میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

ابن زبیر نے سوچا اگر اس شخص کو بولنے کا موقع دیا جاتا ہے تو سب کچھ کیا دھرا برباد ہو جائے گا۔ یہ قبیلہ بنی قیس کا دوسرا حکیم بن جبلہ ہے۔ انہوں نے کہا۔

"تمہیں کیا مطلب؟ تم کیوں بولنا چاہتے ہو؟"

مگر اس شخص نے ابن زبیر کی طرف کوئی اعتنا نہ کی اور کہنا شروع کیا:

"اے حضرات مہاجرین! آپ لوگ وہ ہیں جنہوں نے سب سے پہلے دعوت اسلام قبول کی۔ اس فضیلت میں آپ اوروں سے زیادہ ہیں۔ بعد وفات آنحضرتؐ آپ نے ایک شخص کو منتخب کر کے خلیفہ کر لیا۔ ہم لوگوں میں سے کسی سے مشورہ نہیں کیا۔ ان کے وفات کے بعد دوسرے شخص کو خلیفہ بغیر ہم لوگوں کے مشورہ کے کر لیا۔ ہم سب اس امر پر راضی ہو گئے۔ دوسرے خلیفہ کے

بعد چھ آدمیوں کے مشورہ پر امر خلافت رہا۔ آپ لوگوں نے پھر بغیر ہمارے مشورہ کے حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ پھر آپ ہی لوگ ان سے بددل ہوئے اور بغیر ہماری صلاح کے ان کو قتل کیا۔ اب جناب امیرؑ سے بیعت کی۔ اس بارے میں بھی ہم سے کچھ نہ پوچھا۔ ہم لوگوں نے ان دونوں کی امارت سے انکار نہ کیا اور آپ کی تجویزوں کو ہر طرح سے جائز رکھا۔ اب کیا بات ہوئی کہ جناب امیرؑ سے آپ لڑائی پر آمادہ ہوگئے؟ کیا انہوں نے مال غنیمت خود لے لیا اور آپ کو اس میں سے کچھ نہ دیا یا کوئی ناحق کاروائی ان سے ظاہر ہوئی، جس کی وجہ سے آپ نے یہ قصد کرلیا؟ کیا ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا یا وہ کسی فعل ناجائز کے مرتکب ہوئے کہ جس سے استحقاق خلافت باطل ہوگیا؟ اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ آپ ہم کو اپنے ساتھ کیوں لینا چاہتے ہیں۔

(سیرۃ علویہ جلد اول ص ۲۲۸)

اس تقریر کا کوئی جواب بن نہ پڑا۔ سب کے لبوں پر مہریں لگ گئیں مگر زور و زبردستی کی زبان منطقی استدلال کے علاوہ ہوتی ہے۔ طلحہ و زبیر کے ساتھی اس پر ٹوٹ پڑے اور چاہا کہ اس کا کام تمام کردیں مگر اسکے قبیلے والے اسکی حمایت پر کمر بستہ ہو گئے اور کوئی گزند نہ پہونچنے دی۔ طلحہ و زبیر سے یہ سوچ کر کہ یہ موقع نرمی برت کر لوگوں کو طرفدار بنانے کا ہے نہ کہ بات بڑھانے کا۔ اس وقت خاموشی اختیار کرلی اور انتقام آئندہ کے لئے اٹھا رکھا۔ دوسرے ہی دن ان لوگوں نے اسے لڑائی میں ستر ۷۰ آدمیوں کے ساتھ مار ڈالا۔

جنگ جمل کے واقعات میں غداری کی یہ پہلی مثال نہ تھی۔ تاریخ کا مطالعہ کرنے پر ایسے بہت سے نمونے ملیں گے۔ طلحہ و زبیر نئی حکومت کی بنیاد ڈال رہے تھے لہذا اگر یہ بنیاد لاشوں پر رکھی گئی ہو تو جائے تعجب نہیں۔ ان کے اعوان و انصار بھی ایسے تھے جن کی فطرت اور خمیر میں غداری اور مکاری شامل تھی۔ ولید بن عقبہ، عبداللہ بن عامر، مروان بن حکم ایسے اشخاص سے اس قسم کی غداریوں کے علاوہ کسی دوسری چیز کی توقع بھی فضول تھی۔

بصرہ آج ان کے قبضہ اختیار میں تھا، انہوں نے اہم مقامات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ سامان حرب پر قبضہ کیا۔ پہریداروں کو قیدی بنایا۔ بصرہ کی آمدنی، خراج اور بیت المال پر قبضہ کرلیا۔ طاقت اور زر و مال ہی ذریعہ حکومت کی بنیادیں قائم ہوئی ہیں اور یہ دونوں چیزیں انہیں آج حاصل تھیں۔

مسعودی لکھتا ہے کہ عثمان بن حنیف کو گرفتار کرنے کے بعد طلحہ و زبیر نے جب بیت المال پر قبضہ کرنا چاہا تو خزانچی اور موکلین بیت المال مانع ہوئے۔ یہ ستر (۷۰) آدمی تھے قتل کر دیئے گئے اور کچھ آدمی ان کے علاوہ مجروح بھی ہوئے۔ ان میں سے پچاس کو قید کر کے حالت صبر میں قتل کیا اور اسلام میں یہ اول لوگ ہیں جو ظلم سے حالت صبر میں مارے گئے۔

(تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین مرحوم)

طلحہ و زبیر نے بصرہ پر قبضہ کر کے بروایت طبری جو کچھ بیت المال بصرہ میں تھا لشکر پر تقسیم کرنا چاہا۔ مثل مشہور ہے: زر بر سر فولاد نہی نرم شود۔ زر و مال ہی کے ذریعہ لوگوں کی ہمدردیاں خریدی جا سکتی تھیں، مگر عبداللہ بن زبیر نے جن کی خست ضرب المثل ہے مخالفت کی اور کہا کہ اگر ایک دفعہ مال مل جائے گا تو لوگ ہماری طرف سے بے پرواہ ہو جائیں گے۔ مگر ابن زبیر کی باتوں پر نہ زبیر نے دھیان دیا نہ طلحہ نے۔ بیت المال اپنے دوستوں میں تقسیم کرنے لگے۔ کس میں ہمت تھی جو ان کی مخالفت میں آواز بلند کرتا۔ ابن حنیف ان کے ہاتھوں میں گرفتار ہو چکے تھے اور اب ان کی موت و حیات کا فیصلہ حضرت عائشہ کے ہاتھوں میں تھا۔ چاہیں جلائیں چاہے مار ڈالیں۔ میدان جنگ میں آنے کے بعد حضرت عائشہ دوسری بن چکی تھیں۔ عورت کی نرمی فوجیوں کی قساوت میں تبدیل ہو چکی تھی۔ انہوں نے اپنے قیدی پر ذرا بھی ترس نہ کھایا حکم دیا کہ انہیں قتل کر ڈالو۔ حکم کی تعمیل ہونے ہی والی تھی کہ ایک عورت نے فریاد کرتے ہوئے کہا: "ام المومنین! میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتی ہوں۔ ابن حنیف پر ترس کھائیے۔ ان کے صحابی ہونے کا خیال کیجیے۔ حضرت عائشہ نے کچھ دیر تأمل کیا۔ پھر حکم دیا کہ انہیں قتل نہ کرو قیدی بنا لو۔

(تاریخ طبری/ تاریخ ارونگ/ تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم/ الامام علی ابن ابی طالب وغیرہ)

ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:

و كذلك لم يكتف هولاء القوم بنكث البيعة الّتي اعطوها علياً وانما ضافوا اليها نكث الهدنة الّتي اصطلحوا عليها مع عثمان بن حنيف، وقتلوا من قتلوا من اهل البصرة الذين انكروا نقض الهدنة وحبس الامير وغضب ما في بيت المال وقتل من قتلوا من حرسه وكلهم كان من الموالی ولم يقف امرهم عند هذا الحد وانما هموا ان يبطشوا بعثمان بن حنيف لولا ان ذكرهم بان اخاه سهل بن حنيف يدبر امر المدينة من قبل علی وبانه خليق ان يضع السيف فی بنی ابيهم ان اصابوه بمكروه فخلوا سبيه.

(الفتنة الكبریٰ ص ۴۰)

ترجمہ: اصحاب جمل نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کی کہ انہوں نے علیؑ کی بیعت توڑ دی بلکہ انہوں نے دوسری زیادتی یہ کی کہ اس معاہدہ کو توڑ ڈالا جو ان میں اور عثمان بن حنیف میں قرار پایا تھا۔ ان لوگوں نے بصرہ کے بہت سے ان لوگوں کو بھی قتل کیا جنھوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی، امیر بصرہ عثمان بن حنیف کو قید کرنے، بیت المال لوٹ لینے، عثمان بن حنیف کے پہریداروں کو قتل کرنے پر اپنی ناپسندیدگی و بیزاری ظاہر کی۔ اتنے ہی پر ان لوگوں نے بس نہیں کی بلکہ انہوں نے چا[ہا] کہ عثمان بن حنیف کا قصہ ہی پاک کر دیں مگر عثمان نے انہیں یاد دلایا کہ میرے بھائی سہل بن حنیف امیر المومنینؑ کی طرف سے مدینہ کے حاکم ہیں۔ اگر تم لوگوں نے مجھے کوئی بھی گزند پہونچائی تو وہ تمہارے خاندان والوں کو مار ڈالیں گے۔ اس ڈر سے ان

لوگوں نے ان کی جان بخشی کی۔

اصحاب جمل کی طرف سے اب تک جو اقدامات عمل میں آئے، عبد قیس کے ستر آدمیوں کی شہادت، دارالامارہ پر شبخون، والی بصرہ عثمان بن حنیف کی درگت، سبھی باتوں کا ردعمل ظاہر ہوا۔ حکیم ابن جبلہ کو ان تمام باتوں کی خبر ملی تو انہوں نے کہا:

"اگر میں نے ایسے موقع پر ابن حنیف کی مدد نہ کی تو گویا میں خدا کا خوف ہی نہیں کرتا۔"

حضرت عائشہ کو جب معلوم ہوا تو ڈریں کہ کہیں حکیم کی تحریک پھیل نہ جائے انہوں نے طلحہ و زبیر کو کہلا بھیجا:

"حکیم جمیعت کے ساتھ ہیں۔ عثمان کو قید نہ کرو چھوڑ دو۔"

انہیں امید تھی کہ ابن حنیف کی رہائی سے لوگوں کا ہیجان کم ہو جائے گا اور اس طرح حکیم کے پاس سے لوگ متفرق ہو جائیں گے۔

حکیم اس سیاسی بازی گری کو سمجھ گئے۔ اپنے ماحول کو دیکھتے ہوئے انہیں اندیشہ ہوا کہ اپنے مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ اس نے پناہ جمیعت سے جو ہر طرح کے جنگی ساز و سامان سے لیس ہے، بھڑنا خطرہ سے خالی نہیں۔ انہوں نے بھی جوابی چال چلی۔ لوگوں سے کہا:

"طلحہ و زبیر نے بیت المال پر قبضہ کر لیا ہے اور صرف اپنے دوستوں پر خرچ کر رہے ہیں۔ لوگوں کے وظائف انہوں نے بند کر دیے ہیں۔ جسے اپنا گزارا لینا ہو وہ ہمارے ساتھ بیت المال چلے۔"

یہ بڑا کاری وار تھا۔ طلحہ و زبیر نے بھی مال ہی کے ذریعہ لوگوں کو اپنا طرفدار بنایا تھا۔ حکیم نے بھی وہی پیش کش کی۔ اس طرح حکیم کے ساتھیوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ وہ اپنے سواروں کے لے کر آگے بڑھے، پیچھے پیچھے قبیلہ ربیعہ، عبدالقیس اور بکر بن وائل کے لوگ بھی تھے، ان میں سے اکثر لوگ حق کی حمایت اور مظلوم کی ہمدردی سے زیادہ دولت کی طمع میں ساتھ ہوئے تھے۔

حکیم سے اس مرتبہ پھر چوک ہوگئی جیسا کہ کل ہو چکی تھی۔ انہوں نے بڑھتے ہوئے جوش میں حضرت عائشہ کے متعلق کچھ سخت لفظیں زبان میں کہہ دیں کیونکہ انہیں کی وجہ سے یہ سارا طوفان کھڑا ہوا تھا۔ ایک عورت نے انہیں ٹوکا کہ ام المومنین کے متعلق ایسا کہہ رہے ہو۔ حکیم نے اس عورت کو مار ڈالا اس پر ان [کے] ساتھی بگڑ گئے کہ کل کی غلطی پھر آج تم نے دہرائی۔ ہم تمہیں، چھوڑے جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ ساتھ چھوڑ کر علیحدہ ہو گئے اور اس طرح حکیم کو موت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ ایسے وقت میں اگر وہ جدا نہ ہوتے تو کہنا مشکل تھا کہ کس کا پلہ بھاری رہتا۔ طلحہ و زبیر کامیاب ہوتے یا حکیم بن جبلہ۔ پھر بھی حکیم کی ہمت میں کمزوری پیدا نہ ہوئی۔ بچے کھچے ساتھیوں کو لے کر وہ پہلے سے زیادہ جوش و ولولہ سے آگے نہ بڑھے۔ نہ اپنے ساتھیوں کی قلت کا افسوس تھا، نہ دشمنوں کی کثرت کا اندیشہ۔ سب کو لئے ہوئے دارالرزق پہونچے جہاں عائشہ کا لشکر مقیم تھا۔ عبداللہ بن زبیر لپک کر

سامنے آئے، پوچھا:

"حکیم تم یہاں کہاں؟"

"ہم اس مال سے اپنا حصہ لینے آئے ہیں۔"

"ہم اس میں سے تمھیں کچھ نہیں دیں گے۔"

دوسری غرض یہاں آنے کی یہ ہے کہ آپ عثمان بن حنیف کو چھوڑ دیجئے جب تک امیر المومنینؑ نہیں آجاتے۔ وہ دارالامارہ میں مقیم رہیں جیسا کہ معاہدہ کی شرط تھی۔

"ہم ابن حنیف کو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک علیؑ کی بیعت وہ توڑ نہیں دیتے۔"

"خدا کی قسم اگر مجھے یاور و ناصر نصیب ہوتے اور ہمارے پاس سامان ہوتا تو ہم آپ کی زیادتی پر صبر نہ کرتے۔ جس قدر آپ نے ہمارے یہاں کے لوگوں کو قتل کیا ہم اس کا بدلہ لیتے۔ خدا سے ڈریے۔ آخر کس سبب سے آپ نے حرام خون کو حلال سمجھا؟"

"حضرت عثمان کے خون کے بدلہ میں۔"

"جن لوگوں کو آپ نے قتل کیا ہے کیا انہیں لوگوں نے عثمان کو قتل کیا تھا؟"

عبداللہ بن زبیر سے اس کا کوئی جواب بن نہ پڑا۔ حکیم کی اس دلیل نے ان کی زبان سی دی۔ مسجد کے ہنگامے میں جتنے مسلمان شہید ہوئے، دارالامارہ میں جتنے مقتول ہوئے، عبدقیس کے قبیلہ کے جتنے آدمی مارے گئے، کون کہہ سکتا تھا کہ وہ سب قاتلین عثمان تھے یا ایک عثمان کے بدلہ میں مسلمانوں کی اتنی کثیر تعداد کو تہ تیغ کرنا جائز تھا؟ ارشاد الٰہی ہے:

وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ. [الاسراء/33]

جو شخص مظلوم قتل کر دیا جائے ہم اس کے ولی کو قصاص کا اختیار دیتے ہیں لیکن وہ قصاص لیتے وقت حد سے تجاوز نہ کرے۔

یہاں جو کچھ ہو رہا تھا وہ یقیناً اسراف فی القتل تھا۔ (خلفائے محمد عمر ابو النصر/ الامام علی بن ابی طالب/ سیرۃ علویہ وغیرہ)

حکیم سے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر کہا۔

"خدایا تو حاکم عادل ہے ہمارا انصاف تیرے ہاتھ میں ہے۔"

اس کے بعد اپنے ساتھیوں سے مڑ کر کہا۔

"ان لوگوں سے لڑنے میں اب مجھے کسی بات کا شک نہیں رہا۔ جس کسی کو شک ہو وہ واپس جائے۔"

حکیم یہ کہہ کر آگے بڑھے اور جنگ شروع ہوگئی۔

(۶)

حضرت عائشہ کے بصرہ آنے پر سب سے پہلے حکیم بن جبلہ ہی نے ان کی جمعیت سے ٹکر لی۔ اس فریق کی سرکشی اور باطل پرستی دیکھ کر انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ لوگ باتوں سے ماننے والے نہیں۔ انہیں نہ تو اس کی پرواہ ہوئی کہ مجھے طاقتور افواج سے مقابلہ کرنا پڑے گا نہ اپنے ساتھیوں کی قلت سامان حرب کی کمی سے ذرہ برابر پریشان ہوئے۔ ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ یہ لوگ جو مکہ سے منزلیں طے کرتے ہوئے بصرہ آئے ہیں، صرف فتنہ انگیزی اور حکومت اسلامیہ کا تختہ الٹنے کے لئے اس لئے انہیں قتل کر ڈالنا واجب ہے۔ انہیں اس کا خیال بھی نہ ہوا کہ سامنا ہزاروں ہزار جدید اسلحہ سے لیس سپاہیوں کا ہے اور ہمارے ساتھ صرف تین سو جوان ہیں۔ جنگ چھڑ گئی۔ طلحہ و زبیر خبر پاتے ہی اپنی جماعت کے ساتھ مقام جنگ میں آپہونچے اپنی فوجوں کے چار افسر مقرر کر کے ترتیب لشکر کی۔ خود طلحہ اپنے سواروں کو لے کر حکیم کے مقابل ہوئے۔ حکیم شروع ہی سے جانتے تھے کہ ہمارا ان کا مقابلہ نہیں۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ فوج کا سب سے بڑا نشان حضرت عائشہ کی ذات ہے، اگر یہ نشان گرا لیا جاتا ہے تو ان لوگوں کی ہمتیں ٹوٹ جائیں گی۔ اور الٹے پیروں بھاگ کھڑے ہوں گے۔ خدا بہتر جانتا ہے حکیم نے حضرت عائشہ کو کوئی گزند پہونچانا چاہا یا ان کا ارادہ صرف یہ تھا کہ انہیں گرفتار کر لیا جائے پھر ان کے تبادلہ میں بصرہ کا تخلیہ کرا کے امیرالمومنین کا قبضہ بحال کیا جائے۔ جیسے ہی جنگ شروع ہوئی حکیم کے کچھ ساتھی حضرت عائشہ کی اقامت گاہ کی طرف لپکے لیکن یہ کوشش ان کی بارآور نہ ہوئی۔ وہاں ہزاروں کی تعداد جان کی بازی لگائے حفاظت پر متعین تھی۔ حکیم نے اس میں کوئی شک نہیں محیر العقول شجاعت کا مظاہرہ کیا مگر فائدہ کچھ نہ ہوا۔ ادھر کی تعداد اتنی زیادہ اور ان کی تعداد اتنی مختصر تھی کہ اگر حضرت عائشہ کی فوج والے چاہتے تو ایک ایک پتھر مار کر حکیم کے ساتھیوں کو ختم کر سکتے تھے۔

مگر حکیم کے قدم ڈگمگائے نہ انہوں نے پیٹھ پھرائی۔ پہاڑ کی طرح جمے ہوئے شمشیر زنی کرتے رہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی ان کا ہاتھ رکتا نہیں تھا۔ ایک لمحہ ایسا آیا کہ حضرت عائشہ کے ایک سپاہی نے دھوکہ دے کر پیچھے سے ان کے پیر پر وار کیا اور پنڈلی تک ان کا پیر کاٹ ڈالا۔ حکیم گرے، ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی مگر ایسے سخت وقت میں قوت قلب کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے جھک کر وہی کٹا ہوا پیر اٹھایا، ایک پیر سے حملہ آور کے پیچھے دوڑے اور اسی پیر سے مار مار کر مار ڈالا۔

(کتاب صفین ابن مزاحم ص ۸۳ / مروج الذہب جلد ۲ ص ۷ / استیعاب جلد ۱ ص ۱۲۱ / دول اسلام ذہبی جلد ۱ ص ۱۸ / شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۳۵۰ / سیرت علویہ / الامام علی ابن ابی طالب وغیرہ)

حکیم نڈھال ہو کر دم لینے کے لئے رکے اور اسی دشمن کی لاش سے تکیہ لگا کر بیٹھے جس نے ان کا پیر قطع کیا تھا۔ زخموں سے چور چور ہو چکے تھے۔ کثرت سے خون جسم سے بہہ چکا تھا۔ رفتہ رفتہ حواس بھی جواب دیئے جا رہے تھے۔ اسی عالم میں ان کے انصار

میں سے کوئی ان کے پاس سے گزرا۔حکیم کو دیکھ کر اس نے پوچھا:

"حکیم یہ تمہیں کیا ہوا؟"

"میں مار ڈالا گیا۔"

"کس نے تمہیں ل مارا؟"

حکیم مسکرائے اور کہا: "یہی جس پر میں تکیہ لگائے بیٹھا ہوں۔"

اس شخص نے دوڑ کر حکیم کو اٹھایا اور محفوظ جگہ میں لے گیا۔ بچے کچھے ساتھی ان کے پاس سمٹ آئے۔حکیم نے کہا: "مجھے سہارا دیکر کھڑا کرو۔" جب لوگوں نے سہارا دیا تو ایک پیر پر کھڑے ہو کر انہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

"بھائیو! یہ دونوں طلحہ وزبیر ہمارے ہاتھوں سے بچے جا رہے ہیں۔ یہ دونوں علیؑ کی بیعت اور ان کی اطاعت کا اقرار کر چکے، پھر مخالف اور آمادہ پیکار ہو کر یہاں آئے خون عثمان کا مطالبہ کرتے ہوئے۔انہوں نے یہاں آ کر ہم لوگوں میں پھوٹ ڈال دی درآنحالیکہ ہم ایک ہی شہر کے رہنے والے ایک دوسرے کے پڑوسی تھے۔ان دونوں نے خون عثمان کا محض بہانا کیا ہے۔ حقیقت میں انتقام لینا مطلوب نہیں۔۔۔۔"

اس سے آگر حکیم بول نہ سکے سانس اکھڑ گئی اور وہیں تیورا کر گر پڑے۔جب جنگ کا گرد وغبار ہٹا تو یہ اسی جگہ مردہ پڑے تھے اور ان کے ارد گرد کہیں ان کے لڑکے اشرف کی لاش تھی، کہیں ان کے بھائی رعل کی اور دوسرے ساتھیوں کی جنوں نے مرتے دم تک ساتھ دیا۔(سیرۃ علویہ/ الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم وغیرہ)

حکیم کے متعلق لوگوں کے خیالات جتنے بھی جداگانہ ہوں، عائشہ کے متعلق ان کی سخت لفظیں جتنی بھی ناپسند کی جائیں، طلحہ وزبیر کے متعلق انہوں نے جو تشدد کا سلوک جائز رکھا اسے کوئی کچھ بھی کہے مگر اس میں شک نہیں کہ وہ وفاداری بشرط استواری کی بہترین مثال پیش کر گئے۔ان کا جو نظریہ تھا، جن باتوں پر ایمان تھا، مرتے دم تک ان پر قائم رہے۔بڑی سے بڑی طاقت بھی ان کے قدم کو جنبش نہ دے سکی۔انہوں نے ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دی۔خوشی خوشی جام شہادت نوش کیا۔دل اس مسرت واطمینان سے بھرپور تھا کہ میں نے اپنی قوم کی آزادی کی حمایت میں سرکش دشمنوں سے ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے، جو ہمارے نظریات ہمارے اعتقادات ہمارے دین وایمان پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے آئے تھے۔حکیم کی نظروں میں حضرت عائشہ کے آدمی ڈاکو لٹیرے تھے۔وہ اسلحے کی قوت سے بصرہ پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔وہ آزادی ومساوات کے اجالے سے نکال کر جور وتشدد کی تاریکیوں میں ڈھکیل دینا چاہتے تھے۔حکیم نے اپنی پوری طاقت سے ٹکر لی۔اپنی زبان اپنے دل اپنے خون ہر چیز

سے انہوں نے اس نحوست و نکبت کی مدافعت کی۔ان کی آواز فضائے عالم میں اب بھی گونج رہی ہے اور جب تک حریت کی تڑپ بنی نوع انسان کے دلوں میں موجود رہے گی، حکیم کی یہ آواز ہمیشہ سنائی دیتی رہے گی۔

”اے قبیلہ عبد قیس والو! اپنی نگاہ جمائے رہو۔ان دشمنوں سے جہاد کرو۔یا تو شریفوں کی موت مرجاؤ یا پھر شریفوں کی طرح زندہ رہو۔“

بہادروں نے ان کی آواز پر لبیک کہی۔عزت ہی کی موت مرے اور حریت کی راہ میں اپنی نفوس کی قربانی پیش کر گئے۔ (الامام علی ابن ابی طالب جلد ۳)

حکیم اور ان کے ساتھیوں کی شہادت کے بعد اب میدان صاف تھا۔طلحہ وزبیر اپنے مخالفین کو ایک ایک کر کے تہ تیغ کر چکے تھے مگر جی کی بھڑاس اب تک نہ نکلی تھی۔انہوں نے شہر میں منادی کرائی۔

”قتل عثمان کے موقع پر بلوائیوں کا جس جس نے ساتھ دیا ہو۔اسے ہمارے پاس لایا جائے۔“

طلحہ وزبیر یہ بھول گئے کہ پہلے یہی بصرہ والے ان کے یار و انصار تھے۔عثمان کے خلاف جو ہنگامہ کھڑا کیا گیا اس میں بصرہ والوں سے بھی ان لوگوں نے مدد لی تھی۔خود حضرت عائشہ بصرہ والوں کی مظلومیت کا دکھڑا رویا کرتی تھیں۔ان کی نگاہ میں یہ لوگ ستم رسیدہ تھے۔عثمان پر واجب تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ انصاف کرتے۔آج انہیں عائشہ نے ان لوگوں سے نگاہ موڑ لی تھی۔اب یہی لوگ ان کی نگاہ میں لائق گردن زدنی تھے۔

ہوا و ہوس نت نئے رنگ بدلتی اور من مانے حیلے بہانے تراشا کرتی ہے۔عائشہ کی وہی ہمدردی و دلسوزی آج غیظ و غضب میں تبدیل ہو چکی تھی۔جو مظلوم تھے وہی آج ظالم۔کل جن لے یار و انصار سمجھا جاتا تھا، وہی آج دشمن۔ایک ایک کر کے وہ لوگ گرفتار کیے گئے جو فریادی بن کر مدینہ گئے تھے اور سب کے سب قتل کر دیئے گئے۔کسی کو معاف نہیں کیا گیا۔خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ان لوگوں نے کتنے مظلوموں کو تہ تیغ کیا اور کتنے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

بعد خاتمہ جنگ طلحہ وزبیر نے لوگوں کو بیت المال سے انعام دیا۔بنی عبد قیس اور بکر بن وائل بیت المال کو لوٹ مار کر کے چلتے ہوئے اور بہ انتظار جناب امیر[میں] راستہ میں مقیم ہو گئے۔

طلحہ وزبیر اور حضرت عائشہ نے اہل کوفہ و اہل یمامہ و اہل مدینہ و اہل شام کو اپنی فتحیابی کی خوشخبری لکھ بھیجی اور انہیں ترغیب دی کہ تم بھی آؤ اور ہمارے ساتھ جنگ میں شریک ہو جاؤ۔انہیں امید تھی کہ ہر جگہ سے کافی تعداد میں ہمارے حمایتی پہونچ جائیں گے۔لیکن دل کے بھید انہوں نے خطوں میں ظاہر نہیں کیے۔

ان کی کوشش تھی کہ کسی کو یہ وہم و گمان نہ ہو کہ ہم دولت و جاہ کے طالب ہیں۔حکومت و اقتدار کے خواہاں ہیں بلکہ ہر ایک

یہی سمجھے کہ ہم صرف فی سبیل اللہ اٹھے ہیں۔ ایک قتیل مظلوم کا بدلہ و قصاص لینے کے لیے۔

ان لوگوں نے خط میں لکھا:

ہم تمہیں خدا کی قسم دیتے ہیں کہ جس طرح (مطالبہ خون عثمان لے کر) ہم اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تم بھی اٹھ کھڑے ہو۔ ہم تم دونوں خدا کے سامنے اس طرح پہونچیں کہ اپنی کوتاہیوں کی تلافی کر چکے ہوں اور جو فرض ہمارے کاندھوں پر ہے اس سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔

مگر یہ نقاب کتنی باریک تھی اور اس کے اندر کی صورت کتنی صاف دکھائی دے رہی تھی۔ یہی زبیر جنھوں نے اس مضمون کا خط لکھا تھا اور جن کے خط کی روشنائی بھی ابھی خشک نہ ہوئی تھی، اپنے دوستوں سے کہنے لگے۔ ”مجھے ہزار سواروں کی ضرورت ہے جنہیں لے کر میں علیؑ پر حملہ کر دوں اور قبل اس کے کہ وہ بصرہ پہونچیں، انہیں ختم کر ڈالوں۔“

مگر کسی نے ان کی فرمائش پر توجہ نہ دی۔

پھر کہنے لگے: ”یہ وہی فتنہ ہے جس کی ہم کو پہلے سے خبر دی جا چکی تھی۔“ اس پر ان کے غلام نے کہا کہ آپ اس ہنگامہ کو فتنہ بھی سمجھتے ہیں اور دیدہ و دانستہ جنگ میں بھی شریک ہیں۔ جواب دیا کہ کیا کہیں ہم سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھتے۔

(سیرۂ علویہ جلد اول ص ۲۳/ الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم)

پانچویں فصل

ابوموسیٰ اشعری والی کوفہ کی منافقت

امیر المومنینؑ اب تک ان باغیوں کی سرکشی اور زیادتی پر محیر العقول صبر وتحمل سے کام لیتے رہے مگر اب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ان کی سرکشی اب لا علاج مرض بن چکی تھی۔انہیں چھوڑ دیا جاتا تو قوی اندیشہ تھا کہ ان کا مرض متعدی ہو کر ساری مملکت اسلامیہ کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔بصرہ میں ان کی کامیابی جو اگر چہ مکروفریب کے ذریعہ سے ہوئی تھی دوسرے شہروں کے مسلمانوں کو بھی فتنہ میں مبتلا کر سکتی تھی۔دنیا میں یہ ہوتا آیا ہے کہ ہر کہ شمشیر زند خطبہ بنامش خوانند جو فتحیاب ہوتا ہے اسی کو حق پر سمجھا جاتا ہے۔اب تک ان لوگوں کو ڈھیل دی جاتی رہی مگر اب تدارک ناگزیر ہو گیا تاکہ بغاوت کے جراثیم دوسرے شہروں میں نہ پھیلنے پائیں۔بہت سے موقع پرست تاک میں رہے ہوں گے جنہیں اقتدار کی طمع ترغیب دے رہی ہو گی کہ تم بھی بیعت واطاعت کا جوا کاندھے سے اتار پھینکو اور خود مختار ہونے کا اعلان کر دو۔وعظ و پند،نرمی اور ملامت کے علاوہ حضرتؑ کے پاس ایک دوسری دوا بھی تھی جو ان کے مرض عصیان کو جڑ سے نکال پھینکتی اور وہ تلوار تھی۔مگر اس کے باوجود حضرتؑ کے جذبہ رحم وکرم میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔اب بھی ان لوگوں کی گمراہی پر حضرتؑ کا دل کڑھتا تھا۔برابر اس امید میں رہے کہ آج نہیں تو کل سمجھ آجائے گی۔اسلام میں ان لوگوں نے جو رخنہ پیدا کر دیا ہے وہ دور ہو جائے گا۔ان لوگوں کی بصرہ پر یلغار،قتل وغارت اور غریب مسلمانوں پر ہولناک مظالم سب کچھ معلوم ہوتے ہوئے بھی آپ نہ دل تنگ ہوئے نہ شکستہ خاطر۔جس وقت عثمان بن حنیف آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان کے چہرہ کی درگت دیکھی تو غم وغصہ کو ضبط کرتے ہوئے اپنی مخصوص خندہ مزاجی سے کہا:

”یہ تو ہمارے پاس سے جب گئے تھے تو بوڑھے تھے اب جوان ہو کر پلٹے ہیں۔“

اس کے بعد آپ نے ابن حنیف کو دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

”خدا تمہیں جزائے خیر دے۔تم نے بہت بڑا اجر حاصل کیا۔“

ابن حنیف کی دلدہی کے لئے آپ نے بظاہر ان زیادتیوں کو اہمیت تو نہ دی مگر مزید صبر اور مسلسل درگزر کرتے رہنے کے جو خطرناک نتائج ہو سکتے تھے اس سے غافل نہ رہے۔منتظر تھے کہ کوفہ سے کمک آجاوے تو بصرہ کی طرف روانگی ہو۔ابوموسیٰ اشعری کو آپ نے کئی بھی خطوط بھیجے مگر وہاں سے نہ کوئی جواب آتا تھا نہ کمک پہونچتی تھی۔والی کوفہ ابوموسیٰ اشعری خود بھی مدد سے پہلوتہی

کر رہے تھے اور کوفہ والوں کو بھی روک رہے تھے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ امیر المومنینؑ کفار و مشرکین سے جنگ کرنے نہیں جا رہے ہیں بلکہ ایسے لوگوں سے لڑنے کے لئے نکلے ہیں جو خدا اور رسول اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور مسلمان مسلمان سے جنگ کریں مناسب نہیں۔ مگر ابوموسیٰ کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی کہ وہ حضرتؑ کی بیعت کر چکے تھے۔ کوفہ والوں سے بھی انہوں نے حضرتؑ کے لئے بیعت لی تھی۔ اس بیعت کی بناء پر فرض و لازم تھا کہ وہ خود حضرتؑ کی مدد کرتے اور اپنے شہر کے لوگوں کو بھی اس پر مجبور کرتے۔ اس میں انہیں اگر دشواری محسوس ہوتی تو اپنے عہدہ سے مستعفی ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر سکتے تھے جس طرح بہت سے لوگ گوشہ نشین ہو گئے تھے لیکن بیعت کرنے اور حضرتؑ کی طرف سے کوفہ کی گورنری قبول کرنے کے بعد ان کا خود حضرتؑ کی مدد سے گریز کرنا اور کوفہ والوں کو بھی مدد سے روکنا کسی حیثیت سے جائز نہ تھا اور نہ کوئی بھی بافہم اس رویہ کی تائید کر سکتا ہے۔ (الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم ڈاکٹر طہٰ حسین)

اسی طرز عمل کی وجہ سے ہم یہ یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ ابوموسیٰ دشمنوں سے ملے ہوئے تھے اور حضرتؑ نے ابتداً انہیں معزول جو کر دیا تھا اس کے انتقام کے در پے تھے۔ قاصد پر قاصد امیر المومنینؑ کے آتے رہے مگر انہوں نے اپنا رویہ نہیں بدلنا تھا نہیں بدلا۔ پہلے حضرتؑ نے ہاشم بن عتبہ مرقال کے ذریعہ ایک خط بھیجا:

"اللہ کے بندے امیر المومنینؑ کی طرف سے عبداللہ بن قیس ابوموسیٰ اشعری کے نام۔

میں تمہارے پاس ہاشم بن عتبہ مرقال کو روانہ کر رہا ہوں تم ان کے ساتھ کوفہ کے مسلمانوں کو روانہ کرو، ان لوگوں سے لڑنے کے لئے جنہوں نے بیعت توڑ دی ہے، ہمارے شیعوں کو قتل کیا ہے اور مسلمانوں میں ہولناک فتنہ انگیزی کی ہے۔ جیسے ہی میرا خط تمہارے پاس پہونچے تم فوراً لوگوں کو روانہ کرو کسی کو روکنا نہیں۔ میں نے کوفہ کی حکومت پر تمہیں اسی لئے برقرار رکھا ہے کہ تم میرے دست بازو رہو۔ والسلام۔"

ہاشم جب یہ خط لے کر کوفہ پہونچے تو ابوموسیٰ نہایت گستاخی سے پیش آئے۔ ہاشم بن عتبہ کو دھمکی دی جیل میں ڈال دوں گا۔ ہاشم نے ان حالات سے امیر المومنینؑ کو مطلع کرتے ہوئے لکھا:

"امیر المومنینؑ میں آپ کا خط ایک بڑے جھگڑالو، نافرمان، بے رحم اور اعلانیہ دشمن کے پاس لے کر پہونچا۔ وہ مجھے قید کی دھمکی دے رہا ہے اور قتل سے ڈراتا ہے۔ میں یہ خط محل بن خلیفہ طائی کے ہاتھوں آپ کے پاس روانہ کر رہا ہوں۔ آپ جو مناسب خیال فرمائیں مجھے حکم دیں۔"

(شرح نہج البلاغہ جلد ۳ ص ۲۹۱ / قصیدہ علویہ عبدالمسیح انطاکی / کتاب الجمل شیخ مفیدؒ)

پھر آپ نے محمد بن ابی بکر اور محمد بن عوف کو خط دے کر روانہ کیا۔ ان کے ساتھ بھی ابوموسیٰ کا وہی رویہ رہا۔ محمد بن ابی بکر جب

حضرتؑ کا خط لے کر کوفہ پہونچے اور کوفہ والوں کو معلوم ہوا کہ ہمارے عامل کے نام امیر المومنینؑ کا خط آیا ہے تو معززین کوفہ مشورہ کے خیال سے ابوموسیٰ کے پاس پہونچے اور پوچھا کہ خروج کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟ ابوموسیٰ نے فوراً ہی کہا:

آج کیا رائے طلب کرتے ہو اس کا وقت اور موقع گزر گیا۔ کل جب عثمان پر یورش تھی تو ہم نے اسے سبک سمجھا، اسی کا یہ سب نتیجہ ہے۔ ایسے وقت میں لڑائی کے لئے خروج دنیا کی راہ ہے اور خاموش بیٹھ جانا آخرت کی راہ ہے۔"

اپنے عامل کی یہ رائے جاننے کے بعد لازمی بات تھی کہ اہل کوفہ بھی مدد کرنے سے پہلوتہی کریں اور گھروں میں جا کر بیٹھ رہیں اور ایسا ہی ہوا بھی۔ محمد بن ابی بکر نے انہیں قائل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر وہ اپنی ضد پر اڑے رہے۔ یہ جتانے کے لئے جیسے انہیں حق کے ضائع و برباد جانے کا بہت اندیشہ ہے اور ان کی واحد تمنا یہی ہے کہ عدل وانصاف قائم ہو، ظالم اپنے کیفر کردار کو پہونچیں۔ اسی سلسلہ میں انہوں نے کہا:

"خدا کی قسم عثمان کی بیعت میری گردن میں ہے، علیؑ بھی ان کی بیعت کر چکے ہیں۔ اگر لڑنا ضروری ہے تو ہم اس وقت تک نہیں لڑیں گے جب تک تمام قاتلین عثمان سے خواہ وہ کہیں ہوں انتقام نہ لے لیں۔" (خلفائے محمد عمر ابوالنصر)

یہ وہی طلحہ وزبیر والا نظریہ تھا انہوں نے بھی بیعت کر کے جب نکث بیعت کی تو اسی قسم کی تاویل کی تھی۔ امیر المومنینؑ آخر کس طریقہ سے قاتلین عثمان سے قصاص لیتے۔ جب خلیفہ وقت کی کوئی بات ہی نہ سنی جائے۔ فوج وسپاہ سے اسکی مدد نہ کی جائے تو اگر وہ عدالت کا فیصلہ نافذ کرنا بھی چاہے تو کیونکر نافذ کرے۔ پھر یہ بھی منافقت ہے کہ عثمان کا قتل ایک دو آدمیوں کے ہاتھوں نہیں ہوا، بہت سے شہر اور متعدد قبائل نے مل کر ان کا خون بہایا تھا۔ خود وہ لوگ جو خون عثمان کا مطالبہ لے کر اٹھے تھے ان کے ہاتھ بھی خون عثمان سے رنگین تھے۔ تنہا امیر المومنینؑ کس کس سے لڑتے اور کس کس کا خون بہاتے۔

انتہائی حیرت انگیز بات ہے کہ ان لوگوں کا مطالبہ تو یہ تھا کہ امیر المومنینؑ ان تمام لوگوں سے قصاص لیں جو عثمان کے خون میں شریک ہوئے مگر جس اسلحہ سے ان کا مقابلہ کیا جا سکتا تھا جس فوج وسپاہ کے ذریعہ انہیں زیر کرنا ممکن تھا اسی کو دینے میں یہ لوگ بخل سے کام لے رہے تھے۔

ابوموسیٰ کا رویہ وہی ہوتا جا رہا تھا جو فتنہ انگیزوں کا رویہ تھا جو بیعت توڑ کر حضرتؑ سے برسر پیکار تھے۔ ان لوگوں نے بھی حضرتؑ کی نافرمانی کی تھی اور ابوموسیٰ بھی نافرمانی پر مصر تھے۔ ان کے خاموش بیٹھ رہنے اور مدد نہ کرنے کی وجہ ہی سے طلحہ وزبیر کو بصرہ میں کامیابی نصیب ہوئی۔ کوئی شک نہیں کہ اس وقت حالات کی باگ ڈور انہیں کے ہاتھ میں تھی، چاہتے تو مدد کر کے علیؑ کو فتحیاب بناتے یا مدد سے گریز کر کے انہیں ناکامیاب کرتے۔ زمانہ کی نیرنگیوں کی بدولت کوفہ کی گورنری نصیب تھی اور اب اسکے ذریعہ

پیر پھیلانے اور اقتدار بڑھانے کے درپے تھے۔ جتنا بس چلا امیر المومنینؑ سے عداوت کی۔ آپ پے درپے قاصد بھیجا کیے اور ہر قاصد کے آنے پر ان کی گردن تنی رہی۔ محمد ابن ابی بکر و محمد بن جعفر آئے۔ ان کے بعد جناب عمارہ، مالک اشترؓ آئے۔ عبداللہ بن عباس و امام حسنؑ آئے۔ سب کے سب منتخب روزگار افراد تھے ان کی زبان سے نکلا ہوا فقرہ پتھر کو بھی پانی کر سکتا تھا مگر نہ پسیجا تو اشعری کا دل۔ ان کی سرکشی تھی کہ ختم ہونے ہی میں نہ آتی تھی۔ یہاں تک کہ امیر المومنینؑ کا کشادہ دل بھی تنگی کرنے لگا۔ آپ نے مجبور ہو کر لکھا:

"امابعد، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم ایسی بات کہہ رہے ہو جو تمہارے موافق بھی پڑ سکتی ہے اور مخالف بھی۔ میرے قاصد کے پہونچتے ہی آستینیں چڑھالو، کمر کس لو، اپنے بل سے باہر نکل آؤ اور لوگوں کو جنگ کے لئے جمع کرو۔ اگر تمہیں یقین حاصل ہے تو پس وپیش کیا؟ حیص بیص کیوں؟ اپنے یقین پر چل پڑو۔ لیکن اگر بزدلی کا شکار بن چکے ہو تو دور ہو جاؤ۔ خدا کی قسم تم پکڑے جاؤ گے کہیں بھی ہو اور ہرگز نہ چھوڑے جاؤ گے یہاں تک کہ تمہارے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔ تمہارا یہ چین سے بیٹھنا ختم ہو جائے گا اور تم اپنے آگے سے بھی اسی طرح ڈرنے لگو گے جس طرح اپنے پیچھے سے ڈر رہے ہو۔ یہ تر لقمہ نہیں جس کا تم خواب دیکھ رہے ہو۔ یہ مصیبت عظمیٰ ہے مگر اس مصیبت کے سرکش اونٹ پر بیٹھا جائے گا اسکے سخت کو نرم کیا جائیگا۔ اسکے سنگلاخ کو ہموار کیا جائے گا۔ لہذا اپنی عقل بھٹکنے نہ دو۔ اپنا معاملہ قابو میں رکھو اور اپنا حصہ حاصل کرو، لیکن اگر یہ پسند نہیں تو ادھر کو ہٹ جاؤ جہاں نہ خوش آمدید ہے نہ بچاؤ ہے۔ ایسی حالت میں یقیناً تمہاری ضرورت بھی نہ رہے گی تم پڑے رہو گے اور کوئی پوچھے گا بھی نہیں کہ کہاں ہو تم۔ بخدا حق، حق والے کے لئے ہے اور ہمیں ذرا پروا نہیں کہ مفسد کیا کرتے ہیں۔ والسلام۔"

(ترجمہ نہج البلاغہ جلد دوم مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی)

کیا ابوموسیٰ کی بزدلی و پست ہمتی ہی واحد سبب تھی امیر المومنینؑ کی مدد سے گریز کی؟ امیر المومنینؑ کا غیر معمولی لطف و کرم تھا کہ آپ نے ابوموسیٰ کو خائن وغادر کے لقب سے یاد نہ کیا۔ صرف کاہل، ضعیف الرائے، کوتاہ نظر، مذبذب ہی کہہ کر رہ گئے لیکن ان اوصاف کے علاوہ ایک بات اور بھی یقینی طور پر ان میں موجود تھی اور وہ یہ کہ ابوموسیٰ امام کی طاعت سے کارہ اور آپکی مودت سے خالی تھے یہ خوبی ان کے نفس میں رچی بسی تھی اور کبھی بھی ان سے جدا نہیں ہوئی۔ بصرہ کے حادثہ میں بھی ظاہر ہوئی اور آگے بھی اس کا ظہور ہوتا رہا۔ زمانہ کی نیرنگی نے واقعہ تحکیم میں انہیں ثالث بنایا۔ انہوں نے ثالثی کی خدمت جس طرح انجام دی وہ ہم عنقریب بیان کریں گے۔

بصرہ کی جنگ میں کھوٹے کھرے کی پہچان بخوبی ہوگئی۔ ابوموسیٰ کے ظرف میں جو کچھ تھا چھلک کر رہا وہ اپنی ہٹ پر اڑے رہے۔ جھڑکیاں دھمکیاں سنا کے مگر ٹس سے مس نہ ہوئے۔ یا تو وہ حضرتؑ کے دشمن تھے اور وہ دشمنی چھپاتے تھے یا بالکل ہی

عقل سے کورے تھے اور حکومت کے لئے نامناسب تھے۔ آگے چل کر ناظرین کو معلوم ہو گا کہ وہ صرف عقل سے کورے ہی نہیں بلکہ امیر المومنینؑ کی حکومت کے لئے سب سے بڑی تباہی ثابت ہوئے۔

(۲)

ابوموسیٰ اشعری کا مطمح نظریہ تھا کہ اس جنگ سے کنارہ کشی ہی بہتر ہے۔ اسی کی انہوں نے اپنے شہر والوں کو ترغیب بھی دی۔ وہ اپنے طرزِ عمل سے پھر اس ٹریجڈی کو دہرانا چاہتے تھے، جو سال گزشتہ قتل عثمان کی صورت میں پیش آئی تھی۔ جب کوفہ و بصرہ اور مصر کے مسلمانوں نے ان پر یلغار کی تو مہاجرین و انصار سبھی گھروں میں بیٹھ رہے تھے اور عثمان کو بے یارومددگار چھوڑ دیا تھا اور اس کے نتیجہ میں وہ بیدردی سے ہلاک ہوئے۔ آج وہی قصہ ابوموسیٰ دہرا رہے تھے۔ ان کی رائے یہ تھی کہ گلہ بان پر بھیڑیے حملہ آور ہوں تو دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے، نہ گلہ بان کی مدد کی جائے نہ بھیڑیوں کو مار بھگایا جائے، ظالم و مظلوم کسی کا ساتھ نہ دیا جائے۔ کنارہ کشی کا فتنہ تمام فتنوں سے بڑھ کر قیامت خیز تھا اور یا تو انتہائی حماقت کا نتیجہ تھا یا بدترین مکاری تھی، جس کے پردے میں امیر المومنینؑ کی حکومت کا تختہ الٹ دینا مقصود تھا۔ اپنے شہر والوں کو ابوموسیٰ کی یہ تاکید تھی: ”تلواریں نیام میں کرلو، برچھیوں کا پھل اتارلو، کمانوں کے تار کاٹ دو جب تک یہ فتنہ فرو نہ ہو جائے۔“

حسن ظن کی بنا پر ممکن ہے ان کا نظریہ کسی کو بھلا معلوم ہوتا ہو مگر غور کرنے سے پتہ چلے گا کہ ان کے منہ میں جیسے طوطے کی زبان تھی جو عائشہ کی سکھائی باتیں رٹ رہی تھی۔ حضرت عائشہ کی بہت پہلے سے یہی فرمائش تھی اور فتح بصرہ کے بعد اسی مضمون کا خط انہوں نے ابوموسیٰ کو لکھا تھا:

”لوگوں کو علیؑ کی حمایت و نصرت سے روکو اور اپنے گھروں میں بیٹھ رہو۔“

اسی قسم کا خط انہوں نے کوفہ کے دوسرے معززین کو بھی لکھا تھا جس میں انہیں بیٹھ رہنے کی تاکید کی تھی۔ زید بن صوحان کو لکھا تھا:

”عائشہ دختر ابوبکر ام المومنین حبیبۂ رسولؐ کی طرف سے ان کے خاص بیٹے زید بن صوحان کی طرف۔ جب تمہیں میرا خط ملے تو میری امداد پر کمربستہ ہو کر روانہ ہو جاؤ۔ اگر ایسا نہ کرسکو تو لوگوں کو علیؑ کی مدد کرنے سے روکو۔“

زید بن صوحان نے تو حضرت عائشہ کی درخواست منظور نہ کی مگر ابوموسیٰ اشعری نے اس مشن کو اپنے ذمہ لے لیا۔ انہوں نے اس اپیل کی نشرواشاعت میں اپنے امکان بھر کوئی کوتاہی نہ کی۔ محمد بن ابی بکر آئے وہ ناکام واپس گئے۔ عبداللہ بن عباس آئے وہ ناکام واپس گئے۔ ہر مرتبہ انہوں نے کنارہ کش اور بے تعلق رہنے پر زور دیا۔ ظاہر یہ کرتے تھے جیسے مسلمانوں کا ان سے

بڑھ کر کوئی خیر خواہ نہیں۔ اہل کوفہ کے سامنے انہوں نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

لوگو! پیغمبرؐ کے وہ اصحاب جو ہر مرحلہ پر آپ کے ساتھ رہے وہ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے خدا اور رسولؐ کو زیادہ پہچانتے ہیں۔ تم لوگوں کا ہم پر حق ہے ہم اس حق کو ادا کر دینا چاہتے ہیں۔ ہماری پہلی رائے تو یہ ہے کہ تم خدا کی حکومت واقتدار کو سبک نہ سمجھو، خدا پر جرأت نہ کرو اور دوسری رائے یہ ہے کہ یہ لوگ جو مدینہ سے آئے ہیں انہیں مدینہ واپس کر دو تاکہ یہ لوگ ایک نقطہ پر متحد ہو جائیں۔ مدینہ کے باشندے تم سے زیادہ سمجھتے ہیں کہ امامت کا کون سزاوار ہے۔''

ابوموسیٰ کے ان فقروں میں جو بغاوت مضمر ہے کسی سے مخفی نہیں۔ وہ اعلانیہ لوگوں کو ترغیب دے رہے تھے کہ حضرتؑ کی بیعت توڑ کر حلقۂ اطاعت سے باہر نکل آئیں۔ امیر المومنینؑ کے فرستادہ قاصد خصوصی پیام لیکر آتے ہیں اور ابوموسیٰ کوفہ والوں کو حکم دیتے ہیں کہ انہیں کوفہ سے نکال باہر کرو۔ (الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم)

(۳)

ابتداء میں تو باشندگان کوفہ اپنے حاکم ابوموسیٰ سے مرعوب رہے۔ ان کے نظریہ کی کسی نے اعلانیہ مخالفت نہ کی مگر اس مخالفت نہ کرنے کی وجہ محض یہ تھی کہ انسان فطرتاً امن پسند ہوتا ہے، کشت وخون سے نفرت ہوتی ہے۔ یہ وجہ نہ تھی کہ ابوموسیٰ کی طرح کوفہ والوں کے دل بھی حضرتؑ کی محبت سے خالی تھی۔ ہمارا خیال ہے کہ کوفہ کا کوئی شخص بھی آپ کا مخالف نہ تھا۔ سب اپنے پیمان وفا پر مضبوطی سے قائم تھے۔ علیؑ کو اسی عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے جس کے وہ مستحق تھے۔ علیؑ کا وہ شاندار ماضی، پیغمبرؐ خدا سے انکی خصوصی منزلت، اسلام کے لئے ان کی عدیم المثال قربانیاں اور ان کے وہ فضائل ومکارم جس میں وہ منفرد تھے، سبھی باشندگان کوفہ کے پیش نظر تھے۔

صلح وسلامتی ہر شخص کو پسند ہوتی ہے اسی لئے شروع میں لوگوں نے ان کی باتیں توجہ سے سنیں اور ان کی چکنی چپڑی باتوں پر فریفتہ رہے۔ مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا ابوموسیٰ کے چہرے سے نقاب سرکتی گئی۔ لوگ ان کی طرف سے مشکوک ہوتے گئے اور اب بجائے اسکے کہ لوگ ان کی باتیں ٹھنڈے دل سے سنتے اور یہ سمجھ کر کہ یہ باتیں صحابی رسولؐ کی زبان سے نکل رہی ہیں آمنا وصدقنا کہتے، سرگوشیاں کرنے لگے، پھر انکی باتوں پر بیزاری اور ناپسندیدگی کا اظہار ہونے لگا۔ اس کے بعد چھڑپیں ہونے لگیں۔ ابوموسیٰ اب تک لوگوں کو جو دھوکہ دیتے آرہے تھے اس کا خمیازہ بھگتنا ضروری تھا۔ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوا کرتے۔ مذکورہ بالا تقریر جس دن انہوں نے کی تھی ان کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ کوفہ کا کوئی رہنے والا حرف اعتراض زبان پر لانے کی جرأت کرے گا۔ اسی خوش اعتقادی میں بھرپور وہ تقریر کر رہے تھے کہ اچانک عبد خیر اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے:

عبد خیر: اے ابو موسیٰ! کیا طلحہ و زبیر علیؑ کی بیعت کر چکے ہیں؟

ابو موسیٰ: ہاں۔

عبد خیر: کیا امیر المومنینؑ سے کوئی خطا سرزد ہوئی جس سے وہ اس کے مستحق ہوئے کہ ان کی بیعت فسخ کر دی جائے؟

ابو موسیٰ: ہم کو نہیں معلوم۔

عبد خیر: آپ کو نہیں معلوم۔ ہم آپ چھوڑے دیتے ہیں جب تک کہ آپ کو خود معلوم ہو جائے، آپ کسی ایک کا بھی نام بتا سکتے ہیں جو اس فتنہ سے باہر ہو جسے آپ فتنہ سمجھ رہے ہیں۔ اس وقت مسلمانوں کے چار گروہ ہیں۔ علیؑ کوفہ کی پشت پر، طلحہ و زبیر بصرہ میں، معاویہ شام میں، چوتھا فرقہ اہل حجاز کا، یہ کسی کام کا نہیں۔ ان کی مدد سے کسی دشمن کو دفع نہیں کر سکتے۔

ابو موسیٰ: وہی مکہ والے سب سے بہتر ہیں۔

عبد خیر: جی نہیں بلکہ آپ پر بدعہدی و خیانت غالب آ گئی ہے۔ (سیرۂ علویہ جلد اول ص ۲۳۸ / الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم)

ابو موسیٰ کے اس رویہ پر کوفہ والوں کی حیرت بے جا نہ تھی۔ ان کے رویہ کا مطلب تو یہی تھا کہ سرکشوں کو ان کی سرکشی میں پڑے رہنے دیا جائے اور بیعت توڑنے والے بیعت توڑتے رہیں۔ اسکی روک تھام کچھ بھی نہ ہو۔ یہ بات پوری طرح ظاہر ہو چکی تھی کہ طلحہ و زبیر کی شکست بیعت مسلمانوں کی بھلائی کی خاطر نہیں تھی اور نہ علیؑ سے کسی ایسی خطا صادر ہونے کے سبب سے تھی جس کی وجہ سے ان کی اطاعت سے باہر آ جانا جائز ہوتا بلکہ یہ تو صرف اقتدار کی طمع اور حکومت کی لالچ کا نتیجہ تھی۔

کوفہ میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جو ڈانوا ڈول تھی۔ خیالات و نظریات کے اختلاف کی وجہ سے وہ نہ امیر المومنینؑ کی وفاداری پر ثابت قدم نہ امیر المومنینؑ کے مخالفین کی طرفداری پر مائل۔ یہ جماعت کسی ایک طرف ہو جانے کو فوراً طے نہ کر سکی، عرصہ تک کشمکش و پیچ میں پڑی رہی۔ آخر ان لوگوں نے طے کیا کہ مدینہ کسی آدمی کو بھیجا جائے وہ جا کر پتہ چلائے کہ حضرت عثمان کا قتل کن اسباب کی بناء پر ہوا اور کن کن لوگوں کے ہاتھ ان کے خون میں رنگین ہیں۔ یہ لوگ ابھی کسی کو بھیجنے کا ارادہ ہی کر رہے تھے کہ امام حسنؑ آ گئے جن کے ساتھ امیر المومنینؑ کا خط تھا اور اس خط میں قتل عثمان کے بے کم و کاست حالات اور طالبان انتقام (طلحہ و زبیر و حضرت عائشہ) نے ان کے ساتھ جو سلوک کیا تھا، اس کی پوری تفصیل تھی۔ یہ خط پڑھنے کے بعد سارے شکوک و شبہات دور ہو گئے۔ شریح بن ہانی نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

”ہم نے چاہا تھا کہ مدینہ جائیں اور وہاں جا کر قتل عثمان کے صحیح حالات معلوم کریں، مگر اب صحیح خبر خود ہمارے گھر آ گئی ہے۔ بھائیو! امیر المومنینؑ جس کام کی دعوت دے رہے ہیں اس سے تخلف نہ کرو۔ خدا کی قسم! اگر امیر المومنینؑ ہم سے مدد کے

طالب نہ بھی ہوتے تب بھی ہمیں ضرور مدد کرنا چاہیے تھے۔"

اسی طرح ابوموسیٰ کی مرضی کے خلاف حالات نے کروٹ لے لی۔ یہ معلوم کر کے کہ نواسۂ رسول کوفہ میں آئے ہیں۔ ابوموسیٰ اپنے گھر سے نکلے مسجد میں آئے۔ کوفہ کے مومنین امام حسنؑ اور جناب عمار کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے تھے۔ ابوموسیٰ نے دوڑ کر نواسۂ رسولؐ سے معانقہ کیا اور عمار بن یاسر سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:

"اے ابوالیقظان! تم نے حضرت عثمان کی مخالفت کی اور ان کے مخالفین کے ساتھ ہوئے۔ گروہ فجار کے ساتھ تم نے ہمراہی جائز رکھی۔"

عمار نے غضب ناک ہو کر کہا:

"تمہارا خیال غلط ہے۔ میں نے ایسا نہیں کیا۔ تم کیوں مجھے رنج پہونچاتے ہو؟"

امام حسنؑ نے ابوموسیٰ سے کہا:

"آپ نے لوگوں کو ہماری مدد کرنے سے کیوں روکا؟ ہماری نیت بجز اصلاح امت اور رفع فساد اور کچھ نہیں۔ امیرالمومنینؑ ایسے بزرگ سے کوئی اندیشہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔"

ابوموسیٰ اشعری کہنے لگے:

"آپ پر میرے ماں باپ بھی قربان۔ آپ سچ فرماتے ہیں لیکن میں نے آنحضرتؐ سے یہ حدیث سنی ہے کہ ایسے وقت میں سوتا آدمی جاگتے سے اور جاگتا ہوا بیٹھے سے اور بیٹھنے والا کھڑے سے اور کھڑا ہوا سوار سے بہتر ہے۔"

عمار نے کہا:

"کیا تم نے خود یہ حدیث رسول اللہؐ سے سنی ہے؟"

ابوموسیٰ نے کہا: ہاں۔

عمار نے لوگوں سے کہا:

"آنحضرتؐ نے فقط انہیں سے فرمایا ہے کہ تم کو ایسے وقت میں خاموش رہنا بہتر ہے۔ یہی عالم ہیں اور سب جاہل۔"

ابوموسیٰ کے عقیدتمندوں میں سے کسی نے کھڑے ہو کر عمار کو برا بھلا کہنا سروع کیا اور کہا:

"اے غلام، خاموش رہو۔ کل تم بلوائیوں کے ساتھ تھے اور آج تم ہمارے امیر کا مذاق اڑا رہے ہو۔"

ایک حمایتی جو اٹھ کھڑا ہوا تو ابوموسیٰ کی گئی ہوئی شجاعت پھر بحال ہوگئی۔ انہوں نے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا:

"خداوند عالم نے ہم مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا اور خون و مال ایک کا دوسرے پر حرام کر دیا ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔۔۔ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا۔ [النساء/29]

(اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھا جایا کرو۔۔۔۔۔اور اپنا گلا آپ گھونٹ کے اپنی جان نہ دو کیونکہ خدا تو ضرور تمہارے حال پر مہربان ہے)۔

نیز ارشاد الٰہی ہے:

وَ مَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ۔

جو شخص جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے اس کی جزا جہنم ہے۔

ٹھیک اسی وقت زید بن صوحان مسجد میں داخل ہوئے۔ان کے ہاتھ میں دو خط تھے جو حضرت عائشہ نے ایک ان کو اور ایک اہل کوفہ کو لکھا تھا۔دونوں خطوں کا مضمون ایک تھا کہ تم لوگ اپنے گھر بیٹھ رہو یا میری مدد کرو۔زید بن صوحان نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر لوگوں کو خط کا مضمون سنایا اور کہنے لگے:

"حضرت عائشہ کے لئے خدا کا یہ حکم ہے کہ وہ گھر میں رہیں اور ہمارے لئے یہ حکم ہے کہ جہاد کر کے فتنہ رفع کریں مگر حضرت عائشہ اس کے برخلاف خود لڑائی کے لئے نکلیں اور ہم لوگوں کو گھر میں رہنے کا حکم دیا۔"

زید کی اس تقریر پر مسجد کے گوشوں پر شور برپا ہو گیا۔کوئی موافقت میں بولتا تھا،کوئی مخالفت کرتا تھا۔ایک شخص نے چیخ کر زید سے کہا:

"اے عمانی! تم نے جلولا میں چوری کی تھی تو اس پر خدا نے تمہارا ہاتھ قطع کیا۔اب تم ام المومنین کی نافرمانی کر رہے ہو۔اب کی خدا تمہیں قتل کر کے رہے گا۔"

ہنگامہ بڑھتا گیا،لوگ مرنے مارنے پر تل گئے۔ابوموسیٰ نے جب یہ دیکھا کہ بات ہی بات میں لڑائی ہوئی جاتی ہے تو دونوں کو روکا اور اہل مدینہ کو واپس کرنے اور مدد نہ دینے کے متعلق تقریر کرتے ہوئے کہا:

"لوگو! اپنے گھروں میں جا کر بیٹھ رہو اور اگر قریش والے مدینہ سے باہر نکلنا ہی چاہتے ہیں تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔اگر صلح و سلامتی سے کام لیں گے تو خود انہیں کا فائدہ ہوگا اور اگر لڑیں گے تو خود انہیں کا نقصان ہوگا۔"

ابوموسیٰ کی یہ نئی چال تھی۔انہوں نے لوگوں کے یہ ذہن [نشین] کرانے کی کوشش کی کہ یہ آگ قریش کی بھڑکائی ہوئی ہے۔انہیں کو اکیلے اس آگ میں جلنا چاہیئے۔

(۴)

کیا یہ صرف قریش کا معاملہ تھا یا پورے اسلام کا؟

ابو موسیٰ نے یہ نیا گل کھلایا تھا۔ حضرت عثمان کے عہد حکومت میں سارے عہدوں پر بنی امیہ متمکن تھے۔ دیگر قبائل عرب سے بڑی بے رخی برتی گئی، پھر بنی امیہ کے عاملوں نے شرفائے عرب کے ساتھ سلوک بھی اچھا نہ کیا تھا جس کی وجہ سے سب کے دلوں میں کدورت تھی اور قریش سے اندر ہی اندر جلتے تھے۔ ابو موسیٰ نے یہ نئی رائے پیش کر کے ان کے جذبات کو ہوا دے دی۔ ان کی یہ تلقین تھی کہ یہ سرمایہ داروں کا معاملہ ہے آپس میں لڑیں گے نتیجہ میں فائدہ یا گھاٹا جو کچھ ہوگا انہی کیلئے انہیں کو ہوگا۔ کوفہ والوں کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ خانہ جنگی چاہے دونوں فریقوں کو ختم کر دے یا کسی ایک فریق کی جیت ہو اور دوسرے کی ہار، کوفہ والے خالی ہاتھ رہیں گے۔

ابو موسیٰ نے قریش سے عام بیزاری کے جذبات کو چیلنج کر کے اپنا مقصد حاصل کرنے کی تدبیر کی تھی اور وہ مقصد یہی تھا کہ علیؑ کی مدد پر کوئی تیار نہ ہو۔ ان کی یہ شعبدہ بازی بتاتی ہے کہ سادہ لوح ہونے کے برخلاف انتہائی موقع پرست، ہر جائز ناجائز ذریعے سے فائدہ اٹھانے پر تیار اور غیر معمولی شاطر تھے۔ ان کے اس جملہ کو نہ غفلت ہی پر محمول کیا جا سکتا ہے نہ اب تک ان سے جو حرکتیں وقتاً فوقتاً ظاہر ہوئیں ان سے چشم پوشی ہی ممکن ہے۔ ابو موسیٰ کے نظریات پر جتنا جتنا غور کیا جاتا ہے اتنا ہی یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ یہ سب سوچی سمجھی ہوئی سکیم تھی اور ان کی تمام حرکتیں ایک سلسلہ کی مضبوط کڑیاں تھیں۔ وہ پکے دشمن تھے امیر المومنینؑ کے، اگرچہ اس دشمنی کو صلح جوئی اور امن پسندی کی نقاب سے چھپائے ہوئے تھے۔

سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا:

"تم لوگ مجھے اپنا خیر خواہ سمجھو اور مجھ سے کسی مکر و فریب کا اندیشہ نہ کرو۔ تم میری بات مانو، تمہارا دین بھی محفوظ رہے گا اور تمہاری دنیا بھی بچی رہے گی۔ اس فتنہ کی آگ میں وہی جلیں گے جو اس فتنہ کے بانی ہیں۔"

ابو موسیٰ کی یہ تقریر تمام نہ ہونے پائی تھی کہ زید بن صوحان نے چیخ کر کہا:

"اے عبداللہ بن قیس! دریائے فرات میں جس وقت سیلاب و طغیانی آئے کیا تم اس کو روک سکتے ہو، اس کے پھیرنے کی تم میں قدرت ہے؟ اگر تم اس پر قادر ہو تو بے شک یہ ہنگامہ فرو ہو سکتا ہے، مگر یہ تمہارے امکان سے باہر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ۔ (العنکبوت/1 تا 3)

الم۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ ایمان لائے چھوڑ دیئے جائیں گے اور ان کا امتحان نہ لیا جائے

گا۔ضرور لیا جائے گا اور ہم نے تو ان لوگوں کا بھی امتحان لیا جو ان سے پہلے گزر گئے۔غرض خدا ان لوگوں کو جو سچے دل سے ایمان لائے ہیں یقیناً علیحدہ دیکھے گا اور جھوٹوں کو بھی علیحدہ ضرور دیکھے گا۔

اس بحث وتکرار کے درمیان امام حسنؑ خاموش بیٹھے رہے۔اگر آپ آتے ہی ابوموسیٰ کو آڑے ہاتھوں لیتے تو کسی کو اعتراض نہ ہوتا مگر آپ رحم وکرم،نرمی وملاطفت کا مجسمہ تھے۔تشدد سے کام لینا آپ کی طبیعت کے خلاف تھا۔آپ برابر طرح دیتے رہے۔ ذی قار سے روانہ ہونے کے وقت ہی آپ کو معلوم تھا کہ کوفہ کے مومنین کو مدد کی یہ آخری دعوت ہے اور میں آخری سفیر ہوں۔آپ یہ بھی جانتے تھے کہ ابوموسیٰ کی گورزی چند گھڑیوں کی مہمان ہے پھر وہ ہمیشہ کے لئے اس سے برطرف ہو جائیں گے۔امیر المومنینؑ ابوموسیٰ کی سرکشی وتمرد سے تنگ آ کر ان کی معزولی کا حکم صادر کر چکے ہیں اور اب ان کی جگہ قرظہ بن کعب انصاری آیا ہی چاہتے ہیں۔قرظہ بن کعب کو حضرتؑ نے ابوموسیٰ کے نام یہ خط لکھ کر روانہ کیا تھا:

میری رائے پہلے ہی یہ تھی کہ تم اس حکومت سے برطرف ہو جاؤ میں اپنے فرزند حسنؑ اور عمار بن یاسر کو بھیج رہا ہوں تا کہ یہ وہاں کے لوگوں کو بصرہ آنے پر آمادہ کریں۔قرظہ بن کعب کو کوفہ کا گورنر بنا کر روانہ کر رہا ہوں۔تم ذلیل وخوار ہو کر ہماری حکومت سے دور ہو جاؤ۔اگر تم نے ایسا نہ کیا تو میں نے قرظہ کو اجازت دی ہے کہ تشدد سے کام لے۔

یہ سب جانتے ہوئے بھی امام حسنؑ نے اشعری کے ساتھ نرمی برتی۔فرزند رسولؐ کے لئے یہ ملاطفت شایان شان بھی تھی۔آپ نے صلح پسندی کو راہ دی اور خود باشندگان کوفہ کی عقل وخرد پر مدد کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ چھوڑ دیا۔آپ کو پہلے ہی اسے اطمینان تھا کہ یہ لوگ دباؤ سے نہیں خوشی خاطر رفتہ رفتہ خود ہی کمر بستہ ہو جائیں گے۔

ابوموسیٰ کا پردہ فاش ہو چکا تھا۔ان کے دل کے مضمرات ظاہر ہو چکے تھے۔عوام کی خوشامد وچاپلوسی کچھ بھی کام نہ آئی۔ساری تدبیریں الٹی پڑ گئیں۔زید بن صوحان نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا:

"امیر المومنینؑ سید المسلمین کی طرف لوگو چل کھڑے ہو۔سب اٹھا ہو کر ان کی طرف روانہ ہو تم حق پالو گے۔"

زید کے خاموش ہونے پر قعقاع بن عمرو اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا:

"لوگو!میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں،جو کہوں گا حق ہی کہوں گا۔ایک ایسی حکومت ضروری ہے جو عوام کو اپنے قابو میں رکھے،ظالم کو دبائے اور مظلوم کا ساتھ دے۔یہ علیؑ اب مسند نشین خلافت ہوئے ہیں انہوں نے ہمیں بلا کر انصاف سے کام لیا ہے کیونکہ ان کی تمنا محض اصلاح کی ہے۔"

سیحان بن صوحان نے بھی کھڑے ہو کر اس کی تائید کی اور کہا:

"اے لوگو! امر خلافت کا منتظم اور سب کا سردار ایک شخص ضرور ہونا چاہیئے۔ تمہارے والی اور سردار جناب امیرؑ ہیں جو امت کے لیے امین اور معاملات دینی میں فقیہ ہیں۔ وہی تم کو اس کام کے لئے بلا رہے ہیں کہ جو ان کے اور طلحہ و زبیر کے باہمی نزاع ہے۔ اس کو غور کر کے سمجھو اور آپس میں صفائی کرا دو۔ میں تیار ہوں جس کو چلنا ہو میرے ساتھ چلے۔"

(سیرۃ علویہ جلد اول ص ۲۳۸ / الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم مطبوعہ مصر)

اس کے بعد اور بھی بہت سے لوگوں نے تقریریں کیں۔ امیر المومنینؑ کی حمایت اور ان کی تائید پر رفتہ رفتہ سبھی کا اتفاق ہو گیا۔ وہ لوگ جو اب تک مذبذب تھے وہ بھی موافق ہو گئے۔ ہر شخص چلنے کی تیاریاں کرنے لگا۔

ابوموسیٰ اب بھی اپنی ضد پر قائم تھے۔ انہیں یقین تھا کہ غیر جانبداری والی پالیسی ضرور کامیاب رہے گی۔ اس تمام بحث ومباحثہ کے بعد بھی وہ راہ راست پر نہ آئے۔ وہ حقیقتاً جھگڑا ابو احد[1] اعلانیہ دشمن تھے، جیسا کہ ہاشم بن عتبہ مرقال نے امیر المومنین کو ان کے متعلق لکھا تھا۔ انہیں جمہور کے جذبات و میلانات کی اب بھی پرواہ نہ ہوئی، نہ اس اجماع و اتفاق کو خاطر میں لائے جس نے تمام مسلمانوں کو علیؑ کے پیچھے ایک صف میں کھڑا کر دیا تھا۔ انہوں نے پھر دوبارہ کھڑے ہو کر وہی غیر جانبداری کے فضائل بیان کرنا شروع کیے۔ امیر المومنینؑ نے پہلے ہی دن جو رائے ان کے متعلق قائم کی تھی وہی صحیح ثابت ہوئی۔ آپ کا خیال تھا کہ ان کی معزولی ہی پر کوفہ کے حالات سدھر سکتے ہیں مگر مالک اشتر نے انکی دینداری اور ظاہری تقدس سے دھوکہ کھا کر انہیں باقی رکھنے کی سفارش کی تھی۔ اگر یہ شروع ہی میں معزول کر دیئے گئے ہوتے تو یہ نوبت ہی نہ آتی۔ کوفہ سے مدد فراہم کرنے میں اتنا وقت برباد نہ ہوتا۔ اس کی گنجائش تھی کہ منکرین کو صلح و آشتی سے راہ راست پر لایا جائے یا قوت پکڑنے سے پہلے بزور شمشیر انہیں دبا دیا جائے۔ (الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم)

(۵)

مالک اشتر پر شرمندگی و ندامت طاری تھی۔ کوفہ سے جوں جوں خبریں ملتیں، غم و غصہ بڑھتا جاتا۔ انہوں نے امیر المومنینؑ کی خدمت میں عرض کی:

"امیر المومنینؑ! امام حسنؑ اور عمار کے جانے سے پہلے میں نے بھی ایک آدمی بھیجا تھا مگر اس کا کچھ بس نہ چلا۔ امام حسنؑ اور عمار کے جانے پر تو لازمی تھا کہ سب کام آپ کی مرضی کے مطابق ہو جائے مگر (تاخیر کی وجہ سے) اب سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا ہوگا۔"

"تمہیں نے ابوموسیٰ کے متعلق سفارش کی تھی۔"

---

[1] متن میں یہ لفظ اسی طرح لکھا ہوا ہے جسکا کوئی معنی نہیں بنتا۔ ہونا یوں چاہیے: جھگڑالو اور اعلانیہ دشمن تھے۔

"حضور! اب مجھے جانے کی اجازت مرحمت فرمائیے۔ کوفہ والے میری بات پوری طرح مانتے ہیں۔ اگر میں ان کے پاس پہونچ گیا تو قوی امید ہے کہ کوئی مدد سے گریز نہ کرے۔"

"اچھا جاؤ۔"

مالک اشتر ٹھیک اس وقت کوفہ میں پہونچے جب تمام لوگ مسجد میں موجود بھی ابوموسیٰ کی باتیں سنتے بھی اپنے معززین اور سرداران کوفہ کی تقریریں۔ امام حسنؑ و جناب عمار خاموش بیٹھے لوگوں کی باتیں سن رہے تھے۔ حالات رفتہ رفتہ موافق ہوتے جارہے تھے۔ ابوموسیٰ سے برگشتگی اور امیر المومنینؑ کی حمایت کا جذبہ بڑھتا جاتا تھا۔ اشتر کی شخصیت کوفہ میں بہت معزز و محترم تھی، بیشتر آبادی پر ان کا اثر و اقتدار تھا۔ مسجد کی کیفیت دیکھ کر اشتر مسجد سے باہر نکلے اور دارالامارہ کا رخ کیا۔ جس محلہ یا جس قبیلہ میں ہو کر گزرے اس کو دارالامارہ کی طرف بلاتے جاتے۔ جس وقت ابوموسیٰ منبر پر کھڑے لوگوں کی امیر المومنینؑ کی امداد سے منع کر رہے تھے، ٹھیک اسی وقت اشتر ایک بہت بڑے مجمع کو ساتھ لے کر دارالامارہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وہاں پہونچکر انہوں نے ابوموسیٰ کے ملازمین کو نکالنا شروع کیا۔ ملازمین مسجد کی طرف دوڑے کہ جا کر ابوموسیٰ کو اس آفت ناگہانی کی خبر دیں۔ وہ اس وقت منبر پر کھڑے تقریر کر رہے تھے۔ امارت کے غرور میں نہ کسی چیز کی پرواہ تھی نہ کسی بات کے ماننے پر تیار تھے۔ امیر المومنینؑ کے فرامین، امام حسنؑ کی گفتگو، مقررین کی تقریریں سب بالائے طاق رکھ دی تھیں۔ بس ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی ٹھیک ہے۔ ہمارا فیصلہ ہی حتمی فیصلہ ہے۔ نہ کسی کو اعتراض کی گنجائش نہ لب کشائی کا موقع۔ یہاں تک کہ امام حسنؑ ایسا خلق مجسم انسان بھی نہ صبر کر سکا اور آپ نے غضب ناک ہو کر کہا:

"تم صوبہ داری سے الگ ہو جاؤ۔ یہ ممبر[1] چھوڑ دو۔"

لیکن ملازمین نے پہونچ کر قصہ ہی ختم کر دیا۔ ان میں سے ایک ابوموسیٰ کی طرف بڑھا، کان میں کچھ سرگوشی کی، مجمع ابھی غور ہی کر رہا تھا کہ ابوموسیٰ جلدی سے منبر سے نیچے اترے اور بدحواس مسجد سے بھاگے۔ دارالامارہ کچھ زیادہ دور نہ تھا وہاں جو کچھ ہوا فوراً ہی اس کی خبر مسجد میں پہونچ گئی۔ جناب عمار نے کہا:

"خدا سے جو بگڑ لیتا ہے وہ مغلوب ہو کر رہتا ہے۔" (الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم/ سیرۃ علویہ جلد اول ص ۲۴۰)

ابوموسیٰ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے، کل تک جو شخص جابر و قاہر مطلق العنان فرمانروا بنا ہوا تھا آج عوام کے ہجوم کے آگے پیشانی رگڑنے پر مجبور تھا۔ دارالامارہ میں لوٹ پڑ گئی۔ ابوموسیٰ کی نگاہ سب سے پہلے مالک اشتر پر پڑی۔ اشتر نے چیخ کر کہا:

---

[1] متن میں یہ لفظ ممبر لکھا گیا ہے جو کہ غلط ہے۔ ممبر کے معنی رکن ہوتے ہیں، جبکہ یہاں منبر ہونا چاہیے۔

"ہمارے دارالامارہ سے نکل جاؤ۔ نکلو یہاں سے تم سے خدا سمجھے تم یقیناً منافق ہو۔"

ابوموسیٰ نے ڈرے سہمے لہجہ میں التجا کی کہ شام تک رہنے کی اجازت دو۔

"اچھی بات ہے مگر دن ہی دن اپنا سامان نکال لے جاؤ رات نہ ہونے پائے۔"

ہجوم ان کا مال واسباب لوٹنے کے لئے بے چین تھا مگر مالک اشتر غیظ وغضب کے عالم میں بھی اپنی شرافت ومردانگی بھولے نہیں۔ وہ ہجوم کے مقابلہ میں دیوار بن کر کھڑے ہو گئے اور کہا:

"لوگو! میں نے انہیں نکال باہر کیا ہے۔ اب اپنے ہاتھ ان سے روک لو، مال واسباب نہ لوٹو۔"

رفتہ رفتہ ہیجان کم ہوا۔ مسجد میں ابھی تک لوگوں کا ہجوم تھا۔ اس وقت گفتگو سراسر امیرالمومنینؑ کی حمایت میں ہو رہی تھی، لوگ جوش وخروش سے اپنی آمادگی کا اظہار کر رہے تھے۔ امام حسنؑ نے کھڑے ہو کر کہا:

"ہم کل صبح روانہ ہو رہے ہیں جس کو ہمارے ساتھ چلنا ہو، وہ سواری سے چلے۔ جو براہ دریا آنا چاہتا ہے، وہ براہ دریا آئے۔"

نو ہزار کا لشکر ساتھ ہوا۔ چھ ہزار ساتھ چلے اور تین ہزار براہ دریا آئے۔ بعضے کہتے ہیں کہ تعداد بارہ ہزار تھی۔ ابوالطفیل عامر بن واثلہ الاسقع کہتے ہیں کہ یہ تعداد میں نے پہونچنے سے قبل جناب امیر سے سنی تھی۔ جب لوگوں کی آمد آمد ہوئی میں سر راہ بیٹھ کر دیکھتا رہا، جس قدر جناب امیرؑ نے فرمایا تھا اس میں نہ کمی ہوئی نہ زیادتی۔ حضرت امام حسنؑ کے ساتھ جو لوگ روانہ ہوئے ان میں حسب ذیل سردار تھے:

قبائل کنانہ، اسد، تمیم، رباب، مزینہ پر معقل بن بسار رباحی، قیس پر سعد بن مسعود ثقفی عم مختار، بکر، تغلب، وعلہ پر مخدوع دئلی، اشعریین پر حجر بن عدی، انمار، خثعم، ازد پر مخنف بن سلیم ازدی، کوفیوں میں سے اس جماعت کے سردار قعقاع بن عمر، سعد بن مالک، ہند ابن عمر، میثم بن شہاب تھے، رؤسا محرکین یعنی قبائل کو خروج پر آمادہ کرنے والے یہ لوگ تھے۔ مالک ابن اشتر، عدی بن حاتم، مسیب بن نخبہ، یزید بن قیس، یہ سب حضرات جناب امیرؑ سے بمقام ذی قار آ کر ملے۔ (سیرۃ علویہ ص ۲۴۰ و ۲۴۱)

امیرالمومنینؑ نے ضروری سمجھا کہ ان لوگوں پر اپنا لائحہ عمل واضح کر دیا جائے تاکہ یہ جو قدم اٹھائیں سمجھ بوجھ کر اٹھائیں۔ طلحہ وزبیر اور عائشہ نے بصرہ میں جو کچھ کیا تھا اسکی خبر کوفہ والوں کو ضرور پہونچ چکی ہوگی۔ امیرالمومنینؑ کے خطوط کے ذریعہ بھی۔ آپ کے قاصدوں کی معرفت بھی اور آنے والوں کی زبانی بھی مگر ہمارا خیال ہے کہ جتنی سچی تصویر کشی امیرالمومنینؑ نے اس موقع پر اپنی زبان سے کی کسی نے نہ کی ہوگی۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

"وہ لوگ (مکہ سے) بصرہ کا رخ کئے ہوئے اس طرح نکلے کہ رسول اللہ کی حرمت وناموس کو یوں کھینچے پھرتے تھے جس طرح

کسی کنیز کو فروخت کے لئے (شہر بہ شہر) پھرایا جاتا ہے۔ ان دونوں نے اپنی بیویوں کو تو گھروں میں روک رکھا تھا اور رسول اللہ کی بیوی کو اپنے اور دوسروں کے سامنے کھلے بندوں لے آئے تھے۔ ایک ایسے لشکر میں کہ جس کی ایک ایک فرد میری اطاعت تسلیم کیے ہوئے اور برضا و رغبت میری بیعت کر چکی تھی۔

یہ لوگ بصرہ میں میرے (مقرر کردہ) عامل اور مسلمانوں کے بیت المال کے خزینہ داروں اور وہاں کے دوسرے باشندوں تک پہونچ گئے اور کچھ لوگوں کو قید کے اندر مار مار کے اور کچھ لوگوں کو حیلہ و مکر سے شہید کیا۔ خدا کی قسم! اگر وہ مسلمانوں میں سے صرف ایک ناکردہ گناہ مسلمان کو عمداً قتل کرتے تو بھی میرے لئے جائز ہوتا کہ میں اس تمام لشکر کو قتل کر دوں۔ کیونکہ وہ موجود تھے اور انہوں نے نہ تو اسے برا سمجھا اور نہ زبان اور ہاتھ سے اس کی روک تھام کی۔ چہ جائیکہ انہوں نے مسلمانوں کے اتنے آدمی قتل کر دیئے جتنی تعداد خود ان کے لشکر کی تھی جسے لے کر ان پر چڑھ دوڑے تھے۔" (ترجمہ نہج البلاغہ جلد دوم مفتی جعفر حسین صاحب مطبوعہ لاہور)

مگر باوجود اس کے اب بھی آپ کا دل عفو و درگزر ہی پر مائل تھا۔ آپ کی دلی تمنا تھی کہ دشمن کو صلح پر آمادہ کر کے اسلام اور مسلمانوں کو مصائب و آفات سے محفوظ رکھا جائے اور مسلمان پھر ایک مرکز پر سمٹ جائیں۔ ربذہ سے چلتے وقت ابن رافع کے پوچھنے پر بھی آپ نے اسی ارادہ کا اظہار کیا تھا اور مقام ذی قار میں جب کوفہ والوں سے ملاقات ہوئی تو ان سے بھی یہی کہا۔ آپ نے ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا:

میں نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تم اہل بصرہ کے مقابلہ میں میرا ساتھ دو۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں اصلاح کی کوشش کروں۔ اگر اہل بصرہ باز آگئے تو میرا مقصد پورا ہو گیا لیکن اگر انہوں نے کجی اختیار کی اور اپنی ضد پر قائم رہے تو بھی ہم انکے ساتھ نرمی اور محبت سے پیش آئیں گے اور لڑائی سے اس وقت تک گریز کرینگے جب تک وہ ظلم اور لڑائی کی ابتداء نہ کریں۔ ہم اصلاح کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں گے اور ہر حال میں فساد کے مقابلہ میں اصلاح کو ترجیح دیں گے۔

(خلفائے محمد عمر ابوالنصر، الامام علی ابن ابی طالب وغیرہ)

امیرالمومنینؑ کی رائے ہوئی کہ بصرہ والوں کی جانب ایک سفیر روانہ کیا جائے جو انہیں فتنہ کے نتائج و عواقب سے خبردار کرے اور ان کو دربار خلافت کی اطاعت اور اتحاد بین المسلمین کی دعوت دے چنانچہ آپ نے قعقاع بن عمرو کو جو کوفہ کے معززین اور رسول اللہؐ کے صحابہ میں سے تھے بلایا اور کہا:

"طلحہ و زبیر کے پاس جاؤ اور ان کو اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ افتراق کی کوششوں کو ترک کر دیں تا کہ مسلمان اکٹھے ہو کر

پیار محبت کے ساتھ رہ سکیں۔"

قعقاع نے رضامندی ظاہر کی۔ امیر المومنینؑ نے ان سے پوچھا:

"اگر ان دونوں سے گفتگو کرنے میں کوئی ایسا مسئلہ پیش آجائے جس کے متعلق میں نے تمہیں کوئی ہدایت نہ دی ہو تو اس موقع پر تم کیا کرو گے؟"

قعقاع نے جواب دیا:

"ہم ان سے انہیں معاملات کے متعلق گفتگو کریں گے جن کے متعلق آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ لیکن اگر کوئی ایسی بات آگئی جس کے متعلق آپ کی رائے ہمیں معلوم نہ ہوئی تو ہم اجتہاد سے کام لیں گے اور وہی بات ان سے کہیں گے جو مناسب اور ضروری ہوگی۔"

امیر المومنینؑ نے اس جواب پر اطمینان کا اظہار فرمایا اور قعقاع بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔

(خلفاء محمد عمر ابوالنصر/ الامام علی ابن ابی طالب/ سیرۃ علویہ)

مگر یہ پہلی سفارت نہ تھی جو امیر المومنینؑ کی طرف سے اصحاب جمل کی طرف روانہ ہوئی۔ تاریخ کے صفحات پر اور بھی بہت سی نظریں اس کی ملتی ہیں۔ نہ جانے کتنے قاصد آپ نے روانہ کیے، کتنے خطوط بھیجے، نہ جانے کتنی مرتبہ آپ نے مصالحت کی پیشکش کی مگر ہر مرتبہ ان لوگوں نے آپ کی پیشکش ٹھکرا دی اور خون خرابے پر تلے رہے۔ جیسے آپ کی نرمی اور رحمدلی نے انہیں اور شیر بنا دیا ہو۔ اگر آپ کی جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو کبھی ڈھیل دینا گوارہ نہ کرتا۔ باغیوں کے ساتھ کوئی رعایت جائز نہیں ان کا سر ابتداء ہی میں کچل دینا ہر حکومت اپنا فریضہ سمجھتی ہے۔ مگر علی ابن ابی طالبؑ نے مصالحت کے ہر موقع سے فائدہ اٹھایا۔ آپ جانتے ہوئے بھی کہ اصحاب جمل میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو دعوت صلح منظور کرنے پر کبھی تیار نہ ہوں گے بلکہ دوسروں کو بھی سرکشی اور بغاوت کی ترغیب دیں گے۔ صلح و مصالحت کے متواتر پیام بھیجے، اس امید میں کہ ممکن ہے سب نہ سہی کچھ لوگ تو ضرور ہی عقل سے کام لیں گے۔ چنانچہ جب آپ نے چاہا کہ عبداللہ بن عباس کو بھی پیام صلح دے کر روانہ کریں تو آپ نے انہیں اس امر کی خاص طور پر تاکید کی کہ کس سے ملیں اور کس سے نہ ملیں۔ آپ نے فرمایا:

طلحہ سے ملاقات نہ کرنا اگر تم اس سے ملے تو تم اس کو ایک ایسا سرکش بیل پاؤ گے جس کے سینگ کانوں کی طرف مڑے ہوئے ہیں وہ منہ زور سواری پر سوار ہوتا ہے اور پھر یہ کہتا ہے کہ یہ رام کی ہوئی سواری ہے بلکہ تم زبیر سے ملنا اس لئے کہ وہ نرم طبیعت ہے اور اس سے یہ کہنا کہ تمہارے ماموں زاد بھائی نے کہا ہے کہ تم حجاز میں تو جیسے مجھ سے جان پہچان رکھتے تھے اور یہاں عراق میں آکر بالکل اجنبی بن گئے، آخر اس تبدیلی کا سبب کیا ہے؟ (ترجمہ نہج البلاغہ مفتی جعفر حسین صاحب جلد اول)

چھٹی فصل

دعوت صُلح

قعقاع کی سفارت اصحاب جمل کی بدترین شکست تھی، جنگ سے زیادہ مہلک۔ اس سفارت کے سبب حقائق کو نئی روشنی میں دیکھنے کا موقع مل گیا اور سوچنے سمجھنے کی راہیں کھل گئیں۔ لوگوں کو نظر آیا کہ خلیفہ وقت امیر المومنینؑ کو نہ تو اپنی حکومت استوار کرنے کی فکر ہے نہ دشمنوں سے انتقام لینے کی بے چینی۔ جنوں ل نے زیادتیوں کی حد کر دی تھی اور ایک خطہ ملک پر غاصبانہ قبضہ کر بیٹھے تھے۔ آپ ان دشمنوں کی طرف صلح سلامتی عفو و درگزر کا ہاتھ بڑھا رہے تھے۔ خائف کو امن دینے پر تیار، ان کی جان و مال کی ضمانت لینے پر مستعد، اب تک ان لوگوں سے جو باغیانہ سرگرمیاں ظہور میں آتی رہیں ان سے چشم پوشی پر آمادہ تھے۔ اس تمام غم وغصہ کو فراموش کر کے جو نفسیاتی طور پر ناگزیر تھے، آپ نہ ذاتی اغراض کی بناء پر ان پر غضبناک ہوئے تھے اور نہ ذاتی اغراض کی بناء پر ان سے مقابلہ کیلئے نکلے تھے۔ آپ کے موجود طرزِ عمل کو جب لوگوں نے غائر نگاہ سے دیکھا تو آپ بالکل ویسے ہی نظر آئے جیسا کہ تخت خلافت پر متمکن ہونے سے پہلے تھے۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے (جبکہ لوگوں نے آپ کو خلافت سے محروم رکھا تھا) آپ کی زبان سے یہ فقرہ نکلا تھا:

"جب تک مسلمانوں کے معاملات ٹھیک رہتے [ہیں] میں بھی صبر و سکون سے کام لوں گا کیونکہ اس وقت اگر حق تلفی ہوگی تو صرف میری ہوگی۔"

یہی آپ کا رویہ ہمیشہ رہا۔ اس وقت بھی بھولے ہوئے ذہنوں میں آپ اپنے اسی رویہ کی یاد تازہ کر رہے تھے۔ اگر آپ سرکشوں کو سزا دینا چاہتے تو اس سے مجبور نہ تھے۔ حکومت کی مشتری اتنی کمزور نہ تھی کہ ان باغیوں کی سرکوبی نہ کر سکے۔ مضبوط قدم اٹھانے میں تاخیر، بار بار صلح جوئی وامن پسندی کے مظاہرے، نرمی ورحمدلی نہ تو اس سب سے تھی کہ آپ کے دل میں خوف بیٹھ گیا تھا، یا جنگ کی ہولناکیوں سے آپ ہراساں تھے۔ یہ صرف عوام مسلمین کی سلامتی کی تمنا تھی۔ دشمنوں پر آپ کا رحم و کرم تھا کہ کہیں تباہ و برباد نہ ہو جائیں۔ دشمنوں کو ہلاکت سے بچانے کیلئے اگر اب تک انہیں ڈھیل دیتے آئے تو اس سے آپ کا نقصان ہی کیا ہوا؟ صلح کی پیشکش بہترین تدبیر اور لاجواب سیاست تھی۔ اگر اصحاب جمل اس پیشکش کو ٹھکرا دیتے تو رائے عامہ ان کے خلاف ہو جاتی۔ ہر شخص یہی یقین کرتا کہ یہ لوگ فتنہ انگیز ہیں۔ انہیں عوام کی فلاح و بہبود مقصود نہیں، اپنے ذاتی اغراض ہی سے سروکار

ہے۔ اگر صلح قبول کرتے تو یہ مانگی مراد تھی۔ مسلمانوں میں جو انتشار وافتراق پھیلا ہوا تھا وہ دور ہوتا۔ چاروناچار وہ لوگ پھر آپ کے حلقۂ اطاعت میں واپس آتے اور یہ صریحی اقرار ہوتا کہ ہم نے اب تک جو کچھ کیا غلط کیا۔ بیعت توڑ کر ہم نے بڑی خطا کی تھی۔

لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ لوگ قعقاع کی دعوت صلح منظور کرنے پر کیوں کر آمادہ ہوئے ہوں گے۔ ان کے مجمع میں بہت سے ایسے افراد بھی تھے جن کے لئے یہ صلح پیام موت سے بڑھ کر تھی۔ مروان بن حکم، عبداللہ بن عامر اور انہیں جیسے اوباشوں کو پیش نظر رکھ کر ہم بآسانی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر یہ صلح ہوتی بھی تو کیسی ہوتی اور ان لوگوں کی مرضی کیخلاف کیونکر عالم ظہور میں آتی۔ مروان وغیرہ تو درکنار خود طلحہ کے متعلق ہم یہی کہتے ہیں اور ان کی سیرت کے اوراق ہماری نظروں کے آگے کھلے ہوئے ہیں۔ وہ ہمیشہ حکومت کے تمنائی اور اقتدار کے خواہاں رہے۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے انہوں نے ہولناک اقدامات کیے۔ کبھی بھی امیر المومنینؑ کی اطاعت قبول کرنے پر ان کا دل آمادہ نہ ہوا۔ برابر آپ کی عداوت پر کمر بستہ رہے۔ ابھی چند ہی دن کی بات تھی کہ حضرتؑ نے انہیں اور ان کے رفیق زبیر کو ایک خط لکھا تھا جس میں بہت نرمی اور ملائمت سے انہیں منانے اور سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر ان دونوں نے جواب میں لکھا:

"اطاعت سے کم پر آپ راضی ہی نہیں! مگر ہم ہرگز آپ کی اطاعت قبول نہ کریں گے۔ آپ کا جو جی چاہے کیجیے۔

یہ ان کا قطعی جواب تھا، اس کے بعد صلح صفائی کی گنجائش ہی کیا تھی وہ تو کھلم کھلا ٹکر لینا چاہتے تھے اور تلوار کے ذریعہ ہی فیصلہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔

حد سے اتنا آگے بڑھ جانے کے بعد ان کا دفعۃً صلح ومصالحت پر آمادہ ہو جانا اور قعقاع کے آنے پر ملاپ کے لئے ان کی آمادگی یقیناً بہت سے شکوک وشبہات کی حامل تھی۔

بہر حال قعقاع امیر المومنینؑ کے پاس سے چل کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کے بصرہ پہونچنے کے وقت بصرہ کے باشندے مختلف نظریات ومختلف خیالات کے حامل تھے۔ کچھ لوگ تو امیر المومنینؑ کے حامی تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو شروع سے آپ کے وفادار تھے اور کچھ لوگ وہ تھے جو طلحہ وزبیر کے مظالم پر غضبناک ہو کر آپ کے طرفدار ہو گئے تھے۔ طلحہ وزبیر نے بصرہ میں لوٹ مچا دی تھی۔ ہزاروں آدمی مقتول ہوئے۔ ان مقتولین کے اعزا کا انتقام کی غرض سے مخالف کیمپ میں چلا جانا لازمی بات تھی۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو امیر المومنینؑ کے مخالف تھے۔ انہیں اصحاب جمل کے مطالبہ خون عثمان نے گمراہ کر دیا تھا۔ ان کے گمراہ ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ حضرت عائشہ ایسی ام المومنین بھی اصحاب جمل کے ساتھ تھیں۔ کچھ لوگ ایسے تھے جو نہ ادھر تھے نہ ادھر۔ شک وشبہ نے انہیں متردد بنا رکھا تھا۔ وہ فیصلہ ہی نہیں کر پاتے کہ ہمیں ادھر ہونا چاہیے یا اُدھر۔

تیسرے قسم کے لوگوں کی آنکھیں رفتہ رفتہ کھلنے لگی تھیں اور شکوک و شبہات کے بادل چھٹنے لگے تھے۔ انہوں نے پہلے تو بصرہ ہی میں ٹھہر کر حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد امیرالمومنینؑ کی خدمت میں جانے آنے لگے۔ کبھی تنہا کبھی جتھے کے ساتھ۔ وہاں جو اصل واقعات انہیں معلوم ہوتے وہ واپس آ کر اپنے بھائیوں کو بتاتے۔ اس بنا پر اگر بصرہ کے بہت سے لوگ رفتہ رفتہ کر کے امیرالمومنینؑ کے لشکر میں شامل ہو گئے ہوں تو کوئی جائے تعجب نہیں۔

انسان فطری طور پر امن پسند ہوتا ہے اور کشت و خون سے طبعی نفرت اسے ہوتی ہے۔ اس بناء پر اگر اس وقت بصرہ کی فضا صلح و صفائی کے لئے سازگار ہوتی تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ قعقاع کو بھی اس کا احساس تھا بلکہ کچھ ایسے نمونے ان کی نظر سے گزرے جس کی بناء پر انہیں یقین تھا کہ صلح ضرور ہو جائے گی۔ وہ سب سے پہلے حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عائشہ عورت ذات تھیں اور عورتوں کی نرم مزاجی، مارد ھاڑ سے کراہیت عام طور پر مشہور ہے۔

قعقاع: ام المومنین آپ کا اس شہر میں آنے سے کیا مقصد ہے؟

حضرت عائشہ: میرے یہاں آنے کا مقصد لوگوں کی اصلاح ہے۔

قعقاع نے درخواست کی کہ طلحہ و زبیر کو بھی بلوا لیجیے تا کہ آپ میری اور ان کی باتیں سن سکیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے ان دونوں کو بلا بھیجا۔ جب وہ آئے تو قعقاع نے ان سے کہا:

قعقاع: میں نے ام المومنین سے پوچھا کہ آپ کے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میرے یہاں آنے کا مقصد لوگوں کی اصلاح کرنا ہے۔ کیا آپ دونوں کو اس مقصد کے بارے میں ام المومنین سے اتفاق ہے؟

طلحہ و زبیر: ہم ام المومنین سے پوری طرح متفق ہیں۔

قعقاع: مجھے بتائیے کہ اصلاح کی کیا صورت ہے تا کہ اگر وہ مناسب ہو تو ہم بھی اس پر عمل کریں۔

طلحہ و زبیر: اصلاح کی صرف یہ صورت ہے کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو قتل کیا جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے قرآن کریم کو پس پشت ڈال دیا۔ قرآن کا احیا اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب قاتلین عثمان سے قصاص لیا جائے۔

قعقاع: آپ نے بصرہ کے ان لوگوں کو جنھوں نے حضرت عثمان کی ہلاکت میں حصہ لیا تھا قتل کرنا شروع کیا لیکن اگر آپ اختیار کو اپنے ہاتھ میں نہ لیتے تو آپ کا دعویٰ زیادہ مضبوط ہوتا۔ آپ نے یہاں کے پانچ سو نناوے آدمیوں کو حضرت عثمان کے قتل کے جرم میں قتل کیا جس کی وجہ سے چھ ہزار آدمی آپ کے مخالف ہو گئے اور انہوں نے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ آپ نے ایک آدمی حرقوص بن زہیر کو جس پر آپ کا قابو نہ چل سکا تھا، گرفتار کرنا چاہا تھا لیکن چھ ہزار آدمی اس کی حمایت میں آپ کی مزاحمت کے

لئے کھڑے ہو گئے۔ جس پر مجبور ہو کر آپ کو اس کی گرفتاری اور قتل کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ کیا آپ کا اسے چھوڑنا آپ کے قول کے مطابق قرآن کو ترک کرنا نہیں ہے؟ کیا آپ نے اسے چھوڑ کر خود بخود اپنے اس دعویٰ کو ترک نہیں کر دیا جو آپ لے کر کھڑے ہوئے ہیں؟ اگر آپ اس ایک آدمی کے لئے ان سے لڑتے ہیں تو وہ یقیناً آپ پر غالب آجائیں گے اور اسی چیز سے آپ بچنا چاہتے ہیں۔"

قعقاع کی یہ تقریر سن کر حضرت عائشہ، طلحہ و زبیر نے پوچھا:

"تب اس فتنہ کا سد باب کس طرح کیا جائے؟"

قعقاع نے جواب دیا:

"اس فتنہ کے سد باب کی صرف یہ صورت ہے کہ سکون پیدا کیا جائے۔ جب سکون پیدا ہو جائے گا تو ہر قسم کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اگر آپ لوگ حضرت علیؑ کی بیعت کر لیں تو یہ امت کی بہتری اور اس کی عافیت اور سلامتی کے لئے ایک نیک فال ہو گی اور اس طرح حضرت عثمان کا قصاص بھی لیا جا سکے گا۔ لیکن اگر آپ لوگوں نے بیعت سے انکار کیا اور اپنے مطالبہ پر اڑے رہے تو یہ نہ صرف امت کی بدبختی کا موجب ہو گا بلکہ حضرت عثمان کا قصاص لینا بھی ناممکن ہو جائے گا۔ اس لئے آپ وہ راستہ اختیار کیجیے جس میں امت کی بھلائی اور عافیت ہو اور ایسی روش اختیار کیجیے کہ نہ ہم مصیبت میں پڑیں اور نہ آپ۔ اگر ایسا ہوا تو امت تباہ ہو جائے گی۔"

قعقاع کی یہ بات ان تینوں کے دل کو لگی اور انہوں نے اس پر پورا اتفاق کیا۔ انہوں نے کہا:

"آپ کی باتیں مناسب اور درست ہیں۔ اگر حضرت علیؑ کی بھی یہی رائے ہے جو آپ کی ہے تو یہ معاملہ بڑی آسانی سے طے ہو سکتا ہے اور مصالحت بڑی آسانی سے ہو جائے گی۔"

(خلفائے محمد عمر ابو النصر مترجمہ محمد احمد پانی پتی / الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم، سیرۃ علویہ)

اس طرح طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ نے امیر المومنینؑ کی پیش کش کو منظور کر کے صلح کو ممکن بنا دیا اور قریب تھا کہ امت اسلامیہ کا بکھرا ہوا شیرازہ مجتمع ہو جائے اور مسلمان ایک مرکز پر سمٹ آئیں۔

مگر کاش! دلوں میں صفائی اور نیتوں میں خلوص ہوتا۔

(۲)

یہ مصالحت شروع ہی سے دھوکہ کی ٹٹی نظر آرہی تھی۔ اس وجہ سے نہیں کہ طلحہ و زبیر اور عائشہ نے ظاہری طور پر تو یہ پیشکش منظور کر لی مگر دل میں کچھ اور چھپائے ہوئے تھے بلکہ انہیں اپنے ساتھیوں کے خیالات و جذبات کا اندازہ کرنے میں غلطی ہوئی۔ ان کے ہمراہیوں کی بہت بڑی تعداد جنگ پر تلی ہوئی تھی۔ انہوں نے انتقام خون عثمان کی جو تحریک اٹھائی تھی وہ بغیر کشت و خون

کے کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ حضرت عائشہ، طلحہ وزبیر وغیرہ اب تک شد ومد سے یہ پروپیگنڈہ کرتے آرہے تھے کہ علیؑ قاتلین عثمان سے انتقام لینے میں سستی کر رہے ہیں۔ وہ ان کے پشت پناہ ہوئے ہیں۔ اس پروپیگنڈے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ لوگ خود امیر المومنین کو بھی قتل عثمان میں شریک سمجھنے لگے بلکہ طلحہ وزبیر اور حضرت عائشہ کی زبان سے تو اس دوران میں ایسی باتیں نکلتی رہی جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ آپ نے نہ صرف عثمان کی مدد سے پہلوتہی کی بلکہ کسی قدر آپ کے ہاتھ بھی ان کے خون میں رنگین ہیں۔ اس قدر زہریلے پروپیگنڈے اور فضا خراب ہونے کے بعد اصحاب جمل علیؑ کو بالکل بے قصور کیسے یقین کر لیتے۔ زبیر کے ہمراہیوں میں سے ابوالحرباء نے جنگ چھیڑ دینے کی رائے دی اور کہنے لگا:

"ہماری رائے یہ ہے کہ غفلت میں ایک ہزار کے ساتھ علیؑ پر حملہ کر دیجیے تا کہ ان کا کام تمام ہو جائے۔ لشکر ان کا بہت کم آیا ہے موقع اچھا ہے۔"

قبیلہ ازد کے سرگروہ صبرہ بن شیمان نے بھی طلحہ وزبیر سے مل کر ابوالحرباء کی رائے کی تائید کی اور کہا: "جنگ میں رائے اور تدبیر کو زیادہ دخل ہے بہ نسبت قوت کے۔" کعب بن ثور نے کہا:

"آپ لوگ کس بات کا انتظار کر رہے ہیں؟"

مطلب یہ تھا کہ علیؑ کو قتل کر ڈالیے۔ کوفہ والے جو ان کے ہمراہ آئے ہیں خود ہی بھاگ کھڑے ہوں گے۔ یہ وہی کعب بن ثور ہیں کہ طلحہ وزبیر نے جب پہلی مرتبہ انہیں مدد کے لئے بلایا اور عثمان کا انتقام لینے میں ساتھ دینے کی فرمائش کی تو انہوں نے جواب دیا تھا:

"اگر عثمان ظالم تھے تو ان کا انتقام لینے کی کیا ضرورت ہے اور آپ لوگ انتقام لینے والے کون؟ اور اگر وہ مظلوم مقتول ہوئے تو آپ سے بہتر لوگ ان کا انتقام لینے کو موجود ہیں۔ اگر ان کا معاملہ موجودہ شخص کے لئے دشوار تھا تو غائب کے لئے دشوار تر ہونا چاہیے۔"

زمانہ کی نیرنگی تھی کہ کعب ساری باتیں بھلا کر اب پوری طرح اصحاب جمل کے ہمنوا تھے۔ طلحہ وزبیر سے زیادہ انہیں انتقام کی بے چینی تھی۔

بہر حال طلحہ وزبیر کی آمادگی صلح جیسی بھی رہی ہو یہ بہت مشکل تھا کہ ان کے ہمراہی بھی خوشی کی خاطر اس پر تیار ہو جاتے۔ اب تک طلحہ وزبیر جو دعوے کرتے رہے، امیر المومنینؑ پر جس جس طرح کے الزامات لگاتے رہے وہ ایکا ایکی دماغوں سے محو کیونکر ہوتے وہ مان ہی نہیں سکتے تھے کہ مصالحت ہی بہترین تدبیر اور اس کی رائے تمام رایوں سے مناسب تر ہے۔

ایک اور بڑی وجہ بھی تھی طلحہ وزبیر کے آمادہ ہونے کی۔انہوں نے دیکھا کہ علیؑ کی قوت روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔سامان حرب میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور فوج میں بھی۔کوفہ پوری طرح آپ کا حامی بن گیا اور وہاں کی بہت بڑی آبادی آ کر آپ کی فوج میں شامل ہوگئی تھی۔پھر سلسلہ ابھی ٹوٹا نہیں صبح وشام جتھے پر جتھے آتے چلے جارہے تھے، پھر بصرہ کے اردگرد جو صحرائی قبائل تھے وہ سب کے سب امیر المومنینؑ کے طرفدار تھے اور آپ کی حمایت میں جان دینے پر تیار۔ذی قار میں جہاں امیر المومنینؑ اس وقت تشریف فرماں تھے لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا جوق جوق لوگ آتے جاتے اور آپ کے لشکر میں شامل ہوتے جاتے۔اس کے علاوہ خود بصرہ کی بہت بڑی آبادی اندر ہی اندر طلحہ وزبیر کی جانی دشمن ہو رہی تھی۔ان لوگوں کی ناگہانی آمد، آتے ہی بصرہ پر حملہ اور پھر قتل عام ایسی چیز نہ تھی جو آسانی سے بھلا دی جاتی۔بہت سے لوگ تاک ہی میں رہے ہوں گے کہ جیسے ہی موقع ملے ان پر ٹوٹ پڑیں اور ہمارے جتنے اعزہ، جتنے ہم وطن مقتول ہوئے ہیں ان کا انتقام لے لیں۔طلحہ وزبیر نے قبیلہ عبد قیس کا جو قتل عام کیا تھا، والی بصرہ عثمان بن حنیف پر جو شب خون مارا، بہت سے بے گناہوں کو قتل عثمان کی تہمت لگا کر جو چن چن کر ہلاک کیا، کوئی بھی نہیں بھول سکتا تھا۔یہ جماعت حضرت عائشہ کی جمعیت کے لئے بغلی چھرا تھی۔جنگ چھڑتی تو قوی امکان تھا کہ یہ گوریلا فوج اچانک ان پر حملہ کر بیٹھے۔

امیر المومنینؑ شروع ہی سے اصلاح کے خواہاں تھے۔آپ جب مدینہ سے تھوڑی سی جمعیت کو ساتھ لے کر نکلے یہ ارادہ کر کے کہ بصرہ پہونچنے سے پہلے ہی راستہ میں اصحاب جمل کو روک لیا جائے تو آپ کا یہ ہرگز مقصد نہ تھا کہ اسلحہ کی قوت سے انہیں روکا جائے بلکہ وعظ و پند، دلائل و براہین کے ذریعہ، جس سے بڑھ کر موثر حربہ کوئی نہیں۔کوفہ والوں کو بھی بلانے کا مقصد یہ تھا کہ ان کی موجودگی کے سبب جنگ کی نوبت نہ آئے گی۔دشمن کے مقابلہ میں جب اپنی تعداد زیادہ ہوگی تو دشمن کو صلح پر آمادہ کر لینا بھی مشکل نہ ہوگا۔خود آپ بھی برابر اصلاح پر زور دیتے رہے اور آپ نے جتنے سفیر بھیجے انہوں نے بھی اسی اصلاح کی دعوت دی۔اسی کے ساتھ ہم اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں سمجھتے کہ آپ کی جمعیت میں ایسے لوگ بھی ہوں جو جنگ کو ترجیح دیتے ہوں۔دنیا میں کوئی جماعت ایسی نہیں ملے گی جس کے سب افراد ایک ہی نقطہ نظر کے حامل ہوں۔آپ کسی معاملہ کو لوگوں کے سامنے پیش کیجیے، لوگ اسے ضرور مختلف پہلو سے دیکھیں گے اور جداگانہ رائے قائم کریں گے۔

امیر المومنینؑ کے ہمراہیوں میں سے جو لوگ جنگ کو ترجیح دیتے تھے ان کے متعلق یہ کہنا کہ انہیں آپ کی اطاعت کی پرواہ نہ تھی ناممکن ہے بلکہ حق یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کی حکومت کے استحکام اور ناقابل تسخیر ہونے کے متمنی تھے۔انہیں اس کی برداشت نہ تھی کہ باغی بغاوت کریں اور انہیں معاف کر دیا جائے۔یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ایسا کرنے میں دوسروں کو بھی بغاوت کی طمع پیدا

ہو جائے گی لہٰذا اس موقع پر نرمی و ملائمت سے بہتر سختی ہے اور معافی سے بہتر یہ ہے کہ انہیں پوری طرح کچل دیا جائے۔

اسی کے ساتھ ایک جماعت ایسی بھی تھی جسے یہ صلح انتہائی ناگوار تھی۔ انہیں اندیشہ تھا کہ امن کا انجام ہمارے حق میں بہت مہلک ہوگا۔ یہ لوگ وہ تھے جو اپنے ضلع اور صوبہ کے حاکموں کے مظالم کی شکایت لے کر دادرسی کے لئے حضرت عثمان سے ملنے مدینہ گئے تھے۔کل یہ لوگ حق پر تھے اور بقول حضرت عائشہ انصاف کے طالب اور ظلم سے عاجز آ کر مدینہ گئے تھے مگر آج حضرتعائشہ کا نظریہ تبدیل ہوگیا تھا۔رحمدلی کی جگہ غضب نے لے لی تھی۔اب یہ لوگ دادخواہ نہیں بلکہ ظالم و قاتل تھے۔ اگرچہ ان میں سے بیشتر افراد نے حضرت عثمان کے خلاف چھڑی تک نہ اٹھائی بلکہ سچ پوچھیے تو ایک یا زیادہ سے زیادہ دو تین آدمی نے حضرت عثمان کے جان لینے کی کوشش کی مگر اب حضرت عائشہ اور ان کی جماعت کا نظریہ یہ تھا کہ:

"جتنے لوگ بھی فریاد لے کر مدینہ گئے وہ سب ان کے قتل میں شریک تھے اور جن لوگوں نے حضرت عثمان کی مدد نہ کی وہ بھی ان کے قاتل ہیں۔"

اسی نظریہ کی بناء پر انہوں نے نہ جانے کتنے بے گناہوں کو موت کے گھاٹ اتارا اور کس قدر قتل و غارت کے بازار گرم کیے۔ اس بناء پر اگر یہ جماعت صلح سے ہراساں رہی ہو تو ہونا بھی چاہیے۔

بہرحال امیر المومنینؑ کو مسرت تھی کہ طلحہ و زبیر نے مصالحت کی پیشکش قبول کر لی ہے۔ ان کی یہ آمادگی زینہ تھی امت کی شیرازہ بندی اور خود ان کے جماعت مسلمین میں داخل ہونے کا۔ آپ اپنے ہمراہیوں کو صبر و تحمل کی تلقین کرتے۔ انہیں تاکید کرتے کہ کوئی ایسی بات نہ کی جائے جس سے عداوت اور زیادہ ہو۔ آپ تو پہلے ہی سے دشمنوں کے ساتھ نرمی و ملائمت کا تہیہ رکھتے تھے اور اب جبکہ دشمن نے بھی صلح پر آمادگی ظاہر کی آپ کی ملائمت اور زیادہ ہونی چاہیئے تھی۔ اعور بن بنان منقری نے بصرہ کی طرف آنے کی وجہ دریافت کی آپ نے فرمایا:

"میں بغرض اصلاح و رفع فتنہ و فساد آیا ہوں۔ شاید خداوند عالم میرے ذریعہ سے امت محمدیہ کو متفق کر دے اور جنگ موقوف ہو جائے۔"

اعور نے کہا: "اگر وہ ہمارا کہنا نہ مانیں اور صلح نہ اختیار کریں؟"

فرمایا: "ہم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں گے بشرطیکہ وہ ہم سے متعرض نہ ہوں۔"

اعور نے پوچھا: "اگر وہ لڑنے پر آمادہ ہوں؟"

فرمایا: "تو پھر مدافعت کریں گے۔"

پھر امیر المومنینؑ نے کھڑے ہو کر مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے تقریر کی:

"بھائیو! اپنے نفوس کو قابو میں رکھنا، ہاتھوں کو روکے رکھنا، اور اپنی زبان ان کی برائی سے بند رکھنا۔ وہ تمہارے بھائی ہیں۔ انتظار کرو اور دیکھو کہ حالات کیا پیش آتے ہیں۔ خبردار پہلے ان کی طرف نہ بڑھنا کیونکہ مدعا علیہ قیامت میں وہی شخص ہوگا جس نے لڑائی میں پہل کی ہوگی۔"

(سیرۃ علویہ ص ۲۴۷ جلد اول/ الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم)

امیر المومنینؑ کے لشکر نے حرکت کی۔ مدینہ سے روانگی کے وقت جس لشکر کی تعداد چند سو سے زیادہ نہ تھی اب اس کی کثرت سے زمین تنگی کر رہی تھی اور اسلحے کی جھنکار سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ آگے بڑھ کر بصرہ کے میدان میں امیر المومنینؑ اتر

۱۔ مسعودی نے مروج الذہب میں حضرت امیر المومنینؑ کے ورودِ بصرہ کے متعلق ایک مفید مقام نقل کیا ہے جس سے حضرت علیؑ کے فوج کی وردی اس کی روانگی کی شان اور اس کی ترتیب وغیرہ سمجھ میں آتی ہے وہ لکھتا ہے: "منذر بن جارود تجی کہتا ہے کہ امیر المومنینؑ جس وقت مع اپنے لشکر کے بصرہ کے قریب پہونچے اور میں دیکھنے نکلا تو میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے ایک ہزار سوار کا رسالہ ہے جس کے آگے آگے ایک مرد بزرگ سفید گھوڑے پر سوار سفید ٹوپی پہنے شمشیر حمائل کیے اور نشان لشکر لیے ہوئے تھا۔ ان سب سواروں کی ٹوپیاں اکثر سفید و زرد تھیں۔ سب لوہے اور ہتھیاروں میں غرق تھے۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ ابو ایوب انصاری پیغمبر خدا کے صحابی ہیں اور یہ تمام انصار ہیں۔ اس کے بعد ایک سوار زرد عمامہ اور سپید کپڑے پہنے، تلوار گلے میں ڈالے، کمان کاندھے پر رکھے، نشان ہاتھ میں لیے، گھوڑے پر سوار ہزار سواروں کے ساتھ آیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو جواب ملا کہ خزیمہ بن ثابت انصاری ملقب بہ ذوالشہادتین ہیں جن کی ایک گواہی اسلام میں دو گواہوں کے برابر ہے۔ پھر ایک اور بزرگ کمیت گھوڑے پر سوار، زرد عمامہ باندھے، نیچے سپید ٹوپی پہنے، بدن میں سپید قباء، چمکدار تلوار گلے میں ڈالے، کمان کاندھے پر رکھے، ہزار آدمی کے ساتھ نیزہ لیے ہوئے آئے۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ لوگوں نے جواب دیا یہ ابوقتادہ بن ربعی ہیں۔ پھر ایک سفید گھوڑے والا آیا جس کے سفید کپڑے اور کالا عمامہ تھا اور اس کو آگے پیچھے خوب مضبوط اور پیچدار باندھا تھا۔ نہایت تحمل و وقار کے ساتھ کلام شریف پڑھتا ہوا، اسی طرح تلوار گلے میں ڈالے، کمان دوش پر رکھے، ہاتھ میں سپید پھریرہ والا نیزہ لیے ہزار آدمیوں کے ساتھ جن کی ٹوپیاں مختلف رنگوں کی تھیں اور ان کے گرد بوڑھے ادھیڑ جوان بھی تھے، آیا۔ ان کی درستی اور سکوت ایسا تھا گویا گنتی کے لیے چپ کھڑے ہوئے ہیں۔ ان کی پیشانیوں پر سجدے کے نشان تھے۔ میں نے پوچھا تو لوگوں نے کہا یہ عمار بن یاسر ہیں اور چند مہاجر و انصار اور اصحاب رسولؐ کی اولاد ہیں۔ پھر ایک اور سوار بڑے گھوڑے پر سوار سپید کپڑے اور ٹوپی پہنے اور زرد عمامہ باندھے، کمان کاندھے پر رکھے، تلوار حیکل کیے، جس کے پاؤں زمین پر لگتے جاتے تھے۔ ہزار آدمیوں کے ساتھ جن کی ٹوپیاں اکثر زرد و سپید تھیں، نیزے لیے ہوئے آیا۔ پوچھا یہ کون ہے تو معلوم ہوا کہ یہ قیس بن سعد بن عبادہ انصاری ہیں جو چند اصحاب اور ان کی اولاد بنی قحطان کو ساتھ لیے ہیں۔ پھر ایک اور بزرگ اسپ تیز رفتار پر سوار آئے، ہم نے ایسا خوب صورت نہیں دیکھا تھا، سفید لباس، سیاہ عمامہ، ایک نیزہ ہاتھ میں لیے۔ لوگوں نے بیان کیا: یہ عبداللہ بن عباس اپنی اولاد، چند دوست اور اصحاب رسولؐ کے ساتھ ہیں۔ بعد ازاں ایک اور رسالہ آیا جس کا رسالہ دار پہلے رسالہ دار کا ہم شکل تھا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ عبیداللہ بن عباس ہیں۔

پھر ایک اور رسالہ آیا۔ اس کا افسر پہلے افسروں سے مشابہ تھا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ قثم بن عباس ہیں۔ پھر اور لشکر اور نیزہ دار آگے پیچھے آتے گئے اور انبوہ کثیر ہو گیا۔ پھر ایک اور لشکر آیا جس میں ایک خلقت ہتھیار بند لوہے میں ڈوبی ہوئی، طرح طرح کے نیزہ بردار تھے۔ سب کے آگے بڑا نشان ایک سوار ہاتھ میں لئے اور وہ سوار زمین کی طرف نیچی نظر کئے ہوئے نہایت قوی بازو اس طرح چلا جاتا تھا کہ گویا اس کی گردن پر کوئی جانور بیٹھا ہے۔ اس کی دہنی طرف ایک خوب صورت جوان اور بائیں طرف ایک ایسا ہی جوان تھا۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ سب صاحب کون ہیں؟ معلوم ہوا کہ یہ امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں اور یہ آگے جو نیزہ لئے ہوئے ہیں محمد ابن حنفیہ ہیں اور یہ دونوں حضرات جو یمین و یسار ہیں وہ حضرت امام حسنؑ اور امام حسینؑ ہیں۔ ان کے پیچھے عبداللہ بن جعفر اور سب اولاد عقیل اور جوانان ہاشمی ہیں اور یہ ضعیف لوگ وہ مہاجر و انصار ہیں جو جنگ بدر میں رسول خداؐ کے شریک تھے۔" (تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم)

پڑے۔ جب بصرہ والوں کو معلوم ہوا کہ حضرت شہر کے بالکل قریب آگئے ہیں تو بہت سے نکل کر آپ کی فوج میں آملے۔ لوگوں میں ہلچل تھی اور غیرت وحمیت بارگاہ امامت میں قدم کھینچے لیے آرہی تھی۔ بکر بن وائل کا قبیلہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ عبد قیس کا قبیلہ بھی۔ حضرت کی صفوں میں اپنی اپنی جگہ لینے کے لئے بھی بیتاب تھے۔ بکر بن وائل کے قبیلہ کو امیر المومنینؑ کے علم کے نیچے جاتے دیکھ کر عوام چیخ پڑے:

"جیت اسی کی ہوگی جس کے ساتھ یہ لوگ (بکر بن وائل کے قبیلے والے) ہیں۔"

احنف بن قیس کو جب معلوم ہوا کہ امیر المومنینؑ کا لشکر بصرہ کی طرف بڑھ رہا ہے تو یہ امیر المومنینؑ کی خدمت میں آئے اور عرض کی:

"اے ابو الحسن بصرہ کے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر آپ فتحیاب ہوئے تو ان کے مردوں کو قتل کر ڈالیں گے اور ان کی عورتوں کو قیدی بنالیں گے۔"

امیر المومنینؑ اس سوال پر بے حد متعجب ہوئے۔ یہ پروپیگنڈہ دشمنوں ہی کی طرف سے ہو سکتا تھا تاکہ لوگ آپ کا ساتھ نہ دیں اور دشمنوں ہی کی صفت میں شامل ہو جائیں۔ اس قسم کی اوچھی حرکتیں اور کشیدگی بڑھانے والی تھیں اور ان کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ لڑائی کی آگ بھڑک اٹھے جسے فرو کرنے کے لئے آپ انتہائی کوشاں تھے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا:

"کیا تم نے خداوند عالم کا یہ ارشاد نہیں سنا ہے: لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُسَيْطِرٍ۔ إِلَّا مَنْ تَوَلَّىٰ وَكَفَرَ۔ (الغاشیۃ/22-23) (تم کچھ ان کے داروغہ تو ہو نہیں، ہاں جس نے منہ پھیر لیا اور نہ مانا) اے احنف! یہ لوگ مسلمان ہیں اور ہمارے ایسے انسان سے اس قسم کی اندیشوں کی وجہ نہیں۔"

احنف نے یہ سن کر اطمینان کی سانس لی اور دل میں امنگ پیدا ہوئی کہ ہمیں ایسے شخص کی حمایت ضرور کرنی چاہیے جس کے دل میں سوا صلح وصفائی اور خوف خدا کے کچھ ہے ہی نہیں۔ احنف نے کہا:

"خدا آپ کا بھلا کرے.......اگر آپ فرمائیں تو میں بھی ہمرکاب ہو جاؤں؟"

لیکن امیر المومنینؑ کو یہ گوارہ نہ ہوا کہ ہماری وجہ سے یہ اس معاہدہ کو توڑ دیں جو طلحہ وزبیر سے کر چکے تھے۔ طلحہ وزبیر کے بصرہ میں داخل ہونے کے بعد احنف میں اور ان میں معاہدہ ہوا کہ یہ اپنے پیرووں کے ساتھ مکمل طور پر غیر جانب دار رہیں گے اور کسی فریق کا ساتھ نہ دیں گے۔ امیر المومنینؑ باوجودیکہ اعوان وانصار کے ضرورتمند تھے پھر بھی آپ کی حمیت نے گوارہ نہ کیا کہ میری وجہ سے پیماں شکنی ہو آپ نے فرمایا:

"تم تو غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ کر چکے ہو۔"

احنف نے جواب دیا:

”مگر خدا کے ساتھ وفاداری یہی ہے کہ ان لوگوں سے جنگ کی جائے۔“

مگر امیر المومنینؑ نے ان کے جواب کو منظور نہیں کیا۔ آپ ایسی مدد ناپسند کرتے تھے جو شکست عہد کا نتیجہ ہو۔ آپ تو کردار کے دلدادہ اور مکارم اخلاق کے معلم تھے۔ پیمان شکنی کی تلقین کیسے کرسکتے تھے۔ آپ نے احنف سے پوچھا:

”تم اپنی قوم والوں کو میرے خلاف ہونے سے روک سکتے ہو؟“

”ہاں۔“

”تو جس کو تم روک سکو روکو۔“

امیر المومنینؑ نے اسی کو کافی سمجھا کیونکہ اس طرح معاہدہ کی خلاف ورزی کا الزام بھی احنف پر عائد نہیں ہوسکتا تھا۔

(الامام علی ابن ابی طالب/ تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم)

قعقاع کی سفارت کے نتیجے میں صلح کے امکانات تو ضرور پیدا ہو گئے تھے مگر یہ صلح کس عنوان سے ہوگی۔ یہ چیز ابھی تاریکی میں تھی۔ زبان سے تو طلحہ وزبیر نے صلح پر آمادگی ظاہر کردی مگر دلوں کا حال اللہ کو معلوم تھا۔ انھوں نے پہلے بھی بیعت کرلی تھی اور پیمان وفا باندھا تھا اور پھر کسی سبب سے بیعت توڑ ڈالی تھی۔ اب کیا پتہ کہ کل صلح پر رضامندی ظاہر کرنے کے بعد آج پھر اس میں رکاوٹیں نہ پیدا کریں۔ ضرورت تھی کہ ان سے ملاقات کرکے بالمشافہہ گفتگو کی جائے۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ تھا کہ باہمی بات چیت کے دوران ان کے دلوں کا بھید بھی کھل جائے گا دوسرے یہ کہ آنکھیں چار ہونے پر کچھ تو مروت آجائے گی اور پرانے تعلقات وروابط کا پاس ولحاظ کریں گے۔

تین دن مسلسل نامہ و پیام میں گزرے۔ قاصد ایک دوسرے کی طرف آتے جاتے رہے مگر کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا۔ چوتھے روز خود آپ اپنے لشکر سے باہر نکلے۔ سامنے غنیم کی فوجوں کے آگے زبیر دکھائی دیے جو گھوڑے سوار، زرہ بکتر لگائے، ہتھیاروں سے لیس صفوں کے آگے آ رہے تھے۔ امیر المومنینؑ انھیں دیکھتے ہی آگے بڑھے، نہ ہاتھ میں تلوار تھی نہ جسم پر زرہ۔ لوگوں نے منع بھی کیا کہ اس طرح جانا مناسب نہیں مگر آپ نے پرواہ نہ کی۔ زبیر کے پاس طلحہ بھی ہر قسم کے اسلحوں سے سجے موجود تھے۔ امیر المومنینؑ ان کے بالکل پاس جا پہونچے یہاں تک کہ آپ کے مرکب اور طلحہ وزبیر کے مرکبوں کی گردنیں آپس میں مل گئیں۔ آپ نے ان کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے لشکر پر ایک نگاہ کی اور بہت ہی سکون واطمینان سے گویا ہوئے۔

”اسلحے، فوجیں، جنگی ساز وسامان تو کافی تم لوگوں نے اکٹھا کرلیا ہے۔ یہ بتاؤ کیا خدا کے یہاں جواب دہی کے لئے کوئی عذر بھی فراہم کیا ہے؟“

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"خدا سے ڈرو اور اس عورت کی طرح نہ بنو جو اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ ڈالے۔" طلحہ و زبیر مو کت کھڑے آپ کو دیکھا کیے۔ علیؑ بالکل ویسے ہی نظر آ رہے تھے جیسے پہلے تھے؛ ویسے ہی باہمت، نڈر اور شیر دل اور ان کا وہی ثبات قدم جسے آندھیوں کے جھکڑ بھی نہ ڈگمگا سکیں۔ خالی ہاتھ اور خالی بدن ہونے پر بھی ہیبت کے مارے آپ کی طرف نگاہ نہیں اٹھتی تھی۔ امیر المومنینؑ زبیر کی طرف مڑے، انہیں ہی علیحدہ ایک طرف لے گئے اور بولے:

امیر المومنین: یہ سب تم کیا کر رہے ہو اور کیوں؟

زبیر: آپ ہی نے ہمیں ایسا کرنے پر مجبور کیا۔

امیر المومنینؑ: میں نے؟

زبیر: ہاں آپ نے۔ ہم آپ کو اس خلافت کا اہل نہیں پاتے اور نہ ہم سے بڑھ کر آپ اس کے لائق ہیں۔

امیر المومنینؑ: ہم لوگ تو تمہیں عبد المطلب ہی کی اولاد سمجھتے تھے یہاں تک کہ تمہارا بڑا بیٹا (عبداللہ بن زبیر) بڑا ہوا اور اس نے ہم میں جدائی ڈال دی۔

زبیر: ایک بات اور بھی ہے۔ ہم خون عثمان کا انتقام بھی لینا چاہتے ہیں۔

امیر المومنینؑ اس انتقام پر غضب ناک ہو گئے آپ نے تند لہجہ میں فرمایا: تم اور طلحہ ہی قتل عثمان کے باعث ہوئے۔ تمہاری توبہ یہی ہے کہ تم خود اپنے نفس سے قصاص لو اور اپنے آپ کو عثمان کے ورثہ کے حوالے کر دو۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"زبیر! وہ دن تمہیں یاد ہے جب میں ایک روز آنحضرتؐ کے ساتھ بنی غنم میں ہو کر گزرا۔ آنحضرتؐ میری طرف دیکھ کر ہنسے۔ میں بھی ہنسا۔ اس پر تم نے کہا تھا: علیؑ ابن ابی طالب اپنا تکبر نہ چھوڑیں گے۔ تمہارے اس قول پر آنحضرتؐ نے فرمایا: علیؑ متکبر نہیں البتہ تم علیؑ سے لڑو گے اور تم اس وقت ظالم ہو گے۔

(ایک اور روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اے زبیر! اس دن سے ڈر کہ علیؑ پر فوج لے کر چڑھے گا، تو ظالم ہوگا۔)

زبیر نے یہ سن کر گردن جھکالی۔ چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ آہستہ آہستہ آگے بڑھے اور کہا: ہاں ٹھیک ہے۔ واقعی آنحضرتؐ نے یہ فرمایا تھا۔

امیر المومنینؑ: پھر کیا کہتے ہو؟

زبیر: ایسا ہی ہوا تھا مگر زمانہ نے اسکی یاد میرے ذہن سے محو کردی تھی۔ خدا کی قسم! اب میں آپ سے نہ لڑوں گا۔

(الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم/ سیرۂ علویہ جلد اول ص ۲۵۱)

(۵)

طلحہ اسی طرح اکڑے ہوئے تھے۔ تمنا اور آرزو کا غلبہ تھا اور سیاسی اقتدار کی خواہش چشم و گوش پر مسلط تھی۔ ۲۵ برس تقریباً اپنی آدھی عمر جس وقت سے کہ حضرت ابو بکر موت سے ہمکنار ہوئے، وہ حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے۔ بے چین تھے کہ یہ دستار خلافت ہمارے سر کی زینت ہو۔ طلحہ پیغمبرؐ کے ان گنتی کے صحابہ میں شمار ہوتے تھے جنہیں عشرۂ مبشرہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ قریش میں معزز بھی سمجھے جاتے تھے۔ دو ہی چار آدمی اس وقت ان کی ٹکر کے قریش میں رہے ہوں گے۔ پھر طرّہ یہ کہ یہ حضرت ابو بکر کے قریبی عزیز بھی تھے۔ دونوں ایک ہی خاندان اور ایک ہی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ مگر حالات کچھ ایسے پیش آئے کہ خلافت انہیں نہ مل سکی۔ ابو بکر اٹھنے لگے تو عمر کے متعلق وصیت کر کے اٹھے اور حضرت عمر خلیفہ بن گئے۔ اب ان میں اور کسی دوسرے مسلمان میں کوئی فرق نہ تھا نہ کوئی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ وہ جتنا جتنا سوچتے کہ کیسے ابو بکر نے میری طرف سے غفلت کی مرنے کے وقت میرا خیال نہ کیا اور میری بجائے دوسرے کو خلیفہ مقرر کر گئے، ان کا کلیجہ خون ہو ہو جاتا تھا۔ اس وقت کی یاد انہیں رہ رہ کر چوکے لگاتی تھی جبکہ انہوں نے ابو بکر سے کہا تھا آپ ایک درشت، تندخو اور بدمزاج شخص کو ہم پر حاکم بنائے جا رہے ہیں۔ خدا جب آپ سے اس کے متعلق پوچھے گا تو آپ کیا جواب دیجئے گا اور ابو بکر نے انہیں جھڑک کر جواب دیا تھا:

"خدا کی قسم اگر میں کہیں تمہیں خلیفہ مقرر کر جاؤں تو تم اپنی ناک ٹھڈی میں لگا لو گے اور اپنے نفس کو اس کی حیثیت سے اونچا کر دو گے یہاں تک کہ خدا ہی اسے گھٹائے تو گھٹائے۔"

ابو بکر کے بعد عمر آئے۔ وہ بھی ان کی حق میں نہ ابو بکر سے بڑھ کر نرم دل تھے نہ ان سے بڑھ کر مہربان۔ انہوں نے بھی ابو بکر ہی کے لب و لہجہ میں ان سے بات کی اور وہی الفاظ استعمال کیے جو ابو بکر استعمال کر چکے تھے۔ ابو بکر اور عمر دونوں میں سے کسی ایک نے بھی طلحہ کو کوئی امتیازی حیثیت نہ دی، نہ کسی دوسرے پر فوقیت بخشی۔ شدہ شدہ خلافت علیؑ کے ہاتھوں میں پہونچی۔ ان کا طرز عمل بھی ایسا ہی رہا۔ انہوں نے بھی اسی نگاہ سے دیکھا جو ان کی نگاہ سارے مسلمانوں پر تھی۔ حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ علیؑ کے عہد میں کم سے کم دوسرا درجہ انہی کا ہوتا کیونکہ انہیں کے ہاتھوں عثمان کی سلطنت کا تختہ الٹا اور انہیں کی تدبیروں سے حضرت عثمان اس انجام کو پہونچے۔ امیر المومنینؑ جس وقت زبیر کی گفتگو سے فارغ ہو کر ان کی طرف بڑھے اسی قسم کے خیالات میں وہ غرق تھے۔ امیر المومنینؑ نے قریب آ کر ان سے پوچھا:

امیر المومنینؑ: اے ابو محمد تم یہاں کیوں آئے ہو؟

طلحہ: خون عثمان کا انتقام لینے۔

امیر المومنینؑ: جس نے عثمان کو قتل کیا خدا اسے قتل کرے۔

(خداوند عالم نے بہت جلد آپؑ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور طلحہ مروان کے ہاتھوں مارے گئے)

طلحہ سے اس وقت اور تو کوئی جواب بن نہ پڑا، کہنے لگے:

طلحہ: آپ نے عثمان کے خلاف لوگوں کو جمع کیا اور ان کو قتل کرایا۔

امیر المومنینؑ: خدا ہی اس کا انصاف کرے گا، وہ منصف و حاکم حقیقی ہے۔

طلحہ: آپ خلافت اسے الگ ہو جائیے۔

امیر المومنینؑ: میں خلافت سے دستبردار ہو جاؤں؟

طلحہ: ہاں، ہم مسلمانوں کے شوریٰ پر اس کا فیصلہ رکھیں گے۔ اگر مسلمانوں نے آپ کے حق میں ووٹ دیئے تو میں بھی مسلمانوں کا ساتھ دوں گا۔ اگر مسلمانوں نے آپ کے علاوہ کسی اور کا انتخاب کیا تو۔۔۔

امیر المومنینؑ: کیا تم نے خوشی خاطر بغیر جبر و اکراہ ہماری بیعت نہ کی؟

طلحہ: میں نے اس وقت آپ کی بیعت کی جب تلوار میری گردن پر رکھی ہوئی تھی۔

امیر المومنینؑ: میں نے تو اپنی بیعت پر کسی کو مجبور نہیں کیا۔ اگر مجبور ہی کرنا ہوتا تو سعد بن ابی وقاص، عبداللہ [بن] عمر، محمد بن مسلمہ کو بھی مجبور کیے ہوتا۔ ان لوگوں نے میری بیعت سے پہلوتہی کی، کنارہ کشی اختیار کی، میں نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

بیعت کے واقعات طلحہ کے سامنے دہرانے کی حاجت نہ تھی، سارا واقعہ ان کی آنکھوں کے سامنے کا تھا اور بیعت کرنے والوں میں وہی سب سے پیش پیش تھے لیکن آج ان کی کایا پلٹ چکی تھی کل کچھ اور تھے اور آج کچھ اور۔ خوابوں کا محل اپنے ہاتھوں سے گرا دینا انہیں بہت دشوار تھا۔ اس محل کی تعمیر میں ان کی آدھی عمر گذر چکی تھی۔ چشم زدن میں طلحہ بالکل ویسے ہی بن گئے جیسا کہ ان کے ابن عم حضرت ابوبکر نے ان کے متعلق پیشین گوئی کی تھی کہ اپنی ناک ٹھوڑی کی طرف لیں گے۔ غرور و تکبر نے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت مفقود کر دی لہٰذا اب وہ اپنے سے بڑھ کر نہ کسی دوسرے ہی کو خلافت کا سزاوار سمجھتے تھے نہ علیؑ کو جن کی اطاعت و وفاداری کا علانیہ عہد و پیمان کیا تھا۔ امیر المومنینؑ نے صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے نرمی سے کہا:

”ابومحمد! جب تک تم نے خوشی خاطر بیعت نہ کی اس وقت تک تو تمہیں اختیار تھا کہ چاہے بیعت کرتے اور چاہے نہ کرتے لیکن اب کوئی چارۂ کار ہی نہیں۔ تم جس بات پر رضامندی کا اظہار کر چکے تھے قائم رہنا ہوگا۔ ہاں اگر مجھ سے کوئی ایسی بات ہوئی ہو جس

سے شکست بیعت مباح ہو جائے تو تمہیں حق ہے بیعت توڑ دینے کا۔ بتاؤ کون سی بات ہم نے خلاف دین ومذہب کی۔"

طلحہ خاموش ہو گئے اس کا جواب ہی ان کے پاس کیا تھا۔ امیر المومنینؑ نے سلسلہ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

"کیا خود تم سے یہ بہت بڑی خطا سرزد نہیں ہوئی کہ تم اپنی ماں (حضرت عائشہ) کو گھر سے باہر نکال لائے ہو؟ کیا یہ فعل پیغمبرؐ کی خوشنودی کا باعث ہوگا کہ پیغمبرؐ تو انہیں پردہ میں بٹھائیں اور تم وہ پردہ چاک کر کے انہیں باہر نکال لاؤ۔

طلحہ: عائشہ اصلاح کے لئے آئی ہیں۔

امیر المومنینؑ: اے ابو محمد! خدا کی قسم، وہ خود اپنے معاملات کی اصلاح ودرستی کے لئے کسی اور کی محتاج ہیں۔

یہ کہہ کر آپؑ ان کے پاس سے ہٹ آئے اور لشکر میں واپس آ کر کہا:

"زبیر تو قائل ہو گئے اور اب وہ تم لوگوں سے نہ لڑیں گے۔ رہ گئے طلحہ، میں نے ان سے حق بات کا سوال کیا اور انہوں نے مجھے باطل سے جواب دیا۔ میں ان سے یقین کے ساتھ ملا وہ شک کے ساتھ مجھ سے ملے۔ خدا کی قسم انہیں میرے حق (پر ہونے) نے کوئی نفع نہیں پہونچایا اور نہ ان کے باطل (پر ہونے) نے میرا کوئی نقصان کیا۔"

پھر ایک طرف کچھ دیر دیکھتے ہوئے آپؑ نے فرمایا:

"کل وہ ہلاک ہو کر رہیں گے پہلے ہی معرکہ میں۔"[1]

۱۔ الامام علی ابن ابی طالبؑ، جلد سوم، سیرۃ علویہ، جلد ۲۔

ساتویں فصل

لڑائی

صلح کی گفتگو ہو رہی تھی اور کامیاب فضا میں ہو رہی تھی۔ بقول مورخین کوئی فریق جنگ پر تیار نہ تھا۔ پھر لڑائی کیسے چھڑ گئی؟ یہ وہ گتھی ہے جس میں مورخین نے عمداً پیچیدگی پیدا کی ہے اور اصل واقعات کو اس طرح مسخ کر کے پیش کیا کہ۔۔۔۔ تاریخ تاریخ نہ رہی چیستان بن گئی ہے۔ صحابیت کا درجہ جمہور مسلمین کے نزدیک بہت بڑا درجہ ہے۔ اتنا بڑا درجہ ہے کہ اس کے ڈانڈے نبوت سے ملائے جاتے ہیں۔ ایک عام کلیہ بنایا گیا ہے: ''الصحابۃ کلھم عدول'' صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔ اس بنا پر ان کے اعمال و افعال چاہے جیسے بھی رہے ہوں اپنی رفتار و گفتار اور طرز عمل سے شریعت مصطفوی کی انہوں نے چاہے جتنی بھی دھجیاں اڑائی ہوں، ہمیں حق نہیں کہ ہم ان پر حرف گیری کر سکیں۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت عثمان کو خود مسلمانوں نے مل کر قتل کیا، چاہے وہ بے خطا رہے ہوں یا خطاوار مگر اس میں کسی کو تامل نہیں کہ غیروں کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ کہیں اور نہیں بلکہ دارالسلطنت مدینہ کے اندر، جہاں اکابر مہاجرین بھی موجود تھے اور انصار بھی اور ان اکابر اصحاب نے ان کے بچانے کی ذرہ برابر کوشش نہیں کی۔

اسی طرح یہ بھی حقیقت ہے کہ حضرت عائشہ اور طلحہ وزبیر نے جائز اور قانونی حاکم وقت خلیفۃ المسلمین کے خلاف خروج کیا ان سے جنگ کی اور حکومت اسلامیہ کا پوری طاقت سے تختہ الٹ دینے کی کوشش کی۔

یہ حقائق اتنے مسلم الثبوت ہیں کہ کسی کو انکار نہیں کی ہمت ہو ہی نہیں سکتی۔ مگر ان واقعات کے حقیقی اسباب کیا تھے؟ کیوں مسلمانوں نے حضرت عثمان کو مار ڈالا؟ مہاجرین وانصار کیوں خاموش بیٹھے انہیں قتل ہوتے دیکھتے رہے۔ حضرت عائشہ اور طلحہ وزبیر کس سبب سے آمادہ پیکار ہوئے اور جمل کی لڑائی کیوں واقع ہوئی؟ یہ وہ باتیں ہیں کہ اگر مورخین کھل کر بیان کر دیتے تو صحابیت کا قصر بلند جو عقیدت کے ستون پر قائم کیا گیا تھا منہدم ہو کر خاک میں مل جاتا اور صحابیت کی نقاب چاک ہو جاتی، جس کے اندر اچھے برے سبھی چہرے دلکش و دل آویز نظر آ رہے تھے، اس لئے راویان داستان نے طلسم ہوشربا اور داستان امیر حمزہ سے ملتی جلتی ایک کہانی تصنیف کی اور ایک خیالی انسان عبداللہ بن سبا پیدا کر کے سارے الزامات اس کے سر منڈھ دیے کہ جو کچھ کیا اس نے کیا اور اگر یہ نہ ہوتا تو کچھ نہ ہوتا۔

حضرت عثمان کے متعلق کہا گیا کہ وہ بڑے نیک، انتہائی نرم مزاج تھے۔ ان سے نہ کوئی ناپسندیدہ حرکت ظہور میں آئی نہ انہوں نے خلاف عدالت کوئی کام کیا۔ سختی تو کسی پر کرنا جانتے ہی نہ تھے۔ ان کی نرم مزاجی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک یہودی (عبداللہ بن سبا) جو فتنہ و فساد پھیلانے کی غرض سے ظاہری طور پر مسلمان ہوا تھا اس نے شہر شہر گاؤں گاؤں کا دورہ کر کے ان کے خلاف پروپاگنڈے کیے اور جس شہر سے گذرا آگ لگاتا ہوا گذرا۔ شہر کے شہر صوبے کے صوبے اس کے دائرہ اثر میں آتے چلے گئے۔ ہر مقام کی آبادی اس کی مطیع بنتی چلی گئی حتی کہ حضرت ابوذر ایسے جلیل القدر صحابی پیغمبر بھی اس کے دام فریب میں آ گئے اور اتنا اقتدار اس کو حاصل ہو گیا کہ خود مصر میں بیٹھا رہا اور مصر و بصرہ و کوفہ کے لوگوں نے اسلامی دارالسلطنت میں آکر حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا۔

جنگ جمل کے موقع پر جب امیر المومنینؑ اور طلحہ و زبیر میں صلح کی بات چیت ہو رہی تھی، یہ کہا گیا کہ جنگ کا کوئی امکان نہ تھا، طلحہ و زبیر کسی کو جنگ کی خواہش نہ تھی، خود ابن سبا کے پیرووں نے سازش کر کے جنگ چھیڑ دی۔

ہمیں اس بحث میں پڑنا مقصود نہ تھا مگر مورخین نے حضرت عثمان و طلحہ و زبیر کو پاک و صاف ظاہر کرنے کے لئے حق و انصاف کا جو خون کیا ہے اور بہت سے مقدس اور جلیل القدر مومنین کی جس طرح مٹی پلید کی ہے اس کا تذکرہ نہ کرنا دیانت کے خلاف ہوتا۔ شاہ محمد علی حیدر کاکوروی جنہوں نے اپنی سیرۃ علویہ مشہور متداول کتب تاریخ سے مرتب کر کے لکھی ہے، جنگ جمل کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''ایک گروہ نے جس میں مندرجہ ذیل اشخاص تھے ایک مجلس خاص منعقد کی، علیا بن ہیثم، عدی بن حاتم، سالم بن ثعلبیہ قیسی، شریح بن اوفی، اشتر نخعی اور ان کے ہمراہ وہ اشخاص تھے جو حضرت عثمان پر خروج کرنے کی رائے میں شریک تھے۔ خروج و محاصرہ میں ان کا قدم سب سے آگے تھا۔ مصریوں سے بھی ایک جماعت تھی جن میں ابن السوداء (عبداللہ بن سبا) اور خالد بن ملجم تھے۔ اشتر نخعی بولے کہ ہم تم سب مل کر جناب امیرؑ اور طلحہ و زبیر پر حملہ کر دیں اور ان کو بھی حضرت عثمان کے پاس پہونچا دیں۔ ہنگامہ تو ضرور ہوگا مگر خود بخود سکون بھی ہو جائے گا۔ ابن السوداء یعنی عبداللہ بن سبا نے کہا: یہ رائے ٹھیک نہیں۔۔۔

ابن السوداء نے پھر کہا: تمہاری خیر اسی میں ہے کہ مل جل کر دونوں کو آپس میں لڑا دو۔[1]

اگر اس حیرت انگیز کہانی کی غرض بس اسی حد تک ہوتی کہ حضرت عثمان پاک و صاف تھے، ان سے خلاف دیانت و عدالت کوئی عمل ظہور میں نہ آیا تو جہاں اور بہت سی خرافات سننے کے بعد ہم صرف خندہ زیر لب پر اکتفا کر لیتے ہیں، ہم اس کہانی کو بھی

۱۔ سیرۃ علویہ، جلد اول۔

کہانی کی طرح سن لیتے مگر قیامت یہ ہے کہ برادران اسلام نے سبائی لیبل ہر اس شخص پر چسپاں کر دیا جو حضرت عثمان سے خوش عقیدہ نہ تھا بلکہ ان کی زیادتیوں کا شاکی اور اپنی حق تلفیوں کا ان سے فریادی تھا۔ مالک اشتر اور عدی بن حاتم ایسے مقدس اور جلیل القدر مومنین جو امیر المومنینؑ کے دست و بازو تھے، کے اسماء گرامی اس فہرست میں دیکھ کر آپ کو حیرت ہوگی مگر آپ کی یہ حیرت اس وقت اور بڑھ جائے گی جب اسی فہرست میں، آپ جناب ابوذر، حضرت عمار، عبداللہ بن مسعود اور انہی جیسے بہت سے صحابہ کرام کے نام بھی دیکھیں گے جو آسمان رسالت کے درخشندہ ستارے تھے۔

موزخین کے اس من گڑھت قصے پر کسی تبصرے کے بجائے ہم مصر کے جلیل القدر افاضل کے بیانات نقل کر دیتے ہیں، جس سے اس قصہ کی رکاکت بھی واضح ہو جائے گی اور ساتھ ہی ساتھ یہ گتھی بھی سلجھ جائے گی کہ لڑائی کی ابتدا کس سے ہوئی اور کیوں ہوئی؟

مصر کے مشہور فلسفی موزخ ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:

''اس موقع پر شیعوں کے غلو پسند مخالفین بعض ایسی باتیں کرتے ہیں جو کسی طرح درست ہو ہی نہیں سکتیں کیونکہ عادت کے خلاف ہیں اور انہیں صرف سادہ لوح یا تکلف پسند جائز سمجھ سکتے ہیں یا وہ لوگ جو تاریخ کو اپنی خواہشوں کے مطابق دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان غلو پسندوں کا بیان ہے کہ وہ لوگ جو حضرت عثمان والے ہنگامے کے کرتا دھرتا تھے، یہ دیکھ کر کہ صلح ہونے جا رہی ہے بہت ہراساں ہوئے اور ڈرے کہ کہیں صلح کے نتیجہ میں ہماری شامت نہ آجائے لہٰذا ان لوگوں نے تاریکی شب میں خفیہ اجلاس کر کے رائے مشورہ کیا، جس طرح پیغمبر خداؐ کے متعلق اکابر قریش نے دارالندوہ میں اکٹھا ہو کر صلاح و مشورہ کیا تھا اور شیخ نجدی کے بھیس میں اسی بزم میں ابلیس بھی موجود تھا اور اس نے بھی رائے دی تھی۔ اس خفیہ جماعت کا ابلیس وہ یہودی تھا جو از راہ فریب مسلمان ہوا اور جس نے شہر شہر گھوم کر لوگوں کے عقائد خراب کیے اور انہیں حضرت عثمان کے خلاف صف بستہ کیا یعنی عبداللہ بن سبا جو[1] ابن السوداء کے نام سے بھی مشہور ہے۔

---

[1] ڈاکٹر طہٰ حسین نے اپنی کتاب "الفتنۃ الکبریٰ" جلد اول و دوم دونوں میں متعدد مقامات پر عبداللہ بن سبا کے متعلق خدا لگتی باتیں لکھی ہیں۔ بے جا نہ ہوگا اگر ہم ان عبارتوں کو بھی یہاں نقل کرتے چلیں۔

الفتنۃ الکبریٰ جلد اول میں لکھتے ہیں:

''میرا خیال ہے کہ جو لوگ ابن سبا کے معاملہ کو اس حد تک بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں وہ اپنے اوپر بھی انتہائی زیادتی کرتے ہیں اور تاریخ پر بھی۔ سب سے پہلے ہماری نظر تو اس بیان پر پڑتی ہے کہ متقدمین علماء کی بڑی بڑی کتابیں جو بعد کے مصنفین کا ماخذ بنیں، ان میں ابن سبا کا کوئی ذکر موجود نہیں۔ نہ تو

ابن سعد نے عہد عثمان کے واقعات اور ان سے لوگوں کی برگشتگی اور برہمی کے سلسلہ میں ابن سبا کا تذکرہ کیا اور نہ علامہ بلاذری نے کتاب انساب الاشراف میں، حالانکہ ہمارے خیال میں بلاذری کی کتاب تمام مصادر و ماخذ میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے اور اس میں حضرت عثمان کے عہد کے حالات اور لوگوں کی مخالفت اور ان کی ناراضی کا بیان بھی کافی تفصیل سے مذکور ہے۔

صرف علامہ طبری نے ابن سبا کے واقعات کو سیف بن عمر کے حوالہ سے بیان کیا ہے اور طبری کے بعد جتنے مورخین آئے سبھی نے طبری ہی سے ابن سبا کے واقعات نقل کیے۔ ہم نہیں کہہ سکتے حضرت عثمان کے زمانہ میں ابن سبا کو کوئی اہمیت تھی بھی یا نہیں لیکن ہمیں اس بات کا ضرور یقین ہے کہ بفرض محال اگر اسے کچھ اہمیت حاصل تھی بھی تو یہ اہمیت کچھ وزن نہیں رکھتی تھی اور نہ حضرت عثمان کے عہد کے مسلمان ایسے سادہ لوح تھے کہ ایک یہودی شخص جو تازہ تازہ مسلمان ہوا تھا وہ ان کے عقول اور معتقدات سے کھیلنے لگتا۔ یہ یہودی پوری طرح مسلمان بھی نہ ہوا تھا کہ فتنہ اور فساد پھیلانے اور اطراف و اکناف میں مکر و فریب کا جال بچھانے پر کمر بستہ ہو گیا۔

اور سب سے بڑھ کر حیرت انگیز تعجب خیز جو بات عبداللہ بن سبا کے متعلق بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ابن سبا ہی نے جناب ابوذر کو معاویہ پر اعتراضات تعلیم کیے۔ معاویہ کے کہنے پر کہ ان المال مال اللہ مال سب خدا کا مال ہے، ابن سباہی نے جناب ابوذر کو سکھایا کہ آپ یہ جواب دیجئے کہ انہ مال المسلمین نہیں یہ مسلمانوں کا مال ہے۔ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ جناب ابوذر کی امراء و اغنیاء کی مخالفت اور سونا چاندی ذخیرہ کرنے والوں کو آتش جہنم کی دھمکی اور ان کی تمام مذمت و تنقیص یہ سب ابن سبا کی تعلیمات کا نتیجہ تھیں۔ جناب ابوذر پر محدثین نے یہ جو زیادتی کی ہے اپنا جواب نہیں رکھتی۔ ابوذر ایسا جلیل القدر صحابی اور اسے ایک نو مسلم سکھائے کہ مالداروں پر فقیروں کا بھی حق ہے اور جو لوگ سونا چاندی خزانوں میں جمع کر کے رکھتے ہیں راہ خدا میں صرف نہیں کرتے خدا انہیں دردناک عذاب کی بشارت دیتا ہے۔ نیز یہ کہ وہ مال جو مسلمان دشمنوں پر فتحیاب ہو کر حاصل کریں یا جو مال اہل اسلام بیت المال کو بطور زکوۃ یا خراج ادا کریں یا کفار ذمی بیت المال میں جو جزیہ یا خراج داخل کریں وہ سب مسلمانوں کا ہے، مسلمانوں کو اس کی اطلاع دینا بلکہ فوراً مسلمانوں پر تقسیم کر دینا واجب ہے۔

ابوذر اس کے محتاج نہ تھے کہ ایک نو مسلم انہیں تعلیم دے، انہیں وہ حقائق تعلیم کرے جو دین اسلام کی ابتدائی چیزیں ہیں۔ ابوذر تمام انصار سے پہلے مسلمان ہوئے اور بہت سے مہاجرین سے پہلے اسلام لائے تھے۔ مدت دراز تک پیغمبرؐ کی صحبت میں رہے۔ قرآن بہت اچھی طرح حفظ کیا۔ پیغمبرؐ کی بے شمار حدیثیں سنیں اور متیقن طریقہ پر ان کی روایت کی۔ پیغمبرؐ اور حضرت ابوبکر و عمر کی جو روش اموال و حقوق کے متعلق رہی وہ آنکھوں سے دیکھی اور حرام و حلال کو جس طرح دیگر صحابہ کرام نے پہچانا انہوں نے بھی پہچانا، لہٰذا جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا ابوذر سے ملا اور اپنے بعض معتقدات ان کی ذہن نشین کیے وہ اپنے نفس پر بھی ظلم کرتے ہیں اور جناب ابوذر پر بھی اور عبداللہ بن سبا کو اس اونچے درجہ پر پہونچا دیتے ہیں جس کا خود ابن سبا نے بھی کبھی تصوّر نہ کیا ہوگا.....

میرا قوی گمان یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا نے، اس کے متعلق جو باتیں کی جاتی ہیں اگر وہ صحیح بھی ہوں تو، جو کچھ کہا سو کہا اور جو کچھ کیا سو کیا۔ اس وقت جب فتنہ رونما اور اختلاف پیدا ہو چکا تھا اس نے اس فتنہ کی آگ کو صرف بھڑکایا تھا سلگایا نہ تھا۔ اسی طرح قوی گمان ہے کہ اموی اور عباسیوں کے دور حکومت میں شیعوں کے دشمنوں نے عبداللہ بن سبا کے معاملہ میں بہت مبالغہ آمیزی کی۔ اس کے حالات بہت بڑھا چڑھا کر بیان کیے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ مدنظر تھا کہ حضرت عثمان اور ان کے عمال کی طرف جن خرابیوں کی نسبت دی جاتی ہے اور ناپسندیدہ باتیں جو ان کے متعلق مشہور ہیں ان کے متعلق لوگ شک و شبہ میں پڑ جائیں۔ دوسرا فائدہ یہ کہ علیؑ اور ان کے شیعہ لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہوں۔ نہ معلوم شیعوں کے دشمنوں نے شیعوں پر کتنے غلط الزامات لگائے اور نہ جانے شیعوں نے کتنی غلط باتیں اپنے دشمنوں کی طرف عثمان وغیرہ کے معاملہ میں منسوب کیں۔

ہمیں اس مرحلہ پر احتیاط بہت ضروری ہے۔ ہم صدر اول کے مسلمانوں کو اس سے کہیں بلند و برتر سمجھتے ہیں کہ یمن سے آنے والا ایک شخص جس کے ماں

باپ یہودی تھے، جس کی ماں حبشن تھی، جو مدتوں یہودی رہ کر دھوکا فریب کی خاطر مسلمان ہوا تھا، ان کے دین و مذہب کا مذاق اڑائے، ان کی عقل و دولت سے کھل کھیلے اور اسے اپنے مقاصد میں اتنی خاطر خواہ کامیابی ہو کہ سلطنت کا تختہ الٹ دے اور مسلمانوں کو ان کے خلیفہ سے اتنا برگشتہ کر دے کہ وہ اپنے ہاتھوں ان کے قتل پر آمادہ ہو جائیں۔ یہ سب باتیں عقل میں نہیں آتیں، نہ پرکھنے پر درست قرار پاتی ہیں نہ ان پر تاریخ کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔" (الفتنۃ الکبریٰ جلد اول، عثمان، ص ۱۳۴ تا ۱۳۲)

اسی کتاب کی دوسری جلد میں ڈاکٹر صاحب موصوف رقمطراز ہیں:

"جنگ صفین میں سبائیوں اور ابن سبا کے ذکر سے مورخین نے جو اعراض کیا ہے، اس سے کم سے یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے کہ ابن سبا بالکل فرضی اور من گڑھت چیز ہے اور جب فرقہ شیعہ اور دیگر اسلامی فرقوں میں جھگڑے چل رہے تھے اس وقت اسے جنم دیا گیا۔ شیعوں کے دشمنوں کا منشاء یہ تھا کہ شیعوں کے اصول مذہب میں یہودی عنصر داخل کر دیا جائے۔ یہ سب کچھ بڑی زبردست چالبازی و مکرو فریب کی صورتیں تھیں محض شیعوں کو زچ کرنے کے لئے ورنہ اگر ابن سبا کا معاملہ کسی صحیح بنیاد پر مبنی ہوتا اور معتبر تاریخ سے اس کا پتہ چلتا تو لازمی طور پر اس فرقہ کا اثر و نشان اور اس کا مکرو فریب جنگ صفین میں ضرور ظاہر ہوتا، خصوصاً معاملہ تحکیم کے موقع پر جب اصحاب علیؑ میں اختلاف رونما ہوا اس وقت بھی فطری طور پر اس فرقہ کا وجود ہونا چاہئے تھا لیکن ہم خوارج کے معاملہ میں ابن سبا کا کوئی وجود نہیں پاتے۔ تمام تاریخیں اس موقع پر اس کے ذکر سے خاموش ہیں۔ اس خاموشی کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے؟ اور واقعہ صفین اور واقعہ خوارج کے موقع پر ابن سبا کے غائب ہونے کی کیا وجہ بیان کی جا سکتی ہے۔ ہم تو صرف ایک ہی نتیجہ پر پہونچتے ہیں اور وہ یہ کہ ابن سبا محض وہمی چیز ہے اور اگر بالفرض اس نام کا کوئی شخص موجود بھی رہا ہو تو اسے ایسی اہمیت ہرگز حاصل نہیں جیسی کہ مورخین تصویر کشی کرتے ہیں اور قتل عثمان اور حضرت علیؑ کی خلافت کے پہلے سال میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ابن سبا ایک ہوا ہے جسے شیعوں کے دشمنوں نے محض شیعوں کے لئے تلاش کیا اور خوارج کے لئے نہیں کیونکہ خوارج تو مسلمانوں کی جماعت میں داخل نہ تھے نہ انہیں خلافت و سلطنت سے کوئی غرض تھی۔ وہ تو ایسی قوم تھے جو ہر خلافت پر غضبناک اور ہر حکومت کی باغی تھی۔ وہ خلفاء و سلاطین سے آمادہ پیکار رہا کرتے جتنی بھی گنجائش انہیں نصیب ہوتی۔ پھر ان خوارج کی بعد میں کوئی اہمیت بھی باقی نہیں رہی۔ بنی امیہ کے ختم ہوتے ہوتے وہ بھی برائے نام باقی رہے۔ بنی عباس کی حکومت آتے آتے ان کا معاملہ انتہائی ضعیف ہو گیا۔ اب صرف متکلمین کی کتابوں میں ان کا وجود باقی ہے لہٰذا وہ خوارج بہرحال ایسی جماعت نہیں تھے کہ ان سے اختلاف و نزاع اتنے شدید جدال کے درجہ تک پہونچ جاتی جیسا کہ شیعوں کے ساتھ نوبت آئی۔" (الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم، ص ۹۸ و ۹۹ و ۱۰۰)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

سچی بات یہ ہے کہ بنی عباس کی سلطنت استوار ہو جانے کی بعد شیعہ اور سنی کی باہمی عداوت نے نت نئے رنگ، جنگ و جدال، پروپاگنڈہ بازی اور تبلیغ کے بدلے مکرو فریب، اختراع و افتراء کی بہتات ہو گئی۔ اتنی کہ انصاف پسند مورخ پر لازم ہے کہ جب وہ شروع زمانہ اسلام کی تصویر کشی کرنے بیٹھے تو انتہائی احتیاط سے کام لے۔ اس سے بڑھ کر اور آسان بات کیا ہو گی کہ عراق والے شام والوں کو جھوٹی تہمت لگائیں اور شام والے عراق والوں کو، خصوصاً اس وقت جبکہ صدیاں گذر چکی ہیں، مدت طولانی ہو چکی ہے اور صحیح واقعات کی چھان بین بے حد دشوار ہے۔

جو لوگ پیغمبر خدا پر تہمت لگائی اور حضرتؐ کی طرف منسوب کر کے جھوٹی حدیثیں گڑھنی اپنے لئے مباح جانتے ہیں وہ شام و عراق والوں کے خلاف باتیں گڑھنے میں کون سی دشواری محسوس کر سکتے ہیں۔ جو کچھ بھی ہو علامہ بلاذری نے نہ تو حضرت عثمان کے زمانے کے فتنہ و فساد کے ضمن میں نہ حضرت علیؑ کے عہد خلافت کے تذکرہ کے موقع پر عبداللہ بن سبا کا ذکر کیا۔ طبری اور طبری کے وہ رواۃ جن سے طبری نے اس قصہ کو حاصل کیا نیز وہ مورخین جنہوں نے اس قصہ کو لیا، سبھی ابن سبا اور اس کے اصحاب کے قصہ کو حضرت عثمان کے زمانہ کے فتنہ و فساد کے ضمن میں اور حضرت علیؑ کی خلافت کے پہلے سال کے تذکرہ میں بیان

کرتے ہیں اور اس کے بعد گول کر جاتے ہیں۔کسی کو بھی ابن سبا اور اس کے اصحاب یاد نہیں رہتے۔محدثین ومناظرین بھی طبری اور اس کے خوشہ چینوں کے ہمنوا ہیں، طبری کے بیان کیے ہوئے قصہ کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔بس فرق یہ ہے کہ محدثین وارباب مناظرہ طبری کی بیان کی ہوئی باتوں کے علاوہ اپنی طرف سے بھی ایک نرالی بات بیان کرتے ہیں جس میں وہ منفرد ہیں۔وہ یہ کہ ابن سبا اور اس کے پیرو حضرت علیؑ کی الوہیت کے قائل ہو گئے اور علیؑ نے ان کو آگ میں جلا دیا۔لیکن اگر آپ تاریخ کی کتابوں میں محدثین اور مناظرین کے اس چھوڑے ہوئے شگوفے کو تلاش کریں تو کہیں بھی پتہ نہ ملے۔ہمیں تو کہیں سے بھی نہ معلوم ہوسکا کہ حضرت علیؑ کے مختصر زمانہ خلافت میں کس سال ان غالیوں کا فتنہ رونما ہوا۔شروع زمانہ اسلام میں لوگوں کو آگ سے جلا دینا پھر وہ بھی اصحاب پیغمبرؐ اور صالح مومنین کی موجودگی میں ایسی معمولی بات نہیں کہ موزخین اس سے غافل رہتے اور اسے اپنی کتابوں میں ذکر نہ کرتے اور ماہ وسال کی تعیین نہ کرتے بلکہ بالکل ہی مکمل سکوت اختیار کرتے ہیں۔موزخین کی تمام لمبی چوڑی داستان کا خلاصہ بلاذری نے مختصر لفظوں میں یہ بیان کیا ہے کہ کوفہ کے کچھ لوگ مرتد ہو گئے۔حضرت علیؑ نے انہیں قتل کر ڈالا۔مرتد ہو جانے والوں کے متعلق اسلام نے جو حکم دیا ہے وہ ہر شخص جانتا ہے وہ یہ کہ مرتد شخص سے پہلے توبہ کرائی جائے گی۔اگر اس نے توبہ کر لی تو جان بخشی کر دی جائے گی۔اگر توبہ نہیں کی تو قتل کر ڈالا جائے گا۔لہٰذا اگر حضرت علیؑ کے زمانے میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے ہوں اور آپ نے حکم اسلام پر عمل کرتے ہوئے انہیں قتل کر ڈالا ہو تو کون سے تعجب کی بات ہے۔بشرطیکہ یہ قصہ صحیح بھی ہوا گرچہ بلاذری نے اس قصہ کو بیان کرتے ہوئے مرتد ہو جانے والوں میں سے کسی کا نام نہیں بتایا اور نہ اس کی صراحت کی کہ یہ واقعہ کب پیش آیا تھا۔بلاذری نے مطلقاً یہ واقعہ بیان کر دیا ہے جس پر یقین لانا بھی مشکل ہے۔" الفتنۃ الکبریٰ مطبوعہ مصر، ص ۹۸ تا ۱۰۲، جلد دوم۔

یہ جماعت رائے مشورہ کرتی رہی۔جو رائے پیش ہوئی اسے ابلیس جماعت (یعنی ابن سبا) نے ناکارہ قرار دیا یہاں تک کہ ایک ایسی رائے پیش ہوئی جو ابن سبا کو بہت پسند آئی، جس طرح دارالندوہ کے اجلاس میں شیخ نجدی نے ابوجہل کی رائے کو پسند کیا تھا۔رائے یہ تھی کہ پوری طرح تیاری کر لی جائے اور ان تیاریوں کی کسی کو کانوں کان خبر نہ معلوم ہو اور جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے آ کر کھڑی ہوں تو علیؑ کی اجازت کے بغیر جنگ چھیڑ دی جائے۔اسی طرح ان لوگوں نے اس جنگ کی آگ بھڑ کائی اور دونوں فریق کے درمیان حائل ہو گئے جبکہ ہر فریق صلح پر آمادہ تھا۔"

یہ قصہ جس قدر بناوٹی ہے اور اس کے اختراع میں جس قدر تکلف سے کام لیا گیا ہے اس کے بیان کرنے حاجت نہیں۔علیؑ ابن ابی طالبؑ اور نہ ان کے اصحاب نہ ایسے بھولے بھالے تھے نہ غفلت شعار کہ ان کے کیمپ میں سازش ہوتی رہی اور انہیں پتہ تک نہ چلا۔سیدھی سیدھی بات وہی ہے جسے اعتدال پسند موزخین نے بیان کیا ہے کہ دونوں فریق طلحہ وزبیر اور حضرت امیرالمومنینؑ کی بصرہ کے پاس مڈبھیڑ ہوئی۔دونوں کئی دن تک رکے رہے اور اس دوران میں بحث ومباحثہ ہوتا رہا لیکن کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہوا اور جو کچھ ہوا تھا سو ہوا۔(الفتنۃ الکبریٰ، جلد دوم)

استاذ عبدالفتاح عبدالمقصود لکھتے ہیں:

"راویوں نے اس موقع پر ابن سبا کے متعلق بڑی مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔یہ صحیح ہے کہ ابن سبا بڑا مکار، پکا دشمن اسلام تھا لیکن یہ کہنا کہ ہر فتنہ کے پیچھے اسی کا ہاتھ کام کر رہا تھا بہت مشکل ہے۔اس کو چاہے جتنا ہی مفسد وفتنہ انگیز اور خطرناک قرار دیا

جائے پھر بھی وہ فتنوں کا خالق نہ تھا اور نہ اس کی قدرت اسے حاصل تھی۔ وہ فتنوں کی تاک میں رہتا تھا، جہاں اس نے دیکھا کہ کوئی فتنہ رونما ہوا وہ اس فتنہ کو اور ہوا دے دیتا تھا۔ یہی حالت اس کی عہد عثمان میں تھی اور یہی کیفیت اس کی اس (جنگ جمل) کے موقع پر تھی۔ یہ بالکل غلط ہے کہ ہم اتحاد اور ملاپ کا اسی کو تنہا دشمن سمجھیں۔ وہ تو ان بے شمار لوگوں میں سے ایک شخص تھا جو اپنی غرض میں اندھے ہو رہے تھے اور ان کی تمام تر کوشش اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کا یہ اختلاف و افتراق جتنا ہو سکے بڑھتا ہی جائے۔ اگر اس وقت لوگوں کی نیتیں خالص ہوتیں اور مسلمان اتحاد اور یگانگت ہی پر متفق ہو جاتے تو تن تنہا ابن سبا کی مجال نہ تھی کہ اس اتحاد میں رکاوٹ ڈال سکے۔ اس کی کوشش ایسی ہی رائیگاں جاتی جیسا سمندر میں ایک کنکری۔ لیکن تاریخ نے اسے دوسرے لباس میں پیش کیا ہے اور معلوم ہوتا ہے جیسے وہ واحد سبب تھا اور محض اسی کی وجہ سے اصحاب جمل اور امیر المومنینؑ کے درمیان صلح واقع نہ ہو سکی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ ابن سبا نے ان تمام لوگوں سے جو قتل عثمان میں شریک ہوئے تھے ساز باز کر رکھی تھی اور ان کے ذہن نشین کرا دیا تھا کہ اگر صلح ہو گئی تو ہم لوگوں کی خیر نہیں۔ صلح کی بنیادی شرط یہ ہے کہ عثمان کے قاتلوں سے قصاص لیا جائے لہٰذا اگر صلح ہوئی تو ہم لوگوں کو جان بچانا محال ہو جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ رات کے سناٹے میں جب دونوں طرف کی فوجیں سو رہی ہوں لڑائی چھیڑ دی جائے۔ ہمیں اس سے انکار نہیں کہ وہ یہودی ابن سبا اس قسم کی سازش کر سکتا تھا اور کچھ کمزور دماغ والوں کی عقلوں سے کھیل بھی سکتا تھا لیکن اس سازش کی کہانی میں بہت سی ایسی باتیں بھی ہیں جو حقیقت سے متجاوز ہو گئی ہیں اور ہم پوری کہانی سننے کے بعد یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ محض خیال کی پیداوار اور خصوصی اغراض کو پیش نظر رکھ کر تصنیف کی گئی ہے۔ جب ہم اس سازش کے ممبران کے ناموں کو دیکھتے ہیں تو ان میں ہمیں مالک اشتر نخعی کا نام بھی نظر آتا ہے جو حضرت امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سب سے زیادہ مخلص و وفادار تھے۔ ہر انسان یہ یقین کرنے پر مجبور ہے کہ مالک اشتر کا نام اس روایت میں بعد کے زمانے میں بڑھایا گیا، صرف اس لئے کہ ان کا دامن داغدار ہو جائے اور ایسے شکوک و شبہات کی فضا قائم کر دی جائے جس سے علیؑ کی پوزیشن کمزور معلوم ہو۔ لوگ یہی سمجھیں کہ علیؑ بھی قاتلین عثمان کے طرفدار تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن سبا کی سازش میں اشتر کی شرکت سب سے بڑا جھوٹ ہے، اس کا ثبوت خود مالک اشتر کا کردار ہے اور امیر المومنینؑ کی سیرت ہے۔ اشتر قطعی طور پر عثمان کے قتل میں شریک نہ تھے نہ ان کے دامن پر ان کے خون کی ذرا ابھی چھینٹ ہے۔ اشتر بس ان لوگوں میں سے تھے جو حضرت عثمان کی بے توجہی اور ان کے مقرر کردہ گورنروں کے مظالم کے شاکی تھے جس طرح ہر صوبہ اور ہر شہر کے باشندے اپنے یہاں کے گورنر کی زیادتیوں پر ناراض تھے اسی طرح اشتر بھی اپنے شہر کے

گورنر سعید بن عاص کے مظالم سے تنگ تھے۔جس طرح دیگر شہروں کے مظلوم مسلمان فریاد لیکر بارگاہ خلافت میں پہونچے اسی طرح یہ بھی۔یہ اشتر ایسے انسان نہ تھے جس کا ظاہر کچھ ہو اور باطن کچھ ہو اور جو سازشی کاروائیوں کا ماہر ہو۔یہ تو بہادر و جوانمرد تھے جو دل میں آتا علانیہ کہتے، چھپاتے نہیں، چاہے علانیہ اظہار میں انہیں نقصان ہی کیوں نہ پہونچا ہو اور خلیفہ وقت (عثمان) اور ان کے حاشیہ نشینوں کے غیض وغضب کا نشانہ ہی کیوں نہ بن گئے ہوں۔دیکھیے، انہوں نے اپنے ایک خصوصی خط میں حضرت عثمان کے انتظام مملکت کی کتنی کھری تنقید اور ان کی سیاست پر کھل کر کس طرح اعتراض کئے ہیں۔

حضرت عثمان نے مالک اشتر اور ان کے رفقاء کے نام ایک خط لکھا جس میں انہیں فرمانبرداری کی تلقین کی تھی اور خدا سے ڈرایا تھا اور لکھا تھا کہ تم ہی لوگوں نے افتراق واختلاف کی ابتدا کی ہے۔اس کے جواب میں مالک اشتر نے لکھا:

”مالک حارث کی طرف سے اس خلیفہ کی طرف جو سرگشتہ، خاطی، سنت پیغمبرؐ سے کنارہ کش اور احکام قرآنی کو پس پشت ڈالنے والے ہیں۔آپ کا خط ہم نے پڑھا، آپ اپنے نفس کو اپنے عاملوں کو ظلم وسرکشی اور نیکوکار مومنین کو شہر بدر کرنے سے روکیے، ہمیں آپ کی اطاعت میں کوئی عذر نہ ہوگا۔آپ نے کہا ہے کہ ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا، آپ کی انہیں بدگمانیوں نے آپ کو تباہ و برباد کیا، آپ جو ظلم وجور کو عدل اور باطل کو حق سمجھتے ہیں۔رہ گیا یہ کہ ہم آپ سے محبت کریں تو اگر آپ اپنی حرکتوں سے باز آئیں، توبہ کریں اور ہمارے نیکوکار افراد پر جو مظالم ڈھائے ہیں ہمارے صالحین کو شہر بدر کیا ہے اور ہمیں ہمارے گھروں سے نکال باہر کیا ہے چھوکروں کو ہم پر حاکم مقرر کیا ہے۔ان امور کے متعلق اگر خدا سے استغفار کریں اور ہمارے شہروں پر جنہیں ہم چاہتے ہیں مقرر کر دیں تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں آپ اپنے سعید و ولید اور اپنے حمایتیوں کو ہم سے دور ہی رکھیے۔

(کتاب الانساب، جلد ۵، ص ۴۶)

اب کسی کے سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ کہاں تو مالک اشتر حضرت عثمان کے خلاف غداری دل میں چھپائے اور ان کی ہلاکت کے لئے سازشیں کرتے پھرتے تھے اور کہاں ان کو اتنی سچی اور خلوص بھری نصیحت کہ اگر حضرت عثمان ان کی نصیحت قبول کر لیے ہوتے تو عظمت اور جلالت اور بڑھ جاتی اور ان کے حالات اور سنور جاتے اور وہ لوگوں کی نظروں میں پسندیدہ محبوب بن جاتے۔

ایک شخص جو اپنے دشمن پر بھرپور وار کرنے کا تہیہ کیے ہوتا ہے وہ اپنے منصوبوں کو چھپاتا اور دشمن کو اور زیادہ ڈھیل دیے ہوتا ہے؟ یا برعکس اس کے نصیحت وخیر خواہی کرتا ہے؟

مالک اشتر اس قسم کے آدمی ہی نہ تھے۔ان کی تو خواہش محض یہ تھی کہ خلیفہ وقت ٹھیک ہو جائیں تو رعیت بھی ٹھیک ہو جائے گی۔اس کے بعد جب ہم ان اسباب کی چھان بین کرتے ہیں جن کے تحت اشتر عثمان کے مخالف ہوئے اور رفتہ رفتہ پورے

دشمن بن گئے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی مخالفت محض اپنے وطن کی محبت کی بنا پر تھی۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ موجودہ گورنر کو ہٹا کر دوسرا گورنر بھیج دیا جائے جو کوفہ کے انتظامات کو بہتر طریقہ پر کر سکے۔ حضرت عثمان نے آخر میں اس درخواست کو منظور بھی کر لیا تھا اور سعید کو ہٹا کر ابو موسیٰ کو گورنر مقرر کر دیا تھا۔ اب اس رد و بدل کے بعد مخالفت کی کوئی وجہ ہی باقی نہ رہ گئی تھی چہ جائے کہ وہ غداری اور سازش کرتے پھرتے۔

حضرت عثمان اور مالک اشتر میں صلح وصفائی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت عثمان کے حالات جب بہت پیچیدہ ہو گئے اور محاصرہ سخت ہو گیا تو مالک اشتر کو بلا کر مشورہ طلب کیا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور یہ بلا ہم سے کیسے دور ہو؟ بلوائی کیسے یہاں سے ہٹیں؟ حضرت عثمان نے پوچھا:

"آخر یہ لوگ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

اشتر نے صاف صاف کہا:

"تین باتوں سے کوئی ایک بات آپ کو کرنا ہی پڑے گی۔"

حضرت عثمان نے پوچھا: "وہ تین باتیں کیا ہیں؟"

"یہ بلوائی کہتے ہیں کہ یا تو آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیے، خلافت کا معاملہ مسلمانوں پر چھوڑ دیجیے۔ وہ جسے پسند کریں خلیفہ بنا لیں، یا ان پر جو زیادتیاں ہوئی ہیں ان کا بدلہ چکائیے۔ اگر ان دو باتوں سے آپ نے انکار کیا تو پھر وہ لوگ آپ سے جنگ کریں گے۔

حضرت عثمان نے پوچھا:

"کیا ان تین باتوں میں سے ایک نہ ایک ماننی ہی پڑے گی؟"

اشتر نے کہا:

"ہاں کوئی ایک تو بہر حال ماننا ہی پڑے گا۔"

لہٰذا اگر حضرت عثمان مالک اشتر سے بدظن ہوتے تو کبھی ان سے مشورہ نہ لیتے۔ نیز مشورہ دینے والے یعنی اشتر اگر دل میں غداری چھپائے ہوتے تو بلوائیوں کی صحیح کیفیت کبھی ان سے بیان نہ کرتے بلکہ ان کے منصوبوں کو ان سے چھپاتے اور حتی الامکان دھوکہ میں رکھتے۔

حقیقت یہ ہے کہ مالک اشتر متقی و پرہیزگار اور امین و دیانت دار انسان تھے اور حضرت عثمان کی مخالفت سے غرض محض

خدا کی خوشنودی، حضرت عثمان کی بھلائی اور مسلمانوں کی بہبود تھی۔ اور یہی ان کے کردار اور سیرت کے شایان بھی تھا اور امیر المومنینؑ نے ان پر جو اتنا گہرا اعتماد کیا، وہ بھی ان کی بلند کرداری اور پاکیزگی سیرت کی وجہ سے۔ حضرت کی فراست لوگوں کی نفسیات اور طبائع کو بہت اچھی طرح سمجھتی تھی۔ حضرتؑ امیر المومنین جو حضرت محمد مصطفیٰؐ کے مقرب بارگاہ اور سب سے بڑھ کر ان کے چہیتے تھے جو محمد مصطفیٰؐ کے بعد فضائل وعادات کے لحاظ سے پاک پاکیزہ طاہر ومطہر تھے۔ کیا ان کے متعلق کسی کو وہم وگمان بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک غدار شخص کو اپنا مقرب بارگاہ بنائیں اور سب سے بڑھ کر اپنا مخلص سمجھیں؟ مالک اشترؒ کی شہادت کی خبر سن کر امیر المومنینؑ نے ان کے متعلق کہا تھا: ''کان الاشتر لی کما کنتُ لرسول اللہ۔'' اشتر میرے لئے ایسے ہی تھے جیسے میں رسول اللہؐ کے لئے تھا۔

اصل بات یہ ہے کہ جتنی روایتیں مالک اشتر کے دامن کو داغدار بناتی ہیں وہ سب وہم کی پیداوار ہیں یا پھر ایسے عقل کی تخلیق ہیں جو افتراء و بہتان کی دلدادہ اور سپید جھوٹ کے عادی ہیں اور ان تمام روایتوں کی غرض وغایت محض یہ ہے کہ اشتر کی جو قدر و منزلت تھی وہ گھٹ جائے۔ بنی امیہ کی فطرت وطبیعت سے یہ چیز کوئی بعید بھی نہیں۔'' (الامام علیؑ بن ابی طالبؑ، جلد سوم)

فلیتہ کو آگ کس نے دکھائی، عبداللہ بن سبا نے، اس کے علاوہ کسی شخص یا کئی اشخاص نے؟ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس کی تحقیق میں وقت ضائع کیا جائے۔ اگر عبداللہ بن سبا نہ بھی ہوتا تو جنگ بہر حال چھڑ کے رہتی۔ اس وقت نہ سہی دو ایک دن یا دو ایک گھنٹہ بعد سہی، ابن سبا کو ناحق ہی الزام دیا جاتا ہے۔ کیا اس کے علاوہ اور بھی، بہت سے لوگ وہاں موجود نہ تھے جو لڑائی چھڑ جانے کے لئے انتہائی بے چین تھے؟ ایک نہیں بہتیرے تھے اور ان میں سب ابن سبا کی طرح گمراہ اور منافق نہیں بلکہ عبداللہ ابن زبیر ایسے لوگ بھی تھے جو دنیائے اسلام میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ یہ عبداللہ بن زبیر ان بہت سے لوگوں میں سے ایک تھے جو جنگ کے لئے ماہیٔ بے آب کی طرح مضطرب تھے۔ جس وقت زبیر نے جنگ سے کنارہ کشی کا تہیہ کر لیا تو عبداللہ بن زبیر نے وہ سخت، شدید باتیں انہیں سنائیں کہ شاید ہی کسی باپ کو اپنے بیٹے سے سننے میں آئی ہوں۔ امیر المومنینؑ سے گفتگو کے بعد زبیر کا ہیجان کافور ہو چکا تھا اور انہوں نے قسم کھائی تھی کہ علیؑ سے جنگ نہ کریں گے۔

انہوں نے طلحہ اور عبداللہ بن زبیر وغیرہ سے کہا:

''اس لڑائی میں میری عقل کام نہیں کر رہی ہے۔''

عبداللہ بن زبیر نے کہا:

''جب دونوں فریق کو جمع اور ایک کو دوسرے کا دشمن بنا دیا اور خون ریزی بھی کرا چکے تو اب جان بچا کر نکل جانا چاہتے ہیں۔

آپ آئے تو تھے سوچ سمجھ کر لیکن یہاں آنے کے بعد علی بن ابی طالبؑ کے علموں کے پھریروں سے ڈر گئے۔ آپ نے سمجھ لیا کہ وہ لوگ بہت بہادر ہیں۔ موت کا خوف آ گیا جس سے ساری بہادری جاتی رہی۔"

زبیر لاکھ کہتے رہے کہ میں نے قسم کھالی ہے مگر عبداللہ نے ان کا کوئی عذر قبول نہ کیا بلکہ کہا: آپ قسم کے کفارہ میں اپنے غلام مکحول کو آزاد کر دیجیے اور مقابلہ کیجیے۔ (سیرۃ علویہ ص ۲۵۱ / الامام علی ابن ابی طالبؑ، جلد سوم وغیرہ)

یہ ایک نمونہ ہے جس سے ہم بآسانی اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس وقت ان لوگوں کی دلی کیفیات کیا تھے؟ ابن زبیر کے ایسے بہت سے لوگ جنہیں صلح کسی طرح منظور نہ تھی اگر عبداللہ بن سبا میدان جنگ سے غائب بھی ہوتا اور شب کی تاریکیوں میں اپنی سازشوں کا جال نہ بھی پھیلاتا تو صبح ہوتے ہوتے یہی لوگ جنگ کی آگ بھڑکادے۔[1]

عبداللہ بن سبا کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے شب میں سازش کر کے لڑائی چھیڑ دی مگر حقیقت یہ ہے کہ رات آنے سے پہلے ہی اصحاب جمل کی طرف سے جنگ کا آغاز ہو گیا تھا۔ مورخین کے بیانات موجود ہیں کہ جھڑپ صبح سویرے ہی ہو چکی تھی رات کے آنے کے بہت پہلے۔ دونوں صفیں ایک دوسرے کے مقابل بھی نہ ہوئی تھیں کہ امیر المومنینؑ کے ہمراہیوں میں سے کئی اشخاص اصحاب جمل کی تیروں کا نشانہ بن گئے۔

ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:

وکان علیؑ ذالک الیوم حین استیأس من طلحۃ و عرف انہ یأبی الا الحرب قد کف اصحابہ کفاً شدیداً عن ان یبدؤا بالقتال حتی یأمرھم و جعل شباب اھل البصرۃ والسفھاء منھم خاصۃ یحاولون انشاب القتال فینضحون اصحاب علی بالنبل حتی اصابوا منھم نفراً۔ (الفتنۃ الکبریٰ، جلد دوم، ص ۵۱)

حضرت امیر المومنینؑ اس صبح کو جب آپ طلحہ کی طرف سے بالکل مایوس ہو گئے اور یہ یقین ہو گیا کہ وہ بغیر جنگ کیے نہ مانے گے، آپ اپنے اصحاب کو بہت سختی سے روکے ہوئے تھے کہ جب تک میں جنگ کی اجازت نہ دوں لڑائی ہرگز نہ چھیڑی جائے۔ ادھر بصرہ کے لوگ بے چین تھے کہ کسی طرح جنگ چھڑے۔ وہ علیؑ کے اصحاب پر تیروں کا مینہ برساتے یہاں تک کہ انہوں نے علیؑ کی طرف کے کئی اشخاص کو قتل بھی کر ڈالا۔

مگر امیر المومنینؑ نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ اپنے ہمراہیوں کو روکے رہے۔ آپ کو اب بھی امید تھی کہ ممکن ہے میری نرمی و ملائمت انہیں نرم بنادے اور ان کے دل صلح کے لئے آمادہ ہو جائیں۔ آپ کی بڑی تمنا تھی کہ کاش یہ لوگ اتنا کچھ گذرنے کے

---

[1] "دیتے" ہونا چاہیے۔ متن میں "دے" ہی لکھا ہوا ہے، جسے حفظ امانت کے تحت باقی رکھا گیا ہے۔

بعد بھی عقل سے کام لیں۔ بصرہ میں پہونچنے کے فوراً بعد ہی آپ نے بڑے خلوص سے بارگاہ الٰہی میں دعا کی تھی کہ گمراہوں کو خداوند عالم راہ راست دکھائے اور نافرمانوں کو سرکشی سے باز رکھے۔ یہ خونریزی جو ہونے والی ہے اس کی نوبت نہ آئے۔ جب اصحاب جمل ہتھیاروں سے لیس ہو کر آپ کے مقابل صف بستہ ہوئے تو آپ نے اپنے ساتھیوں کو بلا کر تاکید کی کہ جہاں تک ہوسکے صبر سے کام لو اور خود اپنی طرف سے جنگ کا آغاز نہ کرو آپ نے فرمایا:

"ان لوگوں سے اس وقت تک جنگ نہ کرو جب تک یہ لوگ خود لڑائی نہ چھیڑیں۔ خدا کے فضل سے تم اس وقت بھی حجت پر ہو اور تمہارا اس وقت تک ان سے ہاتھ روکے رہنا جب تک خود یہ لوگ پہل نہ کریں ایک دوسری حجت ہوگی۔"

مگر اس کو کیا جائے کہ جسے اپنی کثرت پر گھمنڈ ہو، جس کی گردن پر خون سوار ہو، مکر وفریب جس پر پوری طرح حاوی ہو، اسے نہ نرمی سے کوئی سروکار ہوتا ہے نہ آدمیت سے کوئی تعلق۔ اصحاب جمل کی اس دن یہی کیفیت تھی۔ سب کی نہ سہی لیکن ان کی اکثریت کا یہی رنگ تھا۔ حضرت امیرالمومنینؑ کی فوج جیسے ہی دوسری طرف نظر آئی، انہوں نے عداوت کی ابتدا کر دی۔ میدان قتال میں پہلا مقتول امیرالمومنینؑ کا ہمراہی تھا جو میدان جنگ میں تیر کھا کر گرا لیکن اس دن وہ آخری مقتول نہ تھا جس کا خون رائگاں گیا ہو۔ اصحاب جمل کی طرف سے تیروں کی پیہم بارش نے نہ جانے اور کتنے خون بہائے اور امیرالمومنینؑ کے اصحاب کس قدر شہید ہوئے۔ امیرالمومنینؑ کے ہمراہی اس زیادتی پر بگڑ کھڑے ہوئے۔ وہ اپنے ساتھی کی لاش کاندھوں پر اٹھا کر حضرتؑ کی خدمت میں لائے اور عرض کیا:

"امیرالمومنینؑ! دیکھیے، یہ ہمارا بھائی مار ڈالا گیا۔"

حضرتؑ نے فرمایا: "جانے دو درگذر کرو ان لوگوں کو۔"

مگر آپ کے ایسا حلم ہمراہیوں میں کہاں سے ہوتا؟ محمد بن ابی بکر نے غم وغصہ سے بے قابو ہو کر کہا:

"کہاں تک؟ ہم نے بھی درگذر سے کام لیا اور آپ بھی اب تک درگذر فرماتے رہے۔ خدا کی قسم! یا تو آپ ان سے نپٹ لینے کی اجازت دیجیے ورنہ پھر ہم یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔"

پھر اپنے لب ولہجہ میں نادم ہوتے ہوئے انہوں نے عرض کی:

"۔۔۔۔۔ یا امیرالمومنینؑ! ہم کب تک اپنے سینوں کو ان کے اسلحوں کا نشانہ بناتے رہیں اس طرح تو وہ ایک ایک کر کے ہم لوگوں کو ختم کر ڈالیں گے۔"

مگر امیرالمومنینؑ نے اب بھی صبر وتحمل کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا:

"ہم چاہتے تھے کہ ہماری طرف سے پہل نہ ہو حتی الامکان تلوار اٹھانی نہ پڑے۔"

(۲)

اب حضرت علیؑ نے فوجی لباس پہنا۔ بر میں زرہ، سر پر خود اور ڈاب میں وہ تاریخی تلوار تھی جس کی برش کی سارے عالم میں دھوم تھی اور جس کا لوہا سارا عرب مانے ہوئے تھا، قرآن منگایا اور آواز دی:

"کون ہے جو یہ اللہ کی کتاب لے کر دشمن کی فوج میں جائے اور ان کو کلام الٰہی کا واسطہ دے کر کہے کہ فتنہ وفساد سے باز آؤ اور احکام قرآنی کا اتباع کرو۔"

مسلم نامی کوفہ کا ایک کمسن نوجوان آگے بڑھا اور جوش میں آ کر کہنے لگا: "یہ خدمت میں بجالاؤں گا۔"

حضرتؑ نے فرمایا: "مگر اس میں جان کا خطرہ ہے۔"

اس نے جواب دیا: "رضائے الٰہی کے لئے مجھے یہ بھی منظور ہے۔"

آپ نے دعائے خیر دی اور بہادر سپاہی چلا۔ اونٹ کے قریب پہونچ کر اس نے اعلان کیا:

"یہ قرآن ہے، یہ اللہ کی کتاب ہے۔ رسول اللہؐ کے چچازاد بھائی اور خلیفہ نے مجھے بھیجا ہے کہ تم پر حجت تمام کروں اور اس کے احکام پر چلنے کی دعوت دوں۔"

اس کا جواب فوج مخالف کے ایک سپاہی نے یہ دیا کہ تلوار کا بھرپور وار حامل قرآن کے ہاتھوں پر مارا۔ اس کے دونوں ہاتھ کٹ کر گر پڑے۔ اس نے قرآن کو سینے سے لگا لیا مگر جب سینے پر تلوار پڑی تو بے جان ہو کر گر پڑا۔

طبری فارسی میں ہے کہ خود طلحہ نے مسلم کے ہاتھ کاٹے اور اسے شہید کیا تھا۔ (تاریخ اسلام، ماسٹر ذاکر حسین دہلوی مرحوم)

اس نوجوان کی شہادت پر امیر المومنینؑ نے ارشاد فرمایا: الآن طاب الضراب۔ اب ان سے لڑنا حلال ہو گیا ہے۔ آپؑ نے ترتیب لشکر کی۔ سرداران لشکر کو میمنہ، میسرہ اور قلب لشکر پر متعین کیا۔

ادھر طلحہ وزبیر عسکر اونٹ پر چڑھے اور لوہے سے منڈھا ہوا ہودج رکھ کر اس میں حضرت عائشہ کو بٹھا کر لائے۔ علمدار اس فوج کی خود حضرت عائشہ تھیں جن کی ہودج پر جھنڈا نصب کیا گیا تھا۔

علیؑ نے محمد حنفیہ کو علم دے کر آگے بڑھایا اور دشمن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ بہادر باپ کا بہادر بیٹا صف سے باہر نکلا اور صفوں کو درہم و برہم کر کے شجاعت کے جوہر دکھاتا ہوا اپنے مقام پر پلٹ آیا۔ اب علیؑ خود بڑھے، آنکھیں ید اللہ کی جنگ دیکھنے کے لئے ترس رہی تھیں۔ اسد کردگار کے بے پناہ حملوں کو صرف پچھلی نسل کے لوگوں نے دیکھا تھا اور حافظہ کے پردوں میں ان کی دھندلی

سے یاد باقی تھی۔موجودہ نسل افسانوں اور کتابوں میں ذکر سنتی تھی۔نصرت ان کے قدم چوم رہی تھی اور موت کا فرشتہ ان کی تلوار کی دھار سے لگا بیٹھا تھا۔جس صف پر وہ چلتی سروں کے ڈھیر اور تنوں کے انبار جمع ہو جاتے۔

کس کی شہامت تھی کہ اسد کردگار کے مقابلہ میں آتا اور کون ایسا تیرہ روزگار تھا کہ آپ سے نبرد آزمائی کرتا۔علیؑ نے حملہ کیا اور اس زور و شور سے حملہ کیا کہ تلوار میں خم آ گیا اور اس کی دھار سے خون کا پرنالہ بہہ نکلا۔

شجاعت کی تاریخ میں یہ لمحہ ایسا بے مثال لمحہ تھا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ایک یکہ و تنہا شخص دشمنوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے لشکر میں کود پڑتا ہے اور اس کے حملوں سے لشکر کائی کی طرح پھٹ جاتا ہے۔لیکن یہ علیؑ تھے اور ان سے جو کچھ ظہور میں آئے جائے تعجب نہیں اگرچہ عقلیں اس کے سمجھنے میں سرگشتہ ہو کر رہ جائیں۔یہ علیؑ کا وہی حملہ تھا جو دشمن کی صفوں کو درہم برہم کر دیتا تھا۔ ذوالفقار کی برش سے پہلے ان کی بے مثال جرأت قلب جانی پہچانی تھی۔وہ گویا بجلی تھے جو دفعۃً ٹوٹ پڑی ہو۔بلائے ناگہانی تھے کہ جو بھی زد میں آیا اسے صاف کر گئی۔ بڑے بڑے بہادر بھی اسے بہتیا میں بہہ گئے۔ بڑے بڑے مشہور پہلوانوں نے میدان چھوڑ دیا اور بھاگ کر جان بچائی۔تن تنہا غنیم کی فوجوں کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔ان کی تلوار کی باڑھ سے سروں کی بارش ہوتی تھی اور لوگ ان کے سامنے اس طرح گرتے تھے جیسے آندھی چلنے سے درختوں کے پتے۔اگر تلوار کی باڑھ نہ مڑ گئی ہوتی تو نہ آپ کا ہاتھ رکتا نہ بغیر قضیہ پاک کیے آپ واپس ہوتے۔

آپ جب پلٹ کر آئے تو بیٹوں بھائیوں اور آپ کے اجلۂ اصحاب نے حلقہ میں لے لیا، جن میں مالک اشترؒ بھی تھے اور جناب عمارؓ بھی ان لوگوں نے عرض کیا:

"امیر المومنینؑ ہم اس کے لئے کافی ہیں۔آپ کو زحمت فرمانے کی ضرورت نہیں۔"

آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔آستین سے پیشانی کا پسینہ پونچھا اور ہاتھ بڑھا کر وہ جام لے لیا جو ساتھیوں میں سے کسی نے پیاس بجھانے کے لئے پیش کیا تھا۔آپ نے ایک گھونٹ پی کر فرمایا:

"یہ شہد تو طائف کا معلوم ہوتا ہے۔"

ساتھی نے کہا: جی ہاں! مگر خدا کی قسم، ہمیں آپ پر حیرت ہوتی ہے اے امیر المومنینؑ کہ ایسے ہولناک وقت میں جبکہ لوگوں کے کلیجے منہ کو آ گئے ہیں، آپ یہ بھی پہچان لیتے ہیں کہ یہ شہد طائف کا ہے۔آپ مسکرائے اور فرمایا: بھتیجے تیرے چچا کے سینے میں کسی چیز نے کبھی گھر نہیں کیا اور نہ کبھی کسی چیز کو تیرا چچا خاطر میں لایا۔"

آپ نے مڑی ہوئی تلوار کو زانوں پر رکھ کر سیدھا کیا اور دفعۃً اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر بجلی کی طرح غنیم کی صفوں پر ٹوٹ

پڑے اس طرح ان کی صفوں میں گھستے چلے گئے جس طرح شہاب ثاقب تاریکی شب کو چاک کر دیتا ہے۔

(الامام علی ابن ابی طالبؑ، جلد سوم/ تاریخ اسلام ماسٹر ذاکر حسین دہلوی)

(۳)

علیؑ شجاعت کا کارنامہ اور بہادری کا نمونہ دکھا کر صف میں آ کر کھڑے ہوئے تو دشمن کے میمنہ نے علیؑ کے میسرہ پر حملہ کیا اور تھوڑی دیر میں عام لڑائی شروع ہو گئی۔ حضرت عائشہ نے کنکریاں اٹھا کر ان پر کچھ پڑھا اور "تمہارے منہ کالے ہوں" کہہ کر علیؑ کے لشکر کی طرف پھینکا۔ علیؑ کے ایک سپاہی نے کہا: ومارمیت اذ رمیت ولکن الشیطان رمی۔ یہ کنکریاں تم نے نہیں بلکہ شیطان نے پھینکی ہیں۔ ام المومنین غصہ سے لال ہو گئیں اور حملہ آوروں کو للکار کر آگے بڑھنے کی تاکید کی۔ تکبیر کے نعرے بلند ہونے لگے۔ تیروں کی زن زن اور تلواروں کی شپاشپ سے میدان گونج اٹھا۔ ادھر سے زخمیوں کے کراہنے کی آواز آئی ادھر سے سپاہیوں کی رجز خوانی کی آواز سنائی دی۔

اب دو پہر ڈھل چکی تھی اور آفتاب رفتہ رفتہ مغرب کی جانب بڑھتا جاتا تھا اور یہی آفتاب ترازو بن گیا اس جنگ کی جس میں ایک فریق کا پلہ جھکتا جاتا تھا، ایک کا ہلکا ہوتا جاتا تھا۔ اس لمحہ قلم قدرت نے اس خونریز جنگ کے نتیجہ کی پہلی سطر رقم کی اور جمل عائشہ نے دیکھا کہ ہمارے جانثار میدان چھوڑ رہے ہیں اور ایک شکست کے بعد ہی دوسری شکست سامنے آتی جاتی ہے۔ زبیر کا دل اس لڑائی میں پہلے سے ہی غائب تھا اور اب وہ جسمانی ا حیثیت سے بھی میدان جنگ سے ہٹ چکے تھے۔

ا۔ زبیر میدان چھوڑ کر چل کھڑے ہوئے۔ ساتھ میں ان کا غلام بھی تھا۔ بصرہ سے نکل کر وادی السباع سے گذرے جہاں احنف بن قیس اپنی جمعیت کے ساتھ مقیم تھے۔ احنف نے جب زبیر کو صرف خادم کے ساتھ جاتے دیکھا تو ان کے دل میں بہت سے شکوک پیدا ہوئے۔ زبیر سربرآوردہ اصحاب میں سے تھے اور ان کی شجاعت کا بھی شہرہ تھا۔ ٹھیک لڑائی کے وقت خاموشی کے ساتھ ان کی علیحدگی اور مدینہ کی طرف روانگی علت سے خالی نہ تھی۔ انہوں نے سوچا کہ ایسے وقت جبکہ انہیں میدان جنگ میں ہونا چاہئے تھا، یہ کہاں چلے جا رہے ہیں۔ یہ علیؑ کی شدید مخالفت پر کمر بستہ تھے انہوں نے ہر پیغام صلح ٹھکرا دیا تھا۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آج علیؑ کا پلہ بھاری دیکھ کر یہ کمک فراہم کرنے کے لئے نکلے ہیں، جو قبائل غیر جانبدار ہیں انہیں ہموار کر کے اپنی حمایت میں لانا چاہتے ہیں۔

احنف نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: "کون صحیح خبر دریافت کر کے لا سکتا ہے؟" عمرو بن جرموز اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے کہا: "میں پتہ چلا کے آتا ہوں۔"

وہ ان کے پیچھے پیچھے چلا۔ آگے جا کر ساتھ ہو گیا ادھر ادھر کی باتوں کے بعد دفعۃً اس نے پوچھا:

"اے ابوعبداللہ! آپ نے لڑائی چھیڑی خواہ حق او رناحق اور اب آپ چلے جا رہے ہیں۔"

زبیر ڈرے کہ اس کی نیت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی۔ انہوں نے خاموشی ہی بہتر سمجھی، کوئی جواب نہ دیا۔ ان کے غلام کو بھی خطرہ محسوس ہوا۔ اس نے کان میں کہا:

"حضور! یہ پورے ساز و سامان سے ہے۔"

زبیر نے کوئی دھیان غلام کی باتوں پر نہ دیا اور کہا: "ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں۔" پھر عمرو بن جرموز کی طرف مڑ کر پوچھا: "تمہارا مطلب آخر کیا ہے؟"

عمرو بن جرموز: "میں کچھ سوالات آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔"

زبیر: "پوچھو۔"

عمرو بن جرموز: "پانچ باتوں کا جواب دیجیے۔"

زبیر: "کہو۔"

عمرو بن جرموز: "آپ نے عثمان کی مدد کیوں نہ کی؟"

زبیر کچھ دیر چپ رہے اور پھر کہا: "قضا و قدر میں یہی لکھا تھا کہ یہ خطا ہم سے ہو اور ہم پھر بعد میں توبہ کریں۔"

عمرو بن جرموز: "آپ نے پھر علیؑ کی بیعت کی یا نہیں؟"

زبیر: "اس کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ مہاجرین و انصار ان کی بیعت کر چکے تھے پھر بیعت نہ کرنے کی صورت میں مجھے اپنی جان کا بھی خطرہ تھا۔"

عمرو بن جرموز: "اور ام المومنین عائشہ کو جنگ میں کیوں لائے؟"

زبیر: "ام المومنین کے لانے سے ہمارا مقصد کچھ اور تھا مگر خدا کا ارادہ کچھ اور رہا۔"

عمرو بن جرموز: "اور یہ آپ نے اپنے صاحبزادے کے پیچھے نماز جو پڑھی؟"

زبیر: "کیا کیا جائے؟ جناب عائشہ نے اسی کو امامت کا حکم دیا تھا اور میرا کوئی بس نہ تھا۔"

عمرو بن جرموز: "اور یہ جنگ سے بھاگے کیوں جا رہے ہیں؟"

زبیر کچھ دیر خاموش رہے اور پھر بولے: "اور جو چاہے خیال کرو مگر بزدل خیال نہ کرنا۔"

یہاں پر سوال و جواب ختم ہو گئے۔ عمرو بن کرموز نے ظاہر یہ کیا کہ جیسے اس نے ساری باتیں مان لیں ہیں مگر دل میں اس نے کہا:

"پہلے تو انہوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی اور اب بھاگ کر اپنے اہل و عیال کے پاس جانا چاہتے ہیں۔ اگر میں انہیں قتل نہ کروں تو خدا مجھے قتل کرے۔"

اس نے اپنے دلی ارادے مخفی رکھے اور ایک عقیدت مند اور ارادت کیش کی طرح راستہ بھر ان سے پیش آتا رہا۔ ایک موقع پر اس نے دیکھا کہ زبیر کا گھوڑا بہت تھک چکا ہے اور ریتلی زمین پر اس سے چلا نہیں جاتا اس نے زبیر سے کہا: "میرا ایک مشورہ ہے۔"

"وہ کیا؟"

"آپ کو مدینہ تک پہونچنے میں ابھی بہت سے ریگستان طے کرنا ہیں، بہتر یہ ہے کہ آپ میرا یہ اونٹ لے لیجیے۔"

"اچھا میں سوچوں گا۔"

تھوڑی دیر کے بعد رات ہو گئی لیکن ابھی تک یہ مختصر قافلہ بصرہ کے حدود سے باہر نہیں نکلا تھا۔ بصرہ سے مدینہ تک کی کافی مسافت ہے اور راستہ بھی دشوار گذار ہے جس میں ریتلی زمین پر پیر دھنس دھنس جاتے ہیں۔ ایسے سفر میں گھوڑے کے بجائے اونٹ کام دیتا ہے۔

عمرو بن جرموز نے اتنا اصرار کیا کہ آخر زبیر کو اس کی بات ماننا پڑی۔ انہوں نے گھوڑا اس کے حوالہ کر کے اونٹ لے لیا۔ اب ان کی گھبراہٹ بھی کم ہو گئی تھی۔ اس کی طرف سے ڈر جاتا رہا۔ آگے چل کر جب رات بسر کرنے کے لئے ٹھہرے تو بنوکلیب کے ایک شخص سے ملاقات ہوئی اس نے کہا:

"اے ابو عبداللہ! آپ سے مجھے قرابت ہے اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ ابن جرموز خدا کے خوف سے اس جنگ سے کنارہ کش نہیں رہا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ

احنف کے خلاف جانا نہیں چاہتا، چونکہ احنف کنارہ کش ہیں اس لیے اس نے بھی جنگ میں شرکت نہیں کی۔ اب احنف کو بڑی ندامت ہے کہ انھوں نے علیؑ کا ساتھ کیوں نہیں دیا۔ بہرحال میرا خیال ہے کہ اب وہ آپ کو ہلاک کر کے علیؑ کا تقرب چاہتا ہے۔ دیکھیے، اس ابن جرموز نے آپ کا گھوڑا بھی لے لیا ہے اور آپ کی زرہ بھی اور یہی میرے دعویٰ کا ثبوت ہے۔"

زبیر نے کہا: "تو اب تمہاری کیا رائے ہے؟"

اس نے کہا: "آپ میرے پاس رات کو آرام کیجیے۔ جب ابن جرموز سو رہے تو نکل جائیے۔ جب آپ ان لوگوں کے ہاتھ سے نکل جائیں گے تو یہ آپ کا پیچھا نہ کریں گے۔" مگر زبیر ڈرے کہیں یہ کلبی ہی میرے ساتھ غداری نہ کر رہا ہو۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کس کو غدار سمجھیں اور کس کو خیرخواہ جانیں۔

کلبی نے پھر دوبارہ کہا: "اے ابوعبداللہ! میری رائے یہ ہے کہ آپ ابن جرموز سے اپنی زرہ اور گھوڑا واپس لے لیں۔ جب تک آپ گھوڑے پر سوار رہیے کا کسی کو آپ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوگی۔

مگر زبیر نے کوئی پرواہ نہ کی۔ اسی اطمینان سے چلتے رہے۔ ایک جگہ پہونچ کر نماز کے لئے ٹھہرے۔ یہ نماز پڑھ ہی رہے تھے کہ ابن جرموز نے دھوکہ سے نیزہ کا وار کیا اور فوراً ہی ان کی موت واقع ہوگئی۔

طلحہ بن عبید اللہ بھی ندارد تھے۔ وہ زخموں سے چور چور ہو کر میدان قتال سے ہٹ کے جائے پناہ ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ جہاں دم لینے کا موقع ملے اور زخموں کی مرہم پٹی ہوسکے۔ کس قدر جلد ان کی آرزوؤں کا خون ہوا اور ان کی تمنائیں اس وقت ان کے زخمی جسم سے کتنی مشابہ تھیں کہ جتنا جتنا خون بہتا جاتا، طاقت جواب دیتی جاتی، اتنا ہی امیدیں ساتھ چھوڑتی جاتیں۔

مروان نے جو مدت سے طلحہ کی تاک میں لگا ہوا تھا، اس موقع کو غنیمت جانا اور ام المومنین کے لشکر میں ہونے کے باوجود اس نے انتقام لینے کا ارادہ کر لیا۔ غلام سے کہا: "عثمان کے دشمنوں کو ابھارنے والا آج بچ کر نہ جائے۔ ذرا تو سامنے کھڑا ہو تو میں تیری آڑ لے کر ایک تیر چلاؤں۔" یہ کہا اور غلام کی آڑ میں ہو کر ایک زہر آلود تیر ایسا مارا کہ طلحہ کا پاؤں گھوڑے کی اپیٹ سے سل کر رہ گیا۔ گھوڑا تیر کا زخم کھا کر سرپٹ دوڑا اور میدان سے باہر نکلا۔ زخم سے اس قدر خون بہا کہ موضع بحہ پہونچتے پہونچتے روح بدن سے نکل گئی۔

ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ جنگ جمل میں مروان بھی لشکر عائشہ میں تھا۔ اس نے کہا کہ آج کے بعد پھر مجھے بدلہ لینے کا موقع نہ ملے گا۔ اسی نے تیر مار کر طلحہ کو قتل کیا۔ (تاریخ ابن عساکر، جلد ۷، ص ۸۲)

علامہ ابوعمر و استیعاب میں لکھتے ہیں کہ ثقہ علماء کا اس امر میں کوئی اختلاف نہیں کہ مران ہی نے جنگ جمل میں طلحہ کو قتل کیا۔ ابن حجر نے اصابہ میں، حاکم نے مستدرک میں اور دیگر محدثین نے بھی اسی مضمون کی روایتیں لکھی ہیں۔

مروان کے طلحہ کو انتقام خون عثمان میں قتل کرنے کی تفصیل ان تمام کتابوں میں موجود ہے: مروج الذہب، جلد ۲، ص ۱۱ /

۱۔ "کے" ہونا چاہیے۔ حفظ امانت کے تحت "کی" کو باقی رکھا گیا ہے۔

عقد فرید، جلد ۲، ج ص 289 ۲ / مستدرک، ج ص ۳۷۰ / تاریخ کامل، جلد ۳، ص ۱۰۴ / صفۃ الصفوۃ، جلد ۱، ص ۱۳۲، / اسد الغابہ جلد ۳، ص ۶۱ / دول اسلام ذہبی جلد ۱، ص ۱۸ / تاریخ ابن کثیر جلد ۷، ص ۲۴۷ / تذکرۂ سبط، ص ۴۴ / مرآۃ الجنان جلد ۱، ص ۹۷ / تہذیب التہذیب جلد ۵، ص ۲۱ / تاریخ ابن شحنہ برحاشیہ تاریخ کامل جلد، ص ۱۸۹۔

طلحہ وزبیر کے بعد لڑائی تقریباً ختم ہو چکی تھی۔ حضرت عائشہ نے گھبرا کر اپنے ارد گرد نظر ڈالی۔ اپنے ساتھیوں میں جس کو دیکھا وہ یا دائیں بھاگ رہا تھا یا بائیں۔ سب نے اپنی نگاہیں ہودج سے پھیر لی تھیں، جو بیچ میدان میں یوں کا توں کھڑا تھا۔ موت کے بھیانک چہرہ نے انہیں ہر چیز سے بے پرواہ کر دیا تھا۔ اب نہ انہیں غنیم کے مقابلہ کی فکر تھی نہ ام المومنین کی حفاظت کا خیال۔ ہودج کی حفاظت پر جو سپاہی متعین تھے وہ بھاگنے کے لئے پر تول رہے تھے کہ اتنے میں حضرت عائشہ چیخیں اور انہیں مدد کے لئے آواز دی۔ شرم و احساس ندامت نے بھاگتے ہوئے قدم روک دیئے۔ پیغمبرؐ کی چہیتی بیوی، مسلمانوں کی مادر گرامی کا ہمارے بھاگنے کے بعد کتنا ہولناک انجام ہوگا۔ اس اندیشہ نے ان کی گئی ہوئی ہمت بحال کر دی اور اب پھر ان کے دہنوں سے جنگ کے نعرے بلند ہونے لگے جب کہ موت کے خوف سے منہ سے آواز نکلتی بند ہو گئی تھی۔

حضرت عائشہ نے جب دیکھا کہ بھاگتے ہوئے سپاہی پھر پلٹ پڑے ہیں اور واپس آ کر ہودج کو اپنے حلقہ میں لے لیا ہے تو انہوں نے اپنے سرداران میمنہ و میسرہ سے کہلا بھیجا کہ تم لوگ ثابت قدمی سے لڑتے رہو، میں مدد کے لئے اور فوج بھیجتی ہوں اور ایک پر جوش تقریر کر کے لوگوں کو لڑائی پر ابھارا۔ سب سے پہلے قبیلہ مضر نے لبیک کہی۔ حضرت عائشہ کے اونٹ پر ہر طرف سے تیروں کی بوچھار تھی اور ہودج تیروں کی کثرت سے مثل ساہی کے ا پشت کے ہو رہا تھا۔ قبیلہ مضر والوں نے ہودج کی حفاظت میں جان کی بازی لگا دی۔ ان کی دلیری سے دوسروں کی بھی ہمت بڑھی۔ غول کے غول پلٹ پلٹ کر آنے لگے۔ اتنا مجمع ہودج کے گرد اکٹھا ہو گیا کہ پھر سے ترتیب لشکر ہوئی۔ کچھ لوگ میمنہ پر متعین کیے گئے، کچھ میسرہ پر اور لڑائی کا از سر نو آغاز ہوا۔ دار و گیر کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور یا لثارات عثمان کے نعروں سے میدان گھونجنے لگا۔ جناب عائشہ نے ایک مٹھی کنکری اٹھا کر امیر المومنینؑ کے ان بہادر سپاہیوں پر جو حضرت عائشہ کے محافظوں پر ٹوٹ پڑے تھے اور مثل سیلاب کے امڈے آتے تھے پھینکی اور چیخ چیخ کر کہنے لگیں: شاہت الوجوہ، ان کے منہ کالے ہوں مگر یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی بلکہ ہودج پر یلغار پہلے سے زیادہ بڑھ گئی اور نیزوں کے وار شدت سے ہونے لگے۔ گھمسان کا رن پڑنے لگا اور ہتھیار پھینک پھینک کر جانباز ایک دوسرے سے گتھ گئے۔ ایسی شدید جنگ ہوئی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہزاروں نیزے اس طرح ایک دوسرے سے گتھے ہوئے تھے کہ

ا۔ ''کی'' ہونا چاہیے۔ متن میں حفظ امانت کے تحت ''کے'' کو باقی رکھا گیا ہے۔

ان نیزوں پر سے ہو کر بڑے سے بڑا لشکر گذر سکتا تھا۔

امیر المومنینؑ کے ہمراہیوں نے اس موقع پر ایک نیا نعرہ جنگ کا بلند کیا۔ ابتدا میں تو امیر المومنینؑ کے ہمراہی یا محمد کا نعرہ بلند کرتے تھے گویا وہ طلحہ و زبیر اور ان کے ہمراہیوں کے فتنہ و فساد اور تفرقہ انگیزیوں پر پیغمبر کو گواہ بناتے تھے اور پیغمبر کا نام لے کر عہد رسالت کے پاکیزہ و مبارک دنوں کی یاد تازہ کرتے تھے کہ شاید اس طرح یہ لوگ فتنہ و فساد سے باز رہیں مگر افسوس کہ پیغمبرؐ کے اسم مبارک کو سن کے بھی وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور نہ ان کے دلوں کی حالت بدلی بلکہ ان کی سرکشی حد سے سوا ہوتی گئی۔ اب نرمی کا موقع نہ تھا اور نہ ان کے ساتھ کسی رعایت و مروت کی گنجائش تھی۔ امیر المومنینؑ کے ہمراہیوں نے اب یا منصور امت کا نعرہ بلند کیا اور اس کے ساتھ ہی دشمنوں پر پوری قوت سے پل پڑے۔

امیر المومنینؑ نے ان کو پکار کر کہا: "تلوار، فرزندان مہاجرین! تلوار۔" ساتھیوں نے اپنی اپنی کمانیں اور نیزے پھینک دیئے اور میانوں سے تلوار [یں] کھینچ لیں۔ ایک دوسرے سے گتھنے کے بعد تیر و نیزہ کی گنجائش کہاں، صرف تلوار چل سکتی تھی اور اس کا بھی بھرپور وار پڑنا محال تھا۔ زیادہ سے زیادہ ہاتھ پیر پر تلوار پڑ سکتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اس معرکہ میں جس قدر ہاتھ پاؤں کاٹے گئے وہ کسی معرکہ میں نہ دیکھے گئے۔ لڑائی شدت اختیار کرتی گئی مگر فتحیابی کے آثار کسی فریق کو نظر نہ آتے تھے۔ ایک سے ایک گتھا ہوا تھا اور عسکر کے ارد گرد اتنی بھیڑ تھی اور لوگ اس طرح اس کو اپنے حلقہ میں لئے ہوئے تھے جیسے مضبوط چاردیواری۔

(۴)

دن ڈھلتا گیا مگر لڑائی کی شدت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ حضرت عائشہ کا اونٹ مثل علم کے استادہ تھا اور اس کی حفاظت میں جان دینے والے چاروں طرف سے اسے اپنے حلقہ میں لئے ہوئے تھے۔ اس وقت وہ اونٹ ان لوگوں کے لئے ویسا ہی تھا جیسے حاجیوں کے لئے حجر اسود یا پجاری کے لئے صنم۔ قبیلہ ازد والوں کے جوش عقیدت کا یہ عالم تھا کہ وہ صرف جمل عائشہ پر اپنی جانیں نچھاور نہیں کر رہے تھے بلکہ اس کی مینگنیاں اٹھا کر ہاتھوں میں ملتے اور سونگھ کر کہتے:

"یہ ہماری مادر گرامی کے اونٹ کی مینگنی ہے اس کی خوشبو مشک کی خوشبو ہے۔"

حضرت عائشہ کی امیدیں پھر تازہ ہو رہی تھیں۔ وہ نگاہ اٹھا کر دیکھتیں اور انہیں اندازہ ہوتا کہ اب ہماری کامیابی یقینی ہے۔ ان کے لشکر کا قدم اکھڑنے کے بعد پھر جم چکا تھا اور اب ان کے ہودج کی حفاظت ایسا فضل و شرف بن چکی تھی جس کے لئے تمام قبیلے ایک دوسرے پر سبقت کر رہے تھے۔ ایک آدمی بھی اس موقع پر پیچھے نہ ہٹتا۔ فرار کے وقت تو ان کی واحد تمنا یہ تھی کہ کسی طرح جان سلامت رہے مگر اب واحد آرزو یہ تھی کہ جمل سلامت رہے۔ حضرت عائشہ ان کے اس جذبہ حمیت و غیرت کو محسوس کر

کے اپنی باتوں سے انہیں اور جوش دلاتی جاتیں۔حضرت عائشہ بائیں سمت مڑیں اور اس طرف کے جانثاروں سے پوچھا:

''تم لوگ کون ہو؟''

صبرہ بن عثمان نے کہا:

''آپ کے فرزند قبیلہ ازد والے ہیں اے مادر گرامی!''

عائشہ نے انہیں شاباش دی اور ان کے گذشتہ کارنامے یاد دلاتے ہوئے کہا:

''اے آل عثمان! آج کے دن اسی مشہور شمشیر زنی سے ہماری حفاظت کرو جیسا کہ ہم اب تک سنتے آئے ہیں۔''

پھر دائیں طرف نگاہ کی اور ادھر کے لوگوں سے پوچھا:

''تم لوگ کون ہو؟''

لوگوں نے کہا:''بکر بن وائل۔''

عائشہ نے کہا:''تم ہی لوگوں کے متعلق تو شاعر نے کہا ہے:

قبیلہ بکر والے ہماری مدد کو اسلحہ سے لیس ہو کر آئے الخ۔''

ایک تو باتیں ایسی جن سے خواہ مخواہ جوش آجائے اور پھر حضرت ام المومنین حضرت عائشہ کی زبانی۔یہی وجہ تھی کہ جس کے کان میں بھی آپ کی آواز پہونچتی وہ بہادر بن جاتا۔اس کے بھاگتے ہوئے قدم تھم جاتے مرنے کے بعد ہی اپنی جگہ سے ہٹتا۔وہ گرتا تو اس کے قبیلہ کا کوئی دوسرا شخص اس کی جگہ لے لیتا۔دوسرے قبیلہ والے بھی حضرت عائشہ کی باتیں سن کر اپنی جان کی بازی لگائے ہوئے تھے۔اس امید میں کہ ہمارے قبیلہ کے متعلق بھی کوئی مدح کا فقرہ ام المومنین کی زبان سے نکل جائے اور قبائل عرب میں سربلندی نصیب ہو۔آنے والی نسلیں ہمیں عزت واحترام کی لفظوں سے یاد کریں۔

عسکر کو اس معرکہ میں مرکزی حیثیت حاصل تھی۔منچلے سپاہی پروانوں کی طرح ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے اور اس کے سموں پر اپنی جان نچھاور کرتے۔امیرالمومنینؑ کے سپاہیوں کو ایک امڈے ہوئے سیلاب اور چڑھتے ہوئے دریا کا سامنا تھا جو ختم ہونے ہی نہ آتا تھا۔حضرت عائشہ کے شیدائی کوفہ کے سورماؤں کے لئے آسان شکار نہ تھے بلکہ برابر کی ٹکر تھی۔انہوں نے بھی تلوار کا جواب تلوار سے اور نیزہ کا نیزہ سے دیا۔جب کوئی دستہ کوفہ کا ان کے سامنے آتا تو وہ تنہا ہی نہیں بلکہ انہیں بھی ساتھ لے کر گرتے۔عسکر کے قدموں پر دونوں طرف کی جانیں جارہی تھیں۔اصحاب جمل کا رنگ ہی دوسرا تھا۔وہ اب اس غیرت میں مرے جارہے تھے کہ ایک عورت دشمنوں کے نرغہ میں ہے۔ادھر کوفہ والوں کو یہ فکر کہ جب تک ہودج کھڑا ہے،تب تک جنگ کا خاتمہ دشوار ہے۔

وہ پہلے سے زیادہ مردانگی سے حملہ کرتے اور عسکر کو گھیرے میں لینے کے لئے بے چین تھے۔ امیر المومنینؑ کے ہمراہی اپنی ہستی تج چکے تھے۔ انہوں نے اپنے رہبر و قائد کی ذات میں اپنے کو فنا کر دیا تھا۔ ان کی جمعیت ایمان کا صحیفہ تھی۔ اس صحیفہ کا ایک ایک ورق الٹتے جائیے، ہر صفحہ دوسرے صفحہ سے زیادہ روشن و تابندہ۔ وہ شروع ہی سے وفا کے پیکر تھے، مہلکہ کی گہرائیوں میں ڈوبنے کے بعد بھی ذرہ برابر ان کے اخلاص میں کمی نہ ہوئی، نہ تیر و نیزہ و شمشیر کے گھاؤ نے ان کی محبت میں فرق آنے دیا نہ جنگ کی ہولناکیوں نے ان کے قدم میں ذرہ برابر لغزش پیدا کی۔ لڑائی کی آگ بھڑکتی رہی، زخمیوں کی چیخ، بیواؤں کی فریاد، یتیموں کی آنسوؤں کا سیلاب امڈا کیا مگر ان میں سے کوئی چیز ان کے ارادوں کو متزلزل اور ان کی مردانگی کو کمزور نہ بنا سکی۔ بوڑھے اور جوان دونوں ایک صف میں موت کی طرف دوڑے جو زندگی سے بھی زیادہ انہیں عزیز تھی۔ امیر المومنینؑ کے ہمراہی ایک مرتبہ پھر پوری طاقت سے عسکر کے حفاظتی دستہ پر پل پڑے۔ قبیلہ مضر والے جن کی شجاعت سارے عرب میں مشہور تھی، سامنے پہاڑ کی طرح جم گئے۔ جو بھی آگے بڑھنے کی کوشش کرتا ان کی تلواروں کا شکار ہوتا مگر دباؤ برابر بڑھتا ہی رہا۔ قبیلہ مضر کی موجودگی بھی پیش قدمی نہ روک سکی۔ خصوصیت کے ساتھ ان سے دو ہاتھ کرنے کے لئے مٹھی بھر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے جن میں فرزندان صوحان بھی تھے۔ جوش ولائے امیر المومنینؑ نے انہیں ان کے مقابل لا کھڑا کیا نہ کسی کو خوف لاحق ہوا نہ ان پر کوئی دھمکی اثر انداز ہوئی۔ کہنے والوں نے زید بن صوحان سے کہا بھی۔

"فرزندان صوحان! تم اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ رہو۔ تمہارا ان کا کیا مقابلہ؟ دیکھتے نہیں کہ قبیلۂ مضر کا سامنا ہے۔ عسکر تمہارے سامنے ہے اور موت عسکر کے آس پاس۔"

زید نے مسکرا کر کہا: "موت زندگی سے بہتر ہے موت ہی تو میں چاہتا ہوں۔"

زید کی تمنا جلد ہی برآگئی اور وہ عروس مرگ سے ہمکنار ہوئے۔ ان کے بعد سیحان بن صوحان بھی ان سے جا ملے۔ ان کے بھائی صعصہ ابن صوحان بھی شدید زخمی ہوئے۔

زید بن صوحان کسی لڑائی میں آنحضرتؐ کے ہمرکاب رہ چکے تھے۔ اس لڑائی میں ان کا ایک ہاتھ کٹ گیا۔ آنحضرت کو خبر ملی تو ارشاد فرمایا کہ زید کے بعض اعضا ان سے پہلے جنت میں جائیں گے۔ جب جنگ جمل میں یہی زید حضرت علیؑ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور حضرت عائشہ کو خبر ہوئی تو کہنے لگیں: "افسوس زید شہید ہو گئے۔ وہ تو ضرور اہل جنت سے تھے پھر ہم تو باغیوں کے گروہ سے ہوئے۔ (روضۃ الصفا، جلد ۲، ص ۳۰۱)

اسی طرح سارے دن موت کی گرم بازاری رہی۔ قبیلہ بکر کے بہت سے جوان کام آئے جن کا علم اس وقت بنی ذھل کے

ہاتھوں میں تھا۔ان کے سرداروں نے کچھ ایسی دادِ شجاعت دی اور اس طرح اپنی جانیں امیرالمومنینؑ پر نثار کیں جس کی مثال نہیں ملتی۔ابولعرفاء رقاشی نے حارث بن حسان ذہلی سے ترس کھا کر کہا:

”اے فرزند حسان! اپنے اور اپنی قوم پر رحم کرو۔“

حارث نے بجائے کوئی جواب دینے کے علم کو حرکت دی اور چیخ کر اپنی قوم سے کہا:

”اے قبیلۂ بکر بن وائل! رسول اللہؐ سے تمہارے امیر کو جو خصوصی منزلت حاصل رہی ہے کسی کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ان کی نصرت میں کمی نہ ہونے پائے۔“

یہ کہہ کر دشمنوں کی صفوں میں گھس پڑے ساتھ میں ان کا نوجوان فرزند اور پانچ بھائی بھی تھے۔پیچھے پیچھے بنی ذہل کے دوسرے افراد یہ مٹھی بھر جماعت دشمنوں کے دل میں ڈوب ڈوب کے لڑی۔تھوڑی ہی دیر میں ۳۵ آدمی قبیلۂ ذہل کے شہید ہو گئے۔اسی گھمسان کے معرکہ میں ایک ذہلی نے اپنے بھائی سے کہا:

”بھائی جان اگر ہم لوگ حق پر ہوئے تو ہماری یہ جنگ کتنا زبردست کارنامہ ہوگی۔“

ذہلی نے جلدی سے کہا:

”خدا کی قسم! ہم لوگ حق پر ہیں دوسرے لوگ دائیں بائیں گئے مگر ہم نے اپنے پیغمبرؐ کے اہل بیتؑ کا دامن پکڑا۔“

امیرالمومنینؑ کے ہمراہی بڑی تن دہی سے لڑے اور اتنی کثرت سے مقتول ہوئے جس کی نظیر کسی معرکہ میں نہیں ملتی اور قیامت یہ کہ موت نے بھی چن چن کے منتخب اور نمودار افراد کو تاکا۔زیادہ تر سرداران لشکر شہید ہوئے۔وہ اپنے اپنے دستوں کو لے کر دشمنوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے لشکر میں گھس پڑتے تھے اور ہر ایک کے پیش نظر وہ وصیت رہتی تھی جو امیرالمومنینؑ نے محمد بن حنفیہ کو علم دیتے ہوئے کی تھی، تزول الجبال ولا تزل عض علی ناجذك اعر الله جمجمتك تد فی الارض قدمك ارم ببصرك اقصی القوم وغض بصرك و اعلم ان النصر من عندالله سبحانه۔جان پدر پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں مگر تم اپنی جگہ سے نہ ٹلنا۔دانت اچھی طرح جمالو اور اپنا کاسۂ سر خدا کو عاریۃً دے دو۔قدم زمین پر جمے رہیں۔نگاہ دشمن کے آخری سرے پر ہو۔سامنے نہ دیکھو اور یہ یقین رکھو کہ کامیابی خدا کی طرف سے ہے۔

امیرالمومنینؑ کے سرداران لشکر میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے اس وصیت کو اپنے دل پر نقش نہ کر لیا ہو۔وہ بھی تو آخر امیرالمومنینؑ کے فرزند کی طرح تھے، بیٹوں کی ہی طرح مطیع اور فرمانبردار۔ہر ایک کی تمنا یہی تھی کہ جو ہمارے علمدار لشکر محمد حنفیہ کا انجام ہو وہی ہمارا بھی۔امیرالمومنینؑ نے جس وقت محمد حنفیہ کو حکم دیا کہ تنہا یہ علم لے کر حملہ کرو اور اسے جمل کی آنکھوں میں گاڑ آؤ تو ظاہری

صورت حال کو دیکھتے ہوئے موت کے منھ میں بھیج رہے تھے۔ایسا بھی نہ تھا کہ آپ کی شفقت اور محبت میں کوئی کمی رہی ہو بلکہ اس اندیشہ سے کہ بیٹے کو کوئی گزند نہ پہونچے کلیجے میں ہوک اٹھتی رہتی مگر آپ کی نگاہ ایسے مقصد اور غایت پر تھی جس پر جان و مال آل و اولاد ہر چیز کا قربان کر دینا آسان تھا۔

اسی کے ساتھ آپ اپنے بیٹوں حسنؑ وحسینؑ کو میدان جنگ میں بھیجنے سے پرہیز بھی کرتے تھے۔وہ دونوں پیغمبرؐ کے جگر گوشے تھے۔اگر وہ جنگ میں بھرپور حصہ لیتے تو اندیشہ تھا کہ کہیں پیغمبرؐ کی پاکیزہ نسل نہ منقطع ہو جائے اور سیدہ کا نخل تمنا بے برگ و بار ہو جائے۔اس وقت پیغمبرؐ کی نسل سے یہی دو نونہال باقی رہ گئے تھے جن کی نسل قیامت تک باقی رہنے والی تھی،کسی نے ایک دن محمد حنفیہ سے کہا:

"تمہارے پدر بزرگوار تمہیں معرکوں میں بھیجتے ہیں اور حسنؑ وحسینؑ کو نہیں بھیجتے۔"

محمد حنفیہ نے جو اپنے بھائیوں کی قدر و منزلت سے واقف تھے جواب دیا:

"حسنؑ وحسینؑ میرے باپ کی آنکھیں ہیں اور میں ان کا دست و بازو ہوں۔وہ دست و بازو سے آنکھوں کو بچاتے ہیں۔"

محمد حنفیہ نے سخت سے سخت معرکوں کا نسی کھیل سمجھ کر مقابلہ کیا خوشی خوشی بار بار موت کے منہ میں کود پڑے۔باپ کی بے نظیر شجاعت نچلا بیٹھنے نہ دیتی تھی۔دشمن پر حملہ کرتے اور ستھراؤ کر کے پلٹتے۔جس وقت امیر المومنینؑ نے انہیں بھیجا کہ جا کر جمل کی آنکھوں میں نیزہ گھاڑ آؤ تو جھجکے تک نہیں،نہ وہاں گھمسان کا رن جو پڑ رہا تھا اس سے ہراساں ہوئے۔ابن حنفیہ اور ان کے دستہ فوج نے جمل پر ٹوٹ ٹوٹ کر حملہ کیا اور اس کے نتیجے میں بہت سے مشہور اور سر برآوردہ افراد امیر المومنینؑ کی فوج کے کام آئے۔حضرتؑ کے علم کے نیچے دائیں بازو کے دس سردار شہید ہوئے میسرہ کے علم کے نیچے بھی بے شمار افراد مقتول ہوئے۔

امیر المومنینؑ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ زندہ ہے لڑائی ختم نہ ہوگی۔اونٹ ہی کی وجہ سے ساری آفت ہے یہ مار ڈالا جائے۔تو قصہ پاک ہو۔آپ نے فرمایا:کون اونٹ پر حملہ کرتا ہے؟

یہ سن کر ہند بن عمرو مرادی بڑھے اور اونٹ پر حملہ آور ہوئے مگر اونٹ کی مہار جس شخص کے ہاتھ میں تھی اس کی تلوار سے شہید ہوئے۔ان کے بعد زید،ان کے بھائی سیحان،فرزندان صوحان علیاء بن ہیثم اور بھی معززین مقتول ہوئے۔جو آگے بڑھنے کی کوشش کرتا مارا جاتا اس موقع پر امیر المومنینؑ نے مالک اشترؓ اور جناب عمارؓ کو بلا کر کہا کہ تم دونوں آگے بڑھو اور اس اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالو۔جب تک اونٹ زندہ رہے گا لڑائی ختم نہ ہوگی ان لوگوں نے اسے قبلہ بنالیا ہے۔

مالک اشترؓ اور جناب عمارؓ قبیلہ مراد کے کچھ سورماؤں کے ساتھ روانہ ہوئے جناب عمارؓ آگے آگے تھے۔بدن پر صرف ایک

پوستین تھی جس کو رسی سے باندھے ہوئے تھے اتنی تیزی سے بڑھے جتنی تیزی سے ۹۰ برس کی عمر آگے بڑھنے کی اجازت دے سکتی تھی۔ تلوار سے راستہ صاف کرتے ہوئے ابن یثربی کے سامنے آئے جو، مہار ناقہ تھامے ہوئے تھا۔ اور جس کے ہاتھوں امیر المومنینؑ کے لشکر کے بہت سے بہادر شہید ہو چکے تھے۔ کہاں ۹۰ برس کا ضعیف العمر انسان اور کہاں ایک تن و توش والا جوان۔ لوگوں نے بھی محسوس کیا اور ابن یثربی نے بھی عمار میری طرف نہیں بلکہ اپنی قبر کی طرف بڑھ رہے ہیں ظاہر ہے کہ ۹۰ برس کے ایک زندہ درگور انسان کا ایک آزمودہ پہلوان سے مقابلہ ہی کیا مگر عمار اپنے حریف سے بڑھ کر دور اندیش اور داؤں پیتر ے سے زیادہ واقف تھے۔ جناب عمار نے اس پر ایک نظر ڈالی اور اس کے رجز کو سن کر کہا:

''اگر سچے ہو تو اس لشکر سے نکل آؤ۔''

ابن یثربی پھر کر آگے بڑھا۔ تلوار کو حرکت دی اور عمار پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑا مگر یہ بوڑھا مجاہد دشمن سے زیادہ پھرتیلا اور چوکنا تھا۔ جیسے ہی تلوار چلی آپ نے سپر سامنے کر دی تلوار سپر پر پڑی اور اس میں الجھ کر رہ گئی اب عمار کے متبسم ہونے کی باری تھی۔ دشمن کی اکڑ اب جھلاہٹ میں تبدیل ہو گئی۔ جھنجلا کر اس نے چاہا کہ سپر سے تلوار نکال لے، مگر نہنگ کے منہ سے شکار کب چھٹتا ہے۔ اب وہ نہتا تھا اور اس کی زندگی نحیف و لاغر عمار کے ہاتھوں میں تھی۔ لوگوں کی نگاہوں نے دیکھا کہ وہی پہلوان جس نے اونٹ کے پاس موت کا بازار گرم کر رکھا تھا بدحواس ہے اور جو کچھ بھی بنائے نہیں بنتی جناب عمار نے اسے مہلت بھی نہ دی بائیں ہاتھ سے اس کی تلوار سپر میں الجھائے رہے اور دائیں ہاتھ سے ایک بھرپور وار اس کے پیروں پر کیا۔ دونوں پیر کٹ کر دور جا گرے اور ابن یثربی ریت کی دیوار کی طرح ڈھے گیا۔

اس وقت حضرت عائشہ کے لشکر میں جا بجا چرچے ہو رہے تھے کہ عمار یاسر اس جنگ میں علیؑ کے شریک ہیں اور سرور کائناتؐ ان کے بارے میں فرما چکے ہیں: عمار مع الحق تقتله الفئة الباغية عمار حق کے ساتھ ہیں انہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔ اگر یہ قتل ہو گئے تو ہم باغی ٹھہریں گے اور عمار کا دل شیر ہو رہا تھا۔ اگر فتحیاب ہو گئے تو مطلب حاصل ہے اور اگر قتل ہو گئے تو قاتل مع اپنے گروہ کے باغی اور مقتول جنتی۔ (تاریخ خمیس، جلد ۲ ص ۲۰۹ / روضۃ الصفا، جلد ص ۳۰۱)

اونٹ کے قدموں پر نہ جانے کتنے کشتوں کے ڈھیر لگے، کتنے علم وہاں سرنگوں ہوئے اور کتنے بڑے بڑے نمودار سرداران قبائل خاک و خون میں غلطاں ہوئے، یہاں تک کہ ستر (70) آدمی صرف قبیلۂ قریش کے کام آئے۔ حضرت عائشہ یہ سب تباہیاں دیکھتی تھیں پھر بھی غور نہیں کرتی تھیں۔ اپنی جان کی حفاظت کے خیال نے اس تمام خونریزی و تباہی سے ان کی آنکھیں بند کر دی تھیں۔ اب اونٹ کے پاس کی بھیڑ کائی کی طرح پھٹنے لگی۔ بھگدڑ رچ گئی۔ اب نہ بنو ناجیہ موجود تھے جن کا عائشہ کو بڑا اسہارا

تھا، نہ قبیلہ ازد والے جو آپ کے اونٹ کی مینگنی میں مشک و عنبر کی خوشبو محسوس کرتے تھے، نہ آہن پوش شجاعان قبیلہ بکر تھے۔ سب کو موت نے اچک لیا تھا۔ میدان خالی تھا اور صرف ان کے لاشوں کے ڈھیر تھے جو چیل کوؤں کو دعوت دے رہے تھے۔

مگر ان تمام تباہیوں کے بعد بھی جناب عائشہ نے امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ کامیابی کی جھلک اب بھی کبھی کبھی نظر آجاتی تھی۔ ابھی بنوضبہ موجود تھے جو شیر کی طرح بڑھ بڑھ کر حملہ کرتے اور آپ سے لوگوں کو دور کر رہے تھے مگر حضرت عائشہ کے فدائیوں نے آپ کے ہودج کے گرد اپنے جسموں کی جو چاردیواری بنائی تھی، وہ اب دھیرے دھیرے کمزور ہوتی جارہی تھی۔ جتنا جتنا لڑائی تیز ہوتی جاتی اس کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی جاتیں اور جابجا رخنے پڑتے جاتے، اسی کے ساتھ شمع امید بھی مدہم ہوتی جاتی جو اب تک حضرت عائشہ کے دل کو حرارت پہونچارہی تھی اور زندگی کا سہارا تھی۔ اسی موقع پر حضرت عائشہ نے کہا تھا:

''جب تک بنوضبہ کی آوازیں نہ تھمیں، تب تک مجھے کامیابی کی امید رہی۔''

اب اونٹ کے پاس کچھ تازہ دم لوگ آگئے تھے اور ہودج کی حفاظت میں جان کی بازی لگائے دادِ شجاعت دینے میں مصروف تھے۔ حضرت عائشہ نے ان نئے حامیوں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا:

''تم لوگ کون ہو؟''

''ہم لوگ بنی عدی ہیں اور کچھ قبیلہ ضبہ کے لوگ بھی ہمارے ساتھ ہیں۔''

جناب عائشہ نے حسرت بھرے لہجہ میں کہا:

''جب تک بنوضبہ میرے اونٹ کے محافظ رہے اس کی گردن سیدھی رہی۔''

یہ فقرہ ان کے لئے تازیانہ کا کام کر گیا۔ رگوں میں خون کھولنے لگا۔ انہوں نے ہودج کی حفاظت میں جان لڑادی اور ایک مرتبہ پھر اونٹ کی گردن سیدھی کردی، لیکن ان کی یہ کوشش چراغ سحری کی لو تھی جو بجھنے کے قریب ایک مرتبہ بھڑک کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاتی ہے۔

(۶)

حضرت عائشہ کا لشکر پراگندہ ہو چکا تھا، نہ میمنہ تھا، نہ میسرہ، نہ جناح، نہ قلب۔ اونٹ کے پاس صرف مٹھی بھر سپاہی رہ گئے تھے جو مہار تھامنے اور اونٹ کی گردن کو سیدھا کرنے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کر رہے تھے۔ جب ایک گرتا تو دوسرا بڑھ کر مہار تھام لیتا۔ نہ کوئی علمدار لشکر تھا، نہ سردار فوج اب ہر شخص اپنی جگہ پر قائد تھا۔ جو جی میں آتا کرتا اور جس طرح بن پڑتا اونٹ کی حفاظت کرتا۔ چالیس آدمی اور ایک روایت میں ہے کہ ستر آدمی قتل ہوئے۔ محمد بن طلحہ نے مہار تھامی وہ مارے گئے۔ پھر عمر

ابن اشرف ازدی نے مہار پکڑی، حارث بن زہیر ازدی سے مقابلہ ہوا، دونوں ختم ہوئے۔عمر ابن اشرف کے بعد ان کے خاندان کے تیرہ آدمی اسی طرح مارے گئے۔اونٹ کے گرد بڑے بڑے شجاع اور دلیر لوگ تھے۔قتل ہوجاتے مگر کسی کو قریب نہ آنے دیتے۔جس نے اونٹ کی مہار پکڑی وہ قتل ہوا، جو مہار ہاتھ میں لیتا اپنا نام ونسب بھی بیان کردیتا مگر جب عبداللہ بن زبیر نے اونٹ کی مہار ہاتھ میں لی تو انہوں نے اپنے نام کا اعلان نہ کیا جناب عائشہ نے پوچھا:

''تم کون ہو؟''

عبداللہ بن زبیر نے کہا:''میں آپ کا بھانجا عبداللہ ہوں۔''

حضرت عائشہ نے چیخ کر کہا:

''ہائے بہن اسماء کی بربادی۔''

اتنے میں مالک اشترؓ آپہونچے۔انہیں دیکھ کر عبداللہ بن حکیم حزام دوڑ کر بیچ میں آگیا۔جانتا تھا کہ اشترؓ کس بلا کے آدمی ہیں اور عبداللہ کے لئے پیام موت بن کر آئے ہیں لیکن اشترؓ نے عبداللہ بن حکیم کا ایک ہاتھ میں کام تمام کردیا اور راستہ صاف ہوتے ہی دونوں حریف ایک دوسرے کے آمنے سامنے آکھڑے ہوئے۔نگاہوں کے ملتے ہی دونوں کی تلواریں بھی ٹکرائیں۔جتنے وار آپس میں چلے ہر مرتبہ اشترؓ کی تلوار عبداللہ کے جسم پر گہرا زخم لگاتی ہوئی پلٹی۔عبداللہ اگر ایک ہاتھ چلاتے تو ادھر سے اتنی ہی دیر میں کئی ہاتھ چل چکے ہوتے۔اشترؓ نے تلوار کی ضربوں سے ابن زبیر کو ادھ موا کردیا۔پھر ترس کھا کر ہاتھ روک لیا۔کام تمام نہ کیا، صرف اتنا کہا:

''بخدا اگر رسول خداؐ سے تمہاری رشتہ داری نہ ہوتی تو تمہارا کوئی عضو صحیح وسالم نہ رہتا۔''

امیر المومنینؑ متردد تھے کہ لڑائی کسی طرح ختم نہیں ہوتی اور اونٹ اسے طرح گردن اٹھائے کھڑا تھا جس طرح لشکر کا علم ہوتا ہے۔اس کے محافظوں نے موت کا خوف بالکل دل سے نکال دیا تھا۔جب بھی کوئی اس کی طرف بڑھتا موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا کوئی فریق ہار ماننے پر آمادہ نظر نہیں آتا تھا۔اندیشہ یہ تھا کہ کہیں عائشہ کو گزند نہ پہونچے اور وہ تلواروں کی نظر نہ ہوجائیں۔ان کی ہلاکت کے بعد فتح ہوتی بھی تو کس کام کی؟ اونٹ کے پاس آپ کے جو سپاہی تھے، ان سے چیخ کر آپ نے کہا:

''اونٹ کی کونچیں کاٹ ڈالو۔جب اس کی کونچیں کٹ جائیں گی لوگ خود ہی بھاگ کھڑے ہوں گے۔''

پھر بنی ضبہ کے ایک شخص کی طرف مڑے اور کہا:

''ابن ولجہ تم اونٹ کو دیکھو۔''

ابن ولجہ یہ حکم پا کر مجمع میں گھستے ہوئے اونٹ کے قریب پہونچے۔ چونکہ فریقین میں ہر قبیلہ کے لوگ کچھ ادھر تھے کچھ ادھر، لہذا ابن ولجہ نے اپنی قوم سے سازش کرنا چاہی۔ یہ امیر المومنینؑ کے لشکر میں تھے۔ انہوں نے اپنی قوم سے پکار کر کہا:

"اے آل ضبہ! اے عمر بن ولجہ! میں تمہارے پاس آنا چاہتا ہوں، میں تم سے کچھ کہوں گا۔"

انہوں نے اجازت دی۔ ولجہ نے وہاں پہونچ کر کہا: "کیا تھوڑی دیر تک تاوقتیکہ تمہارے پاس سے نہ جاؤں امان دے سکتے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "ہاں تم کو امن ہے۔" ابھی یہ فقرہ ان لوگوں کی زبان سے نکلا ہی تھا کہ ولجہ نے ایک جست کی اور اونٹ کے پیروں پر جا پڑے اور قبل اس کے کہ لوگ سمجھ سکیں کہ ان کا ارادہ کیا ہے۔ ان کی تلوار چمکی اور اونٹ کے پیروں کو کاٹتی ہوئی نکل گئی اور اونٹ بلبلا کر گرنے لگا۔ جو لوگ اونٹ کے گرد و پیش تھے اس کے گرتے ہی بھاگے لڑائی دفعۃً فرو ہو گئی۔

امیر المومنینؑ نے اسی وقت بآواز بلند فرمایا:

"لوگو! تمہیں امان دی جاتی ہے۔"

ساتویں فصل

لڑائی کے بعد

لڑائی ختم ہوگئی اور اب فضا میں پھر وہی سکون تھا۔ امیر المومنینؑ کی طرف سے منادی نے اعلان کیا:

"کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے، نہ کسی زخمی کو مارا جائے، نہ کسی قیدی کو قتل کیا جائے۔ جو ہتھیار ڈال دے وہ امان میں ہے۔ جو امیر المومنینؑ کے لشکر میں آجائے وہ بھی محفوظ ہے۔"

وہی لوگ جو چند لمحے پہلے امیر المومنینؑ اور آپ کے اعوان و انصار کے جانی دشمن تھے، وہی آپ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے۔ جنگ کا غبار جیسے ہی تھما بصرہ کی فوجوں کی بہت بڑی تعداد مطیع و فرمانبردار بن کر حاضر ہوئی۔ تنے ہوئے سر جھک چکے تھے اور جن ہاتھوں میں کھچی ہوئی تلواریں تھیں، وہی ہاتھ بیعت کے لئے بڑھ رہے تھے بلکہ بہت بڑی تعداد تو ایسے لوگوں کی تھی جو جنگ کے دوران ہی میں آپ کے حلقہ اطاعت میں آنے کے لئے بے چین تھے۔ وہی قبیلہ از دوالے جو حضرت کے خون کے پیاسے تھے جب موت نے انہیں اچھی طرح پیس کر رکھ دیا تو اب وہی آپ کی بیعت کا سہارا لیتے پھرتے تھے، پہلے وہ لوگ للکارتے تھے:

"مارو، مارو۔"

اور اب ان کی زبانوں پر یہ فقرہ تھا:

"بھاگو، بھاگو۔"

مگر پہلے نہ ان کے حملے کچھ کام آسکے نہ بھاگنا کچھ سودمند تھا۔ اب تو تلوار کی پیہم ضربوں نے جان بچانے کی ایک صورت باقی رکھ چھوڑی تھی اور وہ یہ کہ امیر المومنینؑ کے حلقہ اطاعت داخل ہو جائیں؛ چنانچہ اب وہ چیخ چیخ کر کہتے تھے:

نحنُ علی دین علی ابن ابی طالب علیہ السلام — ہم علیؑ ابن ابی طالبؑ کے دین پر ہیں

یہی کیفیت اہل جمل کی بہت بڑی اکثریت کی تھی۔ اب وہ غول کے غول امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے۔ ہتھیار ڈالنے اور آپ کے لشکر میں شامل ہونے کے لئے ہر شخص بدحواس تھا کہ کسی طرح جلد از جلد ہم بیعت کرلیں، اس شخص کی بیعت جس سے وہ مدتوں برسرپیکار تھے اور جس کے جانی دشمن تھے۔ گنتی کے چند آدمی تھے جنہوں نے راہ فرار اختیار کی

اور بصرہ کے آس پاس کے مواضعات میں جا کر چھپ رہے۔

امیر المومنینؑ کو بھاگنے والوں کے متعلق کوئی فکر نہ تھی وہ کہیں بھی جاتے آپ کے قابو سے باہر نہ رہتے۔ اس وقت سب سے بڑی فکر عسکر، ہودج اور حضرت عائشہ کے متعلق تھی۔ اگر ان سے چشم پوشی کی جاتی تو نتائج بہت خطرناک پیدا ہو سکتے تھے۔ اس کا بھی اندیشہ تھا کہ حضرتؑ کی فوج کے کچھ شوریدہ سر سپاہی موقع پا کر حضرت عائشہ کو گزند پہونچا دیں۔ سپاہیوں کے دل میں غم و غصہ کا ہیجان اب تک قائم تھا۔ سبھی جانتے تھے کہ یہ سارا کشت و خون انہیں کی وجہ سے ہے۔ اس کا بھی ڈر تھا کہ کہیں بصرہ والے جمل کو دیکھ کر دیوانہ نہ ہو جائیں، جیسا یہ کہ قبیلہ ازد والے جمل کے احترام میں دیوانگی کی حد تک پہونچ گئے تھے۔ اس لئے امیر المومنینؑ نے پہلا کام یہ کیا کہ محمد بن ابی بکر کو بلا کر حکم دیا کہ عائشہ کے پاس جاؤ اور دیکھو کوئی گزند تو انہیں نہیں پہونچا۔ عمار یاسر کو بھی آپ نے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ دونوں ہودج کو میدان کارزار سے دور اٹھا لے گئے۔ دیکھا تو وہ صحیح و سالم تھیں، کوئی خراش تک نہ لگی تھی۔

عائشہ کی سلامتی کی خبر معلوم کر کے امیر المومنینؑ نے پہلی سانس اطمینان کی لی۔ اس کے بعد آپ نے اونٹ کے متعلق حکم صادر کیا۔ اس کی بلبلاہٹ سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ آپ نے حکم دیا کہ اسے مار ڈالا جائے پھر جلایا جائے اور اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی جائے کوئی جز اس کا باقی نہ رہے، جسے دیکھ کر نادان وضعیف الایمان سرگشتہ ہو سکیں۔ جب اونٹ کا قصہ پاک ہو گیا اور اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی گئی تو آپ نے فرمایا:

"خداوند معال اس چوپائے پر لعنت کرے کتنا مشابہ تھا بنی اسرائیل کے گوسالے سے۔"

پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی:

"وَانظُرْ إِلَىٰ إِلَٰهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَّنُحَرِّقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنسِفَنَّهُ فِي الْيَمِّ نَسْفًا" (طٰہٰ/۹۷)

رفتہ رفتہ تاریکی شب بڑھنے لگی اور جاڑے کی برفیلی ہوائیں چلنے لگیں۔ بصرہ والوں نے درخواست کی کہ حضور شہر کے اندر تشریف لے چلیں مگر آپ نے محاذ جنگ ہی پر ابھی رکے رہنے کو ترجیح دی، جب تک کہ جنگی قیدیوں، ان کے سامان حرب، اموال غنیمت کے معاملہ سے یکسوئی نہ حاصل ہو جائے اور مقتولین کے دفن و کفن اور زخمیوں کے راحت و آرام کا انتظام مکمل نہ ہو جائے۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ شاید حضرتؑ اپنے کسی دشمن کو قابو پانے کے بعد زندہ نہ چھوڑیں گے؛ چنانچہ انہوں نے آ کر حضرتؑ سے پوچھا:

"امیر المومنینؑ! ان تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔"

آپ نے انکار فرمایا: "میں کسی مسلمان قیدی کو قتل نہ کروں گا اگر اس نے اپنی خطا سے توبہ کر لی ہے۔"

اس موقع پر طلحہ کے فرزند موسیٰ گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں لائے گئے۔ سبھی کو یقین تھا کہ سب سے پہلے یہی موسیٰ مقتول ہوں گے۔ کسی کو بھی اس کا وہم وگمان نہیں تھا کہ طلحہ ایسے دشمن کا فرزند آپ کی خلافت قبول کرنے پر تیار ہو جائے گا چاہے اس کے گلے تلوار ہی کیوں نہ رکھ دی جائے۔ مگر موسیٰ نے آتے ہی حضرتؑ کے ہاتھوں پر خوشی خاطر بیعت کر لی اور حضرتؑ کا ایسا شفیقانہ برتاؤ دیکھا کہ ان کا سارا خوف وہراس جاتا رہا۔

موسیٰ ہی پر موقوف نہیں، حضرتؑ نے اپنے کسی بھی دشمن کو قتل نہیں کیا۔ اسے بھی جو سچے دل سے تائب ہو کر آیا اور خوشی خاطر بیعت کی اور اسے بھی جو مجبور ومقہور ہو کر آیا اور منافقانہ طور پر بیعت کی، دل میں انتہائی بغض وعداوت کو چھپائے ہوئے۔ آپ کا عفو ودرگذر تو اتنا عام اور رحم وکرم اس قدر وسیع تھا کہ لہو کے پیاسے دشمن بھی اس سے محروم نہ رہے جیسا کہ ہم عنقریب ذکر کریں گے۔

(۲)

حضرت عائشہ کے متعلق امیر المومنینؑ کے تردد ات غلط نہ تھے۔ خطرہ ضرور اس کا تھا کہ کہیں کوئی نادان آپ کو اذیت نہ پہونچائے۔ بپھرے ہوئے نفوس پر نہ آپ کا قابو تھا نہ ہزاروں ہزار کے اس لشکر کی نگرانی ممکن تھی۔ بہت ممکن تھا کہ کامیابی کے نشہ میں چور سپاہی کوئی غلط اقدام کر بیٹھیں۔ آپ نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ میدان جنگ سے دور ہٹ کر عماری پر ایک قبہ یعنی خیمہ نصب کر دو۔ محمد بن ابی بکر اور جناب عمار آپ کے ہودج کو پہلے ہی میدان جنگ سے ہٹا چکے تھے۔ جب آس پاس کوئی نہ رہا تو محمد نے پردہ کے اندر ہاتھ بڑھایا جناب عائشہ نے گھبرا کر پوچھا:

''کون ہو؟ تمہارا ناس ہو۔''

محمد نے صرف اتنا کہا: ''آپ کا سب سے ناپسندیدہ رشتہ دار۔''

جناب عائشہ فوراً ہی سمجھ گئیں پوچھا:

''خثعمیہ کے بیٹے؟''

''جی ہاں آپ کا فرمانبردار بھائی۔''

''فرمانبردار نہیں نافرماں۔''

یہ کہہ کر جناب عائشہ نے منہ پھیر لیا۔ محمد نے پھر پوچھا:

''آپ [کو] کوئی گزند تو نہیں پہونچا؟''

جناب عائشہ نے غضبناک ہو کر کہا:

"تمہیں اس سے کیا؟"

جناب عمار نے پوچھا:

"مادر گرامی! آج آپ نے اپنے لڑکوں کی شمشیر زنی ملاحظہ کی؟"

جناب عائشہ نے پوچھا کون ہو تم؟

"میں آپ کا فرمانبردار فرزند عمار ہوں۔"

"میں تمہاری ماں نہیں۔"

"ماں تو ضرور ہیں، چاہے آپ کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔"

جناب عائشہ غضبناک ہو کر کہنے لگیں: "اب تم نے فتح پائی ہے تو اکڑنے لگے۔"

عمار کے پیچھے مالک اشترؓ بھی کھڑے ہوئے تھے۔ ان کی آہٹ سن کر عائشہ نے پوچھا:

حضرت عائشہ: "عمار تمہارے ساتھ اور کون ہے؟"

عمار: "مالک اشترؓ۔"

عائشہ: "مالک تم ہی نے میرے بھانجے (عبداللہ بن زبیر) کی گت بنائی تھی؟"

مالک اشترؓ: "جی ہاں اور اگر انہیں رسول اللہؐ سے رشتہ داری نہ ہوتی تو ان کا کوئی عضو سالم نہ رہتا۔"

عائشہ اس جواب سے تڑپ گئیں۔ سرزنش کرتے ہوئے بولیں: "مالک! تم نے پیغمبر خداؐ کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ مسلمانوں کا خون بہانا صرف تین ہی صورتوں میں روا ہو سکتا ہے: یا تو وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو جائے یا شوہر دار عورت سے زنا کرے یا بے خطا کسی کو قتل کرے۔

مالک اشترؓ نے برجستہ کہا: "مادر گرامی! انہیں تین باتوں میں سے کسی ایک بات پر میں نے انہیں زخمی کیا ہے۔"

پھر تھوڑی دیر کے بعد امیر المومنینؑ تشریف لائے۔ آپ نے صرف اتنا پوچھا:

"کیسا مزاج ہے آپ کا؟"

آپ کی پرسکون آواز سن کر جناب عائشہ گھبرا گئیں۔ نہ آپ کے لہجہ میں غصہ کی تھرتھری تھی نہ کامیابی کا غرور۔ عائشہ نے کہا:

"اچھی ہوں۔"

"خدا آپ کو معاف کرے۔"

عائشہ نے بھی آپ کے لئے یہی کہا۔

(۳)

اب بصرہ میں مکمل امن و امان تھا۔ بصرہ والوں کے ساتھ آپ کے فیاضانہ سلوک نے پیغمبرؐ کی یاد تازہ کردی جو آپ نے فتح مکہ کے بعد مشرکین مکہ کے ساتھ کیا تھا۔ بصرہ والوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ امیر المومنینؑ ایسی رحمدلی سے پیش آئیں گے اور ہمارے بغض و عناد، تمرد و سرکشی کا جواب ایسے کریمانہ برتاؤ سے دیں گے۔ آپ کے عفو و درگذر، رحم و کرم کے تذکرہ سے لوگوں کی زبانیں نہیں تھکتی تھیں۔ ان کی حمایت اور پاسداری کی وجہ سے خود آپ گوناگوں مشکلات میں پڑ گئے۔ جن لوگوں کی وجہ سے یہ مہم سر ہوئی اور فتحیابی اور کامرانی حاصل ہوئی اب ان کے تقاضے کچھ اور تھے۔ انہوں نے ہزاروں قربانیاں دے کر یہ جنگ جیتی تھی۔ اب وہ مغلوب دشمن کو مال غنیمت کی طرح تقسیم کر لینا چاہتے تھے؛ چنانچہ ان لوگوں نے امیر المومنینؑ سے درخواست بھی کی کہ ان کی جان و مال و عیال ہمارے لئے مباح قرار دیا جائے ان کا مطالبہ تھا۔

اقسم بینا[1] اهل البصرة نتخذهم رقیقاً اہل بصرہ کو ہم پر تقسیم کردیجئے تاکہ ہم انہیں غلام بنالیں۔

حیرت ہے کہ کامیابی کے نشہ میں اسلامی آداب کیونکر یہ لوگ بھلا بیٹھے تھے۔ اگر امیر المومنینؑ جنگ سے پہلے ہی ان لوگوں کے ذہن نشین نہ کرا دیے ہوتے کہ چاہے فتح ہو یا شکست ہمارا رویہ ان کے ساتھ ایسا رہے تو پھر بھی عذر کی کچھ گنجائش تھی مگر امیر المومنینؑ نے بصرہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی اپنی تقریر میں صاف صاف کہہ دیا تھا:

و اذا هزمتموهم فلا تتبعوا مدبراً ولا تكشفوا عورةً ولا تمثلوا بقتيل و اذا وصلتم الى رجال القوم فلا تهتكوا استره ولا تدخلوا داراً ولا تتخذوا من اموالهم شيئاً... ولا تهيجوا امرءةً باذى و ان شتمن اعراضكم و سببن امراء كم و صلحاء كم فانهنّ ضعاف العقول والانفس...ولقد كنّا نؤمر بالكف عنهنّ وانهن لمشركات۔

جب تم ان (اہل جمل) کو شکست دے دو تو کسی بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرنا کسی کی پردہ دری نہ کرنا کسی مقتول کا مثلہ نہ بنانا اور جب تم دشمن کے کیمپ میں پہونچ جاؤ تو ان کی آبروریزی نہ کرنا کسی گھر میں داخل ہونا نہ ان کا مال اسباب کچھ لوٹنا کسی عورت کو

---

[1] "بیننا" ہونا چاہیے۔ متن میں حفظ امانت کے تحت "بینا" باقی رکھا گیا ہے۔

اذیت بھی ہر گز نہ پہونچانا چاہے وہ تمہیں گالیاں ہی کیوں نہ دیں، تمہارے سرداروں اور نیکوکاروں کو برا بھلا کیوں نہ کہیں کیونکہ ان کی عقلیں بھی کمزور ہیں اور ان کی جانیں بھی نازک، ہم لوگوں کو تو مشرک عورتوں سے بھی تعرض کرنے سے منع کیا جاتا تھا (یہ تو پھر بھی مسلمان ہیں)۔

یہ دین و مذہب کا حکم بھی ہے یہی مردانگی بھی اور مکارم اخلاق کا تقاضا بھی، مگر ان سب کے باوجود ان لوگوں نے حضرتؑ کے ارشادات سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور آج وہ اپنے مغلوب دشمن کے مال و متاع لوٹ لینے اور انہیں غلام و کنیز بنا لینے سے کم پر راضی نہ ہوتے تھے۔ امیر المومنینؑ نے ان کی درخواست ٹھکرادی اور فرمایا:

"نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ بھی تمہارے ہی جیسے ہیں۔"

مجمع میں ناراضگی کی لہر دوڑ گئی وہ چیخ کر کہنے لگے:

"انہیں غلام بنانے سے تو منع کر رہے ہیں پھر ان کا خون بہانے کی آپ نے اجازت کیسے دے دی تھی؟"

آپ نے فرمایا:

"دار ہجرت اور دار اسلام میں بھلا کسی کو قیدی بنانا تمہارے لئے کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"اما ما اجلب به القوم عليكم في معسكرهم فهو لكم مغنم واما ماوارت الدور واغلقت عليه الابواب فهو لاهله وما كان لهم من مال في اهليهم فهو ميراث على فرائض الله لا نصيب لكم في شيء منه۔۔۔"

تم سے مقابلہ کے لئے جو ساز و سامان دشمن اپنے لشکر گاہ میں لے کر آئیں وہ تمہارے لئے مال غنیمت ہے۔ گھر میں جو چھوڑ آئیں وہ ان کے بال بچوں کا مال ہے۔ اور جو اسباب ان کے گھر والوں کے پاس ہے وہ میراث ہے۔ وہ ان کے عزیزوں میں اسی طرح تقسیم ہوگا جس طرح خداوند عالم نے فرائض مقرر کئے ہیں۔

اسی موقع پر کچھ انتہا پسند افراد بگڑ گئے اور آپ کے حکیمانہ طرز عمل کو دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئے۔ انہیں لوگوں سے آگے چل کر فرقہ خوارج کی بنیاد پڑی۔ ان لوگوں نے لشکر میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ اختلاف و تکرار نے اچھی خاصی نزاعی صورت اختیار کر لی۔ امیر المومنینؑ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ کسی طرح بھی سمجھانے سے نہیں مانتے تو آپ نے ان کی درخواست فرمانے پر اپنی آمادگی ظاہر کر دی۔ غرض یہ تھی کہ انہیں پورا سبق دے دیا جائے۔ سیدھے طریقہ سے نہیں مانتے تو یوں مانیں گے، آپ نے

سکون واطمینان سے فرمایا:

"اچھی بات ہے۔ جتنے لوگ جنگ میں ہاتھ آئے ہیں ان کے حصے کرلو اور قرعہ اندازی کرو۔ جو جس کے قرعہ میں آئے وہ اس کو لے لے۔"

وہ لوگ خوشی خوشی تیار ہو گئے انہیں امید تھی کہ غیر معمولی منفعت حاصل ہو گی۔

دفعۃً امیر المومنینؑ نے پوچھا:

"تم میں سے کون اپنی ماں کو اپنے حصہ میں لیتا ہے۔ عائشہ کے لئے قرعہ اندازی کرو جس کے نام قرعہ نکلے۔ عائشہ کو اس کے حوالہ کردو۔"

یہ سننا تھا کہ ہوش اڑ گئے لوگوں کے۔ سب اپنا اپنا منہ پیٹنے لگے اور بولے۔

"ہم معافی چاہتے ہیں یا امیر المومنینؑ۔"

اس طرح امیر المومنینؑ نے اپنے محیرّ العقول تدبّر سے اس اٹھتے ہوئے فتنہ کی روک تھام کردی پھر بھی بعض لوگوں کا غم و غصہ دور نہ ہوا۔ اس وقت نہ سہی آگے چل کر دبی ہوئی چنگاری بھڑکتی ہوئی آگ میں تبدیل ہو گئی۔ امیر المومنینؑ نے دشمن کی عزت پر آنچ نہ آنے دی اور لوگوں کے لئے مثال قائم کردی کہ غنیم کے ساتھ کیونکر شریفانہ برتاؤ کیا جاتا ہے۔

بصرہ کے لوگوں نے حضرتؑ کی تشریف آوری کا انتظار بھی نہ کیا۔ ابھی آپ میدان جنگ ہی میں تھے کہ غول کے غول مسلمانوں کے بیعت کے لئے آنے لگے۔ حضرتؑ کے محیر العقول طرز عمل اور بے نظیر فیاضی، دریا دلی کی سرگزشت انہیں معلوم ہو چکی تھی۔ اب ان کے دلوں کو کوئی اضطراب لاحق نہ تھا کیونکہ حضرتؑ نے نہ صرف ان کے مال و اولاد سے کوئی تعرض نہ کیا بلکہ ان کی بھی جاں بخشی کی۔

تین دن محاذ جنگ پر آپ ٹھہرے۔ مقتولین کی لاشیں تلاش کرا کے ایک مقام پر جمع کرائیں تو شمار میں آپ کے انصار ایک ہزار سے کم شہید ہوئے۔ ۱۹ ہزار سے زائد انصار عائشہ مارے گئے۔ آپ نے شہداء پر نماز پڑھ کر دفن کرادیا، پھر ضروری امور سے فراغت کی۔ اس کے بعد آپ بصرہ میں داخل ہوئے۔ عبداللہ ابن زبیر مالک اشتر کے ہاتھوں شدید زخمی ہوئے تھے۔ جب لڑائی ختم ہوئی تو ان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ وہ روپوش ہو گئے تھے۔ حضرت عائشہ کی پریشانی خاطر کا ٹھکانا نہیں تھا۔ عبداللہ بن زبیر ان کے پروردہ تھے، گود کے پالے کی محبت ظاہر ہے۔ اسی کے ساتھ یہ فکر بھی جان کھائے جا رہی تھی کہ بہن اسماء کو کیا منہ دکھاؤں گی۔ زبیر لاپتہ ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ بیوگی کے ساتھ اولاد کا غم بھی اٹھانا پڑے۔ جب انہیں یہ خبر ملی تھی کہ مالک اشتر

کی تلوار نے عبداللہ کا کام تمام نہ کیا بلکہ وہ صرف زخمی ہو کر رہ گئے ہیں تو انہوں نے اس خوشخبری لانے والے کو دس ہزار درہم دے دیے تھے اور اب وہ اپنی آدھی عمر اسے دینے کے لئے تیار تھیں جو عبداللہ بن زبیر کے جانبر ہونے اور خیریت سے رہنے کی خبر دے دیتا بلکہ ان کی تو تمنا تھی کہ جو کچھ ہونا ہے سبھی کو ہو جائے، ابن زبیر محفوظ رہیں۔ انہیں کے دم سے زندگی کی رونق ہے۔

استنے میں قبیلہ ازد کے ایک شخص نے آ کر حضرت عائشہ سے کہا کہ میں بتا سکتا ہوں کہ عبداللہ کہاں موجود ہیں۔ فرط مسرت سے حضرت عائشہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ انہوں نے فوراً حکم دیا: ''محمد (ابن ابی بکر) کو میرے پاس بلا لاؤ۔'' ازدی نے کہا: ''انہوں نے مجھے تاکید کی ہے کہ محمد بن ابی بکر کو خبر نہ ہونے پائے۔'' حضرت عائشہ نے اس کے کہنے کی پرواہ نہ کی بلکہ محمد سے کہا:

''تم اس شخص کے ساتھ جاؤ اور میرے بھانجے کو لے کر آؤ۔''

محمد جب زخموں سے جاں بلب ابن زبیر کو عائشہ کے پاس لے کر پہونچے تو حضرت عائشہ کی جان میں جان آئی۔ ان کے جوار عاطفت میں وہ ہر طرح محفوظ تھے۔ حضرت عائشہ کو یقین تھا کہ اب کوئی شخص انہیں گزند نہیں پہونچا سکتا اور باوجودیکہ وہ اپنی سرکشی میں حد سے زیادہ گزر چکے تھے مگر علیؑ بھی انہیں کوئی ضرر نہ پہونچاتے۔ جب وہ بڑے بڑے سرکش دشمنوں کے ساتھ رحمدلی اور فیاضی کا سلوک کر سکتے تھے تو عائشہ کی خاطر عبداللہ بن زبیر سے چشم پوشی کیا مشکل تھی۔ امیر المومنینؑ نے ان کی ساری خطائیں، ظلم وتعدی، شدید عداوت بھرے مجمع میں آپ کو گالیاں دینا سب معاف کر دیا اور عفو و درگذر کی ایسی مثال قائم کر دی جس کی نظیر سوائے پیغمبرؐ کی زندگی کے کہیں اور نہیں ملتی۔ جس وقت حضرت عائشہ نے امیر المومنینؑ نے ابن زبیر کی سفارش کی آپ نے صرف ایک نگاہ ان پر ڈالی اور فرمایا:

''جاؤ پھر نہ دیکھوں تمہیں۔''

اسی فیاضی کے ساتھ آپ اپنے دشمنوں سے پیش آئے۔ انہیں صرف عام معافی نہیں دی بلکہ ان کے ساتھ محبت والفت کا برتاؤ کیا۔ اپنے آدمیوں کو سختی کے ساتھ آپ کی تاکید تھی کہ زبان سے کسی کو کچھ نہ کہو۔

بصرہ میں داخل ہونے کے بعد آپ نے ضروری سمجھا کہ حضرت عائشہ سے چل کر ملاقات کریں، یہ دیکھنے کے لیے کہ انہیں کسی چیز کی تکلیف تو نہیں۔ حضرت عائشہ عبداللہ بن خلف خزاعی کے مکان میں ٹھہرائی گئیں تھیں (یہ عبداللہ جنگ جمل میں حضرت عائشہ کی طرف سے شریک ہو کر مقتول ہو چکے تھے)۔ جب آپ دروازہ پر پہونچے تو وہاں صفیہ بنت حارث عبداللہ بن خلف کی بیوی کھڑی اپنے مقتول شوہر پر نوحہ وماتم کر رہی تھی۔ اس نے حضرت کو دیکھ کر کہا:

''اے علیؑ! اے دوستوں کے قاتل! اے مجمع کے پراگندہ کرنے والے! خدا آپ کے بچوں کو بھی اسی طرح یتیم کرے جس

طرح آپ نے میرے بچوں کو یتیم کیا۔"

آپ نے اس کا جواب نہیں دیا۔حضرت عائشہ کی طرف متوجہ ہو کر صرف اتنا کہا:

"صفیہ کو دیکھ کر تو میں حیران رہ گیا۔میں نے اس کے بچپن سے لے کر آج تک اسے نہیں دیکھا تھا۔علیؑ اس وقت فاتح کی حیثیت رکھتے تھے۔ان کے چشم و ابرو کے اشارے پر آپ کے ساتھی اس عورت کی آسانی سے زبان بند کر سکتے تھے مگر جو خلق عظیم پیغمبرؐ کا حامل ہو اس سے اس قسم کی باتوں کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا۔جنگ جمل میں جس جس نے آپ کے خلاف تلوار کھینچی، آپ کی ہلاکت کے درپے ہوا، آپ کو دردناک اذیتیں پہونچائیں، آپ نے فتحیاب ہو کر ایک کے ساتھ شریفانہ سلوک کیا۔عائشہ کی ملاقات سے فارغ ہو کر آپ پلٹنے لگے تو اپنے لبوں کو متبسم ہونے سے نہ روک سکے۔حضرتؑ عائشہ کے ساتھی اس خیال میں تھے کہ ہم علیؑ کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گئے۔انہیں گمان تھا کہ علیؑ بہت آسان لقمہ ہیں۔وہ آپ کے سکوت کو دیکھ کر سمجھتے تھے کہ آپ غافل ہیں۔حالانکہ جس وقت آپ گھر میں داخل ہوئے، پہلے ہی لحہ میں ان کے فاسد ارادوں کو تاڑ لیا۔مکان کی فضا سے غدر و فریب کی بو آ رہی تھی۔آپ کو ہلاک کرنے کی سازشیں تھیں۔کمروں کے بند دروازے زبان حال سے اپنا راز کھولے دے رہے تھے مگر آپ نے اپنے کو قابو میں رکھا اور حضرت عائشہ پر یہ بات ظاہر نہ ہونے دی کہ اس مکان میں سازشیں ہو رہی ہیں اس کا ہمیں پورا پتہ ہے۔"

جب عائشہ کو رخصت کر کے آپ چلنے پر آمادہ ہوئے تو آپ نے بند کمروں پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا:

"جی تو چاہتا تھا کہ میں ایک ایک کمرہ کو کھولوں اور اس کے اندر جو چھپا بیٹھا ہے اسے قتل کر ڈالوں۔اس وقت ان کمروں میں حضرتؑ کے بہت سے دشمن چھپے بیٹھے تھے جنہیں بھاگنے کا موقع نہ ملا تھا اور حضرت عائشہ نے امیرالمومنینؑ کو خبر کیے بغیر انہیں پناہ دے رکھی تھی۔ان میں کوئی ایک بھی غفلت میں آپ کو نشانہ بنا سکتا تھا۔کون جانے کہ حضرت عائشہ نے جان بوجھ کر ایسے لوگوں کو ان کمروں میں چھپایا تھا اور چھپاتے وقت ان کی نیت میں کھوٹ بھی تھی یا حضرت عائشہ کو اس کا اطمینان تھا کہ مارے ڈر کے یہ لوگ اس قسم کی حرکت کرنے پر تیار نہ ہوں گے۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں پناہ دیتے وقت آپ نے ان سے قول و قرار لے لیا ہو کہ وہ کسی قسم کی غداری نہ کریں گے۔بہرحال جو صورت بھی رہی ہو مگر حضرت عائشہ کے لئے کسی طرح مناسب نہ تھا کہ کوئی ایسی بات کریں جس سے امیرالمومنینؑ کے مزاج میں برہمی پیدا ہو، نہ یہ لازم تھا کہ ایسے خطرناک محل پر آپ کو ٹھہرنے دیں۔

خود امیرالمومنینؑ کو اپنی جگہ کوئی خوف لاحق نہ تھا۔خدا نے آپ کو زندگی کے جتنے دن بخشے تھے اسے[1] کون کم کر سکتا تھا؟ موت

---

[1] "انہیں" ہونا چاہیے۔یعنی زندگی کے جتنے دن بخشے تھے انہیں کون کم کر سکتا تھا۔حفظ امانت کے تحت "اسے" کو باقی رکھا گیا ہے۔

کا ایک دن معین ہے، نہ غفلت کی وجہ سے وہ ایک دن پہلے آسکتی ہے نہ انتہائی احتیاط پر بھی ایک دن پیچھے ٹل سکتی ہے۔

صفیہ بنت حارث ابھی تک دروازہ پر موجود نوحہ و ماتم کر رہی تھی۔ حضرتؑ کو واپس جاتے دیکھ کر پھر اس نے آپ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ اس وقت آپ کے کسی ساتھی نے کہا: "یہ عورت ہمارے ہاتھ سے بچنے نہ پائے۔" آپ بگڑ گئے اور فرمایا:

"جو بھی کسی عورت سے بدسلوکی کرے گا اسے سخت ترین سزا دوں گا۔"

حضرتؑ اپنے دشمنوں سے چشم پوشی کرتے اور ان کے ساتھ لطف و مدارات سے پیش آتے۔ دوستوں پر انتہائی تشدد برتتے، صرف اس لئے کہ آپ کے دوست بھی اخلاق و کمالات میں آپ کا نمونہ بن جائیں اور دوسرے ان کی پیروی کریں۔ دشمن آپ سے بے خوف رہتے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ حضرتؑ یا تو ہماری دشمنی پر صبر کریں گے یا ہمیں معاف کر دیں گے۔ دشمن کے ساتھ آپ کے طرزِ عمل کی بہترین تصویر کشی آپ کے اس فقرہ سے ہوتی ہے جو اکثر آپ کی زبان پر جاری رہتا۔

متى اشفي غيظي اذا غضبتُ أحين اعجز عن الانتقام فيقال لي لو صبرت ام حين اقدر عليه فيقال لي لو عفوت۔

غضبناک ہونے کی حالت میں، میں اپنے غصہ کی آگ کب بجھاؤں؟ اس وقت جبکہ میں انتقام لینے سے عاجز رہوں اور کہنے والے میری بے بسی دیکھ کر کہیں کاش صبر کر لیا ہوتا یا انتقام کی قدرت رکھنے کے وقت کہ لوگ کہیں کیا اچھا ہوتا جو آپ معاف کر دیتے۔

(۵)

حضرتؑ عائشہ نے صفیہ بنت حارث کے گھر میں بڑے بڑے دشمنانِ امیر المومنینؑ کو پناہ دے رکھی تھی۔ ان میں سے ہر شخص اصحاب جمل لیڈر تھا، یہ لوگ امیر المومنینؑ کی ذات کے لئے بہت بڑا خطرہ بن سکتے تھے۔ جنگ جب ختم نہ ہوئی تھی یہ حضرتؑ کے خون کے پیاسے تھے اور اب جنگ ختم ہونے کے بعد بھی ان سے اطمینان نہ تھا کہ دھوکہ سے حضرتؑ پر حملہ کر کے ہلاک نہ کر ڈالیں اور اس طرح جنگ کا پانسہ ہی نہ پلٹ جائے۔ مگر حضرتؑ نے انہیں کسی قسم کی سزا دینے یا ان سے انتقام لینے کا وہم و گمان بھی نہ کیا۔ آپ ہمیشہ سے عفو و درگزر کے عادی اور انتقام سے متنفر رہے۔ فتحیاب ہونے کے بعد آپ نے کسی پر بھی سختی نہیں کی۔ آپ نے ہر ایک کی جان بخشی کی۔ جتنے لوگ قید ہوئے سب کو رہا کر دیا۔ جو لوگ بھاگ سکے انہیں بھاگنے دیا یہاں تک کہ ان چوٹی کے لیڈروں کی طرف سے بھی آپ نے چشم پوشی کی جنہوں نے جنگ کی آگ بھڑکائی تھی۔ آپ جانتے تھے کہ انہیں قتل کر دینا عین عدالت ہوگی لیکن یہ بھی سمجھتے تھے کہ عفو و درگذر بہترین خوبی ہے اور اسے عدالت پر مقدم رکھنا چاہیے۔ ایک طرف تو حضرتؑ کا

یہ رحم وکرم دوسری طرف ان لوگوں کی یہ حالت کہ بجائے اس کے کہ وہ اپنی خطاؤں پر نادم وشرمسار ہوتے، حضرتؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اظہار اطاعت کرتے، ان لوگوں نے صفیہ کے گھر کو سازشوں کا اڈہ بنالیا اور قیامت یہ کہ حضرت عائشہ بغیر امیرالمومنینؑ کی اجازت کے ان کی سرپرستی فرمارہی تھیں۔ ان کی وجہ سے امیرالمومنینؑ کا کوئی نقصان تو نہیں ہوا تھا کیونکہ پورا شہر قبضہ میں آچکا تھا اور اب ساری آبادی وہاں کی معافی کی طلبگار اور مطیع وفرمانبردار تھی، پھر بھی تشویش کی بات یہ تھی کہ ابھی ابھی یہ شہر حلقہ اطاعت میں داخل ہوا تھا، موقع ملنے پر اس شہر والے غداری بھی کر سکتے تھے۔ یہاں حضرت عائشہ بھی موجود تھیں اور جنگ جمل کے سرغنے بھی۔ حسن عقیدت کی بنا پر یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عائشہ نے کسی بدنیتی کی بنا پر نہیں بلکہ صرف رحمدلی کی بنا پر ان سرغنوں کو پناہ دے رکھی تھی۔ لیکن یہ اندیشہ تو بہرحال اپنی جگہ پر ہے کہ کسی وقت بھی حضرت عائشہ ان باغیوں کے بہکانے میں آسکتی تھیں اور ان کے مجبور کرنے سے پھر امیرالمومنینؑ کے خلاف علم مخالفت بلند کر سکتی تھیں۔ ان میں سے ہر شخص بڑا کینہ توز اور پکا دشمن تھا اور ہر ایک کے لئے ممکن تھا کہ وہ حضرت عائشہ کو پھر علیؑ کی دشمنی پر کمربستہ کردے۔ حضرت عائشہ نے سپر ضرور ڈال دی تھی مگر اس عداوت کو تو دل سے دور نہ کرسکی تھیں جو ہمیشہ سے ان کے دل میں جاگزیں رہی اور جس کے مظاہرے ابھی چند لمحہ پیشتر زور وشور سے ہو رہے تھے۔ دشمن لاکھ مغلوب ہو چکا ہو پھر بھی اس کے دل میں یہ جذبہ ضرور رہتا ہے کہ کب موقع ملے اور کب داؤں کر جاؤں۔ انسانی طبائع میں اس قسم کے جذبات بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں اور یہی جذبات آمادہ جرم کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ عورت ذات تھیں اور اسی قسم کے جذبات کا مجموعہ۔ اس لئے اگر وہ اس موقع پر ان سرغنوں کے بہکانے میں آجاتیں تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ امیرالمومنینؑ نے اگرچہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی عزت واحترام میں کوئی کمی نہ کی، ان کی اب تک کی بدسلوکیوں کا صلہ مہربانی واحسان سے اور ان کی زیادتیوں کا بدلہ مروت وشراوت[1] سے دیتے رہے لیکن انسان بہرحال جذبات کا بندہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت عائشہ کی یہ خواہش رہی ہو کہ عداوت میں اس حد کو نہ پہونچ جائیں مگر افسوس کہ ایسا ہوا نہیں۔

امیرالمومنینؑ سے یہ حالات مخفی نہ تھے مگر آپ نے ہر لمحہ عائشہ کے ساتھ نرمی برتی اور ان کی زیادتیوں کو عورت ذات کی ناسمجھی پر محمول کیا۔ اسی کے ساتھ ان کی جو عزت وتوقیر ہونی چاہئے تھی اس میں کوتاہی نہ ہونے دی۔

اب حضرتؑ کو سب سے بڑی فکر یہ تھی کہ اس سازشی اڈہ کو ختم کیا جائے۔ آپ وہاں چھپے ہوئے تمام باغیوں کو قتل کرسکتے تھے مگر حضرت عائشہ انہیں امان دیے ہوئے تھیں۔ آپ ان سے تعرض کرتے تو حضرت عائشہ کی سبکی ہوتی۔ حضرتؑ نے مناسب سمجھا

---

[1] ''شرافت'' ہونا چاہیے۔ حفظ امانت کے تحت ''شراوت'' کو باقی رکھا گیا ہے۔

کہ جلد سے جلد عائشہ کو مدینہ روانہ کرایا جائے۔ ان کی جانے بعد یہ مجمع خود پراگندہ ہو جائے گا۔

مگر ابھی تک عائشہ ہٹ سے باز آنے پر تیار نہ تھیں۔ انہوں نے مدینہ جانے سے صاف انکار کر دیا۔ حضرت امیر المومنینؑ اپنی کوششوں سے باز نہ آئے۔ آپ نے عبداللہ بن عباس کو بھیجا کہ سمجھا بجھا کر جانے پر آمادہ کریں۔ ابن عباس سے معظمہ بہت بے رخی سے پیش آئیں۔ انہیں دیکھ کر منہ پھیر لیا۔ ان کو بیٹھنے کی نہ اجازت دی نہ فرش بچھایا۔ ابن عباس نے خود ہاتھ بڑھا کر ان کے اسباب میں سے کوئی چیز بچھانے کے لئے لے لی۔ عائشہ بپھر گئیں اور کہنے لگیں:

"ابن عباس تم نے سنت پیغمبر کا دھیان نہ کیا۔ ہمارے گھر میں ہمارے فرش پر ہماری اجازت کے بغیر بیٹھ رہے۔"

ابن عباس نے سکون و اطمینان سے بھرے لہجہ میں کہا:

"یہ آپ کا گھر تو نہیں جس میں خداوند عالم نے آپ کو ٹکنے کا حکم دیا تھا۔"

حضرت عائشہ خاموش ہو گئیں، کوئی جواب ان سے نہ بن پڑا۔ ابن عباس جس مقصد کو لے کر آئے تھے اس کی طرف آتے ہوئے بولے:

"امیر المومنینؑ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ ان کی مرضی یہ ہے کہ آپ مدینہ تشریف لے جائیں۔"

"امیر المومنین کہاں؟ امیر المومنین تو عمر تھے۔"

"رہے ہوں گے اب تو امیر المومنین علیؑ ہیں۔"

"میں نہیں مانتی!"

اس نوبت پر پہونچ کر ابن عباس نے بہت سی باتیں کہیں جن سے حضرت عائشہ آپے سے باہر ہو گئیں۔

ابن عباس نے حضرت ابوبکر کو لے ڈالا اور ان کے متعلق بہت سخت و سست کہہ گئے۔ ہمیں مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ ان تمام باتوں کو دہرائیں اسی سلسلۂ گفتگو میں ابن عباس نے کہا:

"خدا کی قسم! اب آپ کی حیثیت پٹے ہوئے مہرے کی سی ہے۔ آپ نہ حکم دیتی ہیں نہ منع کرتی ہیں نہ لیتی ہیں نہ دیتی ہیں۔"

حضرت عائشہ کے کلیجہ پر اس فقرہ سے چوٹ سی پڑی۔ ابن عباس کی کھری کھری باتوں نے اپنی صحیح پوزیشن واضح کر دی۔ آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر اب بھی ہار ماننے پر تیار نہ تھیں۔ انہوں نے گریہ ضبط کرتے ہوئے کہا:

"انشاء اللہ میں خود ہی بہت جلد یہ شہر چھوڑ دوں گی۔ تم لوگ جس شہر میں رہو اس سے بڑھ کر قابل نفرت شہر میرے لئے اور کوئی نہیں۔"

ابن عباس نے پوچھا: ''یہ کیوں؟''

حضرت عائشہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ ابن عباس نے جب دیکھا کہ وہ کچھ بولتی نہیں ہیں تو اسی سکون بھرے لہجہ میں بولے:

''خدا کی قسم! ہم ہی تمہیں ام المومنین بنایا اور ہم ہی نے تمہارے باپ کو صدیق مشہور کیا۔''

حضرت عائشہ چیخیں: ''ابن عباس! تم رسول اللہؐ کے ذریعہ ہم پر احسان جتاتے ہو؟''

''کیوں؟ میں کیوں نہیں احسان جتاؤں؟ رسول اللہؐ باحیات ہوتے تو تم کیا ہم پر احسان نہ جتاتیں؟''

حضرت عائشہ چُپ ہوگئیں۔ ابن عباس کی قوت تقریر اور زور استدلال انہیں پہلے سے معلوم تھا۔ ان سے جیتنا کہاں ممکن تھا۔

امیر المومنینؑ نے پھر مالک اشتر سے کہا کہ تم جا کر سمجھاؤ۔ مالک نے جا کر بہت کچھ سمجھایا مگر انہوں نے ایک نہ مانی اور اپنی ہٹ پر قائم رہیں۔ آخر کار خود امیر المومنین تشریف لائے۔ حجرہ میں داخل ہو کر سلام کر کے بیٹھ گئے اور فرمایا: ''اے حمیرا! اگر تم اپنے[1] افعال پر شرمندہ و پشیمان ہو تو مدینہ جانے کا سامان کرو۔ اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار نہیں کیونکہ مجھے سرورِ عالمؐ نے حکم دیا تھا کہ میری بی بیوں میں ایک بی بی تم سے جنگ کرے گی۔ جب اس پر ظفریاب ہو جاؤ تو اس کو گھر پہونچا دینا اور تمہارا گھر مدینہ ہے۔ بعض روایات میں ہے اس پر عائشہ نے مجبور ہو کر تیاری شروع کر دی۔ (روضۃ الاحباب، جلد ۳، ص ۶۵۔۶۶ / روضۃ الصفا، جلد ۳، ص ۳۰۳)

بعض روایات میں ہے کہ اس پر بھی راضی نہ ہوئیں اور حضرت علیؑ ناکامیاب واپس آئے اور کچھ سمجھا کر امام حسنؑ کو بھیج دیا۔ جب وہ پہونچے تو اس وقت عائشہ کنگھی کر رہی تھیں۔ آپ نے بڑھ کر ان کے کان میں کچھ کہا جس پر عائشہ نے آدھی کنگھی کی تھی اور آدھی چھوڑ دی اور فوراً تیار ہوگئیں اور آپ واپس آئے۔ عورتوں نے اصرار کے ساتھ پوچھا: ''وہ کیا بات تھی؟'' عائشہ نے کہا: ''آنحضرتؐ نے علیؑ کو اپنی حیات و ممات میں اپنے ازواج کی طلاق کا اختیار دے دیا تھا۔ یہ اسی بات کا ذکر تھا۔

(روضۃ الاحباب، جلد ۳، ص ۶۶۔۶۷ / حبیب السیر وغیرہ)

(۶)

حضرت عائشہ مدینہ جانے پر آمادہ ہوگئیں۔ امیر المومنینؑ نے ہر قسم کے[2] ضروریات فراہم کر کے ان کے ساتھ کر دیے۔ اس کے علاوہ آئندہ کی ضروریات کے لئے بارہ ہزار درہم بھی دیے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ امیر المومنینؑ کی گرانقدر عنایت تھی

---

[1] ''اپنی'' ہونا چاہیے۔ حفظ امانت کے تحت ''اپنے'' کو باقی رکھا گیا ہے۔

[2] اگلے لفظ ضروریات کے ساتھ ''کی'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ یہاں بھی ''کی'' ہونا چاہیے۔ دونوں جگہ ایک جیسا ہو تو مناسب ہے۔ حفظ امانت کے تحت ''کے'' کو باقی رکھا گیا ہے۔

اور منجملہ دیگر بے شمار احسانات کے ایک بڑا احسان۔ عبداللہ بن جعفر، امیر المومنینؑ کے بھتیجے نے اپنی طرف سے اور بھی بہت سا مال واسباب ساتھ کر دیا۔

حضرت عائشہ اس فیاضانہ برتاؤ سے کافی متاثر ہوئیں۔ علیؑ کی شرافت ومروت اور پاکیزہ نفسی نے ممنونِ کرم کیا ہی تھا، مال ومتاع دے کر اور شرمندۂ احسان بنایا۔ کوئی چیز ان کی ضرورت کی ایسی نہ تھی جو ان کے لئے مہیا نہ کی ہو۔ سواری، زادِ سفر، مال و زر اور ہر وہ چیز جو ان کی شان کے لائق رہی ہو بلکہ آپ نے ان کی عزت وتوقیر میں اتنا اہتمام فرمایا کہ حضرت عائشہ کے بہت سے ساتھیوں کو جو ان کی طرف سے آپ سے لڑے تھے، اجازت دی کہ ساتھ جائیں۔ جب قافلہ چلنے پر تیار ہوا تو آپ نے اپنے فرزند محمد بن حنفیہ سے کہا: "بیٹا! تم بھی ساتھ ساتھ جاؤ۔" امام حسنؑ وامام حسینؑ کو حکم دیا کہ ایک شب وروز کی مسافت تک ان کے ساتھ جائیں۔

یہ اتنے احسانات کے بعد بھی راستہ میں حضرت عائشہ امیر المومنینؑ کو برا بھلا کہنے سے باز نہ رہیں۔ امیر المومنینؑ نے بنی عبدقیس کے ۴۰ جوانوں کو ساتھ کر دیا کہ ہر وقت اپنے حلقہ میں لئے ان کی حفاظت کرتے ہوئے جائیں اور ہر ضرورت کا خیال رکھیں۔ اتنے جوانوں کو اردگرد دیکھ کر حضرت عائشہ کو ہول ہوتا تھا اور بار بار بگڑ کر کہتیں:

"علیؑ نے اس فوجی دستہ کو مجھ پر مسلط کر کے میری بے عزتی کی ہے۔"

حضرت عائشہ اس حفاظتی دستہ کے نوجوانوں کو مرد خیال کئے ہوئے تھیں حالانکہ وہ نوجوان عورتیں تھیں جو مردوں کے بھیس میں تھیں۔ جب حضرت عائشہ مدینہ پہونچیں اور اپنے گھر میں داخل ہوئیں تو ان عورتوں نے سروں سے عمامے پھینکے اور قہقہہ لگا کر کہا ہم سب کی سب عورتیں ہیں۔

(طبری، جلد ۵، ص ۲۲۵، جلد ا، ص ۲۲۶ / ابوالفدا، جلد ا، ص ۱۷۳ / روضۃ الصفا، جلد ۲، ص ۳۰۳)

یہ آخری ملاقات تھی حضرت عائشہ کی اس شخص سے جس انہوں نے عداوت وعناد سے جنگ کی اور اس شخص نے حلم ومروت سے ان کے ہر وار کا مقابلہ کیا۔ انہوں نے تشدد اور زیادتی کر کے غالب آنا چاہا اور اس نے اپنے پاکیزہ نفس اور کینہ وحسد سے پاک وصاف دل سے انہیں مغلوب کر لیا۔ حضرت عائشہ پھر اس کے بعد نہ سیاست میں دخیل ہوئیں نہ لوگوں کے معاملات سے کوئی سروکار رکھا بلکہ گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ رہیں۔ گھر کے باہر کیا ہو رہا ہے اس سے انہیں کوئی دلچسپی نہ رہی۔

حضرت عائشہ کے جانے کے بعد سرغنے بھی ایک ایک کر کے کھسک گئے۔ حضرتؑ کے عفو ودرگذر نے انہیں آزاد چھوڑ دیا۔ ان کی غداری، بغاوت وعناد ہر چیز آپ نے بھلا دی اور ان کو یوں ہی چھوڑ دینے پر آپ نے کوئی ندامت بھی محسوس نہ کی یہاں تک کہ مروان بن حکم بھی آپ کے رحم وکرم سے محروم نہ رہا، جس کی شورہ پشتی اور سخت ترین عداوت کو دیکھتے ہوئے بڑی سے

بڑی سزا بھی جائز تھی۔ مروان نے بھاگنا چاہا مگر بھاگ نہ سکا۔ گرفتار کر کے آپ کی خدمت میں لایا گیا۔ امام حسنؑ امام حسینؑ نے سفارش کی اور کہا:

"امیر المومنینؑ! یہ آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہے۔"

آپ نے بس ایک حقارت بھری نظر اس پر ڈالی اور زبان سے کچھ نہ کہا۔ مروان نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا مگر آپ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینا پسند نہ کیا۔ حسنینؑ اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر کہا:

"اولم یبایعنی بعد مقتل عثمان؟..... لاحاجة لی فی بیعته...... انها کف یهودیة....."

کیا اس نے عثمان کے قتل ہونے کے بعد میری بیعت نہ کی تھی؟ مجھے اس کی بیعت کی کوئی حاجت نہیں۔ یہ ہاتھ یہودی کا ہاتھ ہے۔

مروان جب واپس جانے لگا تو آپ نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

"اما ان له امرة كلعقة الكلب انفه.... وهو ابو الا كبش الاربعة.... ستلقى الامة منه و من ولده يوماً احمر"۔

اسے کچھ دن کی بادشاہت تو ضرور حاصل ہوگی مگر اتنی ہی دیر جتنی دیر کتا اپنی ناک کو چاٹتا ہے۔ یہ چار سرداروں کا باپ ہے اور وہ دن بہت جلد آنے والا ہے جب مروان اور اس کے فرزندوں سے مسلمانوں کو روز سرخ دیکھنا پڑے گا۔

اس موقع پر وہ خطبہ بھی قابل ذکر ہے جو حضرتؑ نے بصرہ میں داخل ہونے کے بعد ارشاد فرمایا۔ اس سے وہاں کے ماحول، لوگوں کی نفسیات اور افتاد مزاج کا بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے۔

جب جنگ جمل ختم ہوئی اور فتح بصرہ مکمل ہوگئی تو امیر المومنینؑ نے حکم دیا کہ منادی کر دی جائے کہ نماز جمعہ مسجد میں ہوگی۔ سب لوگ حاضر ہوں؛ چنانچہ جمعہ کے دن سب لوگ حاضر ہوئے اور آپ نے مسجد جامع میں نماز پڑھائی۔ فراغت نماز کے بعد دیوار قبلہ سے ٹیک لگائی پھر کھڑے ہو کر حمد وصلوات اور درود وسلام کے بعد ارشاد فرمایا:

"كنتم جند المرأة و اتباع البهيمة رغا فاجبتم و عقر فهربتم اخلاقكم دقاق و عهدكم شقاق دينكم نفاق وماء كم زعاق والمقيم بين اظهركم مرتهن بذنبه والشاخص عنكم متدارك برحمة من ربه الخ"

اے لوگو! تم ایک عورت کی سپاہ ہو اور چوپائے کے پیرو۔ وہ چیخا تو تم نے لبیک کہی اور جب اس کے پاؤں کاٹ ڈالے گئے تب بھاگ کھڑے ہوئے، تمہارے اخلاق سست اور تمہارا عہد و پیمان ناپائدار ہے، تمہارا مذہب نفاق ہے اور تمہارا

پانی شور ہے۔ جو شخص کہ تم میں اقامت گزیں ہوتا ہے گویا خود گناہوں میں رہن ہوتا ہے اور جو شخص تم سے دور رہتا ہے رحمت خداوندی کا مستوجب ہوتا ہے الخ۔

حضرت عثمان ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ کو مقتول ہوئے۔ صفر ۳۶ھ کے آخر میں حضرت عائشہ بصرہ پہونچیں۔ ۲۵ ربیع الثانی کو انہوں نے بصرہ فتح کرلیا۔ ربیع الثانی کے آخر میں امیر المومنینؑ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ جمادی الثانی ۳۶ھ میں لڑائی ہوئی۔ یکم رجب ۳۶ھ کو حضرت عائشہ مدینہ واپس ہوئیں۔ اس جنگ میں ۱۶۷۹۶ آدمی حضرت عائشہ کی طرف سے اور ۱۰۷۰ جناب امیرؑ کی طرف سے مقتول ہوئے۔ روضۃ الصفا میں ہے کہ ۱۷ ہزار عائشہ کے اور ۳ ہزار جناب امیرؑ کے مارے گئے۔ ابوالفدا اور ابن خلدون نے کشتگان فریقین کی تعداد ۱۰ ہزار لکھی ہے، اور لکھا ہے کہ جمل کے انجام پر عبدالرحمن بن ابی بکر نے آکر جناب امیرؑ کی بیعت کی۔ ابن اثیر ۵ ہزار عائشہ کے اور ۵ ہزار علیؑ کے ہمراہیوں کا مقتول ہونا بتاتا ہے۔ مسعودی کہتا ہے کہ جنگ جمل میں ۱۳ ہزار عائشہ کے اور ۵ ہزار جناب امیرؑ کے مارے گئے۔ طبری نے ۱۰ ہزار عائشہ کے اور ۵ ہزار علیؑ کے بتائے ہیں۔ اکثر مورخین کے قول کی بنا پر علیؑ کی کل فوج ۲۰ ہزار اور عائشہ ۳۰ ہزار تھی۔ (تاریخ اسلام، ماسٹر ذاکر حسین صاحب دہلوی مرحوم)

تیسراباب

معاویہ بن ابی سفیان کی بغاوت

جنگ جمل کے خاتمہ پر عمار یاسر اور مالک اشتر نے آئندہ کا پروگرام پوچھا۔حضرت علیؑ نے کہا:"بصرہ میں عبداللہ بن عباس حاکم رہیں گے اور ہم کوفہ کی طرف چلیں گے کہ اس کو دار الخلافہ بنانے کا ارادہ ہے۔"

حضرت کے عہد خلافت کا نمایاں کارنامہ دار الحکومت کی تبدیلی ہے۔ان شہروں پر جو تقدس و تبرک کا مرجع اور تعظیم و تکریم کا مرکز بن جاتے ہیں جمود و خمود طاری ہو جاتا، نذر و نیاز اور چراغی لینے کے متمنی باشندے فوجی اسپرٹ سے بیگانہ ہو جاتے ہیں اور کسی صالح و نفع بخش تمدن کو قبول کرنے کی صلاحیت ان میں باقی ہی نہیں رہتی۔قدامت پرستی اور وضع داری کا غلط تصور ان کو ترقی پذیر اعمال سے روکتا ہے اور ایجادات و اختراعات میں مانع ہوتا ہے۔اجمیر و بنارس کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔یہاں کا معاشرہ انقلابی روح سے یکسر خالی ہے اور یہاں کے باشندے بڑھتے ہوئے زمانہ کے نت نئی تبدیلیوں کو قبول کرنے سے یکسر قاصر رہے ہیں۔

ابراہیم و آل ابراہیمؑ نے ہمیشہ اس نکتہ کو پیش نظر رکھا اور قدامت پسند و زوال زدہ معاشرے سے الگ ہٹ کر اپنے مرکز بنائے۔کلدانیہ کے [شہر] اُر سے حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت، حران سے کوچ کر کے کنعان کے ملک میں آباد ہونا اسی مصلحت کی بنا پر تھا۔فتح مکہ کے بعد رسول مقبولؐ اس کو دار الحکومت بنا سکتے تھے، مگر ان کو علم تھا کہ مکہ کے پرانے رسم و رواج وہاں کے خاندانی اور قبائلی تشخصات ان کے انقلابی پیام کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے میں مانع ہوں گے۔مدینہ ابھی تازہ دم تھا۔اس کی آب و ہوا قدامت پرستی کے جراثیم سے خالی تھی۔وہاں"بدنام کنندہ نیکو نامی چند" ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔استخوان فروشی اور ماضی پرستی کرنے والا طبقہ ابھی وجود میں نہیں آیا تھا۔لیکن حضرت علیؑ نے جب عنان حکومت سنبھالی ہے تو مدینہ میں یہ سب چیزیں پیدا ہو چکی تھیں۔مہاجرین و انصار کی اولاد پیرزادگی کے مرض میں مبتلا تھی۔ہم چو ما دیگرے نیست کا نعرہ لگا رہی تھی۔تقدس اور تبرک فروشی میں مصروف تھی اس لئے اب وہ کسی صالح اور ترقی پذیر جد و جہد میں شرکت ہونے کی اہلیت سے محروم ہو چکی تھی اور ان کو ساتھ لے کر کسی انقلابی پروگرام کا نافذ کرنا دشوار تھا۔کوفہ ابھی نیا شہر تھا۔وہاں عرب کے تازہ دم شجاع خاندان آباد تھے۔وہ مسلمانوں کے وسیع و عریض حکومت کے قلب میں واقع تھا۔دریائے فرات کے کنارے ہونے کی وجہ سے بحری تجارت کا مرکز بن سکتا تھا۔ہندوستان، چین، خراسان اور ایران خشکی کے راستے بھی یہاں سے قریب تھے۔بحری راستے بھی پہونچنا آسان تھا۔ملکی

اور فوجی انتظام کی سہولتوں کے لحاظ سے کوفہ کا انتخاب موزوں تھا۔ جہاں قیام کی وجہ سے حضرت علیؑ کو فوجوں پر اسلامی تعلیم کا اثر ڈالنے کا موقع ملا اور کوفہ اسلامی اور ادبی نشأۃ ثانیہ کا مرکز بن گیا۔ اس زمانہ میں اسلامی تمدن اور ثقافت کی نیابت فوجیوں ہی کے اخلاق و عادات اور کردار کے ذریعہ ہوسکتی تھی کیونکہ یہی لوگ دور دست ملکوں اور شہروں میں جاتے تھے اور ان کو دیکھ کر باہر کے باشندے اسلامی تعلیم کا اندازہ لگاتے تھے۔ حضرت علیؑ نے کوفہ کی چھاؤنی میں قیام کر کے اس کو اسلامی ثقافت و تہذیب کا مولد و ملسأ بنا دیا۔ آپ کے علمی فیوض اور علمی کارناموں کی بدولت وہاں ایک ایسی سوسائٹی پیدا ہوگئی جو زندگی کے ہر شعبہ میں سبقت لے گئی اور اسلامی علوم و فنون کی قیادت کا سہرا علیؑ ہی کے سر رہا۔

جب آپ اس صدی کے مسلمانوں کی علمی ترقیوں کا جائزہ لیں گے تو آپ کے سامنے مکہ و مدینہ کے بجائے کوفہ اور بصرہ کی علمی اکیڈمیوں کا نام زیادہ آئے گا۔ عراق کی سرزمین پر جو علمی ترقیاں ہوئیں، ادبی، تاریخی، لسانیاتی اور فلسفیانہ لٹریچر پیدا کرنے میں یہاں کے لوگوں نے جو بیش از بیش حصہ لیا، وہ کچھ اس ذات والا صفات کا منت پذیر ہے، جس کے علمی خطبوں نے تحقیق و تدقیق، علمی غور و خوض اور سائنٹیفک تجسس و تدبر کی نئی راہیں کھول دی تھیں۔

نہج البلاغہ کے خطبے فن خطابت و تقریر کے شاہکار ہونے کے ساتھ ساتھ علمی درس بھی ہیں۔ یہ انہیں خطبوں کا فیض تھا کہ اونٹ چرانے والے عرب معلّم عالم اور مدرّس علوم بن گئے اور ان کے علمی کمالات اور عملی تجربات نے یونان و روما کو شرما دیا۔

کوفہ فوجی چھاؤنی تھا۔ وہاں مسلم دنیا کے خطہ کے باشندے آ کر آباد ہوگئے تھے۔ ان میں اچھے بھی تھے اور برے بھی تھے۔ کوفیوں کے کردار کی برائیاں آپ نے بہت سنی ہوں گی مگر یہ بولئے کہ حق پر قائم رہنے والے اور حق پر جان دینے والے بھی یہیں پیدا ہوئے۔ جابر و ظالم سلاطین کے خلاف اگر کسی شہر نے مسلسل اور متواتر احتجاج کیا ہے تو وہ یہی کوفہ ہے۔ اسلام کے جانبازوں اور جانثاروں کی فہرست بنائیے اور دیکھیے کہ اس میں کوفہ کے باشندوں کے کتنے نام ہیں اور دوسرے شہروں کے رہنے والوں کا کیا تناسب ہے۔ غرض حضرت علیؑ نے کوفہ کو اپنے قیام کے لئے منتخب کر کے اسلامی دنیا میں ایک نئے مرکز علمی و عملی کا اضافہ کیا اور وہاں علم دوستوں اور فداکاروں کی سوسائٹی پیدا کر کے ایک نئے دور کا آغاز کیا اور اس سوسائٹی نے تاریخ اسلام میں وہ کارہائے نمایاں کئے جو مکہ اور مدینہ کے تقدس مآب طبقہ سے بن نہ آئے۔

الغرض کوفہ کو دارالخلافہ بنایا گیا۔ جانشین نبیؐ کا خدم و حشم جب اس شہر میں پہونچا تو قیام کے لئے قصر حکومت خالی کر دیا مگر آپ نے وہاں سکونت اختیار نہ کی بلکہ رحبہ میں قیام پذیر ہوئے۔ جمعہ کے دن نماز پڑھائی۔ صوبوں کا انتظام شروع کیا۔ جابجا عامل

اور حاکم مقرر کئے۔ شام کے علاوہ ہر طرف تسلط ہو گیا۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں سارا ملک ان کے عاملوں کے ظلم وستم اور لوٹ کھسوٹ سے چلا رہا تھا۔ علیؑ نے معتمد اور معتبر لوگوں کو حاکم بنایا اور آپ کے منتخب لوگوں کے خلاف شاید ہی کوئی شکایت کی گئی ہو۔

سعد بن حنیف جن کو شام کا حاکم بنا کر بھیجا گیا تھا یہ خبر لے کر واپس آئے کہ وہاں معاویہ اعلان بغاوت کر چکا ہے اور علیؑ کی بیعت وخلافت کا منکر ہے۔ (مولانا ابن حسن صاحب جارچوی)

جناب امیرؑ بعد بیعت خلافت کئی ماہ تک مدینہ و بصرہ کے انتظامات یعنی جنگ جمل کی مہم میں مصروف رہے۔ اس عرصہ میں معاویہ نے حصول حکومت میں خوب خوب کوششیں کیں۔ باشندگان ملک کو ہر طرح سے اپنا مطیع کر لیا۔ حضرت عمر کے زمانہ سے ملک شام پر مستقل گورنر تھے۔ پانچ صوبے ماتحت تھے۔ طاقت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ قاتلان حضرت عثمان کا شرعی بہانہ مل گیا۔ اہل شام کے دلوں میں یہ امر جاگزیں کر دیا کہ جناب امیرؑ حضرت عثمان کے قاتلوں میں شریک تھے۔ اس خیال کو پیدا کر کے تمام اہلیان شام کو آپ سے بددل کر دیا۔ درحقیقت ان کو جناب امیرؑ اور خاندان رسالت سے بغض تھا۔ ان کے والد ابو سفیان نے آنحضرتؐ کو ہر طرح کی تکلیفیں پہونچانے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ انہیں کے بیٹے یہ بھی تھے۔ [۱]

---

[۱] ۔ معاویہ بن ابی سفیان کے حالات، ان کی سیرت، ان کا کردار محتاج بیان نہیں۔ اس سوانح عمری میں پہلے بھی مختصراً ان کا ذکر آچکا ہے اور آئندہ صفحات میں بھی ان کے خط وخال زیادہ واضح ہوتے جائیں گے۔ ہم یہاں ضمنی طور پر ان کی شخصیت کے بعض پہلو پر روشنی ڈالنا مناسب سمجھتے ہیں:

معاویہ کے متعلق اکابر اسلام کے خیالات

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے:

قال خرج رسول اللہ من فج فنظر الی ابی سفیان و ھو راکب و معاویۃ و اخوہ احدھما قائد والآخر سائق فلما نظر الیھم رسول اللہ ﷺ قال: اللھم العن القائد والسائق والراکب۔

حضرت سرور کائناتؐ ایک گھاٹی سے برآمد ہوئے آپ کی نظر ابوسفیان پر پڑی جو مرکب پر سوار تھا اور معاویہ اور اس کا بھائی سواری کو آگے پیچھے سے ہانک رہے تھے۔ جب آنحضرتؐ کی نظر ان پر پڑی تو آپ نے فرمایا: خداوندا لعنت کر قائد و سائق اور راکب تینوں پر۔ کتاب صفین طبع مصر، ص ۲۴۷۔

تاریخ طبری میں ہے کہ پیغمبرؐ نے ابوسفیان کو ایک گدھے پر سوار آتے دیکھا۔ اس گدھے کو آگے معاویہ کھینچ رہا تھا، پیچھے سے یزید ابن ابی سفیان ہانک رہا تھا۔ آنحضرتؐ نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا: لعن اللہ القائد والراکب والسائق۔ خداوند عالم اس قائد اور سائق اور راکب تینوں پر لعنت کرے۔ تاریخ طبری، جلد ۱۱، ص ۳۵۷۔

اسی حدیث کی طرف امام حسنؑ نے معاویہ سے گفتگو میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تھا: "میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، معاویہ! وہ دن یاد ہے جبکہ تمہارے باپ سرخ رنگ کے اونٹ پر آئے تھے، تم اس اونٹ کو پیچھے سے ہانک رہے تھے اور تمہارا بھائی یزید آگے سے کھینچ رہا تھا تم لوگوں کو رسالت مآبؐ

نے دیکھ کر فرمایا تھا: اللهم العن الراكب والقائد والسائق۔ خداوندا اس راکب پر بھی تیری لعنت ہو اور قائد و سائق پر بھی۔"

محمد بن ابی بکر نے بھی اسی حدیث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے معاویہ کے خط میں لکھا تھا: انت اللعين ابن اللعين۔

(۲) براء بن عازب سے منقول ہے کہ ابوسفیان آتا ہوا نظر پڑا۔ اس کے ساتھ معاویہ بھی تھا۔ رسالت مآبؐ نے دیکھ کر فرمایا: "اللهم العن التابع والمتبوع۔ خداوندا تابع اور متبوع دونوں پر لعنت فرما۔ اللهم عليك بالاقيعس خداوندا! اقیعس کی تو خبر لے۔" براء کے لڑکے نے اپنے باپ سے پوچھا اقیعس کون؟ کہا: معاویہ۔ (کتاب صفین مطبوعہ مصر ص ۲۸۴)

(۳) امام احمد نے مسند جلد ۴، ص ۴۲۱ میں ابو یعلیٰ نے اپنے مسند میں نصر بن مزاحم نے کتاب صفین، ص ۲۴۶ طبع مصر نے ابو براء اسلمی کے واسطہ سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہؐ کے ہمرکاب تھے۔ آپ نے دو آدمیوں کو گاتے ہوئے سنا۔ آپ نے فرمایا: "دیکھو تو کون ہے؟" لوگوں نے کہا: "معاویہ اور عمرو بن عاص۔" رسول اللہؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا: "اللهم اركسهما ركساً و دعهما الى النار دعاً" خداوندا! انہیں ذلیل و خوار کر اور جہنم میں ڈال۔ (لسان العرب، جلد ۷، ص ۴۰۷ اور جلد ۹، ص ۴۳۹ میں بھی اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔

چونکہ یہ حدیث مسلم الثبوت تھی اور اس کے اسناد میں کوئی خرابی نہ تھی اس لئے ہوا خواہان معاویہ سے برداشت نہ ہو سکا۔ امام احمد نے یہ ترکیب کی کہ اس حدیث میں معاویہ اس حدیث میں معاویہ اور عمرو بن عاص کے نام اڑا دیئے اور نام کی جگہ فلاں فلاں لکھ دیا۔ دوسرے لوگوں نے یہ من گھڑت کی کہ اس حدیث میں معاویہ ابن ابی سفیان اور عمرو بن عاص نہیں مقصود بلکہ معاویہ ابن رافع اور عمرو بن رفاعہ بن تابوت مراد ہیں اور یہ دونوں منافق تھے۔ اس کے لئے انہوں نے سیف بن عمر کی ایک حدیث بھی ڈھونڈ نکالی ہے مگر تماشا یہ ہے کہ اسی سیف بن عمر کو تمام محدثین متفقہ طور پر لکھ چکے ہیں: انہ ضعیف، متروک ساقط کذاب وضاع متھم بالزندقہ وغیرہ وغیرہ۔ دیکھئے حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثانیہ، ص ۲۵۷ اور رسالہ اصلاح ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۵۷ھ۔

(۴) حضرت سرور کائناتؐ نے ارشاد فرمایا: يطلع عليكم من هذا الفج رجل من امتي يحشر على غير ملتي فطلع معاويه۔ اس گھاٹی سے میری امت کا ایک ایسا شخص برآمد ہوگا جو میری ملت کے علاوہ دوسری ملت پر محشور ہوگا پس معاویہ برآمد ہوئے۔ (تاریخ طبری، جلد ۱۱، ص ۳۵۷)

نصر بن مزاحم کی لفظوں میں یہ حدیث یوں ہے: يطلع عليكم من هذا الفج رجل يموت حين يموت على غير سنتي۔ اس گھاٹی سے ایسا شخص برآمد ہوگا جو میرے مسلک کے علاوہ کسی اور مسلک پر مرے گا جب بھی مرے۔ (کتاب صفین، ص ۲۴۷)

(۵) مشہور حدیث مرفوع میں ہے کہ پیغمبر خداؐ نے ارشاد فرمایا: ان معاويه فى تابوت من نار فى اسفل درك منها ينادى يا حنان يا منان الآن و قد عصيت من قبل و كنت من المفسدين۔ معاویہ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں آگ کے تابوت کے اندر ہوں گے۔ وہ پکاریں گے: "یا حنان یا منان۔" جواب ملے گا اب؟ حالانکہ تم نے اس پہلے نافرمانیاں ہی کیں اور تم مفسدین میں سے تھے۔ (تاریخ طبری، جلد ۱۱، ص ۲۵۷، کتاب صفین، ص ۲۴۳)

(۶) حضرت ابوذر غفاری نے معاویہ سے کہا: "تم ایک مرتبہ گزر رہے تھے۔ میں نے رسول اللہؐ کو کہتے سنا: "اللهم العنه ولا تشبعه الا التراب۔ خداوندا اس پر لعنت فرما اور خاک سے اس کا پیٹ بھر۔" (الغدیر، جلد ۸، ص ۲۱۲)

(۷) نصر بن مزاحم نے کتاب صفین میں اور ابن عدی عقیلی خطیب اور مناوی نے ابوسعید خدری اور عبداللہ بن مسعود کے واسطوں سے مرفوعاً روایت کی ہے: اذا رائيتم معاويه يخطب على منبري فاقتلوه۔ جب تم لوگ معاویہ کو میرے منبر پر خطبہ پڑھتے دیکھنا تو اسے قتل کر ڈالنا۔

ابوسعید بیان کرتے ہیں: ولم نفعل ولم نفلح۔ ہم نے ایسا نہیں کیا اور ہماری فلاح بھی نہ ہوئی۔ حسن بصری کہتے تھے: فما فعلوا ولا افلحوا۔ نہ لوگوں نے

ایسا کیا نہ ان کی فلاح ہوئی۔ (کتاب صفین طبع مصر، ص ۲۴۳/ تاریخ طبری، جلد ۱۱، ص ۳۵۷/ تاریخ خطیب، جلد ۱۲، ص ۱۸۱/ شرح ابن ابی الحدید، جلد ۱، ص ۳۴۸/ کنوز الدقائق مناوی، ص ۱۰/ تہذیب التہذیب، جلد ۵۲، ص ۳۲۸)

علامہ سیوطی نے بھی نسائی مصنوعہ، جلد ۵۱، ص ۴۲۴ و ۴۲۵ میں اس حدیث کو متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے اور ہر ایک کو ناقص ٹھہرایا ہے مگر ان کی نظر اس پر نہیں گئی کہ علامہ بلاذری نے اپنی تاریخ میں ابن عدی اور عقیلی کے طریقوں کے علاوہ دوسرے سلسلہ اسناد سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس سلسلہ اسناد میں کوئی خرابی نہیں۔ بلاذری کی حدیث یہ ہے:

"حدثنا یوسف ابن موسی وابو موسی اسحاق الفردی قال حدثنا جریر بن عبدالحمید حدثنا اسماعیل بن ابی خالد والاعمش عن الحسن قال قال رسول اللہ ﷺ اذا رائیتم معاویہ علی منبری فاقتلوہ فترکوا امرہ فلم یفلحوا ولم ینجحوا"۔

ہم سے بیان کیا یوسف بن موسیٰ اور ابوموسیٰ اسحاق فردی نے ان سے بیان کیا کہ جریر بن عبدالحمید نے ان سے اسماعیل ابن ابی خالد اور اعمش نے ان سے حسن بصری نے کہ رسالت مآبؐ نے فرمایا: "جب تم معاویہ کو میرے منبر پر دیکھنا تو اسے قتل کر ڈالنا۔ مگر لوگوں نے رسولؐ کے حکم پر دھیان نہ دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ انہیں فلاح نصیب ہوئی نہ کامیابی۔

رجال اسناد

(۱) یوسف بن موسیٰ ابو یعقوب کوفی، بخاری، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن خزیمہ کے رجال میں ہے۔ اس کی روایتیں ان کے صحاح میں موجود ہیں اور انہوں نے ان کی توثیق کی ہے۔

(۲) جریر بن عبدالحمید ابوعبداللہ الرازی، صحاح ستہ کے رجال سے ہیں۔ ان کے ثقہ ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔

(۳) اعمش سلیمان بن مہران ابومحمد کوفی۔ یہ بھی صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔ ان سے بڑھ کر سچا کوئی نہیں۔

(۴) حسن بصری یہ بھی صحاح ستہ رجال میں سے ہیں۔ ان کے ثقہ ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔

(۵) علامہ بلاذری نے ابوسعید خدری سے ایک اور حدیث روایت کی ہے: انصار میں سے کسی شخص سے چاہا کہ معاویہ کو قتل کر ڈالے۔ لوگوں نے کہا: حضرت عمر کے عہد میں تلوار اس وقت تک نہ کھینچو جب تک انہیں خط لکھ کر اجازت نہ منگائی جائے۔ اس انصاری نے کہا: میں نے رسول اللہ کو کہتے سنا ہے: "جب تم معاویہ کو منبر پر خطبہ پڑھتے دیکھنا تو اسے قتل کر ڈالنا۔" لوگوں نے کہا: ہم نے خود بھی یہ حدیث پیغمبرؐ سے سنی ہے لیکن بغیر حضرت عمر سے اجازت لئے ایسا نہ کر سکے۔

حضرت عمر کو خط لکھا گیا مگر کوئی جواب نہ آیا یہاں تک کہ ان کا انتقال بھی ہو گیا۔

علامہ ابن حجر نے بھی تہذیب التہذیب جلد ۷، ص ۳۲۴ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ ابن عدی نے اس حدیث کی بھی روایت کی ہے جیسا کہ میزان الاعتدال جلد ۲، ص ۱۲۸ میں مذکور ہے۔

پیغمبر خداؐ کی ایک مشہور اور مسلم الثبوت حدیث سے بھی ان مذکورہ بالا حدیثوں کی تائید ہوتی ہے پیغمبرؐ کا ارشاد گرامی ہے:

"اذا بویع لخلیفین فاقتلوا الآخر منھما" جب دو خلیفوں کی بیعت ہو جائے تو جس کی آخر میں ہو اس کو قتل کر ڈالو۔

دوست داران بنی امیہ و ہوا خواہان معاویہ سے اور کوئی تاویل تو ان حدیثوں کی بن نہ سکی، زیادہ سے زیادہ یہ بات بنائی جا سکی کہ ان حدیثوں میں معاویہ سے مراد معاویہ بن ابی سفیان نہیں بلکہ معاویہ بن تابوت ہے مگر یہ کوئی نہیں بتاتا کہ معاویہ بن تابوت کس قوم و قبیلہ کا تھا؟ کب پیدا ہوا؟ کہاں پیدا ہوا؟ کس نے اسے دیکھا؟ کس نے اس سے سنا؟ کبھی اسے کسی نے منبر پیغمبرؐ پر دیکھا بھی یا نہیں؟ یا آج تک دیکھا ہی نہیں گیا اور نہ کبھی دیکھا جائے گا۔

اسی قسم کی تاویل فاطمہ بنت قیس کی حدیث میں کی گئی ہے۔ فاطمہ بنت قیس نے پیغمبر خداؐ کی خدمت میں عرض کی: حضور مجھے دو شخصوں نے شادی کا پیام

دیا ہے، ایک معاویہ دوسرے ابوجہم۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: معاویہ فقیر وقلاش ہے، اس کے پاس کوئی مال نہیں۔

رافعی کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں معاویہ ابن ابی سفیان مراد نہیں جو آگے چل کر خلیفہ ہوئے۔ (اصابہ، جلد ۲، ص ۲۹۸)

معاویہ کی محبت میں رافعی نے ایسی ہی تاویل کی ہے مگر علامہ نووی شارح صحیح مسلم نے اس کی تردید بھی کردی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''یہ صریحی غلط ہے۔ خود صحیح مسلم میں یہ حدیث وارد ہے اور اس میں معاویہ بن ابی سفیان مذکور ہے۔ امام مسلم نے صحیح مسلم، جلد ۴، ص ۲۹۸ میں، ابوداؤد نے سنن ابی داؤد، جلد ا، ص ۲۵۹ میں، نسائی نے جلد ۶، ص ۲۰۷ میں، طیالسی نے مسند ص ۲۲۸ میں، بیہقی نے سنن کبریٰ جلد ۷، ص ۱۷۴ میں معاویہ بن ابی سفیان ہی کی صراحت کی ہے۔

علامہ ابن حجر اور ابن کثیر وغیرہ نے اذا رأیتم معاویہ علی منبری فاقتلوہ کو غلط ثابت کرنے میں ایک دوسری صورت اختیار کی ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: ''یہ حدیث بلاشک جھوٹی ہے۔ اگر صحیح ہوتی تو صحابہ ضرور معاویہ کو قتل کرڈالے ہوتے کیونکہ انہیں خدا کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ ہوتی تھی۔''

علامہ ابن حجر اپنی تطہیر الجنان میں لکھتے ہیں: ''اس حدیث کو صحیح ماننے کی صورت میں سارے صحابہ خطاوار ٹھہرتے ہیں۔ کم سے کم وہ صحابہ تو ضرور ہی مجرم ٹھہرتے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو سنا مگر معاویہ کو قتل نہ کیا بلکہ کتمان سے کام لیا۔'' صحابہ کے ساتھ ان حضرات کا جو حسن ظن ہے اس وقت زیادہ مناسب ہوتا جب کہ عقل وفہم اور واقعات بھی ساتھ دیتے۔ تاریخ میں دو ایک نہیں سیکڑوں مثالیں ایسی موجود ہیں کہ پیغمبرؐ کے ارشادات ٹھکرا دیے گئے۔ آپ نے صاف صاف لفظوں میں حکم دیا اور صحابہ نے جان بوجھ کر اس کی تعمیل نہ کی۔ پیغمبرؐ نے ذی الثدیہ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اس کو صریحی طور پر پہچنوا کر حکم دیا کہ قتل کرڈالو۔ حضرت ابوبکر وعمر اسے قتل کرنے گئے بھی مگر اس کی نماز اس کا خضوع وخشوع دیکھ کر واپس آگئے۔ پیغمبرؐ نے صریحی لفظوں میں حکم دیا کہ جب دو شخصوں کی بیعت ہوجائے تو آخر میں جس کی بیعت ہوا سے قتل کرڈالو۔ پیغمبرؐ نے فرمایا: جو شخص اس امت میں تفریق پیدا کرنا چاہے اسے تلوار سے مارو چاہے کوئی بھی ہو۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جو شرمندہ تعمیل نہ ہوئیں۔

(۸) زید بن ارقم اور عبادہ بن صامت سے مرفوعاً مروی ہے: اذا رأیتم معاویۃ وعمرو بن العاص ففرقوا بینھما فانھما لم یجتمعا علی خیر جب تم معاویہ اور عمرو بن عاص کو اکٹھے دیکھو تو دونوں کو الگ الگ کردو کیونکہ وہ کبھی بھلائی کے کام میں اکٹھے نہیں ہوں گے۔ (کتاب صفین نصر بن مزاحم، ص ۱۲ / عقد الفرید، جلد ۲، ص ۲۹۰)

معاویہ اور شراب

(۱) امام احمد نے عبداللہ بن بریدہ کے واسطے سے روایت کی ہے، عبداللہ کا بیان ہے کہ ہم اپنے باپ بریدہ کے ہمراہ معاویہ کے پاس گئے۔ معاویہ نے ہم لوگوں کو فرش پر بٹھایا پھر کھانا آیا، ہم سب نے کھایا۔ پھر شراب آئی۔ معاویہ نے خود بھی پی اور میرے باپ کو بھی دی۔ میرے باپ نے کہا: جس دن سے رسول اللہؐ نے اسے حرام کیا ہے، ہم نے نہیں پیا۔ (مسند احمد، جلد ۵، ص 3۴۰)

(۲) علامہ ابن عساکر نے اپنی تاریخ جلد ۷، ص ۲۱۱ میں عمیر بن رفاعہ کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ عبادہ بن صامت صحابی پیغمبرؐ شام میں تھے۔ ان کی طرف سے اونٹوں کی قطار گذری جن پر شراب لدی ہوئی تھی۔ عبادہ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ زیتون تو نہیں؟ لوگوں نے کہا: نہیں، بلکہ شراب ہے جو دوسروں کے ہاتھ بیچی جاتی ہے۔ عبادہ نے ایک چھری لے کر ہر مشک چاک کردی۔ ابوہریرہ بھی شام ہی میں تھا۔ معاویہ نے اس کے پاس کہلا بھیجا کہ اپنے بھائی عبادہ کو روکتے نہیں۔ وہ ہر صبح بازار میں پہونچ جاتے ہیں اور ذمی تاجروں کی دوکانداری غارت کردیتے ہیں اور ہر شام مسجد میں بیٹھتے ہیں اور سوائے ہمیں برا بھلا کہنے کے اور عیب لگانے کے کوئی دوسرا کام نہیں ہوتا۔ ابوہریرہ نے عبادہ سے کہا: تمہیں معاویہ سے کیا سروکار؟ جو کرتے ہیں کرنے دو۔ خداوند عالم فرماتا ہے: تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم۔ عبادہ نے جواب دیا: ابوہریرہ تم اس وقت ہمارے ساتھ نہیں تھے، جبکہ ہم نے رسول خداؐ کی بیعت کی تھی؟ ہم نے ان باتوں پر بیعت کی تھی کہ پیغمبرؐ کا حکم سنیں گے، ہر حال میں اطاعت کریں گے، تنگ حالی اور فراخی دونوں حالتوں میں راہ خدا میں خرچ کریں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کریں گے، خدا کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کریں گے الخ۔

(۳) ابن عساکر وغیرہ نے روایت کی ہے کہ عبدالرحمن بن سہل انصاری عہد عثمان میں شام میں تھے۔ شراب کے مشکیزے ان کی طرف سے گذرے جو معاویہ کے لئے جارہے تھے۔ وہ اپنا نیزہ لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ہر مشک پھاڑ ڈالی۔ غلاموں نے عبدالرحمن کو پکڑلیا۔ جب معاویہ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو کہا: انہیں چھوڑ دو۔ وہ بوڑھے ہیں اور ان کی عقل جاتی رہی ہے۔ عبدالرحمن نے کہا: خدا کی قسم میری عقل نہیں گئی لیکن رسول اللہؐ نے ہمیں منع کیا ہے کہ نہ ہمارے شکموں میں شراب داخل ہو نہ ہمارے مشکیزوں میں۔ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں اگر میں زندہ رہا اور میں نے معاویہ میں وہ باتیں دیکھیں جنہیں میں رسول اللہؐ سے سن چکا ہوں تو میں اس کا پیٹ پھاڑ دوں گا یا خود اپنی جان دے دوں گا۔ (اصابہ، جلد ۲، ص ۴۰۱ / تہذیب التہذیب جلد ۶، ص ۱۹۲ / استیعاب جلد ۲، ص ۴۰۱ / اسد الغابہ، جلد ۳، ص ۲۹۹)

اب تک یہی مشہور تھا کہ شراب نوشی کا سلسلہ یزید سے شروع ہوا مگر یہ روایتیں بتاتی ہیں کہ یہ سلسلہ بہت پہلے سے شروع ہو چکا تھا اور یزید نے میراث میں یہ عادت پائی تھی۔

معاویہ اور ربا

امام مالک ونسائی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ معاویہ نے سونے یا چاندی کا پیالہ اس کے وزن سے زیادہ دام پر فروخت کیا۔ ابو درداء صحابی پیغمبرؐ نے کہا: میں نے رسولؐ سے سنا ہے کہ برابر برابر فروخت کرنا چاہیے۔ معاویہ نے کہا: ہمارے نزدیک تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابو درداء نے کہا: میں تو رسول اللہ کا حکم بیان کر رہا ہوں اور تم اپنی رائے بتا رہے ہو۔ جس شہر میں تم رہو گے وہاں اب میں نہ رہوں گا۔ ابو درداء مدینہ واپس آگئے اور حضرت عمر سے یہ ساری سرگذشت بیان کی۔ حضرت عمر نے معاویہ کو لکھا کہ برابر برابر دام پر فروخت کرو۔ (موطا جلد ۲، ص / سنن نسائی جلد ۷، ص ۲۷۹ / سنن بیہقی، جلد ۵، ص ۲۸۰)

(۲) امام مسلم نے ابو الاشعث کے واسطہ سے روایت کی ہے۔ ابو الاشعث کا بیان ہے کہ ہم لوگوں نے ایک جنگ میں شرکت کی۔ معاویہ سردار لشکر تھے۔ بہت سا مال غنیمت ہاتھ میں آیا۔ منجملہ اس کے ایک چاندی کا برتن تھا۔ معاویہ نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ اسے فروخت کر دو۔ ہر شخص اسے خریدنے کے لئے جلدی کر رہا تھا۔ عبادہ بن صامت کو خبر ملی۔ انہوں نے کہا: میں نے رسالت مآب کو سنا ہے۔ آپ نے سونے کو سونے سے، چاندی کو چاندی سے، گیہوں کو گیہوں سے، جو کو جو سے، تمر کو تمر سے، نمک کو نمک سے بیچنے کو منع کیا ہے مگر یہ کہ برابر برابر بیچا جائے۔ جس نے زیادتی کی اس نے سود لیا۔ اس پر تمام مجمع نے جو کچھ لیا تھا واپس کر دیا۔ معاویہ کو یہ خبر ملی تو انہوں نے کہا کہ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ پیغمبرؐ کی طرف سے ایسی حدیثیں بیان کرتے ہیں جو ہم نے نہیں سنیں حالانکہ ہم بھی صحبت میں رہ چکے ہیں۔ عبادہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے پورا واقعہ پھر سے بیان کیا اور کہا ہم ہر حال میں پیغمبرؐ کی حدیثیں بیان کریں گے چاہے معاویہ کو ناگوار ہی کیوں نہ ہو۔ (صحیح مسلم، جلد ۵، ص ۴۳ / سنن بیہقی، جلد ۵، ص ۲۷۷ / تفسیر قرطبی، جلد ۳، ص ۳۴۹)

یہی بات کیا کم تھی کہ سونا یا چاندی زیادہ سونا یا چاندی کے عوض بیچی گئی۔ اس پر قیامت یہ کہ وہ پیالہ کی شکل میں بغیر توڑے بیچا گیا۔ یہ شریعت اسلام میں بالاتفاق حرام ہے۔ ملاحظہ ہو محلی ابن حزم، جلد ۸، ص ۵۱۴۔

سفر میں اتمام صلوٰۃ

طبرانی اور امام احمد وغیرہ نے روایت کی ہے جب معاویہ مکہ حج کے لئے آئے تو انہوں نے ظہر کی نماز قصر یعنی دو رکعت پڑھی۔ اس پر مروان بن حکم اور عمرو بن عثمان نے معاویہ سے شکایت کی کہ حضرت عثمان کو اتنا بڑا عیب کسی نے نہیں لگایا جتنا آپ نے۔ پوچھا وہ کیا؟ کہا: آپ کو معلوم نہیں کہ عثمان مکہ میں پوری نماز پڑھا کرتے تھے۔ معاویہ نے کہا: وائے ہو، میں نے خود رسول اللہؐ کے ساتھ نماز قصر پڑھی۔ پھر ابوبکر اور عمر کے ساتھ بھی برابر قصر پڑھی۔ ان دونوں نے کہا: جو کچھ بھی ہو بہر حال عثمان نے تو پوری پڑھی۔ اب آپ کا ان کے خلاف قصر پڑھنا ان کے لئے بہت بڑا عیب ہوگا۔ چنانچہ اس کے بعد جب معاویہ نے عصر کی نماز پڑھی تو چار رکعت پڑھی۔ (مسند، جلد ۴، ص ۹۴ / فتح الباری، جلد ۲، ص ۴۵۷ / نیل الاوطار شوکانی، جلد ۲، ص ۲۶۰)

نماز عیدین میں اذان کی ایجاد

زہری سے مروی ہے کہ عید میں زمانہ پیغمبرؐ میں اذان کہی گئی نہ زمانہ ابوبکر وعمر میں نہ عہد عثمان میں۔ معاویہ نے شام میں اس کی ایجاد کی اور حجاج نے گورنری مدینہ کے زمانہ میں اس کو رائج کیا۔ (امام شافعی کی کتاب الام، ج ا، ص ۲۰۸)

علامہ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں: "اس میں اختلاف ہے کہ کس نے نماز عیدین میں اذان واقامت کی ایجاد کی۔ ابن ابی شیبہ نے باسناد صحیح سعید بن مسیب سے روایت کی ہے کہ معاویہ اس کا موجد ہے۔ امام شافعی نے بھی زہری کے واسطہ سے انہیں کو اس کا موجد قرار دیا ہے۔" (فتح الباری، جلد ۲، ص ۳۶۲)

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے عیدین میں اذان واقامت کی ایجاد کی وہ معاویہ ہیں۔ (ارشاد الساری، جلد ۲، ص ۳۰۲)

مذاہب اربعہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی چاروں کا متفقہ مسلک ہے کہ اذان واقامت صرف نماز پنجگانہ کے لئے ہے اور کسی نماز کے لئے نہیں۔ امام شافعی لکھتے ہیں: "اذان صرف نماز پنجگانہ کے لئے ہے۔ ہمیں نہیں معلوم کہ رسول اللہؐ کے زمانہ میں سوا پنجگانہ کے کسی اور نماز میں اذان کہی گئی ہو۔ (کتاب الام، جلد ا، ص ۲۰۸)

امام مالک موطا میں لکھتے ہیں: انہوں نے متعدد علماء کو یہی کہتے سنا کہ عید فطر وعید الضحیٰ میں کبھی اذان نہ کہی گئی، نہ رسول اللہؐ کے زمانہ میں نہ آج کل۔ یہ وہ دستور ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ (موطاء، جلد ا، ص ۱۴۶)

بدھ کے دن جمعہ کی نماز

کوفہ کا ایک شخص اونٹ پر سوار دمشق میں آیا۔ دمشق کا ایک شخص اس کے پیچھے پڑ گیا اور کہنے لگا: یہ اونٹنی میری ہے۔ تم نے صفین میں مجھ سے چھین لی تھی۔ معاملہ معاویہ کے پاس پہونچا۔ دمشقی شخص نے پچاس آدمیوں سے گواہی دلوادی کہ یہ اونٹنی میری ہے۔ معاویہ نے کوفی کے خلاف فیصلہ دے دیا اور اسے حکم دیا کہ یہ اونٹنی اس کے حوالہ کردو۔ کوفی نے کہا: خدا آپ کا بھلا کرے، پہلے یہ تو دیکھیے کہ یہ اونٹ ہے یا اونٹنی؟ معاویہ نے کہا: اب تو فیصلہ ہونا تھا ہو چکا۔ اس کے بعد معاویہ نے پوشیدہ طریقہ سے اس کو بلا بھیجا اور پوچھا: تمہارا اونٹ کتنے داموں کا تھا؟ اس نے قیمت بتادی۔ معاویہ نے دگنی قیمت دلوادی اور اس کے علاوہ مزید انعام واکرام دیا اور کہا: علیؑ سے جا کر کہہ دینا کہ میں ایک لاکھ ایسے آدمیوں کو لے کر آپ کا مقابلہ کروں گا جو اونٹ اور اونٹنی میں تمیز نہیں کرتے اور اطاعت اتنی بڑھی ہوئی ہے کہ صفین جاتے ہوئے بدھ کے دن جمعہ کی نماز پڑھادی (اور کوئی معترض نہ ہوا)۔ ان لوگوں نے اپنا سر عاریت دے دیا ہے اور عمروعاص کی اس بات کو گرہ میں باندھ لیا ہے کہ علیؑ نے عمار یاسر کو قتل کیا کیونکہ وہی ان کو اپنی مدد کے لئے لائے تھے۔ پھر شام والوں کی اطاعت اتنی بڑھی کہ انہوں نے علیؑ پر تبرا کرنے کو اپنی سنّت بنالیا ہے۔ اسی پر بچے تربیت پارہے ہیں اور اسی پر بوڑھے مریں گے۔ (مروج الذہب، جلد ۲، ص ۷۲)

معاویہ اور استعمال محرمات

امام ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ مقدام بن معدیکرب اور عمرو بن اسود اسدی معاویہ کے پاس آئے۔ معاویہ نے مقدام سے کہا: تمہیں معلوم نہیں ہے؟ حسن بن علیؑ انتقال کر گئے۔" مقدام نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ اس پر ایک شخص نے کہا (امام احمد کی روایت میں ہے کہ خود معاویہ نے کہا) کیا تم اسے مصیبت سمجھتے ہو۔ مقدام نے کہا: میں کیوں نہ مصیبت سمجھوں؟ پیغمبرؐ نے انہیں اپنی گود میں لے کر کہا تھا: "یہ حسنؑ مجھ سے ہے اور حسینؑ علیؑ سے۔" اس پر اس اسدی شخص نے کہا: ایک چنگاری تھی، جسے خدا نے بجھا دیا۔ مقدام نے کہا: معاویہ! آج میں اس وقت تک نہ ٹلوں گا، جب تک تمہیں غضبناک نہ کرلوں اور ایسی باتیں نہ سنالوں جو تمہیں ناگوار گذریں۔ پھر کہا: معاویہ! اگر سچ بولوں تو تم میری تصدیق کرنا اور اگر جھوٹ بولوں تو مجھے جھٹلا دینا۔ معاویہ نے کہا: کہو۔

مقدام: تمہیں معلوم ہے کہ رسول اللہؐ نے ریشم پہننے کو منع کیا ہے۔

معاویہ: ہاں۔

مقدام: تم نے رسول اللہؐ سے سنا ہے کہ آپ نے سونا پہننے سے منع کیا ہے۔

معاویہ: ہاں۔

مقدام: تم یہ بھی جانتے ہو کہ پیغمبرؐ نے درندوں کی کھال پہننے اور درندوں پر سواری کرنے سے منع کیا ہے۔

معاویہ: ہاں۔

مقدام: تو خدا کی قسم میں نے یہ سب باتیں تمہارے گھر میں دیکھیں۔

معاویہ: میں پہلے جانتا تھا کہ تم سے میری جان نہ بچ سکے گی۔ (مسند احمد، جلد ۴، ص ۱۳۰/ سنن ابی داؤد، جلد ۲، ص ۱۸۶)

زیاد بن سمیہ کو بھائی بنانا

منجملہ ضروریات دین اسلام پیغمبر خدا کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے: "الولد للفراش وللعاھر الحجر" لڑکا شوہر کا ہے اور زناکار کے لئے سنگساری ہے۔ یہ حدیث صحاح ستہ حدیث کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں موجود ہے اور مسلمانوں نے اسے نسب کے معاملہ میں بنیادی پتھر قرار دیا ہے۔

پیغمبر خداؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے: "من ادعی ابا فی الاسلام غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرام" "مسلمان ہو کر اگر کوئی شخص اپنے باپ کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا باپ بنائے، اس پر جنت حرام ہے۔ اسی قسم کی اور سیکڑوں مسلم الثبوت حدیثیں ہیں مگر معاویہ نے زیاد بن سمیہ کو سیاسی مصالح کی بنا پر بھائی بنا کر کھلم کھلا ان تمام ارشادات پیغمبرؐ کی مخالفت کی اور قانونی باپ محروم کر کے سارے حقوق زنا کرنے والے کو دلا دیے۔

زیاد قبیلۂ ثقیف کے غلام عبید کا لڑکا تھا۔ پہلے یہ زیاد بن عبید کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جب معاویہ نے اس کو بھائی بنا لیا تو زیاد بن سفیان کے نام سے پکارا جانے لگا۔ اور جب اموی سلطنت ملیامیٹ ہوگئی تو زیاد بن ابیہ زیاد بن امہ اور زیاد بن سمیہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

خود معاویہ نے بھائی بنانے کے پہلے اسے ایک خط میں لکھا تھا: من امیر المومنین معاویہ ابن سفیان الی زیاد بن عبید فانک عبد کفرت النعمۃ واستدعیت النقمۃ الخ۔ معاویہ بن سفیان کی طرف سے زیاد بن عبید کے نام۔ تم ایک غلام تھے جس نے کفران نعمت کیا اور بربادی و ہلاکت کی خواستگاری کی الخ۔ (شرح ابن الحدید، جلد ۴، ص ۶۸)

زیاد کی ماں سمیہ ایران کے کسی کسان کی کنیز تھیں۔ وہ کسان ایک مرتبہ بیمار ہوا۔ علاج کے لئے حارث بن کلدہ طبیب ثقفی کو بلایا۔ جب اس کے علاج سے اسے صحت ہوئی تو اس نے اظہار شکر گزاری کے طور پر اپنی کنیز سمیہ اسے عطا کی۔ حارث نے اپنے رومی غلام عبید سے اسے بیاہ دیا۔ عبید ہی کی زوجیت میں سمیہ کے بطن سے زیاد پیدا ہوا۔ جب زیاد بڑا ہوا تو اس نے اپنے باپ کو ایک ہزار درہم میں خرید کر آزاد کر دیا۔ اس زیاد کی ماں سمیہ مشہور بدکار اور بیسوا عورت تھی۔

علامہ ابو عمر اور ابن عساکر نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر نے اپنے عہد حکومت میں زیاد کو یمن بھیجا وہاں کے حالات درست کرنے کے لئے۔ وہاں سے واپس آ کر اس نے ایک تقریر کی جو بہت پسند کی گئی۔ عمرو عاص نے کہا: اگر یہ نوجوان قریشی ہوتا تو یہ سارے عرب کو اپنی لاٹھی سے ہانکتا۔ ابوسفیان نے کہا: میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں جس نے اس زیاد کو اس کی ماں کے پیٹ میں رکھا۔ علی ابن ابی طالبؑ نے پوچھا: ابوسفیان! وہ کون ہے؟ ابوسفیان نے کہا: میں۔ علیؑ نے کہا: چپکے بھی رہو۔ ابن عساکر کی لفظیں یہ ہیں کہ عمرو عاص نے کہا: ابوسفیان! خاموش رہو، اگر عمر نے یہ بات سن لی تو تمہاری گت بنا دیں گے۔ اس پر ابوسفیان نے چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا کہ اگر کسی کا خوف نہ ہوتا تو میں اصل واقعہ کو ظاہر کر دیتا۔ میں نے ثقیف سے بہت دنوں درگذر کی اور ان میں اپنے میوۂ دل کو چھوڑ رکھا۔

اسی واقعہ نے معاویہ کو آمادہ کیا اس پر کہ زیاد کو بھائی بنائے۔ (استیعاب، جلد ۱، ص ۱۹۵/ تاریخ ابن عساکر، جلد ۱، ص ۴۱۰)

کون پوچھے اور کس سے پوچھا جائے کہ اگر صرف اتنی سی بات پر معاویہ نے زیاد کو بھائی بنا لیا تو اس سے زیادہ ضروری عمرو عاص کو بھائی بنانا تھا کیونکہ عمرو عاص کی پیدائش کے دن علی الاعلان ابوسفیان نے اس کا دعویٰ کیا تھا کہ میں نے اس کو اس کی ماں کے رحم میں رکھا ہے۔ اس پر عاص کا اس سے جھگڑا ہوا مگر نابغہ (عمرو عاص کی ماں) نے عاص کا ساتھ دیا کیونکہ ابوسفیان بخیل تھا۔ اس سے زیادہ پیسے ملنے کی امید نہ تھی۔

زیاد کے مادری بھائی ابو بکرہ کو جب اس کی خبر ملی کہ معاویہ نے زیاد کو بھائی بنالیا ہے اور زیاد اس پر راضی بھی ہے تو انہوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم اس سے بھی نہیں بولیں گے۔ ابو بکرہ نے کہا: زیاد نے اپنے باپ عبید کی ولدیت سے انکار کر کے جیسے خود اپنی ماں سے زنا کیا۔ خدا کی قسم! میرا یقین تو یہ ہے کہ سمیہ نے کبھی ابوسفیان کی شکل بھی نہ دیکھی ہوگی۔ ستیاناس ہو اس کا۔ یہ ام حبیبہ (معاویہ کی بہن اور پیغمبرؐ کی بیوی) کے ساتھ کس طرح پیش آئے گا؟ کیا وہ ام حبیبہ کو دیکھنا چاہتا ہے۔ اگر ام حبیبہ نے اس سے پردہ کیا تو زیادہ ذلیل ہو جائے گا اور بھائی بننے کا پول کھل جائے گا اور اگر ام حبیبہ سامنے ہوئیں تو بڑی بھاری مصیبت اور پیغمبرؐ کی زبردست ہتک حرمت ہوگی۔ معاویہ کے زمانہ میں زیاد نے حج کیا۔ حج سے فارغ ہو کر مدینہ آیا چاہا کہ ام حبیبہ کے پاس بھی جائے مگر پھر ابو بکرہ کا قول یاد آگیا اس لئے پلٹ آیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے خود ام حبیبہ نے سامنے آنے کی اجازت نہ دی۔

طبری نے ابو اسحاق سے روایت کی ہے کہ زیاد جب کوفہ آیا تو اس نے لوگوں سے کہا: میں تمہارے پاس ایک ایسی غرض سے آیا ہوں جس فائدہ تمہیں کو ہوگا۔ لوگوں نے کہا: فرمائیے۔ زیاد نے کہا: تم میرا نسب معاویہ سے ملا دو۔ لوگوں نے کہا: جھوٹی گواہی سے تو ہم ملانے سے رہے۔ وہاں سے وہ چل کر بصرہ آیا جہاں ایک شخص ایسا مل گیا جس نے گواہی دے دی۔ (طبری، جلد ۶ ص ۱۲۳)

ابن عساکر و ابن اثیر لکھتے ہیں کہ ابوسفیان طائف گیا تھا۔ وہاں ایک شراب بیچنے والے کے یہاں ٹھہرا، جس کا نام ابو مریم سلولی تھا۔ یہ ابو مریم بعد میں مسلمان بھی ہوا اور پیغمبرؐ کی صحبت سے بھی شرفیاب ہوا۔ ابوسفیان نے شراب پینے کے بعد ابو مریم سے عورت کی خواہش ظاہر کی۔ ابو مریم نے کہا: حارث بن کلدہ کی کنیز اور عبید کی بیوی سمیہ موجود ہے۔ کہو تو بلا دوں۔ ابوسفیان نے کہا: اسی کو بلا دو، اگر چہ اس کے پستان بہت بڑے ہیں اور اس کی بغل بڑی بدبودار ہے۔ ابو مریم بلا لایا۔ ابوسفیان نے اس کا منہ کالا کیا۔ اس سے زیاد پیدا ہوا، جسے بعد میں معاویہ نے اپنا بھائی بنایا۔

ابن عساکر نے یہ بھی روایت کی ہے کہ زیاد نے اپنے مادری بھائی ابو بکرہ سے کہا امیر المومنین معاویہ مجھے اپنا بھائی بنانا چاہتے ہیں، حالانکہ میں عبید سے پیدا ہوا اور اسی سے مشابہ بھی ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ پیغمبر خداؐ نے ارشاد فرمایا ہے: جو شخص اپنے باپ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو باپ بنائے اس کا ٹھکانا جہنم میں ہے۔ پھر اگلے سال جب زیاد ابو بکرہ سے ملنے آیا تو اس وقت معاویہ کا بھائی بن چکا تھا۔ (عقد فرید، جلد ۳، ص ۲ / تاریخ ابن عساکر، جلد ۵، ص ۴۰۹ / تاریخ کامل، جلد ۳، ص ۱۹۱)

جب معاویہ کی بیعت ہوئی تو زیاد اس کے پاس آیا اور دو لاکھ روپئے پر آپس میں مصالحت ہوگئی۔ انہیں دنوں زیاد کی ملاقات مصقلہ بن ہبیرہ شیبانی سے ہوئی۔ زیاد نے وعدہ کیا میں بیس ہزار درہم دوں گا، اگر تم معاویہ سے جا کر یہ کہو کہ زیاد نے فارس کی خشکی و تری دونوں ہڑپ کر لی۔ پھر دو لاکھ درہم پر آپ سے معاملہ بھی طے ہو گیا۔ میرا تو خیال ہے کہ جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ سچ ہی ہے۔ اور جب معاویہ تم سے پوچھے کہ کیا کہا جا رہا ہے تو تم کہنا: "یہی کہ زیاد ابوسفیان کا فرزند ہے۔" مصقلہ نے ایسا ہی کیا۔ معاویہ نے بھی مناسب سمجھا کہ زیاد کو بلائے اور اپنا بھائی بنا کر اس کی سچی محبت حاصل کرے۔ دونوں اس پر متفق ہو گئے۔ گواہ بلائے گئے جنہوں نے اس کی گواہی بھی دے دی۔ منجملہ اور گواہوں کے ابو مریم سلولی تھا۔ معاویہ نے پوچھا: تم کیا گواہی دیتے ہو؟ ابو مریم نے کہا: میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ ابوسفیان میرے پاس آیا اور مجھ سے بدکار عورت طلب کی۔ میں نے کہا: میرے پاس صرف سمیہ ہے۔ ابوسفیان نے کہا: اسی کو لے آؤ اگر چہ وہ بڑی گندی اور واہیات ہے۔ میں بلا لایا۔ ابوسفیان نے اس سے منہ کالا کیا اور سمیہ اس کے پاس سے اس حال میں رخصت ہوئی کہ اس کے سُرین کے درمیان سے منی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ زیاد نے ابو مریم سے کہا: ذرا سنبھل کے تمہیں گواہی دینے کے لئے بلایا گیا ہے نہ کہ گالیاں دینے کے لئے۔ اس کے بعد معاویہ نے اس کے بھائی ہونے کا اعلان کر دیا۔ (تاریخ یعقوبی، جلد ۲، ص ۱۹۴ / مروج الذہب، جلد ۲، ص ۵۶ / تاریخ ابن عساکر، جلد ۵، ص ۴۰۹ / تاریخ کامل، جلد ۳، ص ۱۹۲ / اتحاف شبراوی، ص ۲۲)

سعید بن مسیب کہا کرتے: پہلا فیصلہ جس نے رسول اللہؐ کے فیصلہ کو علانیہ رد کیا، وہ معاویہ کا فیصلہ تھا زیاد کے متعلق۔

ابن یحییٰ کہا کرتے تھے: پہلا حکم رسول اللہ کا جو رد کیا گیا وہ زیاد کے متعلق آپ کا حکم تھا۔

ابن نجیہ کہا کرتے تھے: پہلی بیماری جو عرب میں داخل ہوئی، وہ حسن مجتبیٰؑ کا قتل اور زیاد کو بھائی بنانا تھا۔ (تاریخ ابن عساکر، جلد ۵، ص ۴۱۲ / تاریخ الخلفاء سیوطی، ص ۱۳۱ / اوائل سیوطی، ص ۵۱)

حسن بصری کا قول ہے: چار باتیں معاویہ کی ایسی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی ہوتی تو ان کی ہلاکت کے کافی تھی: زبردستی خلافت پر قابض ہونا، بغیر مسلمانوں کے مشورہ کے اپنے بعد اپنے شرابخوار بیٹے کو خلیفہ بنانا جو ریشم پہنتا اور گانا بجاتا تھا، اور زیاد کو اپنا بھائی بنانا حالانکہ پیغمبر خداؐ نے فرمایا ہے: الولد للفراش وللعاھر الحجر، اور حجر بن عدی کو قتل کرنا، ہلاکی ہو ان کی حجر اور اصحاب حجر کی جہت سے۔ یہ جملہ انہوں نے دو مرتبہ کہا۔ (ابن عساکر، جلد ۲، ص ۳۸۱ / تاریخ طبری، جلد ۶، ص ۱۵۷ / کامل، جلد ۴، ص ۲۰۹ / تاریخ ابن کثیر، جلد ۸، ص ۱۳ / محاضرات راغب، جلد ۲، ص ۲۱۴ / النجوم الزاہرہ، جلد ۱، ص ۱۴۱)

یزید کی بیعت

بقول حسن بصری، معاویہ کے چار مہلک کارناموں میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے بعد کے لئے یزید کو نامزد کیا اور مسلمانوں سے اس کی بیعت لی حالانکہ جملہ اہل حل وعقد اور تمام مہاجرین وانصار اس کے مخالف تھے اور پیغمبرؐ کے جتنے صحابی زندہ موجود تھے ہر ایک نے اس سے نفرت اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ معاویہ کے قدم جس دن سے شام کے تخت حکومت پر جمے اسی دن سے ان کے دل میں یہ تمنا پرورش پا رہی تھی کہ اپنا جانشین یزید کو بنائیں اور لوگوں سے اس کی بیعت لیں اور اپنے ہی گھرانے میں اموی حکومت کی بنیاد ڈالیں۔ سات سال تک لگاتار اس کے لئے محنت کی۔ لوگوں کو داد دہش کے ذریعہ ہموار کرتے رہے۔ کبھی خاموشی اختیار کرتے کبھی دلی تمنا ظاہر کر دیتے۔ زیاد بن ابیہ کی زندگی تک ان کے مقاصد میں سرگرمی پیدا نہ ہو سکی کیونکہ وہ یزید کی بیعت کا مخالف تھا۔ جب زیاد مر گیا تو معاویہ نے ایک خود ساختہ عہد نامہ ظاہر کیا اور لوگوں سے یہ بتایا کہ یہ زیاد کا لکھا ہوا ہے۔ اس عہد نامہ کا مضمون یہ تھا کہ زیاد نے معاویہ کے بعد یزید کے لئے لوگوں سے بیعت لی ہے۔ معاویہ کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح یزید کی بیعت آسان ہو جائے گی۔ علامہ ابوعمرو استیعاب میں لکھتے ہیں: معاویہ نے امام حسنؑ کی زندگی ہی میں یزید کی بیعت کی طرف اشارہ کیا تھا مگر جب تک امام حسنؑ زندہ رہے کھل کر نہ کہہ سکے، نہ علانیہ اس کے لئے کوئی کام کر سکے۔ (استیعاب، جلد ۱، ص ۱۴۲)

یزید کے اخلاق وعادات سے امیر معاویہ واقف نہ تھے۔ یہ کس عقل میں آنے کی بات ہے؟ تاریخوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود یزید کی خصوصیات سے واقف تھے اور اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ علامہ ابن حجر مکی تطہیر اللسان والجنان میں جو معاویہ کے مناقب وفضائل میں تصنیف کی ہے، لکھتے ہیں کہ ایک روز امیر معاویہ بیٹھے بیٹھے یکبارگی رونے لگے۔ مروان نے کہا: کیوں کیا ہوا؟ آپ کے رونے کا سبب؟ جواب دیا: دنیا میں کون سی راحت تھی جو میں نے نہ اٹھائی ہو۔ اب سن زیادہ ہو گیا ہڈیاں گھل گئیں، جسم کمزور ہو گیا لیکن اگر مجھ پر یزید کی محبت کا غلبہ نہ ہوتا تو میں اپنے لئے راہ راست حاصل کر لیتا۔ (حاشیہ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر، ص ۵۶)

دوسرے مقام پر علامہ مذکور لکھتے ہیں کہ "معاویہ نے پورے طور پر اقرار کر لیا کہ یزید کی محبت نے ان کو ہدایت کے راستہ سے اندھا بنا دیا ہے اور اسی فرط محبت نے مسلمانوں کو ان کے بعد ایسے فاسق وفاجر کے ساتھ مبتلا کر دیا جس نے ان کو ہلاک کر ڈالا۔ (حاشیہ صواعق محرقہ، ص ۵۸)

اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ امیر معاویہ یزید کے افعال وعادات سے بے خبر تھے اور اس کی ولی عہدی نیک نیتی پر مبنی تھی؟ یزید کی بیعت مسلمانوں سے زبردستی لی گئی اور زر وجواہر کے خزانے اس کے لئے وقف کر دیے۔

یزید تخت خلافت پر متمکن ہوا اور اس کے فسق وفجور نے دنیا کو تہ کر دیا۔ ہر طرف معصیت خدا اور مخالفت شریعت کا بازار گرم ہوا۔ مذہب بازیچۂ اطفال اور اسلام زینت طاق نسیان بن گیا۔ یزید کے اخلاق وآداب کے تفصیلی تذکرہ سے ان صفحات کو ملوث نہیں کیا جا سکتا نہ اتنا موقع ہے کہ ان پر روشنی ڈالی جا سکے۔ اسلام کی مستند تاریخیں امانتداری کے فرائض کو ادا کرتے ہوئے ان واقعات کو اپنے اندر محفوظ کیے ہوئے ہیں۔

خدا اور رسولؐ پر کذب وافتراء

امیر معاویہ نے خدا اور رسولؐ پر کذب وافتراء اور بہتان تراشی کی انتہا کر دی۔ علامہ ابن عقیل لکھتے ہیں:

جس سال (۴۱ھ) میں معاویہ نے امام حسنؑ سے صلح کر لی۔ اس کے بعد اس نے دنیائے اسلام کے ہر گورنر ہر والی ہر حاکم کو فرمان لکھ کر روانہ کیا کہ جو شخص بھی ابوتراب (حضرت علیؑ) اور ان کے اہل بیتؑ کی فضیلت میں کوئی حدیث روایت کرے گا، اس سے حکومت بری الذمہ ہو جائے گی اور سلطنت اس کے کسی نقصان کی پروا نہیں کر سکتی۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر شہر اور دیہات میں بلکہ ہر منبر پر خطبہ دینے اور واعظ کہنے والے کھڑے ہو کر حضرت علیؑ پر تبرا کرنے اور حضرتؑ کو اور حضرتؑ کے اہلبیتؑ کو برا کہنے اور ان حضرت کی مذمت کرنے میں مشغول ہو گئے۔ اس مصیبت میں سب سے زیادہ کوفہ والے مبتلا ہوئے کیونکہ اس زمانہ میں وہاں علیؑ کے شیعہ بہت تھے۔ اسی سبب سے معاویہ نے ان لوگوں پر زیاد بن سمیہ کو مسلط کر دیا۔ اور اس کو کوفہ و بصرہ کی گورنری دی دے۔ زیاد شیعوں کو خوب پہچانتا تھا کیونکہ علیؑ کی خلافت کے زمانہ میں وہ خود بھی شیعہ ہی تھا۔ اس نے ایک ایک شیعہ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر گرفتار کیا اور کسی مکان یا کسی خیمہ میں جو شیعہ بھی ملتا گیا، اس کو اس نے قتل کر کے چھوڑا اور جنہیں زندہ رکھا، انہیں دھمکیاں دیں، ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھرا دیں اور ان کو درختوں کی شاخوں پر سولی دے دی، ان کو عراق سے نکال دیا یہاں تک کہ شیعوں کا کوئی جانا پہچانا شخص عراق میں نہیں بچا اور معاویہ نے دنیائے اسلام کے کل والیوں کے نام یہ فرمان بھی جاری کیا کہ علیؑ کے کسی شیعہ کی گواہی نہ قبول کریں اور اپنے ماتحت لوگوں کے نام یہ فرمان بھی لکھ بھیجا کہ دیکھو تم لوگوں کی طرف عثمان کو خلیفہ ماننے والے ان کو دوست رکھنے والے جو لوگ ایسے ہوں جو ان کے فضائل ومناقب لوگوں سے بیان کرتے رہتے ہیں، ان سب کی بڑی عزت کرو ان کو اپنے دربار میں خاص جگہ دو۔ ان کو مقرب بارگاہ بناؤ اور جو شخص عثمان کے فضائل میں کوئی بھی بات بیان کرے اس کی وہ بات اور اس کا اور اس کے باپ کا اور اس کی قوم وقبیلہ کا نام میرے پاس لکھ بھیجو چنانچہ جس جس والی کے پاس یہ فرمان پہونچا سب نے اس حکم کی تعمیل کی یہاں تک کہ عثمان کے فضائل ومناقب کا ڈھیر لگ گیا کیونکہ جو لوگ ان کی فضیلت میں کوئی روایت یا حدیث لکھ کر بھیج دیتے تھے ان کو معاویہ کی طرف سے بڑے بڑے جائزے، خلعتیں، بخششیں وجاگیروں کے پروانے انعام میں پہونچ جاتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہر گھر میں اس کی کثرت ہو گئی اور لوگوں نے (حدیثیں بنانے اور رسولؐ پر جعل وفریب کرنے) کے ذریعہ سے دنیا حاصل کرنے اور اپنی منزلت بڑھانے میں بڑی جدوجہد کی اور یہاں تک نوبت پہونچی کہ جو شخص بھی معاویہ کے کسی عامل کو پاتا اور اس سے حضرت عثمان کی فضیلت یا منقبت میں کوئی بات بیان کر دیتا تو فوراً وہ عامل اس شخص کا نام لکھ لیتا اس کو مقرب بارگاہ بنا لیتا اور معاویہ کے یہاں اس کی سفارش لکھ بھیجتا۔ اسی طرح ایک مدت دراز تک ہوتا رہا۔ ان سب انتظامات میں کامیاب ہونے کے بعد معاویہ نے اپنے عاملوں کو لکھ بھیجا کہ حضرت عثمان کے فضائل میں حدیثیں بہت زیادہ ہو گئیں۔ اب ان کی ضرورت نہیں ہے بلکہ میرا یہ خط پانے کے بعد تم سب لوگوں کو بلا کر تاکید کرو کہ اب صحابہ اور خلیفہ اول ودوم کے فضائل میں حدیثیں بیان کریں۔ اصول یہ رہے کہ ابوتراب (علیؑ) کی فضیلت میں لوگ جو حدیثیں بیان کرتے ہیں ویسی ہی اور انہیں کے مقابلے کی حدیثیں لوگ اب صحابہ کے لئے پیش کریں۔ اس کی پوری کوشش کرو کہ علیؑ کے بارے میں جو حدیثیں وارد ہوئی ہیں ویسی ہی بہت حدیثیں صحابہ کے لئے ضرور بنائی جائیں کیونکہ یہ تدبیر مجھے بہت پسند اور ابوتراب اور ان کے شیعوں کی حجت باطل کرنے کی بہترین صورت ہے۔ ان سب انتظاموں کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہایت کثرت سے ایسی جعلی جھوٹی حدیثیں صحابہ رسولؐ کے فضائل میں گڑھ دی گئیں جن کی کوئی بھی اصلیت نہیں اور لوگوں نے ان موضوع حدیثوں اور ڈھالی ہوئی روایتوں اور ان کے مثل دوسری چیزوں کے بیان کرنے اور ہر شخص سے روایت کرنے میں بڑا اہتمام اور پوری جدوجہد کی یہاں تک کہ لوگوں نے ان بالکل بے اصل حدیثوں کو منبروں پر بھی بیٹھ کر پڑھنا اور لوگوں کو سنانا شروع کیا اور مکتبوں میں بچوں کے پڑھانے والے معلموں اور مدرسوں میں تعلیم دینے والے استادوں کو بھی وہ بنائی ہوئی حدیثیں دی گئیں تو ان سب نے بنائی ہوئی حدیثوں کی تعلیم چھوٹے چھوٹے بچوں کو بھی دے دی۔ یہاں تک کہ عام طور پر لوگوں نے ان حدیثوں کو بھی اسی طرح لوگوں سے بیان کرنا اور خود پڑھنا اور یاد کرنا شروع کیا جس طرح قرآن مجید کو پڑھتے اور پڑھاتے تھے۔ (کتاب نصائح

کافیہ مطبوعہ بمبئی ص ۷۰ تا ۷۲۔ تفصیل کے لئے دیکھیے سوانح عمری حضرت امیرالمومنینؑ کی پہلی جلد اعجاز الولی ص ۴۴۱)

علیؑ ابن ابی طالبؑ پر سب وشتم

امام مسلم ترمذی نے عامر بن سعد بن ابی وقاص کے واسطہ سے روایت کی ہے کہ معاویہ نے سعد بن ابی وقاص کو حکم دیا کہ علیؑ پر سب وشتم کریں اور کہا کہ علیؑ کو گالیاں دینے سے تمہیں کیا چیز مانع ہے؟ سعد نے کہا: جب تک پیغمبرؐ کی وہ تین باتیں یاد رہیں گی جو آپ نے علیؑ کے متعلق ارشاد فرمائی تھیں، میں ہرگز انہیں برا نہیں کہہ سکتا۔ اگر ان تینوں میں سے مجھے ایک بات بھی حاصل ہوتی تو سُرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔ معاویہ کے دریافت کرنے پر سعد نے حدیث منزلت، حدیث رایت اور حدیث مباہلہ بیان کی۔ (صحیح مسلم جلد ۷ ص ۱۲۰/ جامع ترمذی جلد ۱۳ ص ۱۷۰)

(۲) معاویہ ایک مرتبہ اپنے حاشیہ نشینوں کے مجمع میں بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں میں احنف بن قیس بھی تھے کہ اتنے میں ایک شامی آیا اور کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگا اور تقریر کے آخر میں اس نے علیؑ پر سب وشتم کی۔ احنف نے کہا: حضور! اگر میں اس شخص کو معلوم ہو جائے کہ انبیائے مرسلینؑ پر لعنت کرنے میں آپ کی خوشی ہے تو یہ شخص ان پر بھی لعنت کرنے سے باز نہ رہے۔ خدا سے ڈریے، علیؑ کی جان چھوڑیے۔ وہ اپنے پروردگار سے ملاقی ہوئے۔ اپنی قبر میں تنہا ہیں۔ بس وہ ہیں اور ان کے اعمال۔ خدا کی قسم! ان کی تلوار بڑی پاکیزہ تھی۔ ان کا لباس بہت طاہر تھا۔ ان کی مصیبت بہت عظیم ہے۔ معاویہ نے کہا: احنف! تم نے ہماری آنکھ میں دھول بھر دی اور جو جی میں آیا کہہ گئے۔ خدا کی قسم! تمہیں منبر پر جانا پڑے گا اور خوشی خاطر جبراً قہراً بہرحال علیؑ پر لعنت کرنی پڑے گی۔ احنف نے کہا: اگر آپ مجھے معاف کر دیجئے تو آپ ہی کے لیے بہتر ہے اور اگر مجبور کیجیے تو بہرحال میرے لب و دہن پر ایسے الفاظ ہرگز نہ آئیں گے۔ معاویہ نے کہا: چلو اٹھو منبر پر جاؤ۔ احنف نے کہا: میں منبر پر جا کر انصاف سے ہی کام لوں گا۔ معاویہ نے کہا اگر تم نے انصاف سے کام لیا تو کیا کہو گے؟ احنف نے کہا: میں منبر پر جا کر حمد وثنا کے بعد کہوں گا، لوگو! معاویہ نے مجھے حکم دیا کہ میں علیؑ پر لعنت کروں۔ بلاشبہ علیؑ اور معاویہ نے نزاع کی اور ایک دوسرے سے لڑے۔ ان میں سے ہر شخص اس کا مدعی تھا کہ اس پر اور اس کی جماعت پر زیادتی کی گئی ہے، لہٰذا جب میں دعا کروں تو تم لوگ آمین کہنا۔ پھر میں کہوں گا، خداوند ان دونوں میں سے جو بھی باغی ہو تو اس پر لعنت کر، تیرے ملائکہ اور انبیائے مرسلین لعنت کریں اور تمام خلائق لعنت کرے۔ خداوندا! باغی جماعت پر لعنت کر، بہت، بہت لعنت! لوگو! آمین کہو، معاویہ! میں اس سے زیادہ ایک لفظ کہوں گا نہ ایک کم، چاہے اس میں میری جان نکل جائے۔ معاویہ نے کہا: تب میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ (عقد فرید جلد ۲ ص ۱۴۴/ مستطرف جلد ۱ ص ۵۴)

معاویہ اور ان کے عمال نے امیرالمومنینؑ پر سب وشتم کرنے میں اتنا اہتمام کیا کہ اسی حالت پر بچے جوان ہوئے، بڑے مرنے کے قریب پہنچے۔ شروع شروع میں تو کسی نے اتنی ہمت سے کام بھی لیا کہ معاویہ کے اصرار کے باوجود تعمیل نہ کی مگر کب تک؟ جب حکومت اپنی پوری سطوت و دبدبہ سمیت اس رسم قبیح کو جاری کرنے پر تلی ہوئی ہو تو کب تک جان بچائی جا سکتی ہے۔ حکومت کی پوری طاقت صرف کر دی گئی۔ نتیجہ یہ ہوکہ ۴۰ برس تک جب تک عمر بن عبدالعزیز خلیفہ نہ ہوئے ہر شہر میں منبر پر شام سے لے کر رَے، رَے سے لے کر کوفہ، کوفہ سے بصرہ، بصرے سے مدینہ، مدینہ سے مکہ معظمہ تک مختصر یہ کہ بقول یاقوت حموی مؤلف معجم البلدان شرق وغرب میں کوئی جگہ نہ بچی جہاں مجمع عام میں منبروں پر پابندی سے یہ رسم ادا کی جاتی ہو۔ اموی حکومت میں یہ دستور بن گیا تھا اور ستر ہزار منبروں پر لعنت ہوتی رہی، یہاں تک کہ عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے اور انہوں نے کسی حکمت عملی کی بنا پر یا وقتی سیاست کے تقاضے سے مجبور ہو کر اس کی مخالفت کر دی۔ مسعودی، یعقوبی، ابن اثیر اور سیوطی وغیرہ کی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے صرف منبر پر لعنت کرنے سے ممانعت کی تھی اور اپنے عمال کے نام فرمان جاری کیا تھا کہ لعن کی بجائے یہ کہا جائے ربنا اغفرلنا و لاخواننا الذین سبقونا بالایمان بعض لوگوں نے کہا کہ بجائے لعن ان اللہ یامر بالعدل والاحسان کہنے کا حکم دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ دونوں فقرے کہنے کا حکم جاری کیا۔ (مروج الذہب جلد ۲ ص ۱۶۷/ تاریخ یعقوبی جلد ۳ ص ۴۸/ کامل جلد ۷ ص ۱۷/ تاریخ الخلفاء ص ۱۶۱) لیکن یہ کہ انہوں نے مطلقاً ممانعت کی ہو یا سب وشتم کرنے والے کو گرفتار کرنے

اورسزا دینے کا حکم جاری کیا ہو، اس کا ہمیں کوئی پتہ نہیں۔ ہمیں تاریخ کے صفحات پر یہ ملتا ہے کہ معاویہ یا عثمان کے سب وشتم کرنے والے کو عمر بن عبدالعزیز کوڑوں سے مارتے تھے لیکن یہ کہیں نہیں ملتا کہ اگر کسی نے علیؑ کو سب وشتم کیا ہو تو اسے بھی انہوں نے ایسی سزا دی ہو۔

معاویہ کی جنگ امیر المومنینؑ سے

اس حقیقت سے شاید ہی کوئی ایمان والا انکار کرے گا کہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ہی وہ مسلم وحید وفرید ہیں جس کی ایذا رسانی حرام اور جس سے قتال بھی ناجائز ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدِ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا۔ جو لوگ مومنین یا مومنات کو ناحق ستاتے ہیں وہ کھلا ہوا گناہ کرتے ہیں۔ جملہ اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کسی ایماندار مسلمان کو بُرا کہنا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔ امیر معاویہ نے دونوں گناہ ایک ساتھ کیے۔ انہوں نے سب وشتم بھی کیا اور سید المسلمین سے جنگ بھی کی اور امت مرحومہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والے کو اذیت پہنچائی اور اس طرح رسول خدا کی اذیت رسانی کا باعث ہوئے، اور جو خدا کے رسول کو اذیت پہنچائیں گے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ جس نے خدا کے رسول کو اذیت دی اس نے اللہ کو اذیت دی۔ جو لوگ خدا اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں خداوند عالم دنیا و آخرت دونوں میں ان پر لعنت کرتا ہے۔

مزید براں امیر المومنینؑ اس وقت خلیفہ وقت بھی تھے۔ جن معنوں میں بھی خلافت کو لے لیجیے، آپ کی خلافت پر تمام اہل حل وعقد کا اجماع تھا۔ تمام مہاجرین وانصار نے آپ کی بیعت کی تھی۔ تمام صحابہ آپ کی خلافت پر راضی رہے تھے، سوا گنتی کے چند افراد کے جو منحرف رہے مگر ان کے انحراف سے جماعت میں کوئی خلل نہیں پڑا۔ آپ بہر حال اس وقت خلیفہ برحق تھے۔ جو بھی آپ سے سرتابی اور بغاوت کرتا اس کا قتل واجب تھا۔

پیغمبرؐ خدا کا صریحی حکم ہے: ستكون هنات وهنات فمن اراد ان يفرق هذه الامة وهم جميع فاضربوا راسه بالسيف كائناً من كان۔ عنقریب طرح طرح کی بیہودگیاں رونما ہوں گی، پس جو شخص امت اسلام میں پراگندگی پیدا کرنا چاہے جبکہ مسلمانوں کا شیرازہ متحد ہو تو اس کا سر تلوار سے اڑا دو خواہ کوئی بھی ہو۔ اسی مضمون کی سیکڑوں حدیثیں پیغمبر کی تمام صحاح ومسانید وسنن میں موجود ہیں۔

کون بتائے کہ معاویہ نے امیر المومنینؑ کے خلاف بغاوت کر کے امت کے ساتھ بھلائی اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی کی یا وہ باغی تھے۔ انہوں نے خدائی انتظام کی اہانت اور حکومت الٰہیہ کی ذلت کی اور اطاعت سے خارج، جماعت سے جدا اور دوسرے دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے۔ صریحی ارشادات پیغمبرؐ کی روشنی میں وہ باغیوں کے سرغنہ ٹھہرتے ہیں۔ جس طرح حالت شرک میں بزور جنگ بدر سرغنہ مشرکین تھے۔ ان کا انجام ان کے آغاز سے کس قدر حیرت انگیز حد تک مشابہ ہے۔ اسی وجہ سے پیغمبرؐ نے امیر المومنین کو ان سے جنگ کرنے کی تاکید کی تھی۔ پیغمبرؐ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا۔ کون انکار کر سکتا ہے اس سے معاویہ کے اصحاب ہی نے جناب عمار کو شہید کیا۔ اسی کے ساتھ یہ بھی قابل غور ہے کہ قتل عثمان کے فوراً ہی بعد امیر المومنینؑ کی بیعت مدینہ میں ہوئی اور تمام مہاجرین وانصار نے آپ کی بیعت کی اور معاویہ کی بیعت شام کے اوباشوں نے کی بھی تو بعد میں کی، اور مذہب اسلام کا صریحی حکم ہے کہ ایسے خلیفہ کو فوراً قتل کر دینا کیوں کہ پیغمبر تاکید کر چکے ہیں کہ اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الاخر منهما۔ جب دو خلیفوں کی بیعت ہو جائے تو جس کی آخر میں بیعت ہوا سے قتل کر دو۔ ستكون خلفاء فتكثر قالوا فما تامرنا قال فوا ببيعة الاول۔ اسی قسم کی اور بھی بہت سی ہیں۔ ان حدیثوں کو دیکھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ معاویہ کے متعلق پیغمبرؐ کی حدیث: اذا رأيتم معاوية على منبري فاقتلوه۔ ضرور صحیح ہوگی اگرچہ ہوا خواہان معاویہ اس حدیث کے اسناد کو ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایک اور حدیث ہے پیغمبرؐ کی، جسے علامہ مناوی نے کنوز الدقائق ص ۱۴۵ پر لکھا ہے: من قاتل عليا على (الخلافة) فاقتلوه كائناً من كان۔ جو شخص خلافت کے معاملے میں علیؑ سے جنگ کرے اسے قتل کر دو خواہ کوئی بھی ہو۔ اس سے بھی مذکورہ بالا حدیث کی تائید ہوتی ہے۔

اصحاب امیر المومنینؑ اور اصحاب معاویہ کی جنگ میں کتاب الٰہی کا یہ فیصلہ نظر انداز کرنا ناممکن ہے کہ وان طائفتان من المومنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما فان بغت احداهما على الاخرى فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء الى امر الله۔ اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں ایک دوسرے سے جنگ کریں

تو دونوں کے درمیان صلح کرا دو۔ اگر ایک جماعت زیادتی ہی پر تلی ہو تو اس سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ حکم خدا ماننے پر مجبور ہو جائے۔

اسی آیت سے آئمہ فقہ نے باغیوں سے جنگ کرنے کے حکم پر استدلال کیا ہے۔ اور اصحاب معاویہ بنص پیغمبرؐ گروہ باغی تھے۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں: "یہ آیت دلیل ہے اس امر کی گروہ باغی سے قتال واجب ہے، جو امام سے بغاوت کرے یا کسی مسلمان سے۔ (تفسیر قرطبی جلد ۱۶ ص ۳۱۷)

علامہ زیلعی اپنی کتاب نصب الہدایہ ص 69 پر لکھتے ہیں: حق علی کے ہاتھوں میں تھا، اس کی دلیل یہ ہے پیغمبرؐ نے جناب عمار سے فرمایا: تقتلک الفئۃ الباغیۃ۔ تمہیں باغی گروہ قتل کرے گا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ عمار علیؑ کے ساتھ تھے اور انہیں معاویہ کے اصحاب نے قتل کیا۔

امام الحرمین اپنی کتاب ارشاد میں لکھتے ہیں۔ علیؑ امام برحق تھے اور آپ سے لڑنے والے باغی تھے۔ حسن ظن کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ باغیوں کی نیت بھلائی کی تھی اگر چہ ان سے خطا ہوئی۔

علما کا اس پر اتفاق ہے کہ علیؑ اہل جمل طلحہ وزبیر و عائشہ اور ان کے ساتھیوں سے جنگ کرنے میں نیز اہل صفین یعنی معاویہ وسپاہ معاویہ سے جنگ کرنے میں حق پر تھے۔ خود عائشہ نے بھی اس پر ندامت کا اظہار کیا تھا۔

اسی قسم کی باتوں کی وجہ سے امیر المومنینؑ اہل شام سے جنگ واجب سمجھتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے: ان سے بغیر جنگ کیے کوئی چارہ کار نہیں۔ یا یہ کہ پیغمبرؐ کی رسالت سے انکار کر دیا جائے۔ (نہج البلاغہ جلد ۱ ص ۹۴ / کتاب صفین ص ۵۴۲ / مستدرک ج ۳ ص ۱۱۵ / شفا قاضی عیاض / شرح ابن ابی الحدید جلد ۱ ص ۱۸۳ / بحر ذخار جلد ۵ ص ۴۷۵)

حضرت پیغمبر خدا اپنے زمانہ حیات میں اکابر صحابہ جیسے امیر المومنین، ابوایوب انصاری، عمار یاسر وغیرہ ہم کو ناکثین قاسطین و مارقین سے جنگ کی تاکید کیا کرتے اور اس پر سلف کا اتفاق ہے کہ قاسطین معاویہ کے اصحاب ہی تھے۔ (تاریخ ابن عساکر جلد ۵ ص ۴۱ / کنز العمال جلد ۶ ص ۸۸ / تاریخ خطیب بغدادی جلد ۱۳ ص ۱۸۷ / کفایۃ الکنجی ص ۷۰ / استیعاب جلد ۴ ص ۵۳ / کفایۃ الکنجی ص ۷۲)

آخر معاویہ کس دلیل کس ثبوت سے امیر المومنینؑ سے جنگ کرنا مباح سمجھتے تھے۔ اگر وہ کتاب الٰہی کو اپنے لیے کچھ واجب العمل سمجھتے تھے تو اس کے صریحی اور واضح احکام سب کی نظروں کے سامنے ہیں۔

۱۔ فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر۔
اگر کسی چیز میں تم آپس میں جھگڑو تو اسے خدا اور رسول کے حوالہ کرو تم اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔

۲۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون۔
جس نے خدا کے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کیا وہ کافر ہے۔

۳۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون۔
جس نے خدا کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کیا وہ ظالم ہے۔

لہذا پہلے انہیں قرآن مجید کے صریحی احکام اور پیغمبرؐ کے واضح ارشادات کی طرف رجوع کرنا چاہیے تھا۔ قرآن وحدیث ان کے مقدمہ کو حل کرنے میں ناکام رہتے تو انہیں دوسرا قدم اٹھانا جائز ہوتا۔ یہی وجہ تھی کہ امیر المومنینؑ شروع ہی سے بطور اتمام حجت تقریر و تحریر دونوں میں زور دیتے رہے کہ اس نزاع کا فیصلہ کتاب الٰہی سے کیا جائے۔ معاویہ کی طرف سے جتنے پیامبر آتے، ان سے آپ یہی پیش کش کرتے: الا انی ادعو کم الی کتاب اللہ عزوجل وسنۃ نبیہ۔ میں تمہیں خدا کی کتاب اور سنت پیغمبرؐ کی طرف بلاتا ہوں۔ (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۴) ایک خط میں آپ نے معاویہ اور ان کے یار و اصحاب کو لکھا تھا: الاوانی ادعو کم الی کتاب اللہ وسنۃ نبیہ وحقن دماء ھذہ الامۃ۔ میں تمہیں خدا کی کتاب، سنت نبوی اور مسلمانوں کا خون محفوظ رکھنے کی

طرف بلاتا ہوں۔(شرح نہج البلاغہ جلد ۱ص ۱۹)

مگر جب تک جان بچتی رہی انہوں نے نہ خدا کی پرواہ کی نہ رسولؐ کی۔ ہاں جب بالکل مجبور ہو گئے اور قریب تھا کہ تختہ الٹ جائے تب نیزوں پر قرآن بلند کرا دیے کہ کتاب الٰہی جو فیصلہ کر دے ہم اس کے ماننے کے لئے تیار ہیں۔ امیر المومنینؑ نے بہت پہلے اس پیش آنے والی صورت حال کی پیش گوئی کر دی تھی۔ چنانچہ آپ نے معاویہ کو ایک خط میں لکھا تھا: وکأنی بیك غدا وأنت تضجمن الحرب ضجیجا الجمال مناالأثقال. آنے والے دن کا منظر گویا میری آنکھوں کے سامنے ہے اور تم جنگ کی ہولناکیوں سے گھبرا کے اسطرح چیخ رہے ہو جس طرح اونٹ گرانباری سے چیختا ہے۔(شرح نہج البلاغہ جلد ۳، ص 411، جلد ۴ ص ۵۰)

ایک دوسرے خط میں آپ نے لکھا تھا: وَ كَأَنِّي بِجَمَاعَتِكَ تَدْعُونِي جَزَعاً مِنَ الضَّرْبِ الْمُتَتَابِعِ وَ الْقَضَاءِ الْوَاقِعِ وَ مَصَارِعَ بَعْدَ مَصَارِعَ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ وَ هِيَ كَافِرَةٌ جَاحِدَةٌ۔الخ

لیکن معاویہ کو ایسے ہولناک اور عظیم ترین کبائر کے اجتناب سے نہ قرآن روک سکا، نہ حدیث۔ انہوں نے احکام واجبہ سے آنکھیں بند کر لیں۔ پیغمبرؐ کے ارشادات کو بالائے طاق رکھا۔ دنیائے اسلام میں شاید ہی کوئی ایسا دعویدار صحابیت ہو جس نے ارشادات پیغمبرؐ کی اس طرح دھجیاں اڑائی ہوں اس طرح ان کا تمسخر کیا ہو جس طرح معاویہ نے کیا۔

اس گستاخی کا کوئی ٹھکانا ہے کہ سعد ابن ابی وقاص معاویہ سے پیغمبرؐ کی حدیثیں بیان کر دیتے ہیں۔ علامہ مسعودی لکھتے ہیں۔ أنّ سعدا لما قال هذه المقالةلمعاويةونهضل يقوم ضرط له معاوية۔(مروج الذھب، جلد 1 ص 61) سعد نے جب معاویہ سے پیغمبر کی حدیثیں علیؑ کے متعلق بیان کیں تو انہوں نے اس کے جواب میں ایک گوز اڑا دیا۔

جب ابوذر نے پیغمبرؐ کی یہ حدیث بیان است معاویہ فی النار[] تو انہوں نے ایک قہقہہ لگایا اور ابوذر کو قید میں ڈال دیا۔ عبدالرحمان بن سہل انصاری نے جب معاویہ کے مشکیزے پھاڑ دیے اور معاویہ کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے کہا: انہیں چھوڑ دو۔ اس بڑھے کی عقل زائل ہو گئی ہے۔

عمرو عاص نے جب معاویہ سے پیغمبر کا قول ذکر کیا جو آنحضرتؐ نے عمار کے متعلق کہا تھا: تقتلک الفئۃ۔ تو معاویہ نے کہا تم بوڑھے اور دیوانے ہو گئے ہو؟ کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ عمار کو تو علیؑ اور ان کے اصحاب نے قتل کیا ہے جو انہیں میدان جنگ میں لائے تھے۔ یہ یا تو اعلانیہ استہزاء تھا یا انتہائی سادہ لوحی۔ اس نظریہ کے بنا پر خود جناب رسولؐ خدا حمزہؑ اور جعفر طیارؑ کے قاتل ٹھہرتے ہیں کیونکہ حضرتؐ ہی انہیں میدان جنگ میں لے کر گئے تھے۔

جب عبادہ بن صامت صحابی پیغمبرؐ نے معاویہ سے حرمت ربا بیان کی تو معاویہ نے کہا کہ خاموش رہو اور اس حدیث کو کسی سے بیان نہ کرنا۔ عبادہ نے جواب دیا: میں ضرور بیان کروں گا چاہیے تمہیں ناگوار ہی کیوں نہ گذرے۔(تاریخ ابن عساکر: جلد 7 ص 212)

جب معاویہ مدینہ آئے تو ابوقتادہ انصاری ان سے ملنے آئے۔ معاویہ نے کہا:

اے ابوقتادہ! ہمارے استقبال کو سب آئے مگر تمہارے قبیلہ انصار کے لوگ نہیں آئے۔ کیوں؟

ابوقتادہ: ہمارے پاس سواریاں نہ تھیں۔

معاویہ: اونٹ کیا ہوئے؟

ابوقتادہ: وہ سب ہم نے بروز جنگ بدر تمہارا اور تمہارے باپ ابوسفیان کا پیچھا کرنے میں ہلاک کر دیے۔

معاویہ: ہاں، اے ابوقتادہ!

ابوقتادہ: ہم لوگوں سے رسالت مآبؐ نے فرمایا تھا کہ تم لوگ عنقریب اندھیر دیکھو گے، جس میں غیر مستحقوں کو ترجیح دی جائے گی۔

معاویہ: پھر ایسے وقت میں رسول اللہ نے تمہیں کیا حکم دیا تھا؟

ابوقتادہ: ہمیں صبر کرنے کا حکم دیا تھا۔

معاویہ: اچھی بات ہے تو پھر صبر ہی کرتے رہو۔

(استیعاب جلد ۱ ص 255 / تاریخ ابن عساکر جلد ۷ ص ۱۳ 2 / تاریخ الخلفاء ص ۱۳۴)

اسی قسم کا ایک واقعہ ابوایوب انصاریؓ کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ انہوں نے معاویہ سے اپنے دیون کی شکایت بیان کی۔ معاویہ نے کوئی توجہ نہ کی۔ بعض باتیں ابوایوب نے ایسی بھی دیکھیں جو انہیں ناگوار گذریں۔ انہوں نے کہا: میں نے رسولؐ کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ تم عنقریب میرے بعد ترجیح بلا مرجح دیکھو گے۔ معاویہ نے کہا: پھر رسولؐ اللہ نے تمہیں کیا حکم دیا تھا؟ ابوایوب نے کہا: صبر کرنے کا۔ معاویہ بولے: تو پھر صبر ہی کرو۔ ابوایوب نے کہا: اب خدا کی قسم! میں تم سے کبھی بھی سوال نہ کروں گا۔ (تاریخ ابن عساکر جلد ۵ ص ۴۱)

مطرف بن مغیرہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے باپ مغیرہ کے ساتھ معاویہ کے ہاں گیا۔ میرے باپ روزانہ ان کے پاس جاتے پھر آ کر معاویہ کی بڑی تعریف کرتے۔ ایک رات جب وہ واپس آئے تو بہت مغموم تھے۔ انہوں نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ میں نے پوچھا: آج آپ افسردہ کیوں ہیں؟ انہوں نے کہا: بیٹا آج میں خبیث ترین مرد کے پاس سے آرہا ہوں۔ میں نے کہا: وہ کون؟ مغیرہ نے کہا: میں نے معاویہ سے تنہائی میں کہا: آپ کی جو تمنائیں تھیں، وہ پوری ہوئیں۔ اب اگر آپ عدل و انصاف سے کام لیتے اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کرتے تو کیا اچھا ہوتا۔ اب آپ سن رسیدہ بھی ہو چکے ہیں۔ اب آپ اپنے خاندانی رشتہ دار، بنی ہاشم کا خیال کیجیے۔ ان کے ساتھ صلہ رحم سے پیش آئیے۔ اب تو ان سے آپ کو ڈرنے کی کوئی وجہ بھی نہیں۔ معاویہ نے کہا: کبھی نہیں کبھی نہیں۔ قبیلہ تیم والے (یعنی ابوبکر) خلیفہ ہوئے۔ جب وہ مرے تو ان کا ذکر بھی مرگیا۔ اب لوگ انہیں خالی ابوبکر کہہ کر پکارتے ہیں۔ پھر عمر خلیفہ ہوئے انہوں نے انتہائی مستعدی سے دس برس حکومت کی۔ ان کے مرنے کے بعد ان کا ذکر بھی مردہ ہوگیا۔ اب لوگ انہیں عمر کہہ کر یاد کرتے ہیں۔ پھر ہمارے بھائی عثمان خلیفہ ہوئے۔ ان کا ایسا شریف النفس کوئی نہ تھا۔ انہوں نے عدل و داد سے حکومت کی، مگر جب مرے تو ان کا ذکر بھی مرگیا۔ مگر یہ بنی ہاشم والا (یعنی حضرت محمد مصطفیٰؐ) ان کا نام پانچ مرتبہ دن رات میں پکارا جاتا ہے: اشہد ان محمدا رسول اللہ۔ اب ان کے نام کے آگے کون سا عمل باقی رہ سکتا ہے، سوا اس کے کہ ہم اسی خاک میں ملا دیں۔ (مروج الذہب جلد ۲ ص ۲۴۱)

معاویہ نے امیرالمومنینؑ سے جنگ کا بہانہ پیدا کرنے کے لئے طرح طرح کے ڈھونگ پھیلائے۔ سب سے بڑا ڈھونگ یہ تھا کہ علیؑ ہی باعث ہوئے قتل عثمان کے اور انہیں سے قصاص لینا ضروری ہے۔ اس قضیہ میں چند باتیں ایسی ہیں جن پر عمل غور کرنا ناگزیر ہے۔

پہلی بات تو یہ ہی کہ خود معاویہ قتل عثمان کے وقت مدینہ میں موجود نہ تھے کہ انہیں پتہ چلتا کس کے ہاتھوں عثمان ہلاک ہوئے۔ حضرت عثمان نے انہیں اپنی مدد کے لئے بلایا بھی مگر انہوں نے مدد سے پہلوتہی کی بلکہ ان کی یہی تمنا تھی کہ عثمان کسی طرح قتل ہو جائیں تا کہ ان کے بعد حکومت ہتھیانے کا بہانہ مل جائے۔ ہم اسے بہت تفصیل سے حضرت امیرالمومنین حصہ ثانیہ میں لکھ چکے ہیں۔ اس موقع پر مولوی عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی کے چند جملے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

"وہ صرف بنی امیہ تھے جو اس المیہ کو روک سکتے تھے۔ بنی امیہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جس راہ پر حضرت عثمان کو لیے جا رہے ہیں قتل پر ختم ہوگی۔ یہ جانتے ہوئے بھی بنی امیہ نے پوری کوشش کی کہ حضرت عثمان کی مسلمانوں سے صفائی نہ ہونے پائے۔"

دو چار سطروں کے بعد پھر لکھتے ہیں۔

"ان تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ معاویہ اور دوسرے بنی امیہ اچھی طرح جانتے تھے کہ حضرت عثمان کو قتل کی راہ پر لیے جا رہے ہیں مگر یہ جانتے

ہوئے بھی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ کیا کیونکہ منصوبہ یہی تھا کہ قتل کا واقعہ پیش آئے اور خانہ جنگی برپا کرنے کا موقع مل جائے۔ بعض روایتوں میں یہ بھی کہا ہے کہ حضرت عثمان نے محاصرہ کے دنوں میں معاویہ سے فوجی مدد طلب کی تھی اور معاویہ نے ایک فوج بھی شام سے روانہ کردی تھی مگر اس ہدایت کے ساتھ کہ راستے میں ایک جگہ رکی رہے اور نئے حکم کا انتظار کرے۔ فوج برابر پڑی رہی اور جب حضرت عثمان شہید ہو گئے تو شام واپس چلی گئی۔ (نہج البلاغہ جلد دوم ص ۷۱ شائع کردہ غلام علی اینڈ سنز لاہور)

دوسری بات یہ ہے کہ امیر المومنین قتل کے وقت مدینہ سے باہر تھے لہٰذا یہ کہنا ممکن ہی نہیں کہ ان کی شرکت تھی۔ اور اگر مدینہ میں تھے تو گھر کا دروازہ بند کیے بیٹھے تھے، نہ عثمان کے حمایتی تھے نہ مخالف۔

تیسری بات یہ کہ وہ جھوٹی گرامیاں جو معاویہ کی ریشہ دوانیوں کی بدولت پیش ہوئیں خود وہ بتاتی ہیں کہ علیؑ عثمان کے خون سے بالکل پاک تھے۔ عمرو عاص جو اس ہنگامہ میں معاویہ کا دایاں بازو تھا، اس کا فقرہ آج بھی فضائے عالم میں گونج رہا ہے۔ انا عبداللّٰہ قتلتہ وانا بوادی السباع۔ دیکھیے امیر المومنین حصہ ثانیہ۔

چوتھی بات یہ کہ حضرت عثمان کو مہاجرین وانصار کے مجتہدین اکابر صحابہ پیغمبرؐ نے قتل کیا اور اس وقت قتل کیا جب ان پر حجت قائم کرلی۔ یہ ثابت ہو گیا کہ وہ کتاب وسنت سے منحرف ہو چکے ہیں۔ احکام قرآنی کے بنا پر ان کا خون بہانا جائز ہو چکا ہے۔ (حضرت عثمان کی معزولی اور ان کی ہلاکت پر صحابہ کرام کے اجماع واتفاق کو ہم بہت تفصیل سے حضرت امیر المومنینؑ حصہ ثانیہ میں بیان کر چکے ہیں) اس صورت میں ان کا انتقام ضروری تھا نہ قصاص۔

پانچویں بات یہ ہے کہ امیر المومنینؑ کے لشکر میں جتنے سپاہی تھے وہ سب کے سب عثمان کے قاتل نہیں تھے، نہ ان کے معاملہ میں ہر ایک کا ہاتھ تھا۔ بہت بڑی تعداد سپاہ امیر المومنینؑ کی بالکل ہی بے تعلق تھی۔ صحابہ کبار جو قتل عثمان کے باعث ہوئے اور انہیں ہر شخص جانتا تھا۔ اس بنا پر معاویہ کا امیر المومنینؑ کے تمام ہمراہیوں کا قتل جائز سمجھنا کس قاعدہ سے صحیح ہے۔

چھٹی بات یہ ہے کہ معاویہ حضرت عثمان کے ولی نہیں تھے۔ ان کے ولی ان کے لڑکے تھے۔ انہیں کو حق تھا کہ وہ قاتلوں سے قصاص لیں۔ اگر انہیں قدرت نہ تھی تو انہیں چاہیے تھا کہ خلیفہ وقت یعنی امیر المومنینؑ کے سامنے معاملہ پیش کرتے۔ آپ کا فیصلہ ناطق فیصلہ ہوتا۔

ہاں! یہ ضرور ہے کہ علیؑ کے ہاتھوں معاویہ کے خویش واقارب کے بہت خون ہے اور اصل میں معاویہ انہیں کے خون کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ جیسے معاویہ کا بھائی حنظلہ بن سفیان، ان کا نانا عتبہ بن ربیعہ، ماموں ولید بن عتبہ، چچیرے بھائی عاص بن سعید، عقبہ بن ابی معیط وغیرہ سب علیؑ کے ہاتھوں قتل ہوئے لیکن معاویہ نے ان کا نام نہیں لیا کیونکہ یہ سب مشرکین تھے انہوں نے پیغمبرؐ پر فوج کشی کی اور اس فوج کشی کے نتیجہ میں علیؑ کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترے۔ معاویہ نے عثمان کے خون کا بہانا ڈھونڈ ھا جیسا کہ جاہلیت کی رسم تھی کہ قبیلہ اور خاندان کا کوئی بھی شخص اپنے خاندان کے مقتولوں کا قصاص لے سکتا تھا چاہے کتنی ہی دور کی رشتہ داری ہی کیوں نہ ہو۔ حقیقت وواقعہ یہ ہے کہ معاویہ نے ہر کچھ کیا علیؑ سے جتنی لڑائیاں لڑیں وہ سب کشتگان بدرواحد کا بدلہ لینے کے لئے وہ بنی عبد شمس کا قصاص لینا چاہتے تھے بنی ہاشم کے چشم وچراغ سے۔

ساتویں بات یہ ہے کہ معاویہ کا پہلا فریضہ یہ تھا کہ وہ بیعت کرکے جماعت مسلمین میں داخل ہوتے۔ بیعت سے کنارہ کشی کرکے تفرقہ پردازی کے مرتکب نہ ہوتے۔ پھر اس مقدمے کو علیؑ کی خدمت میں پیش کرتے اور آپ جو مناسب سمجھتے وہ فیصلہ فرماتے؛ جیسا کہ امیر المومنینؑ نے معاویہ کو لکھا تھا۔

"تمہارا یہ کہنا کہ قاتلین عثمان کو میرے حوالہ کردیجیے، تو تمہیں قاتلین عثمان سے کیا سروکار؟ یہاں عثمان کی آل اولاد موجود ہے۔ وہ تم سے زیادہ حقدار ہیں قصاص لینے کے۔ اگر تم یہ کہو کہ تم خون عثمان کا انتقام لینے پر فرزندان عثمان سے زیادہ قدرت رکھتے ہو تو پہلے تم بیعت کی طرف رجوع کرو جو بہرحال تمہیں لازم ہے، پھر قاتلین عثمان کا معاملہ ہمارے سامنے پیش کرو۔ (الامامت والسیاست جلد ا ص ۸۸ / کامل للمبرد جلد ا ص 225 / عقد فرید جلد ۲ ص ۲۸۴ وغیرہ)

آٹھویں بات یہ ہے کہ آج تک یہ طے نہ ہو سکا کہ عثمان کا قاتل کون تھا۔ اتنے نام لئے جاتے ہیں: حبلہ ابن ایہم مصری، کبیرہ سکونی، کنانہ بن بشر تجیبی،

سودان بن حمران، رومان یمانی، یسار بن عیاض۔ اتنے لوگوں میں سے کسی ایک نے عثمان کو قتل کیا اور یہ سب کے سب قتل ہو چکے تھے۔ اسی وقت امیر المومنینؑ کے لشکر میں ان میں سے کوئی بھی نہ تھا نہ امیر المومنینؑ نے ان میں سے کسی ایک کو اپنے یہاں پناہ دی تھی۔ اگر قصاص لینا جائز بھی تھا تو انہیں میں کسی ایک سے۔ رہ گئے وہ لوگ جو امیر المومنینؑ کی پناہ میں تھے انہوں نے قتل نہیں کیا تھا البتہ انہوں نے قتل اسباب ضرور پیدا کیے تھے۔ یہ لوگ وہی مہاجرین وانصار تھے یا دیگر صحابہ کبار جو عثمان کے شاکی ہو کر مدینہ میں جمع ہوئے تھے۔

ابن حجر کی مضحکہ انگیز حمایت معاویہ

ابن حجر صواعق محرقہ ص ۱۲۹ میں لکھتے ہیں:

"اہل سنت والجماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ علیؑ ومعاویہ کے درمیان جتنی لڑائیاں ہوئیں، وہ اس وجہ سے نہیں کہ معاویہ علیؑ سے خلافت چھیننا چاہتے تھے کیونکہ علیؑ کی حقیت پر اجماع ہو چکا تھا لہٰذا اس سبب سے فتنے رونما نہیں ہوئے بلکہ اس سبب سے رونما ہوئے کہ معاویہ اور ان کے ساتھیوں نے علیؑ سے مطالبہ کیا تھا کہ قاتلین عثمان کو ہمارے حوالہ کر دیجئے کیونکہ معاویہ عثمان کے ابن عم تھے۔ علیؑ نے ایسا نہیں کیا۔ آپ کو خیال ہوا کہ ان قاتلین عثمان کے بکثرت قبیلے اور خاندان ہیں اور ان کے بے شمار اعزہ ورشتہ دار لشکر میں داخل ہیں اگر قاتلین عثمان حوالہ کر دیے جاتے ہیں تو حکومت میں اضطراب پیدا ہو جائے گا، یہ سلطنت جو ابھی تک مستحکم نہیں ہو سکی ہے، متزلزل ہو جائے گی۔ آپ نے مناسب سمجھا کہ فی الحال قاتلین عثمان کی حوالگی ملتوی رکھی جائے یہاں تک کہ حکومت کے قدم جم جائیں، معاملات صحیح صورت سے انجام پذیر ہو سکیں۔ جب ایسا ہو جائے گا تو ایک ایک قاتلین عثمان کو چن چن کر ان کے حوالے کر دیا جائے گا۔ اسکی دلیل یہ ہے کہ جب بروز جنگ جمل حضرت علیؑ نے اپنے لشکر سے ان لوگوں کے نکل جانے کو کہا جو قتل عثمان میں شریک رہ چکے تھے، اسی وقت بعض قاتلین بغاوت کرنے اور آپ سے لڑنے پر تیار ہو گئے۔

اس کے علاوہ ایک وجہ یہ تھی کہ جن لوگوں نے قتل عثمان میں شرکت کی وہ بہت بڑی تعداد میں تھے۔ ایک جمعیت مصر والوں کی تھی جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سات سو یا ایک ہزار پانچ سو تھے۔ ایک جمعیت کوفہ والوں کی۔ ایک بصرہ والوں کی۔ اس کے علاوہ دیگر مقامات کی جمعیتیں تھیں۔ یہ سب کے سب لوگ مدینہ آئے اور جو کچھ ہونا تھا سو ہوا بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ قاتلین عثمان اور ان کے قوم وقبیلہ والوں کو ملا کر دس ہزار کی تعداد ہوتی ہے۔ یہی سبب تھا کہ علیؑ قاتلین عثمان کو حوالہ کرنے سے مجبور رہے۔

اس کا بھی احتمال ہے کہ حضرت علیؑ نے خیال کیا ہو کہ قاتلین عثمان باغی ہیں اور فاسد تاویل کی وجہ سے انکے قتل پر آمادہ ہوئے اور ان کا خون حلال سمجھا، کیونکہ وہ لوگ حضرت عثمان کی بہت سی باتوں کو ناپسند کرتے تھے جیسے مروان کو مدینہ واپس بلانا اور پھر اسے اپنا کاتب بنانا حالانکہ رسول اللہؐ نے اسے نکال باہر کیا تھا۔ ہر جگہ کی حکومت محض اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو دینا اور محمد ابن ابی بکر والا معاملہ۔ ان لوگوں نے اپنی جہالت ونادانی کی وجہ سے خیال کیا کہ ہم جو کچھ عثمان کے ساتھ سلوک کر رہے ہیں وہ سب مباح ہے۔ اور باغی جب امام عادل کا مطیع بن جائے تو غلط تاویل کی وجہ سے حالت جنگ میں اس نے جو نقصانات پہنچائے ہوں اس کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا۔ اگر کسی کو قتل کر ڈالا ہے تو اس کا بدلہ نہ لیا جائے گا۔ اگر کسی کا مال لیا ہی تو تاوان نہ لیا جائے گا۔ یہ احتمال اگرچہ ممکن ہے مگر پہلے والے احتمالات زیادہ ممکن ہیں۔ (صواعق محرقہ)

ہم کہتے ہیں کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت عثمان از راہ ظلم قتل ہوئے۔ انہوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے ان کا خون مباح ہو۔ ان کا قتل اس وقت عمل میں نہ آیا جب کہ ان پر حجت تمام کر لی گئی تھی۔ ان کا قاتل لاپتہ نہیں تھا۔ مہاجرین وانصار نے ان کے قتل پر ایکا کر لیا تھا۔ ان صحابہ کبار کا کوئی ہاتھ قتل میں نہ تھا۔ طلحہ وزبیر، عمرو عاص اور ام المومنین عائشہ ان کی جانی دشمن نہ تھیں اور انہوں نے یہ آگ نہیں بھڑکائی تھی۔ زبیر نے قتل عثمان کے متعلق یہ فتویٰ نہ دیا تھا کہا قتلو ٭ فان ٭ غیر دینکم۔ وان عثمان لجیفۃ علی الصراط غدا۔ عثمان کو قتل کر ڈالو کہ انہوں نے تمہارے دین کو بدل ڈالا ہے اور عثمان کل بروز قیامت پل

صراط پر مُردار ہوں گے۔ حضرت عائشہ نے ان الفاظ میں ان کے قتل کا فتویٰ نہیں صادر کیا تھا کہ اقتلوا نعثلا قتلہ اللہ فقد کفر۔ معاویہ نے ان کی نصرت سے پہلوتہی نہیں کی۔ اُن کی ہلاکت کے متمنی نہیں رہے۔ حضرت عثمان کا کوئی وارث نہ تھا، بس لے دے کے ایک معاویہ ہی تھے۔ علیؑ ہی نے عثمان کو قتل کیا یا قاتلین عثمان کو پناہ دی۔ معاویہ غیر حاضر نہ تھے بلکہ مدینہ ہی میں موجود تھے اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ کون انہیں قتل کر رہا ہے۔ معاویہ نے جو الزام لگایا تھا وہ تہمت و بہتان نہ تھا۔ معاویہ کا جنگ کرنا صرف قاتلین عثمان کی طلب میں تھا، خلافت کی انہیں کوئی طلب نہ تھی۔

فرض کر لیجیے یہ تمام باتیں صحیح ہیں۔ جتنے حقائق اور مسلم الثبوت واقعات ہیں ان سب سے آنکھیں بھی بند کر لیجیے، پھر بھی بڑا سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ خلیفہ وقت اور اجماعی حاکم سے معاویہ کی مخالفت اور سرکشی ان سے جنگ وجدال اور بغاوت کیوں نہ کہی جائے گی؟ خروج کہنا کیوں نہ صحیح ہے؟ معاویہ اور ان کے اصحاب باغی کیوں نہ کہے جائیں گے؟ جنھوں نے حکومت الٰہیہ کی اہانت کی، امارت شرعیہ کی ذلت کی، اسلام کے دائرے سے خارج ہوئے اور اس طرح براہ راست خدا کی اہانت کے مرتکب ہوئے۔ ان سے جنگ کرنا انہیں اسلامی حدود سے نکال باہر کرنا واجب تھا۔ وہ مصداق تھے ان تمام حدیثوں کے کہ:

فمن اراد ان یفرق هذه الامة وهم جمیع فاضربوا راسه بالسیف کائنا من کان۔

جو شخص کہ امت اسلام میں تفرقہ پردازی کا ارادہ کرے اور امت متحد ہو تو اس کی گردن تلوار سے مار دو۔

من اهان سلطان الله فی الارض اهانه الله۔ صحیح ترمذی جلد ۹ ص ۶۹

من اتاکم وامرکم جمع علی رجل واحد یرید ان یشقعصا کم او یفرق جماعتکم فاقتلوه۔ صحیح مسلم جلد ۵۶ ص ۲۳/سنن بیہقی جلد ۸ ص ۱۶۹۔

جو شخص تمہاری مخالفت پر کمربستہ ہو اور تم ایک شخص پر اتفاق کیے ہو وہ شخص تم میں پھوٹ اور تمہاری جماعت میں پراگندگی پیدا کرنا چاہے اُسے قتل کر دو۔

معاویہ خلیفہ نہیں تھے نہ اُن کے ہاتھوں پر بیعت ہوئی تھی وہ سابق خلفاء کی طرف سے والی تھے جن کی خلافت کا زمانہ ختم ہو چکا تھا اور اب ان پر امیر المومنین کی بیعت فرض تھی۔ وہ شام کی گورنری پر اسی وقت باقی رہ سکتے تھے اور گورنری کے فرائض اسی وقت انجام دے سکتے تھے جب خلیفہ وقت کی جانب سے ان کی گورنری کی تجدید بھی ہو جاتی اور یہ تمام باتیں شرمندہ تعمیل ہی نہ ہوئیں۔

معاویہ کے حقیقی ارادے

اب ذرا معاویہ کے خطوط پر بھی نظر ڈالتے چلیں تا کہ پتہ چل سکے کہ وہ صرف قاتلین عثمان کے خواہاں تھے، جیسا کہ ابن حجر وغیرہ مدعی ہیں یا اصل میں ان کی تمنا خلافت وحکومت کی تھی اور یہ سارے ڈھونگ اس لئے رچائے تھے کہ علیؑ سے زبردستی خلافت ہتھیا لیں۔

حضرت عثمان کے قتل کے بعد جب نعمان بن بشیر نائلہ زوجہ عثمان کا خط لے کر معاویہ کے پاس پہونچا۔ نائلہ نے اپنے اس خط میں وہ تمام واقعات لکھے کہ کیونکر چار جانب کے مسلمانوں نے عثمان پر یورش کی؟ کیسے محمد ابن ابی بکر عثمان کی ڈاڑھی کے بال اکھاڑے؟ خط کے ساتھ حضرت عثمان کی خون آلودہ قمیص بھی تھی اور قمیص کے بٹن میں حضرت عثمان کے ڈاڑھی کے بال بندھے ہوئے تھے۔ معاویہ خط پا کر منبر پر گئے۔ لوگوں کو بلایا اور حضرت عثمان کی قمیص کھول کر انہیں دکھائی۔ وہ واقعات بیان کیے جو عثمان پر گذرے تھے۔ اس پر شام والے خوب ڈاڑیں مار مار کے روئے۔ پھر معاویہ نے ان سے انتقام خون عثمان لینے کی تحریک کی۔ اہل شام نے جواب دیا: وہ آپ کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ ان کے وارث ہیں۔ خون کا بدلہ لینے کے لیے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ان لوگوں نے امیر معاویہ کو اپنا امیر قرار دیا اور ان کی بیعت کر لی۔ معاویہ نے شام کے دیگر اضلاع میں حکام وسربرآوردہ اشخاص کو خطوط لکھے۔ حمص میں شرحبیل بن سمط کندی کو بھی خط لکھا۔ شرحبیل نے معاویہ کا خط پڑھ کر اہل حمص کے معززین کو طلب کیا اور کہا: قتل عثمان اتنا بڑا جرم نہیں جتنا بڑا جرم معاویہ کو امیر مقرر کرنا اور ان کی امارات پر بیعت کرنا ہے، لیکن ہم لوگ انہیں خلیفہ مقرر کر لیں اور ان کی خلافت پر بیعت کر لیں کیونکہ عثمان کے خون کا بدلہ بغیر کسی خلیفہ کے ساتھ ہوئے لینا

ممکن نہیں؛ چنانچہ شرجبیل نے اور اہل حمص نے معاویہ کی خلافت پر بیعت کر لی۔ اس کے بعد شرجبیل نے معاویہ کو لکھا: "آپ نے یہ لکھ کر کہ میں آپ کے امیر ہونے پر بیعت کر لوں، بڑی زبردست غلطی کی ہے۔ آپ عثمان کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں اور آپ خلیفہ نہیں، اس لئے میں نے اور میرے ساتھ کے لوگوں نے آپ کی خلافت پر بیعت کر لی ہے۔ معاویہ اس خط کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے۔ لوگوں کو بلایا۔ منبر پر گئے اور انہیں شرجبیل کا خط پڑھ کر سنایا اور پھر شام والوں سے بھی تحریک کی کہ تم بھی میری خلافت پر بیعت کرو۔ سب نے قبول کیا۔ جب بیعت ہو گئی اور معاملہ استوار ہو گیا تب معاویہ نے علیؑ کے جواب میں لکھا:

(الامامت والسیاست جلد ا، ص 69-70)

اس واقعہ کے بعد مالک بن ہبیرہ کندی آیا جو شام ہی کا رہنا والا تھا اور بیعت کے وقت شام سے باہر تھا۔ مالک نے کہا: امیر المومنینؑ! آپ نے اس ملک کے ساتھ فریب کیا۔ لوگوں کو فاسد کر دیا۔ احمقوں کے لیے گنجائش پیدا کر دی۔ تمام عرب والے جانتے ہیں کہ ہم لوگ کام کے دھنی ہیں زبان کے نہیں، ہم کہتے کم ہیں کرتے زیادہ ہیں۔ آپ اپنا ہاتھ پھیلائیے ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔ (کتاب صفین ابن مزاحم ص ۹۰)

معاویہ کے منصوبوں کا سب سے بڑا ثبوت اور ان کے دلی تمناؤں کا آئینہ ان کے وہ خطوط ہیں جو انہوں نے امیر المومنین کے خطوط کے جواب میں لکھے۔ ہم وہ خطوط تو سوانح عمری کے صفحات پر ذکر کریں گے۔ یہاں ہم معاویہ کے کچھ دوسرے خطوط نقل کرتے ہیں جو انہوں نے طلحہ و زبیر اور دیگر اشخاص کے نام لکھے۔ ذرا ان خطوط پر نظر کیجیے اور پھر انصاف کیجیے کہ معاویہ کے اصل منصوبے کیا تھے؟ وہ صرف طالب انتقام عثمان تھے یا علیؑ کی خلافت چھیننے کے لیے بے چین۔

قتل عثمان کے بعد ہی معاویہ نے زبیر کو لکھا:

عبداللہ بن [علی الظاہر عبارت میں یہ دو لفظ زائد ہیں۔] زبیر امیر المومنینؑ کی خدمت میں معاویہ ابن ابی سفیان کی طرف سے۔ میں نے آپ کے لیے شام والوں کی طرف سے بیعت لی ہے۔ سب نے متفقہ طور پر آپ کی بیعت کی بیعت کر لی۔ لہٰذا کوفہ اور بصرہ پر جلد قبضہ کر لیجیے۔ علیؑ آپ سے پہلے نہ پہونچنے پائیں۔ اگر یہ دونوں شہر آپ کے قبضہ میں آجاتے ہیں تو پھر علیؑ کے پاس کچھ نہ بچے گا۔ آپ کے بعد میں نے طلحہ کے لیے بیعت لی ہے۔ آپ انتقام خون عثمان کے مطالبہ کا اعلان کیجیے۔ لوگوں کو اس کی طرف بلائیے اور پوری مستعدی اور سرگرمی کام میں لائیے۔

خدا آپ دونوں کا کامیاب اور آپ کے دشمن کو ذلیل و خوار کرے گا:

اس خط کو پڑھ کر زبیر بہت خوش ہوئے طلحہ کو بھی یہ خط پڑھ کر سنایا کسی کو بھی اس میں شک نہ ہوا کہ معاویہ ہم دونوں کے خیر خواہ ہیں۔ اسی کے بعد ان دونوں نے علیؑ کی مخالفت پر کمر کس لی۔ (شرح ابن ابی الحدید جلد ا ص ۷۷)

ذرا غور کیجیے معاویہ کی دیانت و شرافت پر۔ زبیر کو کتنی پسندیدگی کے ساتھ امیر المومنین کہہ کر خطاب کر رہے ہیں۔ محض اپنے اس خیال کی بنا پر کہ شام کے لوگوں نے ان کی بیعت کر لی ہے اور علی ابن ابی طالب امیر المومنینؑ کہے جانے کے سزاوار نہیں، جن کی تمام مسلمانوں نے بیعت کی تھی، سب سے پہلے خود طلحہ و زبیر نے بیعت کی تھی۔ معاویہ نے ان دونوں کو بہکا کر بیعت توڑنے پر آمادہ کیا اور اس کی پاداش جو انہیں اٹھانی پڑی وہ گذشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے۔

یہ خط صاف بتا رہا ہے کہ انتقام خون عثمان محض حکومت حاصل کرنے اور خلافت تک پہنچنے کا ایک بہانا اور ذریعہ تھا۔

دوسرا خط معاویہ نے زبیر کو یہ لکھا:

آپ زبیر بن عوام ابن ابی خدیجہ ہیں (ام المومنین خدیجہؑ کے باپ خویلد زبیر کے دادا تھے) اور پیغمبرؐ کی پھوپھی کے صاحبزادے ہیں، حواری رسولؐ ہیں، رسول اللہ کے ہم زلف ہیں (ابوبکر کی ایک بیٹی اسماء زبیر کی بیوی تھیں، دوسری بیٹی عائشہ رسول اللہ کی زوجیت میں تھیں) مسلمانوں کے شہسوار ہیں۔ آپ ہی نے مکہ میں اپنی جان کی بازی لگا دی تھی اور تلوار کھینچ کر پیغمبرؐ کی حمایت پر تل گئے تھے۔ یہ سب باتیں قوت ایمان اور صدق یقین کی دلیل ہیں۔ رسول اللہ آپ کو پہلے

ہی جنت کی بشارت دے چکے ہیں۔ حضرت عمر نے شوریٰ کا ایک ممبر آپ کو بھی نامزد کیا تھا۔

اے ابوعبداللہ! خیال کیجیے کہ رعیت اس وقت منتشر بھیڑ بکری کی مانند ہو رہی ہے کیونکہ راعی کوئی نہیں لہٰذا مسلمانوں کو جان بچانے، پراگندگی دور کرنے، اتحاد و یکجہتی پیدا کرنے آپس کے اختلافات مٹانے کی جلد ہی کوشش کیجیے، قبل اس کے کہ معاملہ قابو سے باہر ہو جائے اور امت اسلام میں انتشار پیدا ہو۔ لوگ اس وقت ہلاکت کے کنارے کھڑے ہیں۔ قوی امکان ہے کہ ہلاکت کے گڑھے میں گر پڑیں لہٰذا امت کی شیرازہ بندی کے لیے کمر کس لیجیے اور خدا تک پہنچنے کی راہ نکالیے۔ میں نے اپنی طرف آپ کے لیے اور آپ کے صاحب طلحہ کے لئے حکومت کا معاملہ مضبوط کرلیا ہے۔ پہلے آپ خلیفہ ہوں گے پھر آپ کے صاحب طلحہ۔ خداوند عالم آپ کو ہدایت کرنے والا اور طالب تقویٰ قرار دے۔

طلحہ کے نام معاویہ نے یہ خط لکھا:

”قریش میں سب سے بڑھ کر صاف و پاک آپ ہیں پھر چہرے میں آپ کے صباحت بھی ہے اور ہاتھوں میں بذل و سخا بھی۔ زبان بھی آپ کی فصیح ہے۔ سابقیت میں آپ دوسروں کے برابر ہیں۔ عشرہ مبشرہ میں سے پانچویں فرد ہیں۔ جنگ احد میں آپ کو خصوصی شرف و فضل حاصل ہوا۔ رعیت آپ کو جو اپنی حکومت سونپ رہی ہے اس کی طرف جلدی کیجیے۔ اس سے تخلف کی گنجائش نہیں۔ خداوند عالم آپ سے تبھی راضی ہوگا جب آپ اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیں گے۔ میں نے آپ کے لیے اور زبیر کے لیے یہاں تمام انتظامات مکمل کر لیے ہیں۔ زبیر کسی بھی فضیلت کی وجہ سے آپ پر تقدم نہیں رکھتے چاہے آپ زبیر کو مقدم قرار دیں یا زبیر آپ کو مقدم قرار دیں۔ بہرحال جو مقدم قرار پائے گا وہی امام ہوگا اور اس کے بعد دوسرے شخص کے ہاتھ میں حکومت جائے گی۔“

قابل غور ہے کہ معاویہ طلحہ و زبیر کے جن کے فضائل و مناقب کی قصیدہ خوانی کر رہے ہیں اور ان فضائل کی وجہ سے انہیں مستحق خلافت قرار دے رہے ہیں، کیا ان فضائل سے علیؑ خالی تھے؟ علیؑ کو کوئی فضیلت ان لوگوں جیسی حاصل نہ تھی؟ معاویہ بیان کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے زبیر و طلحہ کو جنت کی بشارت دی ہے۔ عشرہ مبشرہ میں سے دونوں ہیں تو کیا علیؑ انہیں عشرہ مبشرہ میں سے ایک نہ تھے؟ تو پھر علیؑ کو خلافت سے محروم کیوں کیا جا رہا ہے۔ اگر صرف جنتی ہونے کی بشارت کافی ہے مستحق خلافت ہونے کے لئے تو پھر سعد بن ابی وقاص کو اس سے کیوں نکال دیا گیا؟ وہ بھی عشرہ مبشرہ میں داخل تھے۔ اس وقت زندہ و سلامت بھی تھے۔ اس کی وجہ اسکے سوا اور کیا ہو سکتی ہو کہ طلحہ و زبیر کو بہکا کر کام نکالنا آسان تھا اور سعد کو بہکانا مشکل۔

طلحہ کے متعلق معاویہ لکھتے ہیں، سابقیت میں آپ دوسروں کے برابر ہیں تو کیا امیر المومنینؑ اول سابقین نہ تھے؟ اور کیا سب سے پہلے وہ ایمان و اسلام نہیں لائے؟

اگر جنگ احد میں طلحہ کو خصوصی فضل و شرف حاصل ہو تو علیؑ کو تمام غزوات میں افضلیت حاصل رہی ہے۔ جنگ بدر ہو یا احد خندق و خیبر ہو یا حنین، سبھی لڑائیوں میں محض علیؑ کے ہاتھوں فتح نصیب ہوئی۔ علیؑ نے ان تمام معرکوں میں جو کارنامے انجام دیئے کیا معاویہ ان سے ناواقف تھے؟ حقیقت یہی ہے کہ علیؑ کے کارنامے ان تمام غزوات میں معاویہ کے نزدیک ستائش کے قابل نہیں تھے کیونکہ ان غزوات میں علیؑ ہی کے ہاتھوں معاویہ کے گھر کی بربادی ہوئی تھی۔ بھائی، نانا، ماموں، گھر کے دوسرے افراد علیؑ کے ہاتھوں واصل جہنم ہوئے تھے۔ بھلا ایسی صورت میں علیؑ کی جانبازیاں معاویہ کے نزدیک فضیلت کیسے قرار پا سکتی تھیں۔ خود معاویہ نے طلحہ کے خط میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ: ”قریش میں سب سے بڑھ کر آپ پاک و صاف ہیں۔“ یعنی طلحہ کا دامن مشرکین قریش کے خون سے پاک تھا۔ انہوں نے مشرکین قریش میں شاذ و نادر ہی کسی کو قتل کیا۔

سچ پوچھئے تو فقط خلافت ہی معاویہ کا مدعا و مقصود نہ تھا بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ اس کے بھی خواہشمند تھے کہ لوگ انہیں رسول سمجھیں اور پیغمبرؐ خدا کے بعد دوسرا نبی تسلیم کرلیں۔

”اسلام کا مشہور و معروف مسلم الثبوت مورخ طبری اپنی تاریخ میں ۰۲ھ کے واقعات لکھتے ہوئے رقمطراز ہے کہ عمرو عاص اہل مصر کے ایک گروہ کے ساتھ

معاویہ کی ملاقات کو آئے۔(اس زمانے میں عمرو عاص معاویہ سے کچھ برسرِ پرخاش تھے) انہوں نے ان لوگوں کو کہلا دیا کہ تم معاویہ کے پاس جانا تو اس کی توہین کرنا اور خلیفہ کہہ کہ سلام کرنا۔ معاویہ کو جب ان لوگوں کی خبر معلوم ہوئی تو وہ عمر عاص کی سازش کو تاڑ گئے اور دربانوں سے کہا کہ نابغہ کے لڑکے (عمرو عاص) نے شاید ان لوگوں کی نظروں میں میرے مرتبہ کو سبک کر دیا ہے۔ تم ان لوگوں کے ساتھ جتنی سختی وشدت کر سکتے ہو کرنا، یہاں تک کہ یہ لوگ سمجھ لیں کہ ان کی جان خطرہ میں ہے۔ دربانوں نے بھی اسکی اطاعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے جو شخص معاویہ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ اور بقیہ لوگوں نے بھی اس کی پیروی کی۔ (تاریخ طبری جلد ۶ ص ۱۸۴ / تاریخ ابن کثیر جلد ۸ ص ۱۴۰ / تاریخ کامل جلد ۴ ص ۵)

"شام کے اسلامی دربار میں خلیفہ وقت کو رسول اللہ کہہ کر سلام کیا جائے اور ان لوگوں کو سزا تو سزا تنبیہ بھی نہ کی جائے۔ اس سے ضمیر کا پتہ صاف چلتا ہے اور حقیقی نصب العین بالکل بے نقاب ہو جاتا ہے۔"

غالباً یہی واقعہ سنگ بنیاد تھا اس عقیدہ کا جسے دوستداران معاویہ نے جزو ایمان بنا لیا تھا۔ شمس الدین ضیاء مقدسی اپنی کتاب احسن التقاسیم فی معرفتہ الاقالیم ص 399 میں لکھتے ہیں:

"اصفہان والوں میں کچھ سادہ لوحی اور معاویہ کے متعلق غلو بھی تھا۔ مجھ سے ایک شخص کے زہد وعبادت کی بڑی تعریف کی گئی۔ میں قافلہ کو چھوڑ کر اس کے پاس گیا۔ رات اسی کے ہاں بسر کی میں نے بہت سی باتیں اس سے پوچھیں۔ انہیں میں سے یہ بھی پوچھا کہ تم صاحب (بن عبادہ مشہور شیعہ وزیر) کے متعلق کیا کہتے ہو؟ صاحب کا نام سن کر اس شخص نے گالیوں کی بوچھار کر دی اور کہا: اس شخص نے ایسا عقیدہ ہمارے سامنے پیش کیا جسے ہم جانتے بھی نہیں۔ میں نے پوچھا: وہ کیا؟ اس نے کہا صاحب کہتا ہے کہ معاویہ مرسل نہ تھے۔ میں نے پوچھا: اور تم کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا: میں وہی کہتا ہوں جو خداوند عالم نے کہا ہے: لا نفرق بین احد من رسلہ ابوبکر بھی مرسل تھے۔ عمر بھی مرسل تھے۔ اسی طرح اس نے چاروں خلیفوں کا ذکر کیا پھر کہا معاویہ بھی مرسل تھے۔ میں نے کہا ایسا نہ کہا کرو، ابوبکر وعمر وعثمان وعلیؑ تو خلفاء تھے اور معاویہ بادشاہ تھے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے: خلافت میرے بعد ۳۰ برس تک رہے گی پھر بادشاہت ہو جائے گی۔ یہ سن کر وہ شخص مجھے گالیاں دینے لگا اور ہر ایک سے کہتا پھرا: یہ شخص رافضی ہے۔ اگر میں بھاگ کر قافلہ میں نہ جا ملتا تو وہ لوگ میرا قصہ ہی ختم کر دیے ہوتے۔

ابن حجر نے معاویہ کی محبت میں کچھ اور بھی باتیں بنائی ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا وہ ان کے اجتہاد کا نتیجہ تھا، خلیفہ برحق سے بغاوت، جنگ وجدال بےگناہوں کی ہلاکت جن میں تین سو سے کچھ اوپر بیعت الرضوان والے صحابی تھے اور ۲۵ وہ صحابہ کبار تھے جو جنگ بدر میں شرکت کا شرف رکھتے تھے۔ یہ تمام باتیں بحیثیت مجتہد کے ان سے ظہور میں آئیں۔ ابن حجر کا خیال یہ ہے کہ کتاب وسنت صاف صاف جن باتوں کو حرام قرار دیں، ان میں بھی کسی مجتہد کا اجتہاد چل سکتا ہے اور اجتہاد کی آڑ لے کر مجتہد چاہے بڑے سے بڑا گناہ کر ڈالے اس سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ صریحی نصوص اور بدیہی احکام کے مقابلہ میں اجتہاد کی کوئی قیمت نہیں۔ ابن حجر کے نزدیک اجتہاد کے نہ کوئی اصول مقرر ہیں نہ قواعد بس جس کو جی چاہا اسے مجتہد قرار دے کر اس کے بڑے بڑے جرموں سے بے داغ بری کر دیا۔ خالد بن ولید نے مالک بن نویرہ اور اس کے قبیلے میں تباہی مچادی۔ مالک کو فوراً قتل کر کے اس کی بیوی سے منہ کالا کیا۔ ابن ملجم ملعون جو بنص پیغمبر شقی ترین مردم ہے، اس نے علیؑ کو محراب طاعت میں شہید کیا۔ ابی غادیہ فزاری نے عمار کو شہید کیا۔ عمرو عاص جس نے معاملہ تحکیم میں فریب کر کے مسلمانوں کا بیڑا غرق کر دیا۔ یزید جس نے خاندان اہلبیت کو تباہ برباد کیا۔ رسول کی بیٹیوں کو بندیاں ترک ودیلم کی طرح قید کر کے دربدر پھرایا۔ سب مجتہد تھے انہوں نے جو کچھ کیا اپنی جگہ پر ٹھیک کیا۔ اسی طرح ان لوگوں کا دامن بھی پاک ہے جنھوں نے باوجود یہ کہ تمام مسلمانوں نے بیعت کر لی تھی امیر المومنین کی بیعت سے گریز کیا اور جاہلیت کی موت مرے، غرضیکہ صحابہ پیغمبرؐ سے جتنے قبائح ظہور میں آئے سب اجتہاد کا نتیجہ تھے اور ان پر حرف گیری کا کسی کو بھی موقع نہیں، نہ ان سے کسی قسم کا مواخذہ یہاں ہو سکتا ہے نہ قیامت میں ہوگا۔

ہاں کچھ موارد ایسے بھی ہیں جہاں ابن حجر وغیرہ اجتہاد کا گزر نہیں ہونے دیتے۔ وہاں ان لوگوں کی خواہشیں اور جانبداری اجتہاد کی راہ میں دیوار بن جاتی

ہے۔ چنانچہ ابن حزم کے نزدیک ابن ملجم تو مجتہد ہے جس نے علیؑ کو محراب عبادت میں شہید کیا مگر حضرت عثمان کے مخالفین فاسق ہیں ملعون ہیں وہ عمداً خون ناحق مرتکب ہوئے۔

(کتاب الفصل ابن حزم جلد ۴ ص ۱۶۱)

اور ابن تیمیہ کے نزدیک مفسدین فی الارض ہیں جن لوگوں نے قتل کیا وہ باغی اور ظالم ہیں اور جن لوگوں نے ان کی ہلاکت کی کوشش کی وہ سب کے سب خطاکار بلکہ ظالم باغی اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

(منہاج السنۃ جلد ۳ ص 189 و 306)

اور ابن حجر کے نزدیک کاذب ملعون وغیرہ وغیرہ ہیں۔ (صواعق محرقہ ص ۶۷ و ۶۸ و ۱۲۹)

حضرت عمر کے صاحبزادے عبیداللہ عمداً ہرمزان اور ابولولو کی دختر کو ہلاک کرتے ہیں۔ اکابر صحابہ کا تقاضا ہے کہ ان سے قصاص لیا جائے مگر حضرت عثمان محض اس وجہ سے کہ عبیداللہ حضرت عمر کے صاحبزادے ہیں انہیں صاف بری کردیتے اور انہیں جاگیری بھی مرحمت فرماتے ہیں۔ تو کہا جاتا ہے کہ وہ خلیفہ وقت تھے مجتہد تھے انہوں نے جو کچھ کیا اجتہاد کی بنا پر کیا اور وہ ایسا کرنے میں جادہ صواب پر تھے۔

مگر جب گوناگوں مصالح کی بنا پر علیؑ ابن ابی طالب قاتلین عثمان سے قصاص لینے کو کچھ دن ملتوی رکھتے ہیں تو یہ خبر قابل اعتراض ٹھہرتی ہے۔ آپ کے خلاف بغاوت کردی جاتی ہے۔ آپ کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جنگ جمل اور صفین چھیڑ کر آپ کی جان لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عثمان کا اجتہاد قابل قبول ہے مگر علی ابن ابی طالب باب مدینۃ العلم کا اجتہاد نامقبول۔ پھر لطف یہ کہ عثمان کے قاتل کا پتہ بھی نہ تھا جس کو ان کے بدلے میں قتل کیا جاتا۔ وہ لوگ البتہ موجود تھے جنھوں نے ان کے قتل کے اسباب فراہم کئے مگر وہ سب مہاجرین و انصار اور کبار صحابہ تھے۔ پیغمبرؐ کی خدمت میں برسوں بیٹھنے والے احکام شریعت براہ راست پیغمبرؐ سے حاصل کرنے والے جن سے بڑھ کر کسی کا مجتہد ہونا ناممکن ہے۔

اجتہاد کی نیرنگی اور بوالعجبی دیکھیے، کہ اموی دور حکومت میں علیؑ کو اور ہر اس صحابی کو جو علیؑ کا طرفدار تھا گالیاں دینا مباح تھا۔ اس زمانے کا اجتہاد ہر شخص کو اجازت دیتا تھا کہ وہ جس طرح چاہے ان پر لعنت کرے۔ ان کو گالیاں دے، نمازوں کے خطبوں میں، جمعہ جماعت میں منبروں کے اوپر، قنوت میں، خلوت وجلوت میں اور ایسا کرنے والے کی نہ مذمت کرنا صحیح ہے اور نہ مجرم و گناہ گار قرار دینا جائز ہے چاہے وہ کسی طبقہ اور درجہ کا ہو جاہل و اوباش ہی کیوں نہ ہو کہا جائے گا۔ وہ مجتہدین ہی اور وہ ان باتوں میں پر اللہ کے یہاں سے ایک اجر بھی پائیگا کیونکہ یہ تمام باتیں خطائے اجتہادی کا نتیجہ تھیں اور مجتہد مخطی کے لئے ایک اجر اللہ کے یہاں معین ہے۔

رہ گئے علی اور ان کے شیعہ تو انہیں یہ حق نہیں کہ وہ اپنے اذیت پہنچانے والوں کی شکایت کریں، جن لوگوں نے ان پر مظالم کے پہاڑ ڈھائے ان کے خلاف کوئی حرف زبان سے نکالیں۔ ان لوگوں کا اجتہاد میں کوئی حصہ نہیں چاہے وہ علوم کے خزینہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر ان لوگوں میں سے کوئی معاویہ ان کے اصحاب اور اس عہد کے جفاکاروں کو برا کہے تو اسے مارنا پیٹنا عذاب میں مبتلا کرنا قتل کرڈالنا ضروری ہے اور اس کے اجتہاد کی پروا نہ کی جائے گی۔ اس کے متعلق یہ نہ کہا جائے گا کہ وہ مجتہد مخطی ہے۔ یہی طرز عمل سواد اعظم کا اس زمانہ سے آج تک ہے۔ سیرۃ اور تاریخ کی تمام کتابیں اٹھا کر دیکھ جائیے اس کے بہتیرے ثبوت آپ کو مل جائیں گے۔

ابن حجر صواعق محرقہ ص ۱۳۲ پر معاویہ کے لعنت کرنے کے متعلق لکھتے ہیں:

بعض اہل بدعت معاویہ کو برا کہنا اور ان پر لعنت کرنا جو مباح سمجھتے ہیں تو اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا جائے، نہ اس پر اعتماد کیا جائے گا کیونکہ ایسا، احمق، جاہل، غبیاور سرکش ہی کرتے ہیں۔ خدا کو اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کہاں مرتے ہیں۔ خداوند عالم ان پر لعنت کرے، انہیں رسوا کرے بدترین لعنت اور

بدترین رسوائی۔

ذرا غور فرمائیے، ابن حجر کی یہ لعنت کہاں تک جا کر پہونچتی ہے۔ پیغمبرؐ کی ہم متعدد حدیثیں اوپر ذکر کر چکے ہیں جن میں آپؐ نے معاویہ پر لعنت فرمائی۔ امیر المومنینؑ کے خطبات ومکاتیب موجود ہیں، آپ نے بھی لعنت کی۔ ابن عباس، جناب عمار، محمد ابن ابی بکر بھی لعنت کر چکے ہیں۔ حضرت عائشہ ہر نماز کے بعد ان پر بددعا کیا کرتی تھیں۔ اسی طرح بہت سے جلیل القدر صحابہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ ابن حجر گویا معاذ اللہ ان سب پر لعنت کر رہے ہیں۔

لگے ہاتھوں جی چاہتا ہے کہ عالم اہل سنت جناب حافظ مولوی محمد علی حیدر علوی حنفی کاکوروی کی مشہور کتاب "سیرۃ علویہ" کے کچھ صفحات بھی نذر ناظرین کرتے چلیں۔ موصوف ایک سنی العقیدہ مسلمان تھے۔ مذہب اہلسنت کے اصول ومعتقدات کے سختی سے قائل۔ اس لیے یہ ضروری نہیں کہ ان کی سب ہی باتیں ہمارے لیے قابل قبول ہوں۔ پھر بھی ہم نے جس موضوع کے تحت یہ صفحات نقل کیے ہیں۔ ان کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ موصوف لکھتے ہیں:

معاویہ نے جو جنگ امیر المومنینؑ کے خلاف کی اسکی نوعیت سمجھنے کے لیے عرب کی قدیم تاریخ اور ان کے قدیم عادات وخصائل کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ اگرچہ اسلام لانے کے بعد قبائل عرب کے عادات وخصائل میں ایک نمایاں تغیر ہو گیا تھا مگر اس میں شک نہیں کہ ایام جاہلیت کے جذبات اگرچہ دب گئے تھے مگر موجود ضرور تھے اور ان جذبات کا اظہار کبھی کبھی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں بھی نمایاں طور پر ہو جاتا تھا۔ واقع افک دلیل بیّن اس امر کی ہے۔ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد جس قدر زمانہ گذرتا گیا زمانہ جاہلیت کا اثر ان جذبات کے اظہار میں زائد نمایاں ہوتا گیا۔ عرب میں قدیم زمانے سے انتقام ایک ضروری اور لازمی چیز سمجھا جاتا تھا۔ اگر کسی شخص کے عزیز کو کوئی شخص حق یا ناحق قتل کر دیتا تھا تو مقتول کے اعزاء پر یہ واجب ہوتا تھا کہ وہ قاتل اور اس کے ورثا اور اعزہ سے جب کبھی موقع مل سکے انتقال ضرور لیں۔ اس انتقام لینے میں حق وناحق سے مقتول کے اعزاء کوئی بحث نہیں رکھتے تھے۔ کبھی اس انتقام کے جذبہ کا اظہار مدتوں نہیں ہوتا تھا اور یہ جذبہ نسلاً بعد نسل میراث اور ترکہ کے طریقہ پر باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو منتقل ہوتا رہتا تھا۔

دوسرا امر جس کا ہمیں لحاظ رکھنا پڑے گا وہ بنی امیہ اور بنی ہاشم کی وہ دیرینہ مخالفت ہے جس کی بنیاد صدیوں پہلے پڑ چکی تھی اور جس کی بنا پر ابوسفیان اور اس کے لڑکوں نے جب تک ممکن ہو سکا آنحضرتؐ اور بنی ہاشم کی مخالفت کی۔ بنی امیہ ہونے کی حیثیت سے جو دیرینہ مخالفت معاویہ کو جناب امیرؑ سے (جو بنی ہاشم تھے) تھی ہمیں اس جذبہ انتقام نے جو کسی زمانہ میں عرب کا ایک شریفانہ جذبہ سمجھا جاتا تھا، بہت کچھ جوش پیدا کر دیا تھا۔ مقتولین بدر میں ولید بن عتبہ، عتبہ، حنظلہ ابن ابی سفیان جناب امیرؑ کے ہاتھ سے قتل ہوئے تھے (تمدن اسلام، ابوالفداء)۔ ان لوگوں میں سے حنظلہ، معاویہ کا بھائی ولید اور ان کا حقیقی ماموں اور عتبہ حقیقی نانا تھا۔ جو واقعات کہ جناب امیرؑ کی خلافت میں پیش آئے، اس میں معاویہ کی خواہش حکومت کے ساتھ جذبہ انتقام بھی پنہاں تھا۔ واقعات جنگ صفین تاریخ طبری ابن اثیر، ابن خلدون، مسعودی، عقد الفرید، ابوالفداء، تاریخ اعثم کوفی، وقعۃ الصفین من نصر بن مزاحم، روضۃ الصفاء وغیرہ سے لے کر لکھے گئے ہیں۔ تاریخی واقعات صاف اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ اس جنگ کی بنا معاویہ کی بغاوت تھی جو انہوں نے حصول خلافت کے لیے کی مگر باوجود اس تاریخی ثبوت کے اکثر حضرات اس بات سے قائل ہوئے ہیں کہ:

(۱) معاویہ کو مثل اصحاب جمل دھوکا ہوا۔

(۲) وہ مجتہد تھے۔ ان سے خطائے اجتہادی سرزد ہوئی۔ یہ شبہ ہوا کہ بیعت منعقد نہیں ہوئی۔

(۳) خود صحابی تھے اور صحابی ان کے ساتھ تھے۔

(۴) طالب خلافت نہ تھے بلکہ طالب قاتلین حضرت عثمان تھے۔

انہیں وجوہ سے ان حضرات نے معاویہ کی اس خطا کو خطاء اجتہادی مانا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم ان وجوہ کے متعلق کچھ لکھیں یہ بیان کر دینا ضروری معلوم

ہوتا ہے کہ کسی شخص کے فعل کی نوعیت پر رائے زنی سے قبل ہم کو اس کی زندگی کے کل واقعات اور اس کا تمام طرزِ عمل دیکھنا ضروری ہے۔ بلا اس کے کوئی صحیح رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے اس امر کے فیصلہ کرنے میں کہ یہ فعل خطاء اجتہادی کہا جاسکتا ہے یا خطا منکر، صرف جنگ صفین ہی پر نظر ڈالنا کافی نہ ہوگا بلکہ ہم کو جنگ صفین کے قبل اور بعد کے واقعات پر بھی ایک اجمالی نظر ڈالنا پڑے گی تاکہ ہم صحیح طور پر یہ تصفیہ کر سکیں کہ واقعی معاویہ کے اس فعل کی نوعیت کیا تھی؟ اس غرض کے لیے مناسب تو یہ تھا کہ معاویہ کی تمام زندگی کے کارناموں کا ایک اجمالی تذکرہ ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جاتا مگر یہ بحث اس کتاب کے مقصد سے ایک حد تک علیحدہ ہے اس لیے ہم ایسے واقعات جو ہماری بحث کے لیے ضروری ہیں آگے چل کر اس سرخی کے تحت میں کہ بیعت منعقد ہوئی یا نہیں اور معاویہ طالب قاتلین عثمان تھے یا طالب خلافت، درج کریں گے، جس سے ناظرین خود اس بات کا اندازہ کرلیں گے کہ معاویہ کا یہ فعل کسی طرح خطائے اجتہادی ہو بھی سکتا ہے یا نہیں؟ اب ہم ان دلائل پر جو خطاء اجتہادی ہونے کی تائید میں پیش کیے جاتے ہیں ایک مختصر نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔

۱۔ معاویہ کو مثل اصحاب جمل دھوکا ہونا۔

ایسے توہمات بوجہ عدم مطالعہ کتب سیر و تواریخ پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔ جنگ جمل کو جنگ صفین کے ساتھ کوئی مشابہت کسی قسم کی نہ تھی۔ اصحاب جمل اور اصحاب صفین کے اعراض اس حد تک علیحدہ اور ممیز تھے جیسے روز روشن اور شب تار۔ اصحاب جمل کی غرض اور معاویہ کی غرض میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ اصحاب جمل میں سے کوئی شخص مدعی خلافت نہ تھا، اسی بنا پر علماء نے اصحاب جمل کو باغی قرار دینے میں تامل کیا ہے اور باغی اول معاویہ کو قرار دیا ہے۔ (شرح مقاصد علامہ سعد الدین تفتازانی) اصحاب جمل میں سے کسی نے بالارادہ جناب امیرؑ سے جنگ نہیں کی بلکہ سبائیوں کی فتنہ پردازی سے جنگ شروع ہوگئی تو فریقین کو مجبوراً مدافعت کرنا پڑی۔ (شرح مقاصد) حضرت عائشہ کا قصہ صلح کرانے کا تھا، مجبوراً لڑائی میں پھنس گئیں۔ اصحاب جمل میں سے کسی کا مقصد انتزاع خلافت نہ تھا اور نہ کوئی جناب امیرؑ کی مخالفت پر تلا ہوا۔ حضرت زبیر کو جناب امیرؑ نے حدیث سنائی۔ وہ نادم ہو کر جنگ سے واپس گئے۔ حضرت طلحہ بھی لڑائی سے علیحدہ ہو کر واپس جارہے تھے۔ جب مروان بن الحکم نے تیر مار کر انہیں شہید کیا۔ انہوں نے انتقال کے وقت تجدید بیعت جناب امیرؑ کے ایک لشکری کے ہاتھ پر کی۔ حضرت عائشہ کی ندامت کتب تواریخ و سیر میں موجود ہے۔ انہیں وجوہ سے علماء نے اصحاب جمل کی خطا کو خطائے اجتہادی مانا ہے۔

[نوٹ:] (مولوی صاحب کی اس عبارت سے ہم پوری طرح متفق نہیں۔ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ اپنے مقصد کو نبھانے کے لیے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ از روئے انصاف از روئے شریعت اصحاب جمل اور اصحاب صفین میں کوئی فرق نہیں۔ جس طرح معاویہ کی غرض انتزاع خلافت تھی اسی طرح طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ کا بھی مقصد یہ تھا کہ علیؑ کو خلافت سے برطرف کر دیا جائے۔ معاویہ خود خلیفہ ہونا چاہتے تھے اور حضرت عائشہ طلحہ کو خلیفہ بنانا چاہتی تھیں، جو اُن کے خاندان کے تھے۔ طلحہ و زبیر نے جب تک بیعت توڑی نہ تھی اس وقت تک وہ خلافت میں برابر برابر کا حصہ چاہتے تھے کوفہ بصرہ کی خود مختار حکومت اور جب بیعت توڑی تو ان کا مطالبہ بھی یہی تھا کہ علیؑ خلافت سے الگ ہو جائیں اور شوریٰ سے معاملہ طے ہو۔ ہم شروع کے صفحات میں بہت تفصیل سے تمام واقعات بیان کر چکے ہیں۔ مؤرخین کی اصل عبارتیں بھی پیش کر چکے ہیں۔ ناظرین ایک مرتبہ ان پر پھر نظر ڈال لیں۔

علماء اہلسنت نے اصحاب جمل کو باغی قرار دینے میں جو تامل کیا ہے تو اسی جذبہ کے تحت جس جذبہ کے تحت مولوی صاحب موصوف نے یہ سطریں سپرد قلم کی ہیں ورنہ حقیقت میں جس طرح معاویہ باغی اسی طرح طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ بھی۔ معاویہ نے بھی خلیفہ برحق کے خلاف تلوار اٹھائی اور انہوں نے بھی۔ اصحاب جمل میں سے ہر ایک کا مقصد علیؑ سے جنگ کرنا تھا۔ علیؑ کو قتل کرنے کے بعد ہی ان کے مقاصد پورے ہو سکتے تھے۔

فرقہ ابن سبا محض وہمی چیز ہے۔ ابن سبا کا کوئی وجود بھی تھا ہی نہیں اور نہ کوئی گوشت و پوست والا انسان اس نام کا کبھی گذرا ہے۔ یہ محض حضرت عثمان کے پرستاروں کی خیالی تخلیق ہے جنھوں نے حضرت عثمان کے مرنے کے سو ڈیڑھ سو برس کے بعد حضرت عثمان کے افعال زشت و زبوں کو سبک دکھانے اور شیعیان علیؑ کو زچ کرنے کے لیے جنم دیا اور پروان چڑھایا۔ رسالہ اصلاح ماہ اکتوبر و نومبر ۱۹۵۷ اور ماہ مارچ 1958 میں ہم پوری بحث کر چکے ہیں۔ اس

سوانح عمری میں بھی ہم نے ص 243 تا 254 مختصر بحث کی ہے۔ طلحہ نادم ہو کر جنگ سے واپس نہ ہوئے بلکہ جب پوری زور آزمائی کر چکے، طاقت بالکل ہی جواب دے گئی اور دیکھا کہ علیؑ کا پلہ بھاری پڑ رہا ہے تو جان بچاتے اور زخموں کی مرہم پٹی کے لیے میدان قتال سے ہٹ کے جائے پناہ ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ مروان جو انہیں کی فوج میں تھا یہ کہہ کر کہ لو یہ بھی چلے تاک کر ایک تیر مارا۔ آخر کار مہلک ثابت ہوا۔ زبیر کے متعلق اختلاف ہے۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:

وھنا یختلف المورخون فقو میرون انہ منہ بوجھہ حتی ادرکہ ابن جرموز فقتلہ فی وادی المسباع بامر من الاحنف ابن قیس او عن غیرا مرسلہ و قومہ یقولون ان انبہ عبداللہ عیر بالجبن وقال لہ رأیت راھات ابن ابی طالب و علمت ان تحتھم الصوت مجیلتہ وما ذال بہ حتی اخفنہ فدل لہ الزدیر و ھلك انی قد حلفتا الا اقالل علیا فطال عبداللہ ما اکرما یکفر الناس عن ایدا ھم فاتق غلامك رجلین فائل عدولك ففصل و انھلا مرمع الناس.

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جنگ سے پہلے وہ مدینہ واپس ہو رہے تھے اور ابن جرموز نے قتل کر دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر کے غیرت دلانے سے انہیں غصہ آگیا اور انہوں نے جنگ میں شرکت کی اور جہاں سب پسپا ہوئے وہاں وہ بھی۔ الفتنۃ الکبریٰ، جلد دوم ص 39۔)[انتہیٰ]

کیا معاویہ کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا ارادہ جنگ کا نہ تھا یا وہ جناب امیرؑ سے خلافت جبراً چھین لینے پر آمادہ نہیں تھے۔ جب معاویہ کی نیت اور غرض اور اصحاب جمل کی نیت اور غرض میں بین فرق موجود ہے تو پھر جنگ صفین کو جنگ جمل سے مشابہت دینا اور معاویہ کو مثل اصحاب جمل معذور ماننا صریح زیادتی نہیں تو اور کیا ہے؟

۲۔ معاویہ مجتہد تھے۔ ان سے خطائے اجتہادی سرزد ہوئی۔ یہ شبہ ہوا کہ بیعت منعقد نہیں ہوئی۔

قبل اسکے کہ ہم اس کے متعلق کچھ لکھیں کہ معاویہ مجتہد تھے یا نہیں اور انہوں نے خطائے اجتہادی کی یا خطاء منکر۔ ہمیں اس بات تک سمجھ لینا چاہیے کہ خلافت کس کو کہتے ہیں۔ اس کا اہل کون شخص ہوتا ہے اور اس کا انعقاد کس طریقہ پر ہوتا ہے۔ امتداد زمانہ سے لفظ خلافت کا مفہوم بھی اب بہت کچھ بدل گیا ہے اور وہ مفہوم اس لفظ کا آنحضرتؐ اور خلفاء کے زمانے میں تھا۔ اب یہ بمشکل باقی رہ گیا ہے، مگر ہم کو چونکہ اسی مفہوم سے مطلب ہے، جو آں حضرتؐ کے زمانہ میں تھا، اس لیے ہم اپنی بحث میں اسی مطلب اور مفہوم کو پیش نظر رکھنے کے مجاز ہیں۔ خلافت کے لغوی معنی جانشینی اور کسی کی جگہ پر اسکے بعد بیٹھنے کے ہیں۔ یہ لفظ خود اپنے مفہوم کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ ایک اصل کا سایہ اور ایک آئینہ کا عکس اور ایک حقیقی منصب کی قائم مقامی ہے، اور اسی کو کبھی امام کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور یہ دونوں لفظ خلیفہ اور امام ایک شخص کی دو مختلف حیثیتوں کو ظاہر کر سکتے ہیں۔ اپنے پیش رو کے نائب اور قائم مقام ہونے کے لحاظ سے وہ خلیفہ اور اپنے زمانہ کے پیروں کے لحاظ سے وہ امام اور پیشوا ہے۔ اسی بنا پر درحقیقت خلافت پیغمبرؐ کی قائم مقامی اور اسکے بعد اس کی پیشوائی ہے۔ آنحضرتؐ کے اس ارشاد سے بھی کہ: تم سے پہلے بنی اسرائیل میں انبیاء اور پیغمبر سیاست کرتے تھے اور ایک پیغمبر کے بعد دوسرا پیغمبر پیدا ہوتا تھا لیکن پیغمبری ختم ہو گئی، تم میں خلفا ہوں گے۔ یہی واضح ہوتا ہے کہ خلافت پیغمبری کی نیابت اور قائم مقامی ہے۔ اسی لیے خلیفہ میں دو حیثیتوں کا پایا جانا لابدی ہے۔

(۱) ظاہری حیثیت میں اس میں سیاسی و انتظامی استعداد و صلاحیت ہو۔ (۲) اور اس سے بہت زیادہ اس کا باطن درست اور مصفا ہو یعنی یہ دیکھنا پڑے گا کہ آنحضرتؐ کی صحت کا اثر کتنا گہرا اور دیرپا پڑا ہے اور اسکی روحانی، علمی، عملی و اخلاقی فضائل و مناقب کیا ہیں۔ آنحضرتؐ نے جن لوگوں میں ان دونوں حیثیتوں کا مکمل نمونہ دیکھا، اشارات و ارشادات کے ذریعہ ان کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا۔ زمانہ کے انقلاب اور حالات کے تغیر نے جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، اس لفظ کے مفہوم اور معیار کو بھی بدل دیا۔ آنحضرتؐ نے ظاہری صفات کے ساتھ مخصوص روحانی فضائل اور کمالات کو بھی ملاحظہ فرما لیا تھا اور انہیں فضائل و کمالات کے لحاظ سے قرآن و احادیث میں ایسے مخصوص اور صریح اشارات اور ارشادت پائے جاتے ہیں کہ جن سے خلافت حقیقی کے مستحق کو پہچاننا بالکل آسان ہے۔ اہلبیت

خلافت کے لیے جن مخصوص شرائط کی ضرورت ہے، وہ ذیل ہیں: (۱) مسلمان ہونا، (۲) عاقل بالغ ہونا، (۳) مرد ہونا، (۴) متکلم و سمیع و بصیر ہونا، (۵) شجاع ہونا، (۶) عادل ہونا، (۷) مجتہد ہونا، (۸) قریشی ہونا، (۹) مہاجرین اولین و حاضرین حدیبیہ و حاضرین نزول سورہ نور و حاضرین بدرو تبوک و دیگر مشاہد عظیمہ ہونا، (۱۰) مبشر بالجنۃ ہونا (یعنی آنحضرتؐ نے اپنی زبان مبارک سے اس شخص کا نام لے کر بغیر کسی تعلیق کے اور شرط کے فرمایا ہو کہ فلاں شخص اہل بہشت سے ہے)، (۱۱) امت کے اعلیٰ طبقہ سے ہونا یعنی صدیقین و شہدا و صالحین میں سے ہونا۔ (۱۲) آنحضرتؐ کا اس کے ساتھ قولاً وفعلاً وہ برتاؤ کرنا جیسے بادشاہ اپنے ولیعہد کے ساتھ کرتا ہے، (۱۳) خداوند تعالیٰ نے جو وعدے رسولؐ کے ساتھ کیے ہوں اُن کا خلیفہ کی ذات پورا ہونا، (۱۴) اس شخص کے قول کا دین میں حجت ہونا۔ (۱۵) اس شخص کا اپنے عہد میں تمام امت سے افضل ہونا۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ جناب امیرؑ میں یہ سب شرائط بدرجہ اتم موجود تھے۔ (ازالۃ الخفاء) اور اس لیے آپ کے مستحق خلافت ہونے میں معاویہ یا اور کسی شخص کو کوئی گنجائش شک وشبہ کی نہ تھی۔ آیات قرآنی و احادیث صحیحہ صاف اور واضح طور سے یہ ظاہر کر چکی تھیں کہ خلافت کن حضرات میں ہوگی؟ مثلاً ہم دو آیتیں یہاں پر پیش کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین کو سہولت ہو:

(۱) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ [النور: 55] (۲) اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا [الحج: 38] نزول آیات کلام اللہ کوئی پوشیدہ امر نہ تھا کہ جس کا علم معاویہ کو نہ ہوا ہو، نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید یہ آیات اُن کی نظر سے نہ گذری ہوں یا اُنہوں نے نہ سنی ہوں۔ اسی لئے ہم کو ماننا پڑے گا کہ ضرور معاویہ کما حقہ اس امر سے واقف تھے کہ خلافت حسب ارشاد باری کن لوگوں میں ہوگی، اس لیے اگر انعقاد بیعت نہ بھی ہوتا تب بھی اگر جناب امیرؑ اپنی خلافت کا اعلان فرماتے اور کوئی دوسرا شخص کہ جس پر اطلاق ان آیات کا ہو سکے، مدعی خلافت نہ ہوتا تو ایسی صورت میں بھی معاویہ کو ان آیات کے موافق جناب امیرؑ کو خلیفہ برحق تسلیم کرنا چاہیے تھا، اس لئے کہ وعدہ باری تعالیٰ کو حق سمجھنا ہر مسلمان کا فرض اور ایمان ہے۔ چونکہ جناب امیرؑ کی خلافت نص صریح اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے ، اس لیے اس کے انعقاد پر کسی ظاہری دلیل دینے کی چنداں ضرورت نہ تھی مگر ان حضرات کی تسکین خاطر کے لیے جو معاویہ کو اپنی امکانی کوشش سے شک کا فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ انعقاد بیعت پر بھی ہم اجمالی نظر ڈالتے چلیں۔ انعقاد بیعت کے چار طریقے ہیں:

(۱) اہل حل عقد کا بیعت کرنا۔ انعقاد خلافت کے لیے صرف انہیں اہل حل وعقد کا بیعت کر لینا کافی ہے جو بہ آسانی موجود ہو سکیں تمام بلاد اسلامیہ کے اہل حل وعقد کا متفق ہونا شرط نہیں۔ (ازالۃ الخفا) اہل حل وعقد سے مراد مہاجرین وانصار تھے۔

(۲) استخلاف۔ یعنی خلیفہ عادل کا کسی ایسے شخص کو خلیفہ بنا دینا جو خلافت کا اہل ہو اور شرائط خلافت کا جامع ہو۔

(۳) شوریٰ۔ یعنی خلیفہ جامعین شرائط خلافت کی ایک جماعت پر مسئلہ خلافت کو منحصر کر دے کہ ان میں سے کوئی منتخب کر لیا جائے۔

(۴) استیلا یعنی غلبہ۔ جناب امیرؑ کی خلافت کا انعقاد پہلے طریقہ پر ہوا۔ آپ نے مہاجرین وانصار کے شدید اصرار پر بار خلافت اپنے ذمہ لینا قبول فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت عثمان کی شہادت کے تیسرے روز آپ کے دست اقدس پر اکابرین مہاجرین وانصار نے بیعت کی۔ (ابن اثیر)

بعض حضرات اس طرف بھی گئے ہیں کہ جناب امیرؑ کی خلافت اول طریقہ سے ثابت ہونے کے علاوہ تیسرے طریقے یعنی شوریٰ سے بھی ثابت ہے اور اس کی دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق نے اپنے وصال سے قبل اس امر کا اظہار فرمایا تھا کہ وہ جناب امیرؑ کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں۔ (شمس التواریخ / الفاروق وکنز العمال)

بعد ازاں مشورہ میں یہ قرار پایا کہ حضرت عثمان اور جناب امیرؑ میں سے ایک شخص خلیفہ ہو۔ پہلے حضرت عثمان خلیفہ ہوئے اور جب حضرت عثمان شہید ہو گئے تو جناب امیر خلیفہ ہو گئے۔ آپ کی خلافت کا انعقاد خواہ پہلے طریقہ پر ہوا ہو یا تیسرے طریقہ پر، یہ امر بہرنوع ثابت ہے کہ انعقاد بیعت ہوا۔ اب ہم کو اس شبہ کے دوسرے جز پر بھی ایک نظر ڈال لینا چاہیے، وہ یہ کہ معاویہ مجتہد تھے اور ان سے خطائے اجتہادی واقع ہوئی۔ یہ امر بھی مسلمہ ہے کہ کل صحابہ مجتہد نہ تھے۔ (آیات

بینات، شرح جمع الجوامع، علامہ شہاب الدین قاسم)

معاویہ پر لفظ مجتہد کا اطلاق ہو سکتا ہو یا نہیں؟ اس کو مجتہد کی تعریف بخوبی واضح کر دے گی۔ مجتہد اس شخص کو کہتے ہیں جو احکام فقہیہ کو کما حقہ جانتا ہو مع ان کے دلائل تفصیلیہ یعنی کتاب و سنت و اجماع و قیاس کے اور ہر حکم کو اسکی علت کے ساتھ مرتبط جانتا ہو اور اس کے علت کا ظن قوی رکھتا ہو یعنی قرآن پاک کی قرائت و تفسیر و احادیث کا علم مع ان کی سندوں اور معرفت صحیح و ضعیف کی اسے حاصل ہو۔ (ازالۃ الخفاء)

قبل اس کے کہ ہم اس پر کچھ لکھیں کہ معاویہ اس تعریف میں آتے ہیں یا نہیں، یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ خطاء اجتہادی کس کو کہتے ہیں خطاء اجتہادی صرف اس خطاء کو کہتے ہیں جس میں مجتہد مستقل کسی امر متنازعہ فیہ میں کلام الٰہی اور حدیث نبویؐ میں بلا شائبہ نفسانیت پورے طور پر غور و خوض کے بعد تمام مالہ و ماعلیہ کی تحقیقات کر کے نیک نیتی سے کوئی رائے قائم کرے۔ اگر وہ رائے غلط ہوتی ہے تو مجتہد کی خطاء کو خطاء اجتہادی کہتے ہیں۔ اوپر کی عبارت سے خطاء اجتہادی کے لیے حسب ذیل باتوں کی ضرورت معلوم ہوتی ہے:

(1) غلطی کرنے والا مجتہد ہو۔ (2) رائے قائم کرنے میں شائبہ نفسانیت نہ ہو۔ (3) یہ رائے کلام الٰہی اور حدیث نبویؐ سے ماخوذ ہو۔ خطاء اجتہادی کے لیے یہ تینوں چیزیں لازمی ہیں۔ صرف ایک جز کی موجودگی سے ہر خطاء خطائے اجتہادی نہیں ہو سکتی۔ خطاء اجتہادی جب ہی ہوگی جب تینوں جز موجود ہوں۔

خطاء اجتہاد پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد حقیقتاً اس کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ یہ طے کیا جائے کہ معاویہ مجتہد تھے یا نہیں۔ اس لیے کہ اگر معاویہ کا یہ فعل خطاء اجتہادی میں آتا ہی نہ ہو تو پھر ان کے مجتہد ماننے یا نہ ماننے سے بحث پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ معاویہ کا یہ فعل کہ انہوں نے جناب امیرؑ کے خلاف بغاوت کی، اس لیے خطاء اجتہادی نہیں ہو سکتا کہ ان کے اس فعل میں کم از کم خطاء اجتہادی کی تعریف میں جز دویم اور سویم کا کہیں وجود نہیں معلوم ہوتا۔ یہ امر ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ جناب امیرؑ کی خلافت نص قرآنی اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، اس لیے معاویہ کا جناب امیرؑ سے مقابلہ کرنا کلام الٰہی اور حدیث نبویؐ سے ماخوذ نہیں ہو سکتا۔ جزء سوم کا جواب نفی میں دینے کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شائبہ نفسانیت موجود تھا۔ ہماری اس رائے کی تائید جنگ صفین کے اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ جب عبداللہ بن عمرو بن العاص سے اور معاویہ سے حضرت عمار ابن یاسر کی شہادت کے بعد ان احادیث پر گفتگو ہوئی، جن میں آنحضرتؐ نے یہ فرمایا تھا کہ اے عمار تمہیں گروہ باغی قتل کرے گا۔ تم ان کو جنت کی طرف بلاؤ گے اور وہ تمہیں دوزخ کی طرف۔ تو معاویہ نے اسکی تاویل یہ کی کہ گروہ باغی کے الفاظ کا اطلاق جناب امیرؑ اور ان کے ساتھیوں پر ہوتا ہے، اس لیے کہ ان کے نزدیک قاتل حضرت عمار ابن یاسر وہ گروہ کہا جائے گا جو انہیں جنگ کے لیے لایا اور جس کی طرف سے وہ جنگ کرتے تھے نہ کہ وہ گروہ جس نے ان کو قتل کیا۔ معاویہ کی یہ تاویل اگر صحیح مان لی جائے تو پھر قاتل حضرت حمزہ، وحشی نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ نعوذ باللہ من ذالک قاتل حضرت حمزہ خود آنحضرتؐ اور ان کے اصحاب قرار پائیں گے، جن کی طرف سے حضرت حمزہ جنگ کرتے تھے۔ معاویہ کی اس تاویل کو بھی ان کے معرفت مجتہدانہ فعل کہنے پر آمادہ و مستعد ہوں تو ہوں، مگر کسی ذی عقل اور صاحب فہم و ادراک سے یہ امید رکھنا کہ وہ ملوک پرستی کے جذبے سے متاثر ہو کر انہیں کی طرح دن کو رات اور رات کو دن کہنے لگے گا اور اس شعر پر عامل ہونے کو تیار ہوگا:

اگر شہ روز را گوید شب است این

بباید گفت اینک ماہ پروین

ایک بالکل خلاف عقل اور غیر ممکن شے ہے۔ معاویہ کو مجتہد ماننے کے لئے کوئی دلیل موجود نہیں۔ ان کے اجتہاد کا دعویٰ کرنا ویسا ہی ہے جیسا ابن حزم کا ابن ملجم اشقی الآخرین کو قتل جناب امیرؑ میں مجتہد قرار دینا۔ (تلخیص از حافظ ابن حجر) جب نوبت فضول گوئی اور ہذیان کی آ جائے تو پھر جس شخص کو چاہے مجتہد قرار دے لے۔ یہ ظاہر ہے کہ اس طرح کی تاویلات سے دنیا کے معیوب ترین افعال کے لیے بھی عذرات لا یعنی پیدا کیے جا سکتے ہیں۔

ہمارے نزدیک شبہ دوم کا جواب اوپر کی عبارت سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ اگر اس پر بھی معاویہ کے معترفین انہیں مجتہد قرار دینے پر مصر ہوں تو ہم معاویہ

کی زندگی کے صرف چند واقعات یاد دلا کر اس بحث کو ختم کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔

(1) جناب امیرؑ و اہلبیتؑ اطہار پر سب و شتم کا رواج دینا۔ (ابوالفداء وعقد الفرید و مستطرف و حلیا لاولیا و تمدن اسلام و تاریخ الامت و غیرہ)

(2) حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دلوانا اور اس پر اظہار خوشنودی کرنا۔ (استیعاب/ مروج الذہب/ تاریخ الخمیس/ عیون الانباء و حیوۃ الحیوان بحوالہ ابن خلکان/ روضۃ الصفا، طبری/ شعبی طبقات ابن سعد/ تاریخ ابوالحسن مدائنی/ و تذکرہ خواص الامہ وغیرہ)

(3) حجر ابن عدی کو شہید کر ڈالنا۔ (طبری / ابولفدا/ روضہ الصفاء و تاریخ الامت وغیرہ)

(4) عبدالرحمن بن خالد و مالک اشتر کو زہر دلوانا۔ (عیون الانباء/ روضۃ الصفاء/ تذکرہ الکرام/ خلفائے راشدینمصنف شاہ معین الدین ندوی وغیرہ)

(5) ایک شرابی اور فاسق کو اپنی جگہ پر مسلمانوں کا حکمران بنانا۔ (تاریخ خلفاء / روضۃ الصفاء)

(6) مسلمانوں پر کھانا پانی بند کرنا وغیرہ۔ (روضہ الصفاء / وارجح المطالب وغیرھا من التاریخ والمناقب)

کیا یہ افعال بھی مجتہدانہ افعال کہے جاسکتے ہیں؟ اور ان پر بھی خطاء اجتہادی کا لفظ چسپاں کیا جائے گا؟

خود معاویہ کا یہ فعل کہ وہ جناب امیرؑ سے طالب قاتلین حضرت عثمان تھے اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ معاویہ جناب امیرؑ کو خلیفہ برحق سمجھتے تھے ورنہ بجائے جناب امیرؑ کے انہوں نے کسی اور سے یہ مطالبہ کیوں نہ کیا۔ اس شخص کی خلافت منعقد نہ ہونے کا قائل ہونا اور پھر اسی شخص سے بہ حیثیت خلیفہ طالب قاتلین حضرت عثمان ہونا صریحی نفسانیت نہیں تو اور کیا ہے؟ ممکن ہے کہ اس صورت کے لیے بھی کوئی بڑا اور شاندار لفظ وضع کر لیا جائے یا کوئی اور لغو تاویل پیش کیجائے۔

3۔ خود صحابی تھے اور صحابہ ان کے ساتھ تھے۔

یہ امر واقعی ہے کہ آنحضرت کی صحبت کا شرف اعلیٰ مدارج تعظیم و کثرت ثواب کا مجوز اور نیکیوں کی زیادتی کا سبب ہے۔ کوئی شرف خواہ کیسا ہی کیوں نہ ہو، اس حد کو نہیں پہنچتا ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ کوئی شخص کتنا ہی جلیل القدر کیوں نہ ہو، علاوہ انبیاء علیہم السلام کے معصوم نہیں، البتہ وہ عظیم الشان صحابہ کبار جن کے فضائل و مناقب تواتر کی حد کو پہنچ چکے ہیں محفوظ عن الخطاء سمجھے جائیں گے۔ اس امر میں کہ اکابر صحابہ کون ہیں اور کتنے ہیں؟ علماء نے یہ لکھا ہے کہ جو لوگ صلح حدیبیہ تک اسلام سے مشرف ہوئے، وہ ہر طرح سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اس کے بعد کوئی ایسا مشہد نہیں جو معیار فضل و صداقت سمجھا جائے کیونکہ بعد صلح حدیبیہ اکثر منافق بھی اسلام میں شریک ہو گئے تھے۔ (السر الجلیل مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی) معاویہ کا جو پایہ اسلام میں تھا وہ تاریخ و سیر کے مطالعہ سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔ ان کا شمار مولفۃ القلوب میں تھا۔ (استیعاب/ اسد الغابہ/ الاصابہ/ جامع الاصول ابوالفداء/ تاریخ الخلفاء/ روضۃ الاحباب و روضۃ الصفاء/ تاریخ الامت/ تمدن اسلام) غزوہ حنین کے بعد جب آنحضرت نے تقسیم غنیمت فرمائی تو انصار کی شکایت پر صاف الفاظ میں اس امر کو ظاہر فرما دیا تھا کہ مولفۃ القلوب کا مرتبہ ایمانی کیا ہے۔ (صحیح بخاری) لفظ صحابی کا اطلاق کس شخص پر ہو سکتا ہے، اس کے متعلق بھی اقوال مختلف ہیں۔ واقعی تعریف صحابی کی یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس کو ایک مدت تک آنحضرتؐ کا شرف صحبت بغرض حصول علم و عمل ہو وہ صحابی کہلانے کا مستحق ہوگا۔ علامہ سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں کہ ابوالحسین نے معتمد میں لکھا ہے کہ صحابی وہ ہے جس نے بطریق اتباع آپؐ کی طویل صحبت اٹھائی ہو اور آپ سے علم و عمل حاصل کیا ہو۔ جنہوں نے اس کے بغیر آپ کی طویل یا غیر طویل صحبت اٹھائی ہو وہ صحابی نہیں۔

ظاہر ہے کہ اس تعریف کے مطابق مولفۃ القلوب کا شمار صحابہ میں ہونا بھی ممکن نہیں ہے اس لئے کہ ان کے اسلام قبول کرنے ہی میں سب سے ضروری جز صدق پایا نہیں جاتا۔ اس میں شک نہیں کہ صحیح تعریف صحابی کی یہی ماننا پڑے گی، اس لئے کہ اگر صحابی کی یہ تعریف مانی جائے کہ جس نے آنحضرت کو دیکھا اور ایمان لایا وہ صحابی ہے تو پھر اس تعریف میں بہت سے ایسے لوگ بھی آجائیں گے جن کے افعال بیشتر نفسانیت پر مبنی تھے اور جن میں شائبہ حقانیت بالکل معدوم تھا۔ گروہ صحابہ کی وقعت اور عزت غیر اقوام مورخین کے سامنے بھی قائم رکھنے کے لئے لفظ صحابی کی وہی تعریف ماننا پڑے گی جو صاحب فتح المغیث نے

لکھی ہے۔خود آنحضرتؐ کا حضرت خالد بن الولید سے حضرت عبدالرحمان بن عوف کے معاملہ میں یہ ارشاد فرمانا کہ تم میرے صحابہ کی برابری نہیں کر سکتے، صاف ظاہر کرتا ہے کہ علامہ سخاوی نے جو تعریف صحابی کی لکھی ہے وہی تعریف صحیح ہے۔خود یہ دلیل کہ معاویہ صحابی تھے، واقعی کوئی دلیل ان کی براءت کی نہیں ہو سکتی۔ اس کا صرف مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی اور دلیل ان کی براءت کی موجود نہیں۔مذہبی نقطہ نظر سے کسی کو ساکت کرنا کوئی دلیل نہیں ہوا کرتی اور نہ ایسے دلائل کی کمزوری صاحبان نظر سے مخفی رکھی جا سکتی ہے۔

4۔طالب خلافت نہ تھے بلکہ طالب قاتلین حضرت عثمان تھے۔

یہ دلیل صرف اس لئے پیش کی جاتی ہے کہ جنگ جمل اور جنگ صفین میں مشابہت پیدا ہو جائے تاکہ جو دلائل براءت اصحاب جمل کے لئے پیش کیے جاتے ہیں، ان کا اطلاع معاویہ پر ہو سکے۔ہم اس سے پہلے اس بات کو دکھا چکے ہیں کہ جنگ جمل اور جنگ صفین مین ادنیٰ سی مشابہت بھی نہیں۔اب ہم کو صرف یہ دیکھنا ہے کہ یہ امر کسی طرح پایہ ثبوت کو پہنچ سکتا ہے یا نہیں کہ معاویہ نے یہ جنگ قاتلین حضرت سے قصاص طلب کرنے کے لئے کی۔اس کا تصفیہ کرنے کے لئے ہم کو اس کی ضرورت پڑے گی کہ واقعات قبل از جنگ اور بعد از جنگ کو بھی دیکھ لیں۔

یہ یاد رکھنا چاہے کہ معاویہ اس شخص کے خون کا قصاص مانگتے تھے جس کی زندگی میں بھی وہ طالب خلافت تھے۔(شمس التواریخ) اور جس نے زمانہ محاصرہ میں بھی ان سے مدد طلب کی تھی اور انہوں نے مدد دینے سے گریز کیا تھا۔(روضۃ الصفاء) دوران جنگ میں جب عمرو بن عاص نے اپنی حکمت عملی سے کلام اللہ کو نیزوں پر بلند کرایا اور لڑائی بند ہو گئی اور تقرر حکمین کی نوبت آئی تو جو امر تصفیہ کے لئے حکمین سے متعلق کیا گیا وہ یہ نہ تھا کہ قاتلین حضرت عثمان کون لوگ ہیں بلکہ تصفیہ طلب یہ امر قرار دیا گیا تھا کہ مستحق خلافت کون شخص ہے؟ اگر معاویہ طالب خلافت نہ تھے صرف طالب قصاص تھے تو عمرو بن العاص کو تصفیہ خلافت کے لئے مقرر کرنے کے کیا معنی ہوں گے؟ اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ واقعی تقرر ابن العاص کا اسی غایت سے تھا مگر خود عمرو ابن العاص نے اس معاملہ کو خلافت کا معاملہ بنا دیا تو کیا معاویہ نے جب عمرو بن العاص نے فیصلہ دربارہ خلافت کیا کوئی تہدید عمرو بن العاص کو کی اس کے متعلق؟ تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ اہل شام کو جناب امیرؑ سے بدظن کرنے کے لئے معاویہ نے عمرو بن العاص کے مشورہ سے شام کے مختلف حصوں میں بہ اجرت آدمی متعین کیے کہ جن کا کام صرف یہ تھا کہ اس افواہ کو شہرت دیں کہ جناب امیر شہادت حضرت عثمان میں شریک تھے۔(روضۃ الصفاء) اور جب فیصلہ حکمین کے بعد واپسی ہوئی تو معاویہ نے ان سے بمعاوضہ حکومت مصر اپنی بیعت لی۔تقرر حکمین اور ان کے فیصلہ کے بعد معاویہ کو مملکت شام پر تمام و کمال غلبہ و تصرف حاصل ہو چکا تھا۔کیا انہوں نے کوئی کوشش قاتلین حضرت عثمان کو تلاش کرنے اور ان کو سزا دینے کی کی؟ حضرت امام حسنؑ کے خلافت سے دست کش ہو جانے کے بعد معاویہ کو کل اسلامی ممالک پر شاہانہ اقتدار حاصل ہو گیا تھا۔کسی ضعیف سے ضعیف روایت سے بھی یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد معاویہ نے جستجوئے قاتلین عثمان کی، یا کسی شخص کو جس پر شبہ رہا ہو کوئی سزا دی؟ تاریخ تو یہ بتاتی ہے کہ جنگ صفین کے بعد معاویہ شاید یہ بھی بھول گئے تھے کہ حضرت عثمان کوئی شخص تھے یا نہیں؟ اور ان کو لوگوں نے شہید بھی کیا تھا یا نہیں؟ اگر معاویہ کی جنگ صفین سے طلب قصاص ہوتی تو وہ اپنے زمانہ حکومت میں ضرور امکانی کوشش قاتلین کو سزا دینے کی کرتے۔حضرت عثمان کی شہادت سے معاویہ کی امارت تک چھ برس سے زائد کا زمانہ نہیں گزرا تھا، یہ سمجھنا کہ اس مدت میں قاتلین حضرت عثمان سب ختم ہو چکے تھے، صریحی زیادتی ہے، جس کا کوئی ثبوت موجود نہیں۔جنگ صفین کو یہ کہہ کر ٹال دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ بر بنائے طلب قصاص تھی، مگر جو کوشش معاویہ نے جناب امیرؑ کے مقبوضہ ممالک میں دست اندازی کی کی، کیا وہ بھی طلب قصاص پر کسی طرح مبنی کہی جاتی ہے؟ (الابو الفداء) ممالک محروسہ خلافت میں بدامنی پھیلانا، بیت المال پر دست اندازی، لوگوں سے قبل جنگ صفین اپنی بیعت لینا، بادشاہ روم سے جناب امیر سے لڑنے کے لئے صلح کرنا۔(مسعودی) کیا یہ سب امور بھی قصاص کی مد میں تھے؟ ممالک محروسہ خلافت کی بدامنی یا بیت المال پر دست اندازی کو یہ کہنا کہ یہ بھی اسی قصاص کے حیلہ کے تحت میں آ سکتے ہیں، آفتاب پر خاک ڈالنے سے کم نہیں۔صرف جنگ صفین کے متعلق صفائی پیش کرنے کی کوشش سے معاویہ کا دامن پاک نہیں ہو

سکتا۔ واقعات بدیہی ثبوت اس امر کا پیش کر رہے ہیں کہ جنگ صفین کی تہہ میں خواہش حکومت و امارت مخفی تھی۔ اور اس قدر مسلمانوں کا خون معاویہ نے محض حکومت حاصل کرنے کی خواہش میں کرایا تھا۔ تاریخ صاف اس امر کا ثبوت دے رہی ہے کہ معاویہ کے اس فعل میں اگر کوئی جذبہ پنہاں تھا تو وہ خواہش حکومت تھی۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ ہم آنکھ بند کرلیں اور بالقصد نابینا بن کر دن کو رات کہنے لگیں۔ معاویہ اسے اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ان کو جناب امیرؑ کے مقابلہ میں کسی طرح حق خلافت نہیں پہونچتا۔ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ اگر بر بناء حصول خلافت انہوں نے اعلان جنگ کیا تو باستثناء ان کے رشتہ داروں یا چند اہل غرض کے کوئی ان کا شریک نہ ہوگا اور انہیں منہ کی کھانا پڑے گی، اس لئے یہ ان کی حکمت عملی تھی کہ انہوں نے اپنی خواہش حکومت کو طلب قصاص کے پردہ میں عوام کے سامنے ظاہر کیا۔ حضرت عثمان کی شہادت کی یاد دلوں میں تازہ تھی، قلوب اس سے متاثر تھے۔ پولیٹیکل آدمی ہونے کے معنی بھی یہ تھے کہ جناب امیرؑ کو قتل عثمان کا اتہام لگایا جائے اور عوام کے تاثر کو اپنی ناجائز خواہش کے حصول کا نردبان بنایا جائے۔ ہماری اس رائے کی تائید خود معاویہ کی اس گفتگو سے ہوتی ہے جو معاویہ اور حضرت عائشہ بنت حضرت عثمان [کے درمیان] مدینہ طیبہ میں ہوئی۔ عقد الفرید میں ہے کہ جب حضرت امام حسن علیہ السلام خلافت سے دست کش ہو گئے تو معاویہ نے حضرت عثمان کا ذکر چھوڑ دیا۔ اس کے بعد مدینہ طیبہ گئے۔ حضرت عائشہ بنت حضرت عثمان سے ملاقات ہوئی تو حضرت عائشہ نے کہا کہ تم نے میرے باپ کا بدلہ لینے کا خیال چھوڑ دیا۔ حکومت حاصل ہوتے ہی اپنی زبان بند کرلی۔ معاویہ نے جواب دیا کہ لوگوں نے میری اطاعت کرلی۔ میں نے امن دیا۔ اس وقت تم یہ غنیمت جانو کہ امیر المومنین حضرت عثمان کی بیٹی اور امیر المومنین معاویہ کی بھتیجی کہلاتی ہو۔ اگر میں تمہاری خاطر سے طلب قصاص کے لئے معاملت بدلوں اور معاملہ دگرگوں ہو کر حکومت میرے ہاتھ سے نکل جائے تو اس وقت تم معمولی عورت رہ جاؤ گی۔

جو خطبہ معاویہ نے مدینہ طیبہ میں دیا تھا وہ بھی ہمارے استدلال کا مؤید ہے۔ میں دنیا کی طرف مائل ہوا، وہ میری طرف جھک پڑی۔ میں اس کا بیٹا ہوں اور وہ میری ماں۔ (عقد الفرید)

معاویہ کے تمام افعال خواہ وہ بعد جنگ صفین ہوں یا قبل جنگ صفین صرف ایک ہی اصول کے ماتحت سمجھ میں آسکتے ہیں کہ وہ ایک پولیٹیکل آدمی تھے اور اپنے مقاصد کے حصول میں انہوں نے کبھی کسی امر کی مانع و حارج نہیں ہونے دیا اور جس امر اور جس شخص کو اپنے خواہش حکومت میں خار راہ سمجھے، اس کو انہوں نے ناجائز طریقہ سے ہٹانے کی کوشش کی؛ مثلاً ہم چند واقعات قبل از جنگ اور بعد از جنگ کو ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ ناظرین خود اس بات کا اندازہ کرلیں کہ یہ افعال کس حد تک مجتہد اور صحابی رسولؐ کی شان سے گرے ہوئے ہیں اور کہاں تک ایک پولیٹیکل آدمی کے شایان شان ہیں:

1۔ حضرت عثمان کی مدد سے بالقصد اجتناب کرنا۔ (روضۃ الصفاء)

2۔ جنگ جمل میں جو حضرت عثمان کے قاتلین سے قصاص کے طلب پر مبنی تھی، کوئی حصہ نہ لینا اور اس بات کے منتظر رہنا کہ فریقین جنگ جمل اتنے کمزور ہو جائیں کہ معاویہ کے مقابلہ کے قابل نہ رہ جائیں۔

3۔ قیس ابن سعد کو اغوا کرنا اور اس میں ناکامیاب رہنے پر ان کے متعلق جھوٹی خبروں کو مشہتر کرنا تاکہ معاویہ کو مصر میں جناب امیرؑ کو متہم کرنے کا موقع مل جائے۔ (ابوالفداء/ روضۃ الصفاء/ تاریخ امت / خلفائے راشدین)

4۔ عمرو ابن العاص کے مشورے سے آدمیوں کو اجرت دے کر اس کام کے لئے مقرر کرنا کہ وہ شام کے ہر حصہ میں جناب امیرؑ حضرت عثمان کے قتل کا اتہام رکھیں۔ (روضۃ الصفاء)

5۔ مسلمانوں پر کھانا پانی بند کرنے کا انتظام کرنا۔ (روضۃ الصفاء)

6۔ اشعث بن قیس کندی کو رشوت دینا کہ اگر معاویہ جنگ میں کمزور پڑیں تو وہ جناب امیرؑ کو جنگ بند کرنے پر مجبور کرے۔ (روضۃ الصفاء)

7۔ تاویل جو معاویہ نے حضرت عمار بن یاسر کی شہادت کے بعد ان کے قاتل کے متعلق کی۔ (روضۃ الاحباب و روضۃ الصفاء)

8۔عبداللہ بن عمرو بن العاص کو حدیث بیان کرنے سے منع کرنا، اس لئے کہ وہ فضائل جناب امیرؑ ذکر کرتے تھے اور حضرت عمار کے قتل پر صبر کی تلقین کرتے تھے۔اور جب لوگ ان سے معاویہ کے مظالم کی شکایت کرتے تو ان سے کہتے کہ صبر کرو۔(مسند امام احمد بن حنبل جلد 1)

9۔مالک بن اشتر کو زہر دلوانا اور ان جنود اللہ من العسل سمجھنا۔(عیون الانباء/ روضۃ الصفاء/ تذکرۃ الحکماء و خلفائے راشدین)

10۔مصر کے لوگوں کو جناب امیرؑ کے خلاف ابھارنا اور مدد لینا۔(تاریخ الامت و ابن اثیر و اعثم کوفی)

11۔حجر بن عدی مستجاب الدعوات صحابی اور ان کے ہمراہیوں کو بھوکا پیاسا رکھ کر اس بات پر کہ انہوں نے جناب امیرؑ پر سب وشتم کرنے سے انکار کیا تھا قتل کروانا۔(ابوالفداء/ روضۃ الصفاء/ تاریخ الامت) حجر بن عدی مستجاب الدعوات تھے اور آنحضرتؐ کے افاضل اصحاب میں تھے۔معاویہ اور ان کے عمال کا معمول تھا کہ جناب امیرؑ کو گالیاں دیتے تھے۔جب بھی مغیرہ بن شعبہ یا زیاد نے حجر بن عدی کے سامنے جناب امیرؑ کو گالیاں دیں اور لعن طعن کیا، انہوں نے اس کی تردید کی۔زیاد نے ان کو مع تیرہ آدمیوں کے قید کر کے معاویہ کے پاس بھیج دیا، جہاں وہ مع اپنے سات ہمراہیوں کے جنہوں نے جناب امیرؑ پر سب و شتم کرنے سے انکار کیا، بحکم معاویہ نہایت بے دردی سے شہید کر ڈالے گئے۔حضرت عائشہ نے حجر بن عدی کی سفارش بھی کی تھی اور جب معاویہ اور حضرت عائشہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عائشہ نے معاویہ کو ان کے اس فعل پر ملامت بھی کی تھی۔(استیعاب وطبری وغیرہ)

(12)۔عبدالرحمان بن خالد بن ولید کو جو بوجہ اہل شام کے رجحان کے مانع خلافت یزید معلوم ہوتے تھے، اپنے طبیب ابن آثال سے زہر دلوانا۔
(ابوالفداء/ و روضۃ الصفاء)

عیون الانباء میں ابی سہیل سے مروی ہے کہ معاویہ نے جب یزید کی ولیعہدی کا ارادہ کیا تو اہل شام سے اس معاملہ میں مشورہ کیا تو لوگوں نے عبدالرحمان بن خالد بن ولید کو اس منصب کے لیے قرار دیا۔معاویہ یہ سن کر خاموش ہو رہے اور کچھ دنوں کے بعد اپنے طبیب بن آثال سے انھیں (عبدالرحمان کو) زہر دلوا دیا۔ابوعبید القاسم بن سلام نے اپنی کتاب الامثال میں اس واقعہ کی تصدیق کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ جب معاویہ کو عبدالرحمان سے ڈر ہوا کہ خلقت میرے بعد ان کو منتخب کرے گی تو انہوں نے عبدالرحمان کو اپنے طبیب سے زہر دلوا دیا۔جب عبدالرحمان کی وفات ہو گئی تو معاویہ نے یہ فقرہ کہا جو ضرب المثل ہو گیا:

لا جد الا ما قعص عنک من بکرہ/ یعنی جو مکروہ بات پیش آئے اس کو اسی جگہ ختم کرو، سوائے اس کے کوئی کوشش نہیں۔

(13) اس امر کا اعلان کرنا کہ ابن عمر، ابن ابی بکر، ابن زبیر نے یزید سے بیعت کر لی ہے تا کہ باشندگان مدینہ طیبہ و مکہ معظمہ بلا کسی عذر کے یزید سے بیعت کر لیں۔(تاریخ الخلفاء)

(14) حضرت امام حسن علیہ السلام کو جعدہ بنت اشعث ابن قیس کندی سے مروان کے ذریعہ زہر دلوانا اور انکی شہادت پر خوش ہو کر سجدہ شکر کرنا۔
(استیعاب و ابوالفداء و مروج الذہب و تاریخ ابن خلکان و عیون الانباء طبری و اعثم کوفی و روضۃ الصفاء وغیرہ)

استیعاب میں ہے کہ حضرت امام حسنؑ کو ان کی بیوی جعدہ نے زہر دیا۔اس میں معاویہ کی سازش تھی۔مسعودی مروج الذہب میں لکھتے ہیں کہ قتادہ کا قول ہے کہ ان کی بی بی جعدہ نے ان کو زہر دیا اور اس میں معاویہ کی سازش تھی۔انہوں نے پوشیدہ طور پر کہلا بھیجا تھا کہ اگر تم کسی حیلہ سے امام حسنؑ کو قتل کر دو تو میں تم کو ایک لاکھ درہم دوں گا اور یزید کے ساتھ تمہارا نکاح کر دوں گا۔جب حضرت امامؑ نے وفات پائی تو معاویہ نے حسب وعدہ ایک لاکھ درہم اس کے پاس بھیج دیے اور کہلا بھیجا کہ میں یزید کی زندگی کا خواہاں ہوں ورنہ تیرا نکاح اس سے کر دیتا۔محمد ابن جریر تاریخ طبری میں لکھتے ہیں کہ فضل بن عباس کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس بطریق سفارت معاویہ کے پاس گئے ہوئے تھے۔وہ ناقل ہیں کہ میں مسجد میں تھا۔معاویہ نے زور سے تکبیر کہی۔قصر خضراء کے آدمی بھی تکبیر کہنے لگے۔ان کی آواز سن کر فاختہ بنت قرظہ (زوجہ معاویہ) اپنی کھڑکی سے نکلیں اور کہنے لگیں کہ اے امیر! کونسی ایسی خبر تم کو ملی جس سے اس قدر خوش ہوئے۔معاویہ نے کہا: حسنؑ بن علیؑ کی موت سے خوش ہوا۔فاختہ بنت قرظہ رونے لگیں اور کہنے لگیں: افسوس ہے کہ مسلمانوں کے سردار اور رسول اللہ کے نواسے نے انتقال

کیا۔ معاویہ نے کہا: خدا کی قسم! وہ اسی کے اہل تھے جو کچھ کہ میں نے کیا۔ وہ ہرگز اس کے اہل نہ تھے کہ کوئی ان پر روئے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت ابن عباس معاویہ کے پاس گئے۔ معاویہ نے کہا کہ اے ابن عباس مجھے معلوم ہوا کہ حسن ابن علی نے انتقال کیا۔ ابن عباس کہنے لگے کیا تم نے اسی لیئے تکبیر کہی تھی؟ معاویہ نے کہا: ہاں۔ ابن عباس نے کہا: واللہ! اگر وہ مر گئے تو تم بھی باقی نہ رہو گے۔ ہم لوگ مرنے کے بعد آنحضرتؐ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ اللہ تعالی ہمارے زخم کو بھرے گا اور ہمارے آنسو پونچھ جائیں گے۔ معاویہ کہنے لگے: ابن عباس! کبھی ایسا نہ ہوا کہ میں نے تم کی گفتگو کے لیے تیار نہ پایا ہو۔

علامہ ابن ابی صیبعہ، عیون الانباء فی طبقات الاطباء میں بضمن حال ثمامہ بن طبیب معاویہ لکھتے ہیں کہ ابن آثال دمشق کا نصرانی طبیب معاویہ کی خلوت و جلوت کا جلیس تھا۔ اسی کے بنائے ہوئے زہروں سے معاویہ کے زمانہ حکومت میں اکابر مسلمین امراء کی ایک بڑی جماعت کی جانیں تلف ہوئیں۔ تاریخ طبری میں ہے کہ حضرت امام حسنؑ نے معاویہ کے زمانہ میں وفات پائی۔ ان کو زہر دیا گیا۔ معاویہ کے پاس کچھ چیزیں تھی ان کو خفیہ جعدہ بنت اشعث زوجہ امام حسنؑ کے پاس بھیجا، اور یہ کہلا بھیجا کہ اگر تم ان کو قتل کر دو گی تو میں تمہارا نکاح یزید کے ساتھ کر دوں گا۔ حضرت امام حسنؑ کی وفات کے بعد جعدہ نے معاویہ سے مطالبہ کیا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ علامہ ابو الفداء اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: جب حضرت امام حسنؑ کی شہادت کی خبر معاویہ کو پہنچی، وہ بہت خوش ہوئے اور سجدہ شکر بجا لائے۔

بعض روایات میں ہے کہ معاویہ نے کہا: میرے قلب نے راحت پائی۔ تیسیر الباری شرح صحیح البخاری متعلقہ حاشیہ کتاب الفتن میں مولوی وحید الزمان خاں لکھتے ہیں کہ معاویہ نے بعد وفات حضرت امام حسنؑ اظہار مسرت کر کے یہ بھی کہا تھا کہ امام حسنؑ ایک انگارہ تھے جس کو اللہ نے بجھا دیا۔

اس قسم کے واقعات مستدرک حاکم و کنز العمال و جمع الفوائد من جامع الاصول و مجمع الزوائد و سنن ابی داؤد و نسائی میں بھی ہیں۔ عوانہ بن الحکم کہتے ہیں کہ قبل از انتقال حضرت امام حسنؑ معاویہ کا چند روز پیشتر ایک خط مروان حاکم مدینہ کے نام بصیغہ راز آیا تھا کہ امام حسنؑ کے حالات سے فوراً مطلع کرو۔ اس کے آئے چند روز بھی نہ گذرے تھے کہ حضرت امام حسنؑ نے انتقال کیا۔ تمیم ابن عباس کے اشعار بھی جو عیون الانباء میں ہیں، تاریخ طبری کی تائید کرتے ہیں۔ ان واقعات سے درایۃً بھی معاویہ پر خون ثابت ہوتا ہے۔ کوئی قدیم و جدید محاکمہ تاریخی معاویہ کی بریت اس واقعہ سے نہیں کرتا۔ اگر تمام روایتوں کو جھوٹ بھی قرار دے دیا جائے تب بھی حضرت امام حسنؑ کا زہر سے شہادت پانا مسلمہ ہے۔ اس وقت معاویہ کی حکومت تھی جن کے اہلکار ادنیٰ ادنیٰ واقعات و مقدمات کی جانچ کرتے تھے۔ شرعی حدود جاری ہوتے تھے۔ سزائیں دی جاتی تھیں۔ حضرت امام حسنؑ کی شہادت کے متعلق معاویہ یا ان کے کسی اہلکار نے تحقیقات تک نہ کی۔ معاویہ اور ان کے حکام کا یہ سکوت خود اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ معاویہ کے ایماء اور سازش سے حضرت امام حسن کو زہر دیا گیا تھا۔ غیر معمولی عجلت کے ساتھ دفعتاً حضرت امام حسنؑ کا حال دریافت کرنے کی اور کوئی وجہ نہ تھی۔ حضرت امام علیہ السلام کوئی سامان بغاوت نہیں کر رہے تھے کہ جس کی تحقیق کے لیے اس قدر عجلت سے ان کا حال دریافت کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ہو۔ حضرت امام حسنؑ خود خلافت سے دست کش ہو گئے تھے مگر شرائط صلح میں آپ نے ایک شرط یہ بھی کی تھی کہ معاویہ کے بعد حکومت پھر خاندان نبوت کی طرف واپس ہوگی۔ (روضۃ الصفا/ تاریخ الخلفاء/ تذکرۃ الکرام/ ارجح المطالب۔) یہی شرط آپ کے قتل کا باعث ہوئی۔

علامہ ابن حجر فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں کہ اس عہدنامہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ معاویہ کے بعد پھر خلافت خاندان نبوت کی طرف عود کرے گی۔

ابن ابی خیثمہ بطریق عبداللہ بن شوذب ناقل ہیں کہ حضرت امام حسنؑ نے معاویہ سے جنگ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ معاویہ سے اپنی خلافت کے لیے عہد لے کر صلح کر لی۔ بعض علماء متاخرین جب معاویہ کی خطائے اجتہادی پر مصر ہوئے تو اس واقعہ کو بھی یزید کی [طرف] منسوب کر دیا۔ ناقلین نے بلا تحقیق اس کو نقل کرنا شروع کر دیا حالانکہ تاریخی شہادت جیسا کہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں، اس کے بالکل خلاف ہے۔

(15) جناب امیرؑ پر سب وشتم کرنا۔ (ابو الفداء/ تمدن اسلام و تاریخ الامت)

[ا] سعد ابن ابی وقاص سے روایت ہے کہ معاویہ نے ان کو جناب امیرؑ پر سب کرنے کا حکم دیا اور کہا کہ تم ان پر سب کیوں نہیں کرتے؟ سعد نے کہا کہ

میں تم سے تین باتیں جو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمائی ہیں بیان کرتا ہوں۔

1۔ حضرت علیؑ کو بعض غزوات میں جب آنحضرتؐ نے مدینہ میں چھوڑا تو انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم اس امر پر راضی نہیں ہو کہ تمہاری منزلت میرے ساتھ ایسی ہو جیسے ہارونؑ کی موسیٰؑ کے ساتھ تھی مگر نبوت میرے بعد نہیں ہے۔ 2۔ میں نے خیبر کے روز آنحضرتؐ کو فرماتے سنا ہے کہ ہم کل ایسے شخص کو علم دیں گے جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور جس کو اللہ اور اس کا رسولؐ دوست رکھتے ہیں۔ ہم لوگ علم کی طرف بڑھے آنحضرتؐ نے فرمایا علیؑ کہاں ہیں؟ وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں بحالت آشوب چشم حاضر کیے گئے۔ آپ نے اپنا لعاب دہن ان کی آنکھوں میں لگا کر ان کو علم دیا۔ اللہ نے انہیں کے ہاتھ پر فتح دی۔ 3۔ آیہ مباہلہ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے جناب امیرؑ، حضرت فاطمہؑ و حضرات حسنینؑ کو بلا کر فرمایا: بار الہا! یہ میرے اہلبیتؑ ہیں۔ (مسلم و ترمذی و نسائی و امام احمد وغیرہ) یہ حدیث صحاح ستہ کی ہے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ معاویہ نے خطبہ میں جناب امیرؑ پر سب کو ایجاد کیا تھا۔ یہ بدعت برابر جاری رہی اور عمر ابن عبد العزیز نے اس کو موقوف کرایا۔

(2) معاویہ نے اپنے زمانہ حکومت میں ایک مرتبہ احنف کو بلا کر مجبور کیا کہ ممبر پر جا کر جناب امیرؑ پر لعنت کریں۔ احنف نے بہت عذر و انکار کیا مگر معاویہ نے نہ مانا۔ مجبوراً منبر پر جا کر احنف کہنے لگے: حاضرین! مجھے معاویہ نے حکم دیا ہے کہ میں جناب امیرؑ پر لعنت کروں۔ میرا خیال یہ ہے کہ جناب امیرؑ اور معاویہ میں اختلاف ہوا اور لڑائی ہوئی۔ ایک نے دوسرے کو باغی بنایا۔ میں نہیں جانتا ان میں باغی کون ہے؟ میں خدا سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے اور تمام فرشتوں اور مقبول بندوں کی لعنت اس شخص پر نازل کرے جو اس کے نزدیک باغی ہو کیونکہ وہ مجھ سے بہتر اس امر کو جانتا ہے کہ حقیقتاً مستحق لعن کون ہے۔ (عقد الفرید)

جو واقعات مثالاً ہم نے اوپر درج کیے ہیں، صرف انہیں پر معاویہ کے کارنامے ختم نہیں ہوتے ہیں بلکہ بخوف طوالت اس قسم کے واقعات نظر انداز کیے جاتے ہیں۔ ان واقعات پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ معاویہ پکے دنیادار تھے اور ان کا مطمع نظر صرف دنیاوی حکومت تھا اور اس غرض سے کوئی کوتاہی انھوں نے کسی معیوب سے معیوب فعل کے کرنے میں نہیں کی۔ جناب امیرؑ پر سب و شتم صرف اس لیے جاری کیا گیا تھا کہ جو وقعت مسلمانوں کے قلوب میں جناب امیرؑ و اہلبیت اطہارؑ کی ہے وہ کم ہو جائے۔ اس لیے کہ معاویہ اس امر کو بخوبی سمجھتے تھے کہ بنی امیہ کی حکومت کے استقلال کے لیے یہ ضروری امر ہے کہ عوام کے قلوب سے وہ وقعت و عزت جو اہل بیت اطہارؑ کی ہے محو کر دی جائے تاکہ عوام کو کوئی ہمدردی کسی قسم کی جناب امیرؑ و اہلبیتؑ سے باقی نہ رہے۔ حضرت امام حسنؑ کی شہادت کا راز بھی اسی خواہش حکومت میں پنہاں ہے۔ معاویہ کو جب حضرت امام حسنؑ نے حکومت سپرد کی ہے تو صلح نامہ جو اس وقت مرتب ہوا تھا، اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ بعد معاویہ خلافت، امام حسنؑ و اہلبیت اطہارؑ کی طرف واپس ہوگی۔ (تاریخ الخلفاء/ روضۃ الصفاء/ تذکرۃ الکرام وارجح المطالب) اور یہی شرط باعث شہادت امام حسنؑ ہوئی۔ معاویہ کو مجتہد مقتدر صحابی ماننے والوں نے اس بات پر بالکل غور نہیں کیا کہ معاویہ نے جو صریح مخالفت آیات کلام اللہ و احادیث نبوی کی کی ہے، اس کا ان کے پاس کیا جواب ہے؟ کیا جناب امیر اور حضرات حسنینؑ کی شان میں جو آیات و احادیث وارد ہوئی تھیں ان سے معاویہ ناواقف محض تھے؟ اگر وہ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر معاویہ کو مجتہد کیسے کہا جاتا ہے؟ اگر واقف مانتے ہیں تو پھر ان افعال کی کیا نوعیت قرار دیں گے؟ احادیث نبویؐ کے متعلق شاید یہ کہہ دیا جائے کہ معاویہ نے سنی نہ تھیں۔ اگرچہ یہ بھی غلط ہے اور ہم آگے چل کر اس کو مثال سے بھی ثابت کریں گے مگر آیات کلام اللہ کے متعلق یہ کہنا کہ معاویہ واقف نہ تھے، صریحاً باطل ہوگا۔ کیا معاویہ کلام اللہ کی آیات قُلۡ لَّا اَسۡاَلُ ※ عَلَیۡ ※ اَجۡرًا اِلَّا الۡمَوَدَّۃَ ※ فِی الۡقُرۡبٰی جیسے بھی ناواقف تھے؟ مجتہد اور صحابی مقتدر ہونے کی شان تو یہ ہے کہ وہ اس آیت اور اس کے شان نزول اور جو معنی صحابہ کے دریافت کرنے پر آنحضرتؐ نے اس آیت کے بیان فرمائے تھے، ان سب سے واقف ہوں گے۔ پھر بھی انھوں نے اس میں شک نہیں کہ اس آیت کے حکم پر بہت اچھی عمل کیا جس کو خود ان کے

افعال بخوبی ظاہر کرتے ہیں کہ بیخ کنی جناب امیرؑ اور اہل بیت اطہارؑ میں شمہ برابر بھی فروگذاشت روا نہیں رکھی۔ جن احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ و حضرات حسنینؑ پر سب کرنا اور ان سے بغض رکھنا رسول اللہ پر سب کرنے اور بغض رکھنے کے برابر ہے۔ ان کا علم معاویہ کو بخوبی تھا۔ معاویہ نے سعد بن ابی وقاص سے یہ حدیث بھی سنی کہ الحق مع علیا و راس کی تصدیق جناب ام سلمہؓ سے بھی کی تھی، مگر باوجود اس علم اور تصدیق کے مرتے دم تک جناب امیرؑ پر سب وشتم جاری رکھا اور آخر وقت تک جناب امیرؑ اور اہلبیت اطہارؑ کی بیخ کنی و مخالفت میں ساعی رہے۔

(16) حضرت عائشہ کو دھوکہ دے کر کنویں میں گروانا۔ (حبیب السیر و مناقب مرتضوی و حدیقہ حکیم سنائی) ترجمہ ابن خلدون میں معاملہ استخلاف یزید میں مروان کا حضرت عائشہ کو دعوت کے لیے بلوانا اور گڑھے میں آلات حرب کا بچھانا، جس کے صدمہ سے حضرت عائشہ کا وفات پانا مذکور ہے۔ یہ واقعہ بھی زمانہ سلطنت معاویہ کا ہے۔ حضرت امام حسنؑ کی شہادت میں بھی مروان ملعون درمیانی ہے۔ یہ ذہنیت بجز معاویہ کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔

(17) حضرت امام حسینؑ سے حسب ذیل گفتگو کرنا منقول ہے کہ معاویہ جب قریب مدینہ منورہ پہنچے تو پہلے امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی۔ ان کو دیکھ کر کہنے لگے کہ خوشی اور بہتری نہ ہو اس بُدنہ کو جس کا خون بہایا جائے گا اور اللہ اس کو بہائے گا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: معاویہ! بخدا میں ان باتوں کا سزاوار نہیں ہوں۔ معاویہ کہنے لگے: تم اس سے زائد بڑی باتوں کے سزاوار ہو۔ (شہادت نامہ ص68 و تاریخ ابن اثیر)

اکثر لوگوں کو مفصلہ ذیل اوہام میں ایک نہ ایک وہم نے اس جنگ کو خطائی الاجتہاد کہنے کی طرف مائل کیا ہے۔ ہم ناظرین کے سامنے اس کی سہولت کے لیے ایک ایک وہم مع اسکے جواب کے پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ ناظرین خود اس بات کا اندازہ کر سکیں کہ حقیقت فی نفسہ کیا ہے۔

وہم اول: اگر جنگ صفین معصیت قرار دی جائے تو اس سے اہل شام کی تکفیر لازم آتی ہے اور یہ امر دور تک پہنچتا ہے۔

جواب: یہ وہم بالکل بادر ہوا ہے۔ خلیفہ وقت سے محاربہ کرنا معصیت ہے، کفر نہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ عوام صحابہ سے صدور معیت کے گمان کرنے میں کسی قسم کا نقصان شرعی لازم نہیں آتا جسکے متعلق ہم تفصیل سے اوپر بحث کر چکے ہیں۔ (صحابی تھے اور صحابہ ان کے ہمراہ تھے)

وہم دوم: چند صحابہ جنگ صفین میں شریک تھے اگر معاویہ کا یہ فعل خطاء منکر اور معصیت قرار دیا جائے تو ان صحابہ کا بھی معاویہ کے معصیت پر اتفاق کرنا لازم آئے گا۔ صحابہ پر ایسا گمان ٹھیک نہیں۔

جواب: یہ وہم بھی اکثر بوجہ عدم مطالعہ کتب سیر و احادیث پیدا ہوتا ہے۔ اس وہم کا جواب اوپر اس بحث میں (صحابی تھے اور صحابہ ان کے ہمراہ تھے) تفصیل سے درج کر چکے ہیں۔ اگر کتب اسماء الرجال بغور دیکھے جائیں تو معاویہ کے ہمراہ جو چند صحابہ نظر آئیں گے وہ عمرو عاص، نعمان بن بشیر، مسلمہ بن مخلد کے مثل مسلمین فتح مکہ میں سے نظر آئیں گے جن پر صاحب المغیث کے مطابق لفظ صحابی کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

ان لوگوں کے حالات کتب سیر و اسماء الرجال کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی صاحب مناقب، جلیل القدر، عظیم المنزلت گروہ اکابرین میں سے نہ تھا۔ برخلاف اسکے بیشتر افاضل صحابہ مہاجرین و بدریین، انصار، صاحب المناقب، جناب امیر کے ساتھ نظر آتے ہیں۔ ان کی فہرست کو دیکھنے سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ گروہ صحابہ جناب امیر کی طرف تھا۔ معاویہ کو لوگ باغی سمجھتے تھے۔ اصحاب بدر کے اجتماع سے یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ اصحاب بدر وہ عظیم المرتبت گروہ ہے جس کے علو مرتبت کی اطلاع خود آنحضرت کو دی گئی۔ حدیث صحیح ہے:

إِنَّ اللهَ اطَّلَعَ عَلَىٰ أَهْلِ بَدْرٍ فَقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ۔ [بحارالانوار (ط-بیروت)، ج:31، ص:253]

نیز کلام مجید خود بایں الفاظ ناطق ہے:

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللهَ رَمَىٰ.

حضرت عمر تو ان لوگوں کو حقدار خلافت بھی سمجھتے تھے۔ عبد الرحمان ابن ابزی حضرت عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ امر خلافت اہل بدر کا حق ہے جب تک کہ ایک بھی ان میں باقی رہے، دوسرا حق دار نہیں۔ پھر اہل احد اس منصب کے لائق ہیں تاوقتیکہ ان میں سے ایک بھی رہے دوسرے کو نہ ملنا چاہیے۔ پھر دیگر انصار و مہاجرین ہیں۔ لیکن طلیق ابن طلیق اور مسلمانان فتح مکہ کا اس خلافت میں کوئی حق نہیں۔ (اسد الغابہ، ذکر معاویہ)

بعض صحابہ مثل حضرت سعد بن ابی وقاص و عبد اللہ بن عمر و محمد ابن مسلمہ و اسامہ بن زید اور تابعین سے ربیع بن خثیم و مسروق ابن الاجدع و ابو عبد الرحمان سلمی وغیرہ اس جنگ سے علیحدہ رہے، محض اس خیال سے کہ یہ ایک نئی بات تھی جس کے وہ عادی نہ تھے۔ مگر یہ علیحدگی ان کی اس لیے نہ تھی کہ وہ جناب امیرؑ کی خلافت اور معاویہ کی بغاوت میں شک و شبہ رکھتے تھے۔ ان لوگوں سے اس جنگ کے متعلق اقوال منقول ہیں جن سے ندامت اور عدم شرکت پر اظہار حسرت کا پتہ چلتا ہے۔ تمام اقوال کا نقل کرنا خالی از طوالت نہیں اس لیے ہم چند اقوال ناظرین کے سامنے مثالاً پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ اسد الغابہ میں ہے کہ عبد اللہ بن حبیب اپنے والد سے ناقل ہیں کہ عبد اللہ بن عمر وقت وفات فرمانے لگے کہ میرے دل میں دنیا کی کوئی حسرت اس کے سوا باقی نہیں رہی کہ میں جناب امیرؑ کی طرف سے باغیوں کے گروہ سے نہیں لڑا۔ مستدرک حاکم میں خثیمہ ابن عبد الرحمان سے مروی ہے کہ سعد بن ابی وقاص سے کسی نے کہا کہ جناب امیر تمہیں اس لیے اچھا نہیں کہتے کہ تم نے ان کی بیعت چھوڑ دی (یعنی ان کا ساتھ اس جنگ میں نہیں دیا)۔ سعد کہنے لگے: یہ رائے میری غلط تھی (یعنی جو رائے جنگ میں ساتھ نہ دینے کے متعلق قائم کی تھی)۔ اسد الغابہ میں شعبی کا قول منقول ہے کہ مسروق تابعی نہیں مرے جب تک کہ انھوں نے خدا کی جناب میں جناب امیرؑ سے جنگ میں مخالفت کرنے سے توبہ نہیں کی۔ معاویہ نے ان حضرات کو اپنا ساتھی بنانے کے لیے بہت کچھ تدبیریں کیں۔ خطوط بھی بھیجے مگر معاویہ کی کوئی کوشش اس معاملہ میں کارگر نہیں ہوئی اور ان حضرات نے صاف صاف اپنے خطوط میں جو انہوں نے معاویہ کو لکھے، جناب امیرؑ کی خلافت کا برحق ہونا تسلیم کیا اور معاویہ کو ان کی خطاء پر اچھی طرح سے مطلع کر دیا مگر یہاں ایسی کب چڑھی تھی کہ ان خطوط کی ترشی اسے اتار دیتی۔

وہم سوم: معاویہ کی خطاء کو خطاء منکر ماننے سے کلیۂ الصحابہ کلھم عدول ٹوٹا جاتا ہے جس کی وجہ سے امور دین میں ایک بہت تزلزل پیدا ہو جاتا ہے اور سلسلہ روایات درہم برہم ہوا جاتا ہے نیز ان کی خطاء کو خطائے منکر ماننے سے حدیث نجوم کے متعلق عدم تیقن کا شبہ پیدا ہو جاتا ہے۔

جواب: الصحابہ کلھم عدول سے محفوظون عن المعاصی کسی نے مراد نہیں لیا بلکہ عدول فی الروایات مراد لیا ہے۔ علامہ تاج الدین سبکی جمع الجوامع میں لکھتے ہیں کہ:

"اکثر علماء عدول کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ صحابہ بھی عدالت میں دوسروں کی طرح ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ حضرت عثمان تک سب صحابہ عدول تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ صحابہ عدول ہیں سوائے ان کے جو جناب امیر سے لڑے وہ البتہ عدول نہیں۔"

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ الصحابہ کلھم عدول سے صرف عدول فی الروایہ مراد لیا گیا ہے۔

اب رہی حدیث نجوم اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ یہ خالی از جرح و قدح نہیں۔ علماء کی ایک جماعت نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔ اگر اس کو موضوع نہ بھی قرار دیا جائے تب بھی اس حدیث سے وہ مطلب پیدا نہیں کیا جاسکتا جس کو معاویہ کے معرفین و متبعین پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس حدیث کے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے کہ ہر صحابی کے افعال خواہ ان کی نوعیت کیسی ہی کیوں نہ ہو، وہ دوسرے شخص کے لیے باعث ہدایت ہو سکتے ہیں کہ ہر صحابی کے افعال خواہ ان کی نوعیت کیسی ہی کیوں نہ ہو دوسرے شخص کے لئے باعث ہدایت ہو سکتے ہیں اس لئے کہ اگر یہ معنی لئے جائیں گے تو جو معاصی گروہ صحابہ کے بعض افراد سے صادر ہوتے ہیں اس میں بھی ان کے متبع کا راہ راست پر ہونا تسلیم کرنا پڑے گا جو صریحاً باطل ہوگا۔ دنیاوی اغراض سے کسی ایک ہستی کو خواہ مخواہ برحق ثابت کرنے والوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اگر معاویہ کو اس قسم کے لغو تاویلات سے بچانے کی کوشش کی جائے تو تمام شیرازہ اسلام کا منتشر ہونا لازمی امر ہوگا۔ اس حدیث کا اطلاق اگر صحابہ کے افعال پر اس طرح کیا جانے لگا تو پھر لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ شرع میں یہ جزئیہ رکھنا ضروری ہوگا اگر

کسی نے زنا کیا، شراب پی اور اپنے آپ کو ماعز اور ولید یا ابو محجن (ولید بن عقبہ، ابن ابی معیط وابو محجن شارب خمر تھے، ماعز بن مالک اسلمی سے زنا واقع ہوا تھا) کا متبع قرار دیا تو وہ شخص مرتکب معصیت نہیں ہوا اس لیے کہ اس نے ایک صحابی کے فعل کی (خواہ اس فعل کی نوعیت معصیت ہی کیوں نہ رہی ہو) تبعیت کی اور اس کے فعل کو گناہ کی فہرست سے نکالنے کے لئے حدیث کافی ہے۔ دوسری بات ہم کو اسی سلسلہ میں یہ بھی دیکھنا ہے کہ لفظ صحابی سے آنحضرتؐ نے کیا مراد لیا ہے؟ اور آیا معاویہ اور ان کے متبعین وغیرہ اس حدیث کے تحت میں کسی طرح آسکتے ہیں یا نہیں؟ اس حدیث کا اطلاق معاویہ اور ان کے متبعین پر صرف اس وقت ہوسکتا ہے کہ جب صحابی کی تعریف یہ مانی جائے کہ ہر وہ شخص جن نے آنحضرت کو دیکھا اور یہ ایمان لایا وہ صحابی ہے۔ ہم اس سے قبل اس کے متعلق تفصیل سے بحث کر چکے ہیں کہ صحیح تعریف صحابی کی کیا ہے؟ آنحضرتؐ کے زبان مبارک سے جو لفظ نکلا اس کا صحیح مفہوم آنحضرتؐ کے کسی ارشاد سے معلوم ہوسکتا ہے تو ہم کو بالکل یہ حق باقی نہیں رہتا کہ اپنی طرف سے کوئی خاص مفہوم یا معنی آنحضرتؐ کے ارشاد کے خلاف کسی خاص لفظ کو دے سکیں۔ آنحضرتؐ نے لفظ صحابی سے ہرگز وہ معنی مراد نہیں لیے ہیں جو عام طور پر سمجھے جاتے ہیں۔ ہم اپنی اس بحث کو ایک مثال سے واضح کر دینا چاہتے ہیں: ایک موقع پر حضرت عبدالرحمان بن عوف اور حضرت خالد بن ولید سے کسی بات پر تکرار ہوگئی۔ آنحضرت کو جب اس کی خبر ہوئی تو آنحضرتؐ نے حضرت خالد سے ارشاد فرمایا کہ اے خالد! تم میرے صحابہ کی برابری نہیں کر سکتے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اے خالد! تم میرے اصحاب کو برا مت کہو۔ اگر تم میں سے کوئی احد کے پہاڑ کے برابر سونا خرچ [کرے] تب بھی ان کی برابری نہیں کر سکے گا۔ (سیرت ابن ہشام وکنزالعمال وابوالفداء وغیرہ)

اب اگر لفظ صحابی کی وہ تعریف رکھی جائے جو عوام میں شائع اور رائج ہے تو پھر یہ حدیث بلا معنی ہوئی جاتی ہے، اس لیے کہ عام تعریف کے مطابق حضرت خالد پر لفظ صحابی کا اطلاق قطعاً ہوسکتا ہے پھر آنحضرتؐ نے حضرت خالد سے یہ کیوں ارشاد فرمایا کہ تم میرے صحابہ کی برابری نہیں کر سکتے۔ لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آنحضرتؐ نے لفظ صحابی سے مخصوص افراد مراد لئے ہیں۔ جب ایک موقع پر آنحضرتؐ نے لفظ صحابی ایک خاص گروہ مراد لیا ہے، جس میں حضرت خالد کی سی شخصیت کا بھی گزر نہ تھا تو ہم کو دوسری احادیث میں بھی لفظ اصحابی اسی محدود معنی میں استعمال کرنا ہوگا۔ اس کے خلاف کوئی تاویل غلط ہوگی۔ معاویہ اور ان کے متبعین اور رفقا کا شمار مسلمین فتح مکہ میں ہے۔ جو مولفۃ القلوب میں تھے۔ ظاہر ہے کہ جب آنحضرتؐ نے خالد کو گروہ صحابہ میں نہیں لیا تو پھر یہ کہنا کہ معاویہ اور ان کے رفقاء یا متبعین لفظ صحابی میں آسکتے ہیں، صریح زیادتی ہے۔

وہم چہارم: اگر یہ محاربہ معصیت قرار دیا جاتا ہے تو اہل شام جن میں بعض صحابہ بھی شریک تھے، موعود بوعید نار متصور کیے جائیں گے اور وعید نار متلزم کفر ہے۔

جواب: وعید نار متلزم کفر نہیں۔ دیگر معاصی مثل شرب خمر، زنا و سرقہ کی سزا بھی دوزخ ہے۔ جو توبہ اور شفاعت نبویؐ اور رحمت ایزدی سے معاف ہوسکتی ہے۔ اسی طرح اہل صفین کی خطا کے متعلق بھی خیال کیا جاسکتا ہے۔ وہ توبہ، عفو مرتضویؑ، شفاعت نبویؐ اور رحمت باری سے معاف ہوسکتی ہے۔

وہم پنجم: اگر جنگ صفین معصیت قرار دی جائے گی تو جنگ جمل کو بھی معصیت قرار دینا پڑے گا۔

جواب: اس وہم کا جواب ہم اوپر اس بحث میں (معاویہ کو مثل اصحاب جمل دھوکا ہوا) بالتفصیل درج کر چکے ہیں۔

وہم ششم: اگر معاویہ عاصی اور باغی ہوتے تو حضرت امام حسنؑ ان کو خلافت کیوں سپرد کر دیتے؟

جواب: معاویہ کو حضرت امام حسنؑ نے اس وجہ سے خلافت سپرد نہیں فرمائی تھی کہ آپ معاویہ کی فضیلت و بزرگی کے قائل تھے بلکہ مسلمانوں کی مزید خون ریزی معاویہ کو خلافت سپرد کر دینے میں ہی بند ہوسکتی تھی، اس لئے معاویہ کو آپ نے خلافت سپرد کی۔ اگر معاویہ سے زائد مبتلائے معاصی معاویہ کی جگہ پر ہوتا تب بھی اگر حضرت امام حسن کو مزید خون ریزی سے مسلمانوں کو بچانا ہوتا تو وہ بلا خیال اس کی بغاوت اور معاصی کے خلافت اسی کے سپرد فرماتے۔

وہم ہفتم: حضرت امام حسنؑ جب خلافت ترک فرمانا چاہتے تھے تو تفویض خلافت کے لئے معاویہ کو کیوں منتخب کیا؟ کسی دوسرے کو خلافت کیوں نہ سپرد کی؟ اس انتخاب سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ معاویہ اس عہد میں افاضل صحابہ میں سے ہوں گے، جب ہی تو حضرت امام حسنؑ نے خلافت ان کے سپرد کر دی ورنہ کسی اور کو

منتخب کرتے۔

جواب: حضرت امام حسنؑ نے خلع خلافت کے وقت معاویہ کو امارت اس وجہ سے سپرد کی کہ بغیر اس کے خون ریزی کا انسداد محال تھا۔ کسی دوسرے کو اس لئے منتخب نہیں کی کہ جس کسی صحابی کو منتخب فرماتے، معاویہ ان سے بھی اسی طرح جنگ کرتے، جس طرح انہوں نے جناب امیرؑ سے جنگ کی، اسی لئے حضرت امام حسنؑ نے امارت معاویہ ہی کو سپرد کرنا مناسب خیال فرمایا۔ معاویہ کو امارت سپرد کرنے کی یہ وجہ نہ تھی کہ آپ ان کی فضیلت اور بزرگی کے قائل تھے۔ اب رہا یہ امر کہ معاویہ بعد تفویض امارت امام ہوئے یا نہیں، اس امر میں علماء کا اختلاف ہے۔ فخر الاسلام حسن بزدوی لکھتے ہیں کہ جناب امیرؑ کے بعد معاویہ کے امام ہونے میں اختلاف ہے۔ اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ معاویہ امام ہوئے اور اکثر کا یہ قول ہے کہ نہیں ہوئے، اس لئے کہ بعد وفات جناب امیرؑ، معاویہ موجودہ صحابہ سے افضل نہیں تھے۔ اس وقت ایسے صحابہ موجود تھے جو نسب، علم، عمل، شجاعت وغیرہ میں معاویہ سے بدرجہا افضل تھے۔ معاویہ میں شرائط خلافت بھی موجود نہ تھے۔ کسی صحابی نے ان کو امام نہیں کہا۔ اہل علم برابر ملوک میں شمار کرتے چلے آئے۔ جلال الدین سیوطی، ابن ابی شیبہ کے مصنف سے نقل کر کے لکھتے ہیں کہ سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ ہم نے سفینہ سے پوچھا کہ بنی امیہ اپنے آپ کو خلفاء میں شمار کرتے ہیں؟ وہ کہنے لگے کہ بنو زرقا جھوٹے ہیں۔ یہ سخت ترین بادشاہوں میں سے تھے جن میں پہلا بادشاہ معاویہ تھا۔ (تاریخ الخلفاء)

فخر الاسلام حسن بزدوی لکھتے ہیں کہ معاویہ خلفاء میں نہیں تھے، ملوک کے زمرہ میں تھے۔ اس حدیث کی بنا پر کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ خلافت میرے بعد 30 برس تک رہے گی، پھر یک درندہ بادشاہ ہوگا۔ 30 برس جناب امیرؑ و حضرت امام حسنؑ تک پورے ہو گئے۔ سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں کہ علماء کا یہی قول ہے۔

وہم ہشتم: ایک گروہ علماء اہلسنت والجماعت نے اس امر پر اتفاق کر لیا ہے کہ معاویہ کی خطاء، خطاء اجتہادی تھی اور وہ اس امر میں معذور بلکہ ماجور اور مصاب تھے اور اس کے خلاف خطاء منکر کا قائل ہونا اور ان کا باغی اور عاصی قرار دینا خارق سواد اعظم اور من شذ شذ فی النار کے زمرہ میں داخل ہونا ہے۔

جواب: معاویہ کے معرفین اس کو بہت بری دلیل اہل صفین کی برائت کی سمجھتے ہیں مگر جو حیثیت حقیقتاً اس دلیل کی ہے وہ کسی سمجھدار آدمی سے پوشیدہ رہنا دشوار ہے۔ حقیقتاً یہ دلیل خود اپنی کمزوری کو عیاں کرتی ہے۔ جب نوبت اس کی پہونچ جائے کہ بحث میں بجائے دلائل پیش کرنے کے، عقیدہ خوف امید اور دیگر احساسات پر بھروسہ ہونے لگے تو پھر ایسی بحث کا کیا ٹھکانا۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاویہ کے متعلق کوئی دلیل تو ہمارے اس نہیں مگر تم کو ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ تم مستحق جہنم ہوئے جاتے ہو، اس لئے ڈرو اور ڈر کر سکوت اختیار کرو۔ اس قسم کی حجت یا دلیل از قسم خطابیات ہے نہ برہانیات۔ ایسے لا یعنی دلیل پر اکتفا کر لینا اتیان حجت سے عجز کی دلیل ہے۔ اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ سواد اعظم سے کیا مراد ہے اور در واقعی علماء اہلسنت والجماعت نے معاویہ کی خطا کو خطاء اجتہادی ماننے میں اتفاق کر لیا ہے یا نہیں؟ سواد اعظم سے مراد حقیقتاً اجماع ہے اور محققین اہل سنت والجماعت کے نزدیک اجماع افاضل صحابہ، مہاجرین و انصار، اہل حل و عقد کے اتفاق رائے کا نام ہے۔ معاویہ کے معرفین نے غور نہیں کیا کہ اس دلیل سے معاویہ اور ان کے متبعین فائدہ کے مقابلہ میں نقصان اٹھائیں گے، اس لیے کہ جناب امیرؑ کی خلافت کا انعقاد اہل حل و عقد کے اتفاق سے ہوا تھا۔ ان کے مخالف خارق سواد اعظم ہوں گے یا موافق؟ خود جناب امیرؑ نے اس دلیل کو معاویہ اور اہل صفین کے مقابلہ میں پیش کیا تھا۔ معاویہ کے شریک چند صحابہ مولفۃ القلوب تھے جن کی تعداد جمع قلت سے تجاوز نہیں کرتی اور شام کے نو مسلموں کی جماعت تھی جن کی جہالت و ناواقفیت کے متعلق علامہ مسعودی سے ایک مضحکہ خیز حکایت (1) بھی لکھی:

(1۔ مروج الذہب میں ہے کہ اہل علم میں سے ایک شخص نے بیان کیا کہ ہم دمشق میں جناب امیرؑ و معاویہ کے متعلق بحث کیا کرتے۔ عوام الناس اہل شام ہماری باتیں سنتے۔ ایک روز ان میں ایک شخص جس کی بہت لانبی ڈاڑھی تھی اور ان لوگوں میں عقل مند سمجھا جاتا تھا، ہم سے آ کر کہنے لگا کہ کب تک تم علی و معاویہ کے جھگڑوں میں طول دو گے۔ میں نے پوچھا: پھر اس میں تیری کیا رائے ہے؟ کہنے لگا: کس کی نسبت پوچھتے ہو؟ میں نے کہا: علی کی نسبت۔ کہنے لگا: وہ

علی جو فاطمہ کے باپ تھے؟ میں نے کہا: فاطمہ کون تھیں؟ جواب دیا کہ آنحضرتؐ کی بی بی عائشہ کی بیٹی، معاویہ کی بہن۔ میں نے پھر پوچھا کہ بتاؤ، علیؑ کا کیا قصہ ہے؟ کہنے لگا کہ وہ غزوہ حنین میں آنحضرتؐ کے ساتھ لڑے تھے۔)[انتہی]

جب معاویہ جناب امیرؑ کے مقابلہ میں جن کی خلافت پر تمام افاضل صحابہ، مہاجرین وانصار، اہل حل و عقد کا اجماع ہو چکا تھا خارق سواد اعظم خیال نہیں کیے جاتے تو وہ گروہ اہل سنت والجماعت جو معاویہ کی خطاء منکر کا قائل ہو کیونکر خارق سواد اعظم ہو سکتا ہے؟ ان کے نزدیک اہل صفین کے دامن پر صحابہ کرام واہل بیت عظامؑ ومہاجرین وانصار کی مخالفت سے کسی قسم کا دھبہ نہیں لگتا۔ (حالانکہ محققین اہلسنت والجماعت کے نزدیک اجماع دراصل انہیں لوگوں کی اتفاق رائے کا نام ہے) مگر ہاں کسی نے معاویہ کی خطا کو خطاء اجتہادی کے بجائے خطاء منکر کہنے کا ارادہ بھی کیا تو اس پر بڑے بڑے لفظ کا اطلاق کر دینا ان حضرات کے نزدیک کار ثواب ہے۔ سچ ہے ملوک پرستی اگر ہو تو اتنی ہو۔ ان لوگوں کے نزدیک مولانا جامی ایسے حضرات کا جنہوں نے صاف صاف الفاظ میں حقیقت کا انکشاف کر دیا ہے، خدا معلوم کیا حشر ہوگا:

وان خلافی کہ داشت باحیدر
حقدر آنجا بدست حیدر بود
در خلافت صحابی دیگر
جنگ با او خطا و منکر بود

اگر اتباع سواد اعظم سے صرف اتباع کثرت مراد ہے تو یہ بات ہرگز قابل تسلیم نہیں، ورنہ حنبلی المذہب جن کی جماعت حنفیہ کے مقابلہ میں نہایت قلت کے ساتھ اسلامی دنیا میں آباد ہے، مورد من شذ شذ فی النار سمجھی جاتی۔ سواد اعظم سے اجماع امت مراد ہے۔ اس بحث میں چند علماء کے اقوال نقل کرنے سے اجماع ثابت نہیں ہوتا بلکہ اگر تلاش کیا جائے تو صحابہ کی جماعت سے کسی صحابی کا پتہ نہیں چلتا کہ جس نے اہل صفین کی برائت پر کسی قسم کا اشارہ تک کیا ہو۔ جناب امیرؑ کے ساتھ تقریباً تمام صحابہ کرام کی شرکت ثابت ہوتی ہے اور اہل صفین سے مقابلہ کرنے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب حضرات خلیفہ وقت کے ساتھ معاویہ کی مخالفت کو بغاوت اور معصیت سمجھتے تھے، اور اسی وجہ سے معاویہ سے جنگ کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ عمار بن یاسر کی شہادت نے صحابہ کرام کو آنحضرتؐ کے احادیث متعلق بہ شہادت عمار بن یاسر یاد دلا دی تھیں۔ اور صحابہ کرام اہل صفین کو خاطی، باغی اور عاصی سمجھتے تھے اور ایسا سمجھنے میں بہ معیت امام وقت انہوں نے اجماع کر لیا تھا، اور یہ اجماع تقتلک الفئۃ الباغیۃ سے منصوص تھا۔ ابن طلحہ شافعی مطالب السئول میں لکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے عمار بن یاسر سے فرمایا تھا کہ تجھے باغیوں کا گروہ قتل کرے گا۔ ان احادیث کو محدثین میں سے مشہور ائمہ نے اپنے مسندوں میں متعدد طرق سے روایت کیا ہے، جن کے اسناد میں کسی قسم کا خلل نہیں اور نہ ان احادیث کے متنوں میں کسی قسم کا اضطراب ہے۔ اس لیے یہ ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نے عمار کے قاتلین کے گروہ باغی قرار دیا، لہٰذا یہ گروہ جرم بغاوت سے بری نہیں ہو سکتا۔ یہ وصف ان کے لئے لازمی ہو گیا۔ بغاوت کے معنی ظلم اور کثرت فساد کے ہیں۔ جو شخص باغی ہے، وہ ظالم اور جابر اور خدا کی اطاعت سے خارج ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ اہل صفین میں جو صحابہ تھے، ان کے افعال سے چشم پوشی بہتر ہے، اگرچہ وہ لوگ امر باطل پر تھے لیکن اس فعل میں متاول تھے۔ علامہ بزدوی لکھتے ہیں کہ جناب امیر حق پر تھے اور معاویہ باطل پر، لیکن وہ اپنے فعل میں تاویل کرنے والے تھے یعنی ان کو اپنی خطا کا علم نہ تھا، مگر یہ بات معقول نہیں اس لیے کہ عمار بن یاسر شہید ہو چکے اور معاویہ کی اس بات کا علم ہو چکا کہ ان کی شہادت معاویہ کے متبعین کے ہاتھوں ہوئی، جن کی نسبت آنحضرتؐ نے فئۃ باغیۃ فرمایا۔ پھر کون ایسی تاویل تھی جو ان کو جنگ پر برابر مجبور کر رہی تھی؟ اگر یہ کہا جائے کہ ان کو حضرت عمار کی شہادت کی خبر نہیں ملی تھی یا اس کے متعلق جس قدر احادیث وارد ہیں ان کا علم نہ تھا تو یہ بھی صحیح نہیں۔ عبداللہ بن عمرو العاص نے بعد شہادت ان کو وہ احادیث سنا دی تھیں جس میں آنحضرتؐ نے گروہ باغی کے الفاظ استعمال فرمائے تھے اور معاویہ نے اس کی تاویل بھی فوراً کی تھی جس کو ہم مفصل اس بحث میں کہ معاویہ مجتہد تھے اور ان سے خطا

اجتہادی سرزد ہوئی، لکھ چکے ہیں۔ امام احمد بن حنبل اور امام نسائی کی حدیثوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ معاویہ کو شہادت عمار یاسر و احادیث متعلقہ دونوں کا علم تھا۔ یہ امر ظاہر ہے کہ جس قول سے اغماض کیا جاتا ہو وہ ہرگز عمل خیر نہیں ہو سکتا کہ جس کا عامل خدا سے اجر پانے کا مستحق ہو سکے۔ بعض علماء معاویہ کی اس محاربہ اور مخالفت کو حرام قرار جانتے رہے ہیں۔

حافظ محمد میر الیمانی الصنعانی روضۃ الندیہ شرح تحفۃ العلویہ میں لکھتے ہیں کہ ناصبی لوگ کہتے ہیں کہ معاویہ سے خطاء اجتہادی سرزد ہوئی اور جنت خلد کے درجات عالیہ میں ہوں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ تم لوگ جھوٹ کہتے ہو۔ اگر تمہارا قول سچ ہے تو پھر آنحضرتؐ نے ہم سے کیوں فرمایا کہ عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا اور ان کا قاتل جہنم میں ہوگا۔ معاویہ کے لیے ان کے اعتبار کے بارہ میں دعویٰ کرنا ایسا ہے جیسے کہ اب ملجم اشقی الآخرین کو جناب امیرؑ کے قتل میں مجتہد قرار دیتے ہیں، تو جب کوئی شخص ہذیان بکنا شروع کرے تو جس کو چاہے مجتہد کہے۔

قاضی جمال الدین واصل کا قول ہے کہ ابن جوزی بہ اسناد متصل حسن بصری سے روایت کرتے ہیں کہ حسن بصری کا قول ہے: چار خصلتیں معاویہ میں ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے صرف ایک ہی ہوتی تب بھی یہ خلق اللہ کو ہلاک کرتے: اول یہ کہ معاویہ نے بغیر مشورہ و صلاح تلوار کے زور سے حکومت حاصل کی حالانکہ اور اصحاب صاحبان فضیلت اس وقت بھی موجود تھے۔ دوسرے یہ کہ انہوں نے اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ کیا۔ تیسرے یہ کہ زیاد کو اپنے نسب میں ملا لیا۔ یہ امر بالکل خلاف شرع ہوا کیونکہ آنحضرت کا ارشاد ہے: الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ یعنی لڑکا شوہر کے لئے ہے اور زانی محروم ہے۔ زیاد کو معاویہ سے مغیرہ بن شعبہ کی ہوشیاری نے ملایا اور انہوں نے امر حق چھپایا، جانتے تھے مگر زنا کی گواہی نہ دی۔ جناب امیرؑ کے خاندان سے برگشتہ کر کے زیاد کو ملا دیا۔ یزید کو بھی انہوں نے ولی عہد کرایا۔ ابو مریم شراب فروش کا قول زیاد کی ماں سمیہ کے لئے اور زیاد کے ولد الزنا ہونے کے لیے بہت کافی ہے۔ چوتھے، معاویہ نے حجر ابن عدی اور ان کے اصحاب کو قتل کیا۔ (ابو الفداء)

علامہ عمر بن مظفر الوردی کتاب تتمۃ المختصر فی اخبار البشر میں لکھتے ہیں: 177ھ میں کوفہ میں قاضی شریک ابو عبد اللہ بن عبد اللہ بن ابی شریک کا انتقال ہوا۔ یہ مہدی باللہ خلیفہ بغداد کے زمانہ میں تھے اور بڑے عالم، عادل، کثیر الصواب، حاضر الجواب تھے۔ کسی نے ان سے کہا کہ معاویہ بہت بڑے حلیم تھے۔ یہ جواب میں کہنے لگے: جو شخص حق سے نادان بن جائے اور جناب امیرؑ سے جنگ کرے وہ ہرگز حلیم نہیں ہو سکتا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان کے فضائل میں حدیثیں آئی ہیں تو ان کے متعلق ابن جوزی کتاب الموضوعات میں لکھتے ہیں کہ معاویہ کے فضائل میں کوئی حدیث صحیح مروی نہیں۔ عینی و فتح الباری میں اسحاق ابن ہویہ و امام نسائی کا یہی قول منقول ہے۔ امام نسائی کہتے ہیں کہ میں معاویہ کی فضیلت بجز اس کے کہ آنحضرت نے فرمایا: خدا اس کے پیٹ کو نہ بھرے گا، اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ بھی کہا کرتے کہ اس بات پر معاویہ راضی نہیں کہ صرف نجات پا جائیں۔ لا اشبع اللہ بطنہ کا قصہ مسند ابو داؤد طیالسی میں حضرت ابن عباس سے یوں مروی ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے ایک شخص کو معاویہ کے بلانے کو بھیجا۔ اس نے آ کر کہا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ خدا اس کے پیٹ کو نہ بھرے۔ اسی وجہ سے خوراک مقدار سے بہت زائد ہو گئی تھی۔ بدن میں چربی بہت بڑھ گئی تھی۔ شراب کا شغل بھی جاری رہتا تھا۔ مسند امام احمد بن حنبل میں عبد اللہ بن بریدہ ابن الحصیب اسلمی سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے والد بریدہ معاویہ کے یہاں آئے۔ فرش پر بیٹھے۔ پھر ہم لوگوں کے لئے کھانا آیا۔ ہم نے کھانا کھایا۔ پھر شراب آئی۔ معاویہ نے پی، پھر میرے والد کو دی۔ میرے والد نے کہا: جب سے اس کو رسول اللہؐ نے حرام کر دیا ہے، میں نے نہیں پی۔ معاویہ کہنے لگے: میں جوانان قریش میں بہت خوبصورت تھا۔ اس سے زیادہ میں کسی چیز میں لذت نہیں پاتا تھا سوائے دودھ اور خوش تقریر شخص کے۔ (مسند احمد جلد 5 ص 347 مطبوعہ مصر)

معاویہ کے تمام معاصی اگر خطاء اجتہادی میں شمار کیے جائیں تو پھر خطائے منکر کون ہوگی؟ اور شر الامور محدثاتھا اور کل بدعۃ ضلالۃ کے کیا معنی ہوں گے۔ ان

کے متعلقہ کل واقعات اگر ایک سرے سے غلط سمجھے جائیں اور تمام تاریخیں وغیرہ غلط کر دی جائیں تو پھر کوئی گفتگو باقی نہیں رہتی، حالانکہ معتبر تاریخیں ان کے معائب سے بھری معلوم ہوتی ہیں۔ غرض کہ معاویہ کی دنیا طلبی نے دین کو چھڑا کر تمام رعایا کو دنیاوی خواہشات و معاصی میں مبتلا کر دیا۔ مسلمانوں کو ان کے حال سے عبرت حاصل کرنا چاہیے اور خدا سے پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِي بِهٖ مَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ (اقتباس از میسرۂ علویہ ص 348 تا 393)

اگر چہ یہ دونوں باپ بیٹے فتح مکہ میں ایمان لائے مگر آنحضرتؐ کی صحبت کم نصیب ہوئی۔ نفس ایمان لانے سے اصلاح نہیں ہوا کرتی۔ صحبت اور تعلیم سے اخلاق ذمیمہ مبدل باخلاق حسنہ ہو جایا کرتے ہیں۔ یہاں یہ صورت بالکل مفقود تھی۔ حکومت شام حاصل ہوتے ہی عرب کے قدیم اوصاف حسد و حقد و کینہ و بغض وغیرہ جو اس وقت جوہر انسانیت سمجھے جاتے تھے، متقاضی ظہور ہوئے مگر اسلام کے ترفع و شیخین کے وجود کے سبب دبے رہے۔ ان کے بعد سے جو کیفیات دبے ہوئے تھے وہ پھر ابھرنا شروع ہوئے۔ جناب امیرؑ آنحضرتؐ کے محبوب ترین اصحاب میں سے تھے۔ آنحضرتؐ سے نسبت ولدیت بھی رکھتے تھے۔ قرابت و محبت و فضل و شجاعت وغیرہ میں اپنے زمانہ میں بے بدل تھے۔ آنحضرتؐ کے کمالات ظاہری و باطنی کا بہترین نمونہ اور مرتبۂ ولایت محمدیؐ کے حامل تھے۔ ان وجہوں سے یہ ضروری تھا کہ جس طرح آنحضرتؐ کو ابوسفیان نے تکلیفیں پہونچائیں اسی طرح ان کے بیٹے معاویہ نے آنحضرتؐ کے محبوب خاص و ولد نبویؐ جناب امیرؑ کو بھی تکلیفیں پہونچائیں اور الولد سر لابیہ کا مصداق بنے۔ فرق یہ تھا کہ ابوسفیان نے بحالت کفر تکلیفیں پہونچائیں اور انہوں نے بحالت اسلام، جو ہر حالت میں اس سے زیادہ سخت معلوم ہوتی ہیں۔ استقلال حکومت میں کوئی کوشش اٹھا نہ رہی جو نہ کی گئی ہو۔ شجر حکومت، صحابہ و تابعین خصوصاً اہل بیت نبویؐ کے خون سے سینچ کر تر و تازہ کیا گیا۔ حکومت معاویہ میں جناب امیرؑ و حضرت امام حسنؑ کا وجود مثل کانٹے کے نظروں میں کھٹکتا تھا۔ جناب امیرؑ کی حکومت درہم برہم کرنے اور مشکلات میں اضافہ کرنے کے لئے تمام تدابیر مکر و فریب عمل میں لائے گئے۔ یہ تمام حالات صفحہ تاریخ پر آفتاب کی طرح روشن ہیں۔ ناظرین واقعات صفین خود ملاحظہ فرمالیں گے۔ انتقام کے بہانے سے ملکی طاقت میں ترقی ہوئی جناب امیرؑ نے معاویہ کو مدینہ منورہ سے متعدد خطوط در بارۂ بیعت و اطاعت لکھے، مگر یہ مطیع نہ ہونا تھا نہ ہوئے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ اور تمام بنی امیہ بڑے جوڑ توڑ کے لوگ تھے۔ ہر مکر و حیلہ سے اپنا کام نکالتے۔ یہ بالکل دنیا کے آدمی تھے۔ مدبّر بہت بڑے تھے۔ پالیسی ان میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ برخلاف ان کے بنی ہاشم کا یہ حال تھا کہ ہر کام میں خدا پر بھروسہ کرتے تھے۔ اپنے حق کے لئے لڑتے تھے۔ تدبیر و سیاست و پالیسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ خاندان آنحضرتؐ میں ہونے کا بڑا فخر تھا۔ جوڑ توڑ برتنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ خیال تھا کہ بوجہ قرابت آنحضرتؐ لوگ ہمارا خیال کریں گے۔ آنحضرتؐ کی طرح ہر کام میں خدا پر بھروسہ کرتے تھے۔ اس زمانہ میں ابوسفیان و دیگر مفسدین قریش آنحضرتؐ کی ایذا رسانی پر

تلے ہوئے تھے۔ ہر ممکن تدبیر و مکر و فریب عمل میں لاتے چونکہ اس زمانہ میں سلسلۂ وحی جاری تھا۔ ہر ہر بات کی اطلاع بذریعہ حضرت جبرائیلؑ آنحضرتؐ کو ہو جاتی تھی جس کی بنا پر آنحضرتؐ اس کے دفعیہ میں مصروف ہو جاتے آنحضرتؐ کے بعد سلسلۂ وحی مسدود ہو چکا تھا۔ بنی امیہ کی قدیم چالبازیاں اور مکر و فریب کی تدبیریں چل جاتیں۔ جناب امیرؑ کا فروغ اس وجہ سے نہ ہوا کہ انھوں نے اپنی خداداد شجاعت سے غزوات نبویہ میں کفار کو بہت قتل کیا تھا۔ ان مقتولین کے اعزاء پھر بعد کو اسلام لے آئے تھے لیکن کینہ پروری اور بغض و عداوت جو اہل عرب کی طینت میں تھا وہ ان میں بدستور قائم رہا تھا۔ آنحضرتؐ کی صحبت بہت کم نصیب ہوئی تھی چوں کہ آنحضرتؐ کے آخر زمانہ میں ابتدائی زمانہ کے ایسا افلاس نہ تھا اور بعد آنحضرتؐ خلفا کے زمانے میں اموال اور حکومتوں کی کثرت تھی۔ ان عادتوں نے پھر خاص طور پر عود کر لیا تھا۔ اہلبیتؑ نبوی عموماً اور جناب امیر خصوصاً بوجہ کمال خصوصیت و قرابت ولایت آنحضرتؐ ان امور کے لیے مخصوص کر لیے گئے تھے، اور ہونا بھی چاہیے تھا تا کہ آنحضرتؐ کے حالات اور کیفیات سے پوری پوری مشابہت پیدا ہو جائے جو بغیر اس ابتلا کے ممکن نہ تھا۔

(حافظ محمد علی حیدر علوی کاکوروی سیرۃ علویہ صفحہ 277 تا ۲۷۹)

جناب امیرؑ نیک نیتی کے قدم بہ قدم تھے۔ وہ امت محمدؐ پر کسی نااہل کا حکمران ہونا نہ چاہتے تھے۔ دین کو دین پر مقدم سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ تلوار بھی آخر درجہ ناچار ہو کر اٹھاتے تھے کیونکہ بغاوت کا دفع کرنا اور ناسزاؤں کو سزا دینا ضروریات سے تھا۔ کوئی فعل حضرتؑ سے ایسا سرزد نہ ہوتا تھا جو کسی فریق کے نزدیک مذہب یا اخلاقی خوبیوں کے خلاف ہوتا۔ جناب امیرؑ کا مخالف فریق دنیاوی لذتوں کو مقدم سمجھتا اور الدنیا زور لا تحصیل[1] الا بالزور (دنیا مکر ہے اور بغیر مکر کے حاصل نہیں ہوتی) پر عمل کرنے میں تامل نہ کرتا تھا۔ یہ گروہ دیکھا دیکھی بڑھتا گیا اور سنت نبویؐ سے الگ ہو کر روم و عجم کے سلاطین اور ان کے اراکین کا رنگ پکڑتا گیا۔ معاویہ اس گروہ کا سردار تھا۔ اتفاق زمانہ نے اسے سردار بنا دیا اور اس کے ذریعہ سے لوگوں کو اپنے مافی الضمیر کا موقع ملا۔ اور اس کے بعض ساتھیوں کو مکر کرنے اور جھوٹ بولنے اور مسلمانوں کا خان ناحق بہانے میں کوئی تامل نہ تھا۔ اور یہاں علیؑ ابن ابی طالب کو بڑی دقت یہ تھی کہ وہ خود کو احکام شرعی کا پابند رکھتے تھے اور تلوار جب اٹھاتے تھے کہ معاملہ اختیار سے باہر ہو جاتا تھا۔ طرفہ یہ کہ ان کے ساتھی بھی کبھی کبھی مسلمانوں کا خون بہانے سے رک جاتے تھے۔ غرض کہ علیؑ کی حالت اپنی خلافت کے زمانہ میں عجب کشمکش میں تھی اور رسول اللہؐ کے صحابیوں میں سے کسی نے بھی حضرتؑ کی سی روحانی تکلیف نہیں اٹھائی۔ لوگ امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ نہایت سخت سمجھتے ہیں لیکن میرے نزدیک حضرت

---

[1] "تحصل" ہونا چاہیے۔ حفظ امانت کے تحت "تحصیل" کو باقی رکھا گیا ہے۔

علیؑ ابن ابی طالب کی کشمکش زیادہ تر ہمدردی کے لائق ہے۔ اگر واقعہ کربلا کو طاعون سے نسبت دیں تو حضرت علیؑ کی دقتوں کو عارضہ سل سے تشبیہہ دے سکتے ہیں۔ بعض کج رائے مورخوں کا بیان ہے کہ حضرت علیؑ کی خود رائی اُن کی ناکامی کا سبب ہوئی، لیکن حضرت علیؑ پر خود رائی کا الزام غلط ہے۔ علم، شجاعت، قناعت اور حکمت ان کے حصہ میں تھے۔ خود ارائی چہ دارد۔ خود ارائی نہیں بلکہ وہ حالات اُن کی ناکامیوں کے سبب ہوئے جن کا خلاصہ اوپر بیان کیا گیا ہے۔ (تاریخ اسلام مطبوعہ گورکھ پور ص ۳۰۳ تا ۳۰۵)

ڈاکٹر طہٰ حسین لکھتے ہیں:

آنے والی جنگ بڑی شدید آزمائشوں کی حامل تھی کیونکہ شامی غنیم انتہائی ظالم تھا اور اس کے ارد گرد طاقور بہادروں کا مجمع تھا۔ اس غنیم یعنی معاویہ کے ظلم وتشدد کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ معاویہ اس ابوسفیان کا بیٹا تھا، جس نے بدر کے بعد پیغمبرؐ سے پے در پے لڑائیاں لڑیں اور ہر لڑائی میں اس نے جان لڑادی اور قوت وطاقت ظلم و بے رحمی، مکروفریب کے مظاہرے کیے اور اس وقت اسلام لایا جب اس کے علاوہ کوئی چارہ کار ہی نہ تھا۔ دو ہی صورتیں باقی رہ گئی تھیں: یا موت کے گھاٹ اترے یا پھر اسلام لائے۔

معاویہ نے بھی میراث میں اپنے باپ کی ہی قوت بے رحمی اور مکروفریب پایا تھا۔ معاویہ کی ماں بھی اس کے باپ سے کم اسلام اور مسلمانوں کی دشمن نہ تھی۔ مسلمانوں نے اُسے جنگ بدر میں بہت سے صدمات میں مبتلا کیا تھا جس کا بدلہ مشرکین نے جنگ اُحد میں لیا مگر بدلہ اترنے کے بعد بھی نہ تو اس کی عداوت کم ہوئی نہ غم وغصہ دور ہوا۔ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئی جب تک مکہ فتح نہ ہو گیا اور مسلمان ہوئی بھی تو با دل ناخواستہ جس طرح اس کا شوہر مسلمان ہوا تھا۔

حضرت عمر نے معاویہ کو شام کا گورنر مقرر کیا تھا اور پھر اُسے معزول نہ کیا حالانکہ اُن کا دستور تھا کہ عاملوں کو برابر بدلتے رہتے تھے۔ حضرت عمر کے بعد عثمان خلیفہ ہوئے۔ انہوں نے حضرت عمر کے تمام مقرر کردہ عالموں کو نکال باہر کیا، مگر معاویہ سے انہوں نے بھی تعرض نہ کیا۔ عمر کی طرح وہ بھی معاویہ سے راضی اور بہ نسبت دیگر عاملوں کے اس کی طرف زیادہ مائل رہے، کیونکہ معاویہ اُن کا رشتہ دار بھی تھا اور پھر اچھا منتظم۔ حضرت عثمان کی یہ حالت تھی کہ جب شہر کے باشندے وہاں کے عامل سے ناراض ہوتے اور عامل کی جان ضیق میں پڑ جاتی تو حضرت عثمان حکم دیتے کہ اعتراض کرنے والوں کو شام بھیج دے، جہاں معاویہ انہیں مارپیٹ کے یا نرمی ومہربانی سے سیدھا کر دیتا۔

خود معاویہ پیغمبرؐ کے جلیل القدر اور عظیم المنزلت صحابی ابوذر سے بہت تنگ ہوئے مگر ان کی عزت ووجاہت اور پیغمبرؐ سے خصوصی منزلت کی وجہ سے انہیں اپنے تشدد کا نشانہ بنا سکے نہ یہی ممکن ہوا کہ مال و دولت سے پہاڑ پھلالیں۔ مجبور ہو کر ان کی

شکایت عثمان سے کی اور عثمان نے انہیں حکم دیا کہ ابوذر کو ہمارے پاس مدینہ بھیج دو۔ ابوذر کے اعتراضات عثمان سے بھی برداشت نہ ہوئے اور انہوں نے انہیں نکال باہر کر کے رملہ[1] میں رہنے کے لئے مجبور کر دیا، یہاں تک کہ انہوں نے وہیں انتقال کیا۔

عثمان کے آخری زمانہ حیات میں معاویہ عثمان کے پاس آئے۔ اس وقت عثمان کے خلاف لوگوں کے اعتراضات اور نفرت و بیزاری بہت بڑھ چکی تھی۔ معاویہ نے انہیں مشورہ دیا کہ آپ میرے ساتھ شام چلے چلئے مگر عثمان نے جوار رسولؐ ترک کرنا مناسب نہ سمجھا۔ پھر یہ تجویز پیش کی کہ میں آپ کی حفاظت کیلئے شام سے لشکر بھیجدوں۔ انہوں نے اس سے بھی انکار کیا کہ اس کی وجہ سے مدینہ کے باشندوں کو زحمت ہوگی۔ معاویہ واپس جانے لگے تو انہوں نے مہاجرین کو تاکید کی کہ حضرت عثمان کے ساتھ بھلائی کریں گے اور دھمکی بھی دی کہ اگر ان کے دشمنوں کی مدد اور ان کی نصرت میں کوتاہی کی تو نتیجہ کے وہ خود ذمہ دار ہوں گے۔ معاویہ شام پلٹ آئے۔ وہ یہ سمجھ چکے تھے کہ حضرت عثمان سے لوگوں کی نفرت و برہمی حد سے زیادہ ہو چکی ہے۔ پھر انہیں یہ بھی خبر ملی کہ عثمان محصور ہو گئے ہیں مگر وہ ان کی مدد کے لئے روانہ ہوئے نہ ان کی حفاظت کے لئے کوئی لشکر بھیجا۔ حضرت عثمان کا خط بھی آیا جس میں انہوں نے معاویہ سے مدد مانگی تھی جس طرح انہوں نے دیگر عاملوں سے بھی مدد کا سوال کیا تھا مگر جس طرح بھی عاملوں نے ٹال مٹول کی معاویہ بھی ٹال گئے اور انتظار میں رہے یہاں تک کہ عثمان مقتول ہو گئے۔ بس جیسے ہی ان کے انتقال کی خبر ملی، انتقام خون عثمان کا بہانا لیکر اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہیں اسکی قدرت حاصل تھی کہ حضرت عثمان کی جان بچائیں مگر وہ شام میں مقیم موقع کی تاک میں رہے اور موقع انہیں مل بھی گیا جس سے انہوں نے پورا فائدہ اٹھایا۔

یہ بڑے حلیم و بردبار بھی تھے اور انتہائی غصہ ور بھی۔ اسی کے ساتھ دین کے پکے، اپنی عقل اور غور و فکر سے برابر کام لیتے رہتے۔ انہوں نے حضرت عثمان کے قتل کو بڑی اہمیت دی اور اس ناگوار واقعہ سے لوگوں کو بہت خوفزدہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل شام کے قلب و ضمیر ان کے مطیع ہو گئے اور وہ معاویہ سے بھی زیادہ عثمان کے قتل پر غضبناک اور ان کے انتقام کے طالب بن گئے۔ مگر باوجود یکہ شام والوں کو عجلت تھی۔ وہ انتقام کے لئے فوراً چلنا چاہتے تھے لیکن معاویہ توقف سے کام لے رہے تھے۔ اصل میں انہیں اصحاب شوریٰ کے شیوخ اور مہاجرین انصار کے متعلق انتظار تھا کہ وہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ اس عرصہ میں وہ بنی امیہ کے افراد کو ان کے پاس خفیہ خفیہ بھیجتے رہے۔ انہیں طرح طرح لالچ بھی دلاتے اور ڈراتے دھمکاتے بھی۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ طلحہ و زبیر اور عائشہ مکہ میں مجتمع ہیں اور علیؑ سے جنگ کی تیاریاں کر رہے ہیں تو معاویہ نے انہیں شام آنے کی

---

[1] اس ریگستان کا نام ربذہ معروف ہے۔ شاید کاتب کی غلطی سے رملہ لکھا گیا ہے۔ لیکن ہم نے حفظ امانت کے تحت متن میں ''رملہ'' ہی کو باقی رکھا ہے۔

دعوت نہ دی نہ اپنے لشکر سے ان کی کوئی مدد کی۔ بس صرف یہ ہوا کہ معاویہ کے ہوا خواہوں نے ان حضرات کے دل میں یہ بات بٹھادی کہ معاویہ شام و مصر کے لیے کافی ہے۔ آپ لوگوں کو پہلے عراق کی طرف توجہ کرنی چاہیئے تا کہ علیؑ صرف حجاز کے صوبہ میں گھر کی رہ جائیں۔ پھر انہیں دونوں طرف سے پیس کر رکھ دیا جائے۔ معاویہ شام سے آجائے اور آپ لوگ عراق کی طرف سے حملہ آور ہوں۔ حضرت عائشہ اور طلحہ وزبیر نے بنی امیہ کے ان مشیروں کا مشورہ دل سے قبول کیا اور بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ پہلے بصرہ پر قبضہ کیا جائے۔ اس کے بعد کوفہ پر دھاوا بول دیا جائے۔ جب ان دونوں بڑے شہروں سے فراغت ہو جائے گی تو ہم اور معاویہ مل کر علیؑ کا کام آسانی سے تمام کریں گے۔ اس کے بعد خلافت کے تین حصے کر دیئے جائیں گے: ایک ایک حصہ طلحہ وزبیر اور معاویہ کے ہاتھ میں رہے گا۔ وہی تجویز جو طلحہ وزبیر نے بیعت کرنے کے بعد علیؑ کے سامنے رکھی تھی اور علیؑ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ امیر المومنینؑ معاویہ سے جنگ کی تیاریاں کو ملتوی کر کے طلحہ وزبیر کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ کا ارادہ یہ تھا کہ اُنھیں دوبارہ حلقہ اطاعت میں لایا جائے اور نہ مانیں تو پھر ان سے جنگ کی جائے۔ معاویہ کو اس سے بڑی خوشی ہوئی۔ انہیں مسرت تھی کہ یہ شیوخ، مہاجرین وانصار علیؑ کو الجھائے رہیں اور میں اپنی تیاریاں مکمل کرلوں۔ انہیں گمان تھا کہ یہ شیوخ جب جنگ کریں گے اور جنگ طویل پکڑے گی تو لازمی طور پر ان کی قوت گھٹ جائے گی اور میری طاقت ان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوگی۔ ہوا بھی ایسا ہی۔ جنگ ہوئی طلحہ وزبیر مارے گئے۔ عائشہ مدینہ واپس گئیں اور بصرہ وکوفہ کے بے شمار مسلمان مقتول ہوئے۔ اب معاویہ نے دیکھا کہ میری اور علیؑ کی براہ راست ٹکر ہے۔ معاویہ کو ابھی تک لڑائی سے واسطہ نہ پڑا نہ انہوں نے کسی کو زخمی کیا نہ انہیں کسی نے زخم پہنچایا۔ معاویہ کی طاقت پوری تھی، ساز وسامان مکمل تھا جنہیں کوئی جانی نقصان ہوا تھا نہ مالی، اور وہ تمام ساتھی معاویہ کی محبت کا دم بھرتے اور مقتول خلیفہ کا انتقام لینے کے لیے ان کی مدد پر کمر بستہ۔ علیؑ کی حالت اس سے جداگانہ تھی۔ ابھی معرکہ کی جنگ سر کی تھی جس میں ان کے دوست دشمن سبھی بے شمار مقتول ہوئے۔ جو ان کے دشمن تھے انہیں اسکا غصہ کہ علیؑ نے ہمارے بہت سے عزیزوں کو قتل کیا اور جو دوست تھے وہ بھی زیادہ خوش نہیں تھے، کیونکہ بصرہ کے مقتولین ان کے بھی بھائی بند تھے۔

اسی کے ساتھ اسے بھی ملالیجیے کہ علی و معاویہ کی سیرۃ وسیاست میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ علی ع کو خلافت کی بڑی لاج تھی۔ وہ اپنا فریضہ سمجھتے کہ ہمیں مکمل عدل وانصاف سے کام لینا چاہیے۔ کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی جائے۔ وہ یہ بھی واجب سمجھتے کہ مسلمانوں کے مال کی پوری حفاظت کی جائے اور جائز محل پر ہی اسے خرچ کیا جائے۔ وہ بیت المال کے ذریعہ لوگوں کو ہموار کرنا جائز نہ سمجھتے تھے بلکہ اپنے لیے یا اپنے عزیزوں کے لیے بھی اس سے خرچ کرنا حرام جانتے تھے سوا اتنی سی رقم کے جس سے ضرورت

رفع ہو سکے۔ بس چلتا تو اس میں بھی کمی کر دیتے۔ علی ع کو بیت المال میں ذخیرہ کرنا انتہائی ناپسند تھا جتنا مال ہوتا مسلمانوں کی ضروریات میں صرف کر دیتے۔ اگر کچھ بچتا تو مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیتے۔ آپ کا دستور تھا کہ آپ بیت المال میں جاتے۔ اگر کوئی ایسی چیز نظر پڑتی جو مصالح عامہ کے لحاظ سے غیر ضروری ہوتی تو آپ مساویانہ طور پر تقسیم کر دیتے، پھر آپ کے حکم سے بیت المال میں جھاڑو دی جاتی، پانی چھڑکا جاتا، پھر آپ وہاں دو رکعت نماز پڑھتے اور فرماتے بیت المالکو ایسا ہونا چاہیے۔ اس طرح علی لوگوں پر برابر خرچ کرتے رہتے لیکن عدل وانصاف اور مساوات کے اصول پر۔ لیکن معاویہ! کم سے کم جو بات ان کے متعلق کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی سیرت ایک زیرک و چالاک اور مکار مرد عرب کی تھی۔ لوگوں کو اتنا دیتے جتنا دے سکتے۔ سرداران قبائل اور عمائدین لشکر جن کی دوستی انہیں مطلوب ہوتی انہیں نہال کیا کرتے۔ اس میں نہ کوئی مضائقہ سمجھتے نہ حرج۔ لالچی لوگ اپنی مرادیں معاویہ کے ہاں سے پاتے اور زاہد و پرہیزگار افراد کی مقصد برآری علیؑ کے یہاں سے ہوتی۔ بس اسی سے اندازہ کیجیے کہ علیؑ کے بھائی عقیل اور ان کے پاس کچھ داد و دہش کے متمنی ہو کر آئے۔ آپؑ نے اپنے فرزند حسنؑ سے کہا: جب میرا مشاہرہ ملے تو تم اپنے چچا کو لے کر جاؤ اور اس سے ان کے لیے نیا لباس، نئے نعلین خرید لاؤ۔ بس اس کے علاوہ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ وہی عقیل معاویہ کے پاس جاتے ہیں اور وہ بیت المال سے انہیں ایک لاکھ روپے دے دیتے ہیں۔

معاویہ اپنے مذہب کی بناء پر اسی سیاست پر بھروسہ کرتے اور یہ یقین رکھتے کہ جتنے بھی دنیا کے طلبگار ہیں وہ مجھی سے آ کر مل جائیں گے۔ پھر ان کی داد و دہش شام والوں ہی پر موقوف نہ تھی، مدینہ اور مکہ میں اپنے عزیزوں، رشتہ داروں کو روپے پیسے بھیجتے اور ان کے ذریعہ ان لوگوں کو ممنون احسان بناتے جو علیؑ کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ عراق میں ان کے جاسوس پھیلے ہوئے تھے جو لوگوں کو لالچ دیتے، دھمکاتے، انہیں خفیہ طریقہ پر زر و مال پہنچاتے۔ علیؑ یہ سب کچھ بھی نہیں کرتے۔ انہیں جتنا امانت داری وفائے عہد کی خواہش اور اسکی فکر رہتی کہ دین میں کوئی دغا فریب نہ ہونے پائے، اتنی کسی بات کی بھی فکر نہ تھی۔ اور جتنا مسلمانوں کے بیت المال کا ایک درہم بھی ناجائز خرچ کرنے سے انہیں نفرت و بغض تھا، اتنا کسی چیز سے بھی نہیں۔ جس طرح مکر و فریب اور جاہلیت کی ہر بات سے بیزار رہا کرتے۔ حق ان کے سامنے روشن تھا اور وہ سیدھے اسی کی طرف جا رہے تھے اور اپنے اصحاب سے انکی خواہش تھی کہ وہ بھی اسی طرح چلیں۔ باطل ان کے سامنے واضح تھا اور وہ متعدی کے ساتھ اس سے منہ پھیرے ہوئے تھے اور اپنے اصحاب سے بھی متمنی تھے کہ وہ بھی منہ پھیرے رہیں۔

علیؑ کی یہی باتیں ایسی تھیں جن کی وجہ سے انہیں، بہت سے ایسے انصار نصیب ہوئے جو ان سے محبت رکھتے، خالص محبت، اور انکی حکومت کی حفاظت میں جان و مال قربان کرتے۔

آپ ابھی کوفہ میں اچھی طرح سکون پذیر بھی نہ ہوئے کہ آپ کے اصحاب اصرار کرنے لگے کہ چل کر شام کے دشمنوں کی سرکوبی کی جائے۔ مگر آپ نے فورا مقابلہ کے لیے اٹھ کھڑے ہونے سے بہتر سمجھا کہ پہلے نامہ و پیام سے کام نکالا جائے۔ معاویہ کے پاس قاصد بھیجے جائیں جو انہیں حلقۂ اطاعت میں آجانے کی دعوت دیں۔ اس طرح ان پر حجت پوری ہو جائے گی اور پھر کسی قیل وقال کی گنجائش بھی نہ رہے گی۔ (الفتنۃ الکبریٰ، جلد دوم)

دوسری فصل

معاویہ و عمرو عاص

امیر المومنینؑ اچھی طرح جانتے تھے کہ نامہ و پیام کا کوئی فائدہ نہیں۔ معاویہ کو سمجھانے کی کوشش پانی پر نقش و نگار بنانے کے مترادف ہیں۔ پتھر میں جونک نہیں لگا کرتی۔ وہ گمراہی و سرکشی کی اس حد تک پہنچ گئے ہیں جہاں سے پلٹنا ان کے بس کی بات نہیں۔ پھر بھی آپ نے محض امن و سلامتی کی لالچ اور اسلام کی تمنا میں معاویہ کو خط لکھا اور خط لے جانے کے لیے آدمی بھی ایسا منتخب کیا جسے معاویہ بھی پسند کرتے تھے یعنی جریر بن عبداللہ، جو حضرت عثمان کے عہد حکومت میں یمن کے گورنر تھے۔ امیر المومنینؑ نے انہیں مثل دیگر عمال عثمانی کے معزول کر دیا تھا اور وہ یمن سے سے کوفہ آ کر حلقہ بیعت میں داخل ہو گئے تھے۔ انہوں نے حضرت سے درخواست کی کہ:

"امیر المومنین معاویہ کے پاس مجھے بھیجیے۔ وہ ہمیشہ میرے خیر خواہ و دوست رہے ہیں۔ میں وہاں جا کر انہیں اس بات پر راضی کر لوں گا کہ وہ آپ کی خلافت تسلیم کر لیں اس شرط پر کہ من جملہ دیگر گورنروں کے وہ بھی ایک گورنر ہوں گے۔ میں خدا کی اطاعت پر کاربند رہوں گا۔ اہل شام کو آپ کی اطاعت و ولایت کی طرف دعوت دوں گا۔ وہ سب کے سب میرے عزیز و رشتہ دار اور میرے ہم وطن ہیں اور مجھے امید ہے کہ میری بات سے وہ انکار نہ کریں گے۔"

جریر کی لفظیں غمازی کر رہی تھیں کہ کسی حد تک معاویہ ہی کی طرف ان کا میلان تھا۔ وہ حضرت کو مشورہ بھی دے رہے تھے کہ معاویہ کو گورنری کے عہدے پر باقی رکھا جائے اور دیگر عمال امیر المومنینؑ کی طرح وہ بھی آپ کے عامل رہیں۔ مطیع و فرمانبردار بن، سرکش ہو کر نہیں۔ گویا جریر کو اس کی خبر ہی نہ تھی کہ مشورہ دینے والوں نے یہی مشورہ پہلے بھی حضرت کو دیا تھا اور حضرتؑ نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا تھا۔ مالک اشترؒ نے جریر کی یہ گفتگو سن کر امیر المومنین سے کہا:

"حضور انہیں ہرگز نہ بھیجیے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ان کی خواہش بھی وہی ہے جو شام والوں کی ہے اور ان کی نیت بھی انہیں کی نیت جیسی۔"

مگر امیر المومنینؑ نے محض گمان کے بنا پر جریر کو ناقابل اعتماد قرار دینا مناسب نہ سمجھا۔ جریر حضرت عثمان کی طرف سے یمن کے گورنر تھے۔ حضرتؑ نے مسند نشین خلافت ہوتے ہی مثل دیگر عمال عثمانی کے انہیں بھی معزول کر دیا تھا مگر جریر نے کوئی

آواز مخالفت میں نہیں بلند کی بلکہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے فوراً سبکدوش ہو گئے اور انہوں نے معزولی کا پروانہ پہونچتے ہی قبیلۂ ہمدان والوں کے سامنے جو تقریر کی اس میں یہ بھی کہا:

"یہ امیر المؤمنین علی ابن ابیطالب کا فرمان ہے۔ آپ دین و دنیا میں بھروسہ کے لائق ہیں۔ سابقین اولین مہاجرین و انصار اور نیکو کار تابعین نے آپ کی بیعت کرلی ہے۔ اگر اس مرتبہ بھی خلافت کا معاملہ شوریٰ کے سپرد ہوتا تب بھی آپ سب سے زیادہ حقدار ٹھہرتے۔ دیکھو زندگی مل جل کر رہنے ہی میں نصیب ہو سکتی ہے۔ افتراق و اختلاف میں ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں۔ علیؑ تم کو حق کے راستہ پر لے کر چلیں گے جب تک تم سیدھے رہو گے اور اگر تم کج ہوئے تو وہ تمہاری کجی بھی دور کریں گے۔"

بہر حال امیر المؤمنین نے ان کی طرف سے کسی بدگمانی کو دل میں جگہ نہ دی اور نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا کی۔ انصاف کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وفاداری کا ثبوت پیش کرنے کے لیے انہیں موقع دیا جائے۔ اس سفارت کے سلسلہ میں خود ہی کھل جائے گا کہ وہ حق کے حمایتی ہیں یا باطل کے طرف دار۔ آپ نے مالک اشترؓ کو جواب دیتے ہوئے کہا:

انہیں کو جانے [دیں] دیکھیں کیا کر کے آتے ہیں۔

حضرت نے خط جریر کے حوالہ کرتے ہوئے کہا:

"یہ خط لے کر معاویہ کے پاس جاؤ۔ اگر وہ بھی حلقہ اطاعت میں داخل ہو گئے جس طرح سارے مسلمان داخل ہوئے ہیں تو خیر ورنہ انہیں جتا دینا کہ نہ میں انہیں عامل کی حیثیت سے دیکھنا پسند کرتا ہوں نہ مسلمان انہیں خلیفہ کی حیثیت سے دیکھنا پسند کریں گے۔"

جریر خط لے کر شام پہونچے۔ معاویہ کو خط دے کر انہوں نے کہا:

"معاویہ! تمہارے ابن عم علی ابن طالبؑ کی خلافت پر مکہ و مدینہ و بصرہ و کوفہ حجاز و یمن مصر و عروض و عمان بحرین، یمامہ ہر اسلامی شہر اور ہر صوبہ کے مسلمانوں نے اتفاق و اجماع کرلیا ہے۔ بس صرف اس علاقہ والے رہ گئے ہیں، جس میں تم مقیم ہو۔ اگر علیؑ کی طرف سے ایک سیلاب بھی آجائے تو یہ علاقہ ڈوب کر فنا ہو جائے۔

دیکھو، یہ دین اسلام فتنوں کا متحمل نہیں۔ یہ سمجھ لو کہ عرب والے تلوار کی آنچ نہ سہ سکیں گے۔ بصرہ میں کل جو قیامت گذر چکی ہے اگر ایسی ہی مصیبت پھر رونما ہوئی تو کوئی متنفس باقی نہ رہے گا لہٰذا علیؑ کے حلقہ اطاعت میں تم بھی اسی طرح داخل ہو جاؤ جس طرح سارے مسلمان داخل ہو چکے ہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ عثمان نے ہمیں شام کی گورنری پر برقرار رکھا اور معزول نہیں کیا تو اس قسم کی

دلیلیں اگر چلنے لگیں تو خدا کا دین استوار ہی نہ ہوا اور جس شخص کے ہاتھ جو کچھ ہو وہ اسی کا مال ہو جائے۔

معاویہ کچھ دیر خاموش رہے۔ جریر کو دیکھا کیے۔ جب دیر تک کوئی جواب بن نہ پڑا تو دھیرے سے بولے: اچھا ہم غور کریں گے اور دیکھیں گے کہ شام والے کیا کہتے ہیں؟

(2)

وہ رات معاویہ کے لیے بڑی کرب ناک ثابت ہوئی۔ افکار کے ہجوم اور گوناگوں اندیشوں نے پلک تک نہ جھپکنے دی۔ یہ سوچ سوچ کے دل قابو سے نکلا جاتا تھا کہ علیؑ کی بیعت کر کے یہ شاہانہ جاہ و جلال یہ حکومت و سلطنت اور زر و مال سے بھرے ہوئے خزانے جس کے لیے برسوں محنت کی ہے اور دن کو دن رات کو رات نہیں سمجھا ہے یوں ہی ہاتھ سے نکل جانے دوں یا بیعت سے انکار کر کے پوری مملکت اسلامیہ سے ٹکر لینے کی کوشش کروں۔

معاویہ احمق نہیں تھے نہ علیؑ سے ٹکرانے کی امنگ محض ان کے وہم کا نتیجہ تھی۔ انہیں صورت حال کی نزاکت کا اندازہ تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر لڑائی ٹھن گئی تو یہ شام کا صوبہ جو اس وقت ہمارے قبضہ میں ہے۔ بہت آسانی سے ہمارے حریف کے قبضہ میں چلا جائے گا۔ پھر روم والے بھی ہر وقت تاک میں لگے ہوئے ہیں کہ کب موقع ملے اور کب اس پر قبضہ کر کے مثل سابق پھر اسے رومی علاقہ بنا لیا جائے۔ لیکن بہر حال یہی صوبہ شام ایک اکیلا سہارا اور تنہا جائے پناہ ہے۔ ہر طرف تو علیؑ کی حکومت اور ان کا اقتدار قائم ہو چکا ہے۔ شام ابھی بچا ہوا ہے۔ جب تک ہمارے قبضہ میں ہے یہ ہمارے لیے قلعہ کا کام دے گا۔ اس وقت ہمارا سامنا ایک طرف تو قیصر روم سے ہے، دوسری طرف علیؑ ابن ابی طالبؑ سے۔ قیصر کو ٹالنا آسان ہے خواہ صلح و مصالحت کے ذریعے خواہ زر و مال تحفہ و تحائف رشوت میں دے کر۔ قیصر کی طرف سے یکسوئی حاصل کر کے ہمیں خلیفہ اسلامی سے فیصلہ کن مقابلہ کرنا ہے۔ ہم اس کے لیے کوئی امکانی طاقت اٹھا نہیں رکھیں گے نہ کسی مکر و حیلہ اور سعی و تدبیر سے دریغ کریں گے۔ اپنے حریف کی سلطنت کے ہر حصہ میں آگ بھڑکا دیں گے تاکہ ہر شہر اور ہر صوبہ اپنی ہی خانہ جنگیوں میں مصروف رہے اور کسی کو اس کا موقع ہی نہ ملے کہ روپیہ پیسہ اور سپاہیوں کے ذریعہ مرکزی حکومت کی امداد کر سکے۔ صبح ان کی ایک پریشانی میں گزرے گی اور رات دوسری آفت میں۔

واقعات کی رفتار بھی کچھ معاویہ کے موافق تھی۔ جنگ جمل کے بھگوڑوں نے سیستان پہنچ کر پورے صوبہ پر قبضہ کر لیا اور امیر المومنینؑ کی طرف سے وہاں جو عامل مقرر تھا، اسے قتل کر دیا۔ دوسری طرف خراسان کے باشندوں نے بغاوت کر دی اور مرتد ہو گئے۔ کسریٰ کے آدمیوں نے ان کی مدد کر کے ان کے حوصلے اتنے قوی کر دیے کہ قریب تھا اسلام کا نام و نشان ہی اس

سرزمین سے محو ہو جائے۔ اگرچہ ابن عباس نے سیستان پہنچ کر اپنے بھائی کا جھنڈا پھر لہرا دیا اور خلید نے خراسان جا کر ساری بغاوتوں کا قلع قمع کر دیا اور کسریٰ کی بیٹیوں کو اسیر کر کے کوفہ پہونچا دیا لیکن اس سے معاویہ کے حوصلے پست ہونے والے نہیں تھے۔ یہ فتنے پیش خیمہ تھے مزید فتنوں کے۔ یہ اندازہ کرنا انہیں ذرا بھی مشکل نہ تھا کہ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا اور آگے چل کر بھی نت نئی بغاوتیں علیؑ کے خلاف سر اٹھاتی رہیں گی۔ یہاں تک کہ مصر جو ان کے کلیجے کے لیے ناسور تھا وہاں بھی امید کی کرن نظر آ رہی تھی۔ ایک جماعت دریائے نیل کے کنارے خوبتا نامی گاؤں میں ایسی موجود تھی جو ان کے لیے کارآمد ثابت ہو سکتی تھی۔ یہ جماعت حضرت عثمان کے پرستاروں کی تھی جو ان کے قتل ہونے کے بعد بھی ان کا دم بھرتی تھی اور ابھی تک امیر المومنینؑ کی بیعت کرنے پر آمادہ نہ ہوئی تھی۔ وہ تاک میں تھی کہ کب موقع ملے اور کب انتقام خون عثمان لینے کے لیے اٹھ کھڑی ہو۔

مگر ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے معاویہ پوری طرح مطمئن رہے ہوں یہ بات نہ تھی۔ زمانہ اگر آج ان کے موافق تھا تو کل ان کے حریف کے موافق بھی ہو سکتا تھا اور جس دھیمی ہوا کے سہارے ان کی کشتی چل رہی تھی، وہی آندھی بن کر ان کا بیڑہ غرق بھی کر سکتی تھی، بلکہ اس وقت بھی خوف و ہراس نے ان کے دل کی حالت غیر بنا رکھی تھی۔ مصر ان کے لیے مستقل دردسر تھا۔ وہاں روپیہ پیسہ کی فراوانی تھی، لوگوں کی بھی اور ساز و سامان کی بھی۔ علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام کے لیے ہر قسم کا سامان حرب وہاں مہیا تھا۔ عراق جو ان چیزوں کا خزینہ تھا وہ قبضہ میں ان کے تھا ہی، مصر پر بھی ان کا اقتدار قائم تھا، جہاں سے انہیں میدان جنگ کے لیے سپاہی، رسد، اسلحے اور لڑائی کا ہر سامان وافر مقدار میں مل سکتا تھا۔ اور جب سے محمد بن حذیفہ نے حضرت عثمان کے عامل کو نکال باہر کر کے مصر پر تسلط حاصل کر لیا تھا، معاویہ کی آنکھوں میں دنیا تاریک تھی۔ ہر وقت یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ نہ معلوم کس وقت مصر سے ایک لشکر اور کوفہ سے ایک لشکر آ جائے اور دونوں مل کر مجھے پیس کے رکھ دیں۔

معاویہ بستر پر کروٹیں بدلا کیے۔ کسی پہلو چین نہ آیا نہ کشمکش سے نجات پانے کی کوئی صورت نظر آئی۔ انہوں نے ایک مرتبہ ہاتھ بڑھا کر وہ خط اٹھایا جو جریر علیؑ کی طرف سے لے کر آئے تھے اور پڑھنا شروع کیا:

''میری بیعت جو مدینہ میں منعقد ہوئی تمہیں بھی شام میں لازم تھی کیونکہ جن لوگوں نے ابوبکر و عمر و عثمان کی بیعت کی تھی انہوں نے میرے ہاتھ پر اسی اصول کے مطابق بیعت کی جس اصول پر وہ ان کی بیعت کر چکے تھے اور اسکی بنا پر جو حاضر ہے

اسے پھر نظر ثانی کا حق نہیں اور جو بروقت موجود نہ ہو اسے رد کرنے کا اختیار نہیں اور شوریٰ کا حق صرف مہاجرین او انصار کو ہے۔ وہ اگر کسی پر ایکا کر لیں اور اسے خلیفہ سمجھ لیں تو اسی میں اللہ کی رضا و خوشنودی سمجھی جائے گی۔ اب جو کوئی اس کی شخصیت پر اعتراض یا نیا نظریہ اختیار کرتا ہوا الگ ہو جائے تو اسے وہ سب اسی طرف واپس لائیں گے جدھر سے وہ منحرف ہوا ہے اور اگر انکار کرے تو اس [سے] لڑیں کیونکہ وہ مومنوں کے طریقے سے ہٹ کر دوسری راہ پر ہو لیا ہے اور جدھر سے وہ پھر گیا ہے اللہ بھی اسے ادھر ہی پھیر دے گا۔

اے معاویہ! میری جان کی قسم، اگر تم اپنی نفسانی خواہشوں سے دور ہو کر عقل سے دیکھو تو سب لوگوں سے زیادہ مجھے خون عثمان سے بری پاؤ گے مگر یہ کہ تم بہتان باندھ کر کھلی ہوئی چیزوں پر پردہ ڈالنے لگو۔ والسلام

(3)

شروع شروع میں معاویہ نے جریر کی آمد کو زیادہ اہمیت نہ دی۔ وہ سمجھے تھے جہاں اور بہت سے قاصد آئے اور چلے گئے ویسے ہی جریر بھی ہوں گے، خط پہنچا کر کوفہ پلٹ جائیں گے مگر جریر بالکل جم کر رہ گئے وہ بیرت خط کا جواب لیے جانے پر تیار ہی

۱۔ جب امیر المومنینؑ کے ہاتھ پر تمام اہل مدینہ نے بالاتفاق بیعت کر لی تو معاویہ نے اپنے اقتدار کو خطرے میں محسوس کرتے ہوئے بیعت سے انکار کر دیا اور آپ کی خلافت کی صحت کو محل نظر قرار دینے کے لئے یہ عذر تراشا کہ یہ عمومی انتخاب سے قرار نہیں پائی لہٰذا اس انتخاب کو مسترد کر کے دوبارہ انتخاب عام ہونا چاہیے حالانکہ جس خلافت سے اصول انتخاب کی بنیاد پڑی وہ ایک ناگہانی صورتحال کا نتیجہ تھی، جس میں عام افراد کی رائے دہندگی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اسے عمومی اختیار کا نتیجہ کہا جا سکے، البتہ عوام پر اس کی پابندی عائد کر کے اسے فیصلہ جمہور سے تعبیر کر لیا گیا، جس سے یہ اصول قرار پا گیا کہ جس کو اکابر مدینہ منتخب کر لیں وہ دنیائے اسلام کا نمائندہ متصور ہوگا اور کسی کو اس میں چون و چرا کی گنجائش نہ ہوگی خواہ وہ انتخاب کے موقع پر موجود ہو یا نہ ہو۔ بہر صورت اس اصول کے قرار پا جانے کے بعد معاویہ کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ دوبارہ انتخاب کی تحریک یا بیعت سے انکار کرے، جب کہ وہ عملی پر ان خلافتوں کو صحیح تسلیم کر چکا تھا، جن کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ مدینہ کے اہل حل و عقد نے طے کی تھیں؛ چنانچہ جب اس نے اس انتخاب کو غلط قرار دیتے ہوئے بیعت سے انکار کیا تو امیر المومنینؑ نے اصول انتخاب کو اس کے سامنے پیش کرتے ہوئے اس پر حجت تمام کی اور یہ وہی طرز کلام ہے جسے فوض الباطل مع الخصم حق علومہ الحجۃ (حریف کے سامنے اس کے غلط مسلمات کو پیش کر کے اس پر حجت قائم کرنا۔) سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ کسی مرحلہ پر امیر المومنینؑ نے خلافت کی صحت کا معیار شوریٰ اور رائے عامہ کو نہیں سمجھا ورنہ جن خلافتوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مہاجرین و انصار کے اتفاق رائے سے قرار پائی تھیں، آپ اس رائے عامہ کو سند و حجت سمجھتے ہوئے ان کو صحیح و درست سمجھتے مگر آپ کا دور اول ہی میں بیعت سے انکار کر دینا کہ جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا اس کی دلیل ہے کہ آپ ان خود ساختہ اصولوں کو خلافت کا معیار نہ سمجھتے تھے، بلکہ آپ ہر دور میں اپنے استحقاق خلافت کو پیش کرتے رہے کہ جو رسولؐ سے قولاً و عملاً ثابت تھا، مگر معاویہ کے مقابلہ میں اسے پیش کرنا سوال و جواب کا دروازہ کھول دینا تھا۔ اس لیے اسی کے مسلمات و معتقدات سے اسے قائل کرنا چاہا ہے تا کہ اس کے لیے تاویلات کے الجھاوے ڈالنے [کی] کوئی گنجائش باقی نہ رہے، ورنہ وہ تو یہ چاہتا ہی تھا کہ کسی طرح بات بڑھتی جائے تا کہ کسی موڑ پر اس متزلزل اقتدار کو سہارا مل جائے۔ (نہج البلاغہ ترجمہ مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور حصہ سوم)

نہ تھے۔بہت دنوں تک معاویہ جریر کو ٹالتے رہے۔امیر المومنینؑ نے اپنے مکتوب میں ان کے لیے ساری راہیں مسدود کر دی تھیں۔بس دو راہیں کھلی ہوئی تھیں؛ یا تو سیدھے سیدھے وہ اطاعت قبول کریں یا پھر کھل کر دشمنی پر تیار ہو جائیں اور یہ دونوں باتیں انتہائی ہولناک تھیں۔معاویہ نے بہتری اسی میں سمجھی کہ جہاں تک بس چلے ٹال مٹول سے کام لیا جائے، ممکن ہے آئندہ کوئی صورت گلوخلاصی کی نکل آئے۔ایک مرتبہ جب جریر کا اصرار بہت بڑھا تو معاویہ نے کہا:

جریر! یہ جلد بازی کا موقع نہیں ہمیں ذرا دم لینے کا موقع دو۔

معاویہ کی ٹال مٹول اس لئے نہ تھی کہ انہیں سوچنے سمجھنے کا موقع نہ ملا تھا اور وہ ابھی کسی فیصلہ پر پہنچ نہ پائے تھے۔سوچ سمجھ تو وہ پہلے ہی چکے تھے اور انہیں جو فیصلہ کرنا تھا وہ فیصلہ بھی کر چکے تھے۔وہ تو فلسطین سے قاصد کے آنے کے منتظر تھے جواب تک نہیں پہونچا تھا۔

معاویہ نے جریر کے آنے پر اپنے بھائی عتبہ بن ابی سفیان سے مشورہ کیا تھا کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے خط کا کیا جواب دیا جائے؟ عتبہ نے مشورہ دیا تھا کہ اس معاملہ میں عمرو عاص سے مشورہ لو۔ان کی چالاکی و مکاری اور رائے سے واقف ہو۔وہ عثمان کے معاملہ میں کنارہ کش رہے، تمہارے معاملہ میں تو اور زیادہ بے تعلق رہیں گے، البتہ تم اگر ان کے دین کی قیمت دے سکو تو وہ فوراً بکنے پر تیار ہو جائیں گے۔وہ پکے دنیادار ہیں۔

عمر عاص ان دنوں فلسطین کے موضع سبع میں مقیم تھے۔معاویہ نے انہیں خط لکھا:

"جنگ جمل کے واقعات اور طلحہ و زبیر کا انجام تمہیں معلوم ہوا ہوگا۔اب یہ جریر بن عبداللہ بیعت کے متعلق علیؑ کا خط لے کر ہمارے پاس آئے ہیں۔میں بغیر تم سے ملے کوئی جواب دینا نہیں چاہتا۔جلدی آؤ تا کہ رائے مشورہ کر لوں۔"

جب عمرو عاص نے معاویہ کا یہ خط پڑھا تو اپنے بیٹوں عبداللہ اور محمد سے مشورہ کیا کہ ہمیں کیا جواب دینا چاہیے؟ عبداللہ نے کہا:

"ہمارا خیال تو یہ ہے کہ حریت پیغمبرِ خدا نے جس وقت رحلت فرمائی، آپ سے راضی تھے۔ابو بکر و عمر بھی مرتے وقت آپ سے خوش تھے۔عثمان جب قتل ہوئے تو آپ مدینہ میں تھے ہی نہیں۔آپ اپنے گھر بیٹھے رہیے۔آپ خلیفہ تو بن نہیں سکتے اور نہ ہی آپ کو پسند ہوگا کہ تھوڑی سی دنیا کے عوض معاویہ کے دم چھلا بن جائیں۔اس صورت میں ہلاکت بھی ہے اور بدبختی بھی۔"

محمد نے کہا:

ہماری رائے یہ ہے کہ آپ قریش کے بزرگ اور با اختیار شخصیت کے مالک ہیں۔اگر یہ معاملہ بغیر آپ کے طے ہو گیا اور آپ گھر میں گوشہ نشین رہے تو آپ کی قدر و منزلت گھٹ جائے گی۔شام والوں سے جا ملیے اور ان کے دست و بازو بن جائیے اور

عثمان کے خون کا مطالبہ کیجیے۔

عمروعاص نے کہا:

"عبداللہ! تم نے جو مشورہ دیا ہے اس میں ہمارے دین کی بھلائی ہے اور محمد تم نے جو مشورہ دیا ہے اس میں ہمارے دنیا کی بھلائی ہے۔ میں دونوں مشوروں پر غور کروں گا۔"

جب رات ہوئی تو عمروعاص نے کچھ اشعار بلند آواز سے پڑھنے شروع کیے۔ عبداللہ نے ان اشعار کو سن کر کہا: "اس بوڑھے نے اپنے دین کو دنیا کے عوض میں بیچ دیا اور شام جانا ہی طے کر لیا۔"

جب صبح ہوئی تو عمروعاص اپنے لڑکوں کے ہمراہ شام روانہ ہو گئے، مگر دل کا تذبذب اور اندرونی کشمکش ابھی تک زائل نہ ہوئی تھی۔ اپنے غلام وردان سے کبھی کہتے: آگے بڑھو، کبھی کہتے رک جاؤ۔ وردان نے کہا: حضور! آپ سٹھیا گئے ہیں؟ اگر کہیے تو میں آپ کے دل کی بات کہہ دوں؟ عمروعاص نے کہا: تمہارا ناس ہو، کہو کیا کہتے ہو؟ وردان نے کہا:

"دنیا و آخرت دونوں اس وقت آپ کے دل میں ہیجان برپا کیے ہوئے ہیں۔ آپ سوچتے ہیں کہ آخرت علیؑ کے ساتھ ہے مگر دنیا نہیں، اور معاویہ کے ساتھ دنیا ہے اور آخرت نہیں۔ آپ انہیں دونوں کے درمیان مذبذب ہیں۔"

عمروعاص مسکرائے۔ بولے: کہتے تو ٹھیک ہو، مگر تمہاری رائے کیا ہے؟

وردان نے کہا:

"ہماری رائے تو یہ ہے کہ آپ گھر میں بیٹھ رہیے۔ اگر دین والے کو کامیاب ہوئے تو آپ ان کے حلقہ میں بسر کیجیے گا۔ اگر دنیا والے غالب ہوئے تو وہ ہر حال میں آپ کی ضرورت مند ہوں گے۔"

عمروعاص کچھ دیر سوچتے رہے اور آخر ایک فیصلہ پر پہونچ کر بولے:

"ایسی صورت میں لوگوں کو میرا معاویہ کی طرف جانا کیسے معلوم ہو گا؟ چلو شام کی طرف چلو۔"

(4)

جس وقت یہ دونوں شاطر باہم ملے ہیں، کچھ دیر تک ایک دوسرے کو تولتے رہے۔ دونوں گھات میں تھے، ایک دوسرے سے ہوشیار، جوڑ توڑ میں برابر ہونے کی وجہ سے دونوں کا میل لوہے کی لوہے سے ٹکر تھی۔ زمانہ کی نیرنگی کہ بنی سہم و بنی امیہ کے دونوں شاطر ایک جگہ مجتمع ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ عمروعاص نے فلسطین سے دمشق تک کا طولانی سفر محض معاویہ پر اپنا داؤں کرنے کی خاطر نہیں کیا تھا، نہ اپنی شان و شوکت دکھانے اور بڑائی جتانے کے لئے معاویہ نے انہیں بلایا تھا۔ حوادث و

انقلابات معاویہ کو مجبور کر رہے تھے کہ عجلت سے کام لیں۔ وقت گزرا جا رہا تھا۔ موقع آتا تھا اور چلا جاتا تھا اور گیا ہوا وقت پھر پلٹ کر آتا نہیں۔ عمرو عاص فائدہ ہی کو ملحوظ رکھ کر آئے تھے۔ انہوں نے دین و آخرت خرچ کیا تھا۔ ہر قدم پر اپنے ضمیر کا خون بہاتے ہوئے آئے تھے۔ وہ بیوقوف نہ تھے کہ معاویہ کے فقروں میں آجاتے۔ وہ ان کی حیلہ سازیوں سے بخوبی واقف تھے۔ وہ اس لیے نہ آئے تھے کہ حق کی خاطر ان کا ساتھ دیں اور انتقام خون عثمان لینے میں ان کی مدد کریں، بلکہ وہ محض نفع کے خیال سے آئے تھے اور یہی نفع نقطہ اتحاد بن سکتا تھا ان دونوں کے درمیان۔

عمرو عاص نے اشاروں کنایوں کو چھوڑ کر صاف صاف لفظوں میں کہا:

خدا کی قسم، معاویہ! تمہارا اور علی علیہ السلام کا کوئی مقابلہ نہیں۔ نہ تمہیں ان کی ہجرت حاصل ہے نہ سابقیت نہ صحبت نہ جہاد نہ فقہ نہ علم۔ قسم بخدا! وہ ہر بات میں درجہ کمال پر فائز ہیں۔ ہر شرف میں ان کا وافر حصہ ہے۔ وہ خدا کی ہر آزمائش میں کامیاب اترے ہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ اگر ان سے لڑنے میں تمہارا ساتھ دوں تو مجھے کیا دو گے؟ یہ جانتے ہی ہو کہ کتنا خطرناک کام ہے؟

معایہ: جو تم مانگو۔

عمرو عاص: میں تو مصر کی حکومت مانگتا ہوں۔

معاویہ اس مطالبہ سے گھبرا گئے۔ یا تو اس وجہ سے کہ مطالبہ بہت بڑا تھا یا وہ اپنے حلیف کو خباثت سے ڈر گئے۔ لیکن انہوں نے اپنے شکوک شبہات سے قطع نظر کے نرمی اور چاپلوسی سے کام لیتے ہوئے کہا:

معاویہ: ابو عبداللہ! مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ تمہارے متعلق عرب والے یہ کہتے پھریں کہ تم اس کام میں دنیاوی غرض لے کر شریک ہوئے۔

عمرو عاص: نہیں دیتے تو جانے دو۔

یہ کہہ کر عمرو عاص اٹھ کھڑے ہوئے اور واپس جانے لگے۔ لیکن معاویہ نے روک لیا اور مسکرا کر کہنے لگے۔

معاویہ: اگر میں چاہتا تو تم سے جھوٹا وعدہ کر لیتا اور پھر مکر جاتا۔

عمرو عاص: ہرگز نہیں میرے ایسے آدمی کو دھوکا دینا آسان نہیں۔ میں تم سے زیادہ عقلمند ہوں۔

معاویہ: اچھا ذرا کان میرے قریب لاؤ، کان میں ایک بات کہوں۔

عمرو عاص قریب گئے اور اپنا کان معاویہ کے ہونٹوں سے ملا دیا۔ معاویہ نے ان کا کان دانتوں سے کاٹ لیا اور کہا۔

معاویہ: دیکھو، یوں دھوکا دیتے ہیں۔

پھر ہنس کر کہنے لگے:

"ابا عبداللہ! تمہیں معلوم ہے کہ مصر بھی عراق ہی طرح علی علیہ السلام کے قبضہ میں ہے۔"

عمرو عاص: ٹھیک ہے مگر مصر میں اس وقت مانگتا ہوں جب وہ تمہارا ہو جائے اور مصر تمہارا اس وقت ہوگا جب عراق بھی تمہارے قبضہ میں آجائے۔

اتنی گفتگو کے بعد معاویہ کے دل میں اب بھی کچھ خوف باقی تھا۔ وہ متردد تھے کہ عمرو عاص پر بھروسہ کرنا ٹھیک بھی ہوگا یا نہیں۔ ان کی دوستی منصب اپنے نفع کی خاطر ہے۔ ہر بات میں وہ پہلے اپنا ہی نفع دیکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ انہیں اس میں شک نہیں تھا کہ عمرو عاص مرد چالاک ہیں۔ مشکل مسئلوں میں ان کی رائے بہت دور اندیشی پر مبنی ہوتی ہے۔ مکر و فریب میں وہ بے نظیر ہیں۔ پریشانیکے وقت وہ گھبراتے نہیں۔ آج سے پہلے بھی وہ لڑائیوں میں اپنی دانشمندی کا ثبوت دے چکے ہیں۔ مصر انہیں نے فتح کیا تھا اور عرصہ دراز تک بڑی خوش اسلوبی کے وہاں حکومت کی تھی اور بہت ممکن کہ اب بھی وہاں ان کے کچھ ہوا خواہ موجود ہوں۔ رات بھر وہ کشمکش میں مبتلا رہے کہ عمرو عاص کی شرط قبول کریں یا نہیں۔ ان کے بھائی عتبہ بن ابی سفیان نے کہا:

"عمرو عاص کو مصر کے بدلے خرید لینے میں کیا حرج ہے؟ جب مصر تمہارے قبضہ میں آجائے، دے دینا۔"

آخر معاویہ راضی ہو گئے اور دونوں میں عہد و پیمان ہو گئے۔ ہر ایک نے قسم کھائی کہ کوئی کسی کو دھوکا نہ دے گا۔

عہد و پیمان کے بعد عمرو عاص کے دونوں لڑکے ان سے ملے۔ پوچھا:

"آپ میں اور معاویہ میں کیا ٹھہری؟"

عمرو عاص: معاویہ نے مصر ہمیں دے دیا۔

لڑکوں نے کہا: مصر تو ملک عرب میں داخل نہیں۔

عمرو عاص: خدا نے اگر تمہارا مصر سے پیٹ نہ بھرا تو پھر کسی چیز سے نہ بھرے۔

اسی وقت سے عمرو عاص معاویہ کو دست و بازو بن گئے۔ جن مشکلات میں معاویہ کی عقل کام نہیں کرتی، عمرو عاص ہی ان کی رہنمائی کرتے۔

(کتاب صفین، ابن مزاحم ص 20 تا 24 / کامل للمبرد، جلد 1، ص 221 / شرح ابن ابی الحدید جلد ا ص 126 تا 128 / تاریخ یعقوبی جلد ۲، ص 161 تا 163 / رغبۃ الامل شرح کامل للمبرد، جلد ۳ ص ۲۰۸ / قصص العرب، جلد ۲ ص ۳۶۲ / الامام علی جلد سوم)

(5)

معاویہ نے عمروعاص سے کہا:

اے ابوعبداللہ! آج ہمیں تین خبریں بڑی تشویش انگیز پہونچی ہیں۔سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟

عمروعاص: کیا خبریں ہیں؟

معاویہ: محمد ابن حذیفہ مصر کا قید خانہ توڑ کر اپنے اصحاب سمیت نکل کھڑے ہوئے اور یہ بڑی سخت آفت ہے۔

عمرعاص: ایسے شخص کو اہمیت ہی کیوں دیتے ہو جو اپنے جیسے نوجوانوں کے ساتھ نکل بھاگا ہے۔تم ایک لشکر بھیج دو جو انہیں قتل کر آئے یا تمہارے پاس گرفتار کر لائے۔

اس مشورہ کی بنا پر مالک بن ہبیرہ کندی کے زیر سرکردگی ایک فوج روانہ کی گئی۔مالک نے مصر میں داخل ہونا چاہا مگر مصر میں داخلہ آسان نہ ہوا۔آخر مکروفریب کا جال بچھایا گیا۔محمد دھوکے میں آگئے۔مٹھی بھر ساتھیوں کے ساتھ مالک سے گفتگو کرنے کے لئے شہر سے باہر نکلے۔مالک نے غداری کر کے انہیں نرغہ میں لے لیا اور محمد لڑتے ہوئے مارے گئے۔

معاویہ: اور دوسری تشویش ناک بات یہ ہے کہ قیصر روم نے شام پر حملہ کرنے کے لئے فوج بھیجی ہے۔

عمروعاص: تم قیصر روم کے پاس لونڈی، غلام، سونے چاندی کے ظروف تحفہ و تحائف کے طور پر بھیج دو اور اس سے صلح کی درخواست کرو۔وہ ضرور مان لے گا۔

معاویہ نے ایسا ہی کیا۔بے شمار سونا، قیمتی اشیا، بہترین کنیزیں اور غلام قیصر کے پاس ہدیۃً روانہ کیے اور لڑائی سے باز رہنے کی درخواست کی۔

معاویہ: تیسری بات یہ ہے کہ علی کوفہ پہنچ چکے ہیں اور وہاں سے ہم پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

علی!!!

یہ تھی تو سوگتھیوں کی ایک گتھی تھی، جس کے کھولنے میں بڑے بڑے مکروغریب کے پتلے اور چالاکی کے مجسمے عاجز تھے۔علی پر حملہ آور ہونا ہی آسان تھا نہ خوشامد چاپلوسی کی کوئی چال ہی ان کے ساتھ چلی جاسکتی تھی۔دو ہی صورتیں تھیں: یا علیؑ کی بیعت، پھر ان کی تلوار۔محمد بن حذیفہ کو مکروفریب سے قتل کرا کے مصر کی طرف سے یکسوئی حاصل کر لینا آسان تھا۔قیصر روم کو تحفہ تحائف دیکر ٹال دینا بھی کچھ مشکل نہ تھا، مگر علیؑ کا معاملہ اتنا آسان نہ تھا کہ عمروعاص جھٹ سے کوئی مشورہ دے دیتے۔

یہ بوڑھا گھاگ دیر تک سر جھکائے سوچتا گیا۔پیشانی پر بے شمار شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔کچھ دیر کے لئے ہونٹ کانپے

جیسے کچھ کہنا چاہتے ہوں، مگر خوف کے مارے زبان سے الفاظ نکالنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ تھوڑی دیر غور وفکر میں غرق رہنے کے بعد آنکھیں پھر چمکنے لگیں اور ہونٹوں پر مسکراہٹ ناچنے لگی۔ معاویہ نے پوچھا: کہو کیا رائے ہے علی کے متعلق؟

عمرو عاص: رائے تو میری ان کے متعلق اچھی ہی ہے۔

اس کے بعد عمر عاص نے کہا:

"ابویزید! بیعت کا پیام تمہارے پاس وہ لے کر آیا ہے جو عراق کا منتخب انسان ہے اور ایسے شخص کی طرف سے پیغام لے کر آیا ہے جو تمام لوگوں سے بہتر ہے۔ تمہارا اہل شام کی اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ اس بیعت کے پیام کو رد کر دیں، یہ بے حد خطرناک ہے۔

معاویہ: پھر تمہاری رائے کیا ہے؟

عمرو عاص: میری رائے یہ ہے کہ اہل شام کا سر کردہ شرحبیل بن سمط کندی ہے اور اس میں اور جریر میں پرانی عداوت ہے۔ تم شرحبیل کے پاس آدمی بھیجو اور اپنے بھروسہ کے لوگوں کو ترغیب دو کہ عوام میں پروپاگنڈہ کریں کہ علیؑ ہی نے عثمان کو قتل کیا ہے۔ یہ پروپاگنڈہ کرنے والے ایسے لوگ ہوں جنہیں شرحبیل بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھتا ہو۔ یہی پروپاگنڈہ تمہاری مقصد بر آری کرے گا اور شام والوں کو تمہاری حمایت پر متحد بنائے گا، اور جب شرحبیل کے دل میں کوئی بات بیٹھ جائے گی تو پھر قیامت تک نکلے گی نہیں۔

معاویہ کے سینے پر سے بھاری بوجھ ہٹ گیا۔ بے ساختہ بول اٹھے:

شرحبیل!

عمرو عاص: ہاں شرحبیل جو جریر کا پرانا دشمن ہے۔

معاویہ نے اسی وقت شرحبیل کے پاس قاصد کو یہ خط دیکر روانہ کیا۔

"جریر بن عبداللہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے پاس سے، بہت ہولناک پیام لے کر آئے ہیں۔ جلدی آؤ۔"

خط روانہ کر کے معاویہ نے یزید بن اسد، بسر بن ارطاۃ، عمرو بن سفیان، مخارق بن حارث، حمزہ بن مالک، حابس بن سعد الطائی کو اپنے پاس بلایا۔ یہ لوگ قطابن ویمن کے سرداران قبائل تھے۔ شرحبیل کے ہم قوم اور ہم قبیلہ اور معاویہ کے مخصوص احباب و مقربین بارگاہ۔ معاویہ نے انہیں تاکید کی کہ شرحبیل جب آئیں تو ان سے ملنا اور انہیں یقین دلانا کہ علی علیہ السلام ہی نے عثمان کو قتل کیا ہے۔

شرحبیل کے پاس جب معاویہ کا یہ خط پہنچا تو اس نے حمص کے معززین کو بلا کر مشورہ کیا۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔

ابن غنم نے کہا:

''ہمیں عثمان کے قتل کی خبر دی گئی ہے اور یہ کہا گیا کہ علیؑ نے انہیں قتل کیا ہے۔ اگر علی ہی نے انہیں قتل کیا ہو تب بھی مہاجرین وانصار نے ان کی بیعت کر لی ہے اور وہی لوگ ارباب حل وعقد ہیں اور اگر علیؑ نے انہیں قتل نہیں کیا تو پھر کس بات پر معاویہ کا ساتھ دو گے؟''

عائض ثمالی نے کہا: ''اس گمراہ کرنے والے کی بات ٹھکرا دو۔ یہ حرب کا بیٹا تمہارے ساتھ چال کرنا چاہتا ہے۔''

لیکن شرحبیل کے دل میں پہلے ہی سے کھوٹ تھا۔ اس نے سب کے مشورے ٹھکرا دیے اور شام جانے پر ہی مصر رہا۔ ابن غنم نے جب دیکھا کہ شرحبیل کس طرح ماننے پر تیار نہیں، ایک مرتبہ پھر تنبیہ کرتے ہوئے کہا:

''شرحبیل بن سمط! اپنے کو اور اپنی قوم کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اے شرحبیل! اگر تمہیں یہ پسند نہیں کہ معاویہ سے بیعت لینے کا سارا شرف جریر ہی سمیٹ لے تو بہتر یہی ہے کہ تم جلد از جلد علیؑ کے پاس پہنچو اور شام اور اپنی قوم والوں کی طرف سے ان کی بیعت کر لو۔''

مگر شرحبیل نے کوئی توجہ نہ کی اور شام کی طرف روانہ ہو گیا۔

(6)

عمرو عاص سے مشورہ لینے اور ان پر عمل کرنے کے بعد معاویہ مطمئن نہیں ہوئے۔ عمرو عاص نے جیسا سوچا ہے بعینہ ویسا ہی ظہور میں بھی آ جائے گا، انہیں اس کا یقین نہیں تھا۔ انہیں ادھڑ کا ہوا تھا کہ کہیں تدبیر کارگر نہ ہوئی تو پھر میرا کیا حشر ہو گا۔ معاویہ محض قیاسات پر بھروسہ کرنے والے آدمی نہ تھے نہ موہوم نتائج کے ہاتھوں اپنا اور اپنی حکومت کا انجام سپرد کر سکتے تھے۔ وہ ایسے سادہ لوح بھی نہ تھے کہ اپنے کو اتفاقات کے حوالہ کر دیتے۔ شرحبیل ایسے آدمی پر اطمینان کر لیتے جو ان کا مخالف بھی نکل سکتا تھا اور موافق بھی۔ یا یمن کے سرداروں پر اطمینان کر لیتے، جن کا باہمی اختلاف اور چپقلش معمولی بات تھی۔ وہ بہرحال اس پل کو باقی رکھنا چاہتے تھے جو ان کے مستقبل کو ماضی سے ملائے رکھے۔ انہیں ترددات وخیالات کے تحت رات کے وقت وہ جریر سے ملے اور کہا۔

معاویہ: جریر! میں نے ایک رائے سوچی ہے۔

۱۔ متن کتاب میں یہاں پر ایک لفظ ہے جو پڑھا نہیں جا سکا۔

جریر: وہ کیا؟

معاویہ: تم اپنے امیر کو لکھو کہ شام اور مصر میرے پاس رہنے دیں۔

جریر: پھر تم بیعت کرلو گے؟

معاویہ: اور جب وہ دنیا سے اٹھنے لگیں تو اپنے بعد کسی کے لیے بیعت مجھ سے نہ لیں۔ پھر میں ان کی اطاعت قبول کرلوں گا اور انہیں خلیفہ تسلیم کرلوں گا۔

جریر کچھ دیر سوچتے رہے۔ امیر المومنینؑ اگر ایسا منظور کرلیں تو ان کا کیا نقصان ہوگا۔ شاید اس طرح آپس کی پھوٹ دور ہو جائے گی اور مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو جائے۔ کچھ دیر کے بعد جریر نے کہا۔

جریر: اچھا جو تم چاہتے ہو لکھو میں بھی تمہارے خط میں لکھ دوں گا۔

اگر جریر امیر المومنین کے احکام کی پوری پابندی کرتے اور حضرتؑ نے جو لائحہ عمل ان کے لئے تجویز کر دیا تھا اس کے پابند رہتے تو معاویہ کے خط میں ایک کلمہ بھی تحریر نہ کرتے، نہ اس قسم کی سودے بازی انہیں گوارا ہوتی۔ امیر المومنینؑ نے انہیں اس لئے بھیجا تھا کہ معاویہ سے غیر مشروط طور پر بیعت لیں۔ معاویہ کا بے چون و چرا اطاعت قبول کرنا ہی واحد راستہ تھا مسلمانوں کی شیرازہ بندی کا، لیکن جریر اپنے حدود سے تجاوز کر گئے اور قاصد کے فریضہ میں انہوں نے کوتاہی کی۔ ان کے دل میں جو چور تھا وہ ایک مرتبہ پھر ظاہر ہو گیا۔ کوفہ سے چلنے کے وقت بھی ان کی زبان سے اسی قسم کا فقرہ نکل گیا تھا اور یہاں بھی اسی قسم کے خیالات انہوں نے ظاہر کیے۔ غالباً سچ ہی کہا تھا مالک اشتر نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ جریر کا میلان بھی شام والوں کی طرف ہی ہے۔ جریر کے رویہ کو دیکھ کر یہی گمان ہوتا ہے کہ یہ باطن خائن تھے۔ ان کا شروع ہی سے میلان معاویہ کی طرف تھا یا ممکن ہے ان کی نیت میں کھوٹ نہ ہی ہو بلکہ دھوکا کھا گئے ہوں۔

امیر المومنینؑ بہر حال اپنی جگہ ثابت قدم تھے۔ آپؑ نے جو طے کر لیا تھا کہ ہم بغیر کسی کجی اور انحراف کے صراط مستقیم پر گامزن رہیں گے تو آپ نے اپنے قصد و ارادہ میں فرق نہ آنے دیا۔ باطل سے سودا کرنے والے انسان آپ نہ تھے۔ سانپ کی دم کاٹ کر چھوڑ دی جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ پھر وہ کاٹے گا نہیں۔ امیر المومنینؑ نے جریر کو صاف صاف لکھا:

”معاویہ کی غرض یہ ہے کہ میری بیعت کا پابند نہ ہو اور اپنے منصوبوں میں آزاد رہے۔ ٹال مٹول کر کے تمہیں صرف اس لیے روک رہا ہے کہ اہل شام کو اچھی طرح ٹٹول لے۔ میں مدینہ ہی میں تھا کہ مغیرہ بن شعبہ نے صلاح دی تھی کہ معاویہ کو شام کا گورنر رہنے دوں مگر میں نے منظور نہیں کیا تھا۔ خدا نہ کرے گمراہ کرنے والوں کو اپنا مددگار بناؤں۔ معاویہ بیعت کرے تو ٹھیک ہے

ورنہ لوٹ آؤ۔"

ٹال مٹول سے معاویہ کی جو غرض تھی وہ پوری ہوگئی۔خط کے جانے اور پھر جواب آنے میں اتنی تاخیر ہوئی کہ اس عرصہ میں شرجبیل کی جماعت معاویہ کی حمایت پر مستعد ہوگئی۔معاویہ کا خط پا کر شرجبیل حمص سے روانہ ہو چکے تھے۔شام جب پہنچے تو معاویہ نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔تخلیہ میں گفتگو ہونے لگی۔

معاویہ: شرجبیل! جریر بن عبداللہ ہم سے علی کی بیعت کے طالب ہیں۔علی تمام لوگوں میں بہتر بھی ہیں مگر وہ عثمان کے قاتل ہیں۔

شرجبیل کچھ دیر سوچتے رہے۔دمشق میں داخل ہونے کے بعد ہر چھوٹے بڑے سے وہ یہی فقرہ سنتے رہے کہ علی عثمان کے قاتل ہیں۔اب وہی فقرہ معاویہ کی زبان پر بھی تھا۔تھوڑی دیر کے بعد شرجبیل نے کہا:

شرجبیل: آپ کی رائے کیا ہے؟

معاویہ نے خوشامدانہ لہجے میں کہا: میں بغیر آپ لوگوں کی رائے کے کیا فیصلہ کر سکتا تھا۔میں بھی شام ہی کا ایک شخص ہوں۔ جس پر شام والے راضی رہیں گے میں بھی راضی۔جو انہیں ناپسند ہوگا مجھے بھی ناپسند ہوگا۔

شرجبیل: اچھی بات ہے میں ٹھہر کر آپ کو اس کا جواب دوں گا۔

(7)

شرجبیل باہر نکلے پھر ان کے کانوں میں صدائیں گونجنے لگیں: علیؑ عثمان کے قاتل ہیں۔علیؑ عثمان کے قاتل ہیں۔وہ جدھر جاتے، یہی آواز آتی۔جس سے ملتے وہ یہی کہتا۔آخر شرجبیل کو غصہ آگیا۔بپھرے ہوئے معاویہ کے پاس پہونچے اور کہنے لگے:

"معاویہ! ہر ایک یہی کہتا ہے کہ علیؑ نے عثمان کو قتل کیا۔خدا کی قسم! اگر علی نے جیت کی، ہم تمہیں شام سے نکال دیں گے یا قتل ہی کر ڈالیں گے۔"

تیر نشانے پر بیٹھا۔معاویہ کی چال کامیاب ہوگئی۔مسرت کو چھپاتے ہوئے انہوں نے خاکساری کے لہجے میں کہا:

"میری کیا مجال کہ تم لوگوں کے خلاف جا سکوں میں بھی تو شام ہی کا ایک شخص ہوں۔

شرجبیل: تو پھر جریر کو واپس کر دو۔

اس کے بعد شرجبیل جریر کے پاس جا کر کہنے لگے:

"یہ تم ہم لوگوں کو فریب دینے آئے تھے؟ ہم لوگوں کو شیر کے منہ میں ڈال دینے کا ارادہ تھا؟ علیؑ کی تعریف میں اتنا مبالغہ

کرتے ہو حالانکہ وہی عثمان کے قاتل ہیں۔"

جریر نے ٹوکا: یہ تم جھوٹی تہمت لگا رہے ہو۔ تمہیں واقعات کا کچھ علم ہی نہیں۔ تم کہتے ہو کہ میں تمہیں فریب دینے آیا ہوں۔ بھلا علیؑ کی بیعت کا مطالبہ فریب کیونکر ہو سکتا ہے۔ علیؑ کی بیعت تمام مہاجرین وانصار کر چکے ہیں اور اس بیعت کے توڑ دینے ہی پر طلحہ وزبیر سے لڑائی لڑی گئی۔ تمہارا یہ کہنا کہ میں تمہیں شیر کے منہ میں ڈال دینا چاہتا ہوں، تو میں نہیں، تم خود اپنے کو شیر کے منہ میں ڈال رہے ہو۔ یہ اتہام کہ علیؑ نے عثمان کو قتل کیا۔ خدا کی قسم! صریحی تہمت و بہتان ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ تم پر دنیا کی محبت غالب آگئی ہے۔ اسی کیساتھ تم پرانا کینہ بھی مجھ سے نکال رہے ہو۔

دونوں میں تکرار ہونے لگی۔ عداوت تو پہلے ہی سے دلوں میں تھی، اس کے مظاہرہ کا موقع بھی ہاتھ آگیا۔ جریر علیؑ کی حمایت کر رہے تھے اور شرجبیل معاویہ کی مگر حقیقت میں دونوں پرانے کینے نکال رہے تھے۔ اس تو تو میں میں اور جھگڑے تکرار سے یہ ضرور ہوا کہ چند لمحوں کے لیے شرجبیل پھر شک وشبہہ میں پڑ گئے۔ دل میں یہ بات کھٹکنے لگی کہ کہیں ہمارے ساتھ فریب تو نہیں کیا جا رہا ہے؟ اسی موقع پر شرجبیل نے اپنے ایک بھانجے کا ایک شعر بھی سنا۔ اگر اس پر انہیں غور کرنے کا موقع مل جاتا تو وہ معاویہ کے مخالف کیمپ ہی میں ہوتے، مگر معاویہ نے کچی گولیاں نہ کھیلی تھیں۔ انہوں نے پروپاگنڈہ کا ایسا انتظام رکھا تھا کہ ایک لحہ کے لیے بھی شرجبیل کو سوچنے سمجھنے کا موقع نہ ملا اور آخر ان کی قسمت پر ہمیشہ کے لیے مہر لگ گئی اور معاویہ کے ہاتھوں پورے طور پر بک گئے۔

دمشق چھوڑنے سے پہلے وہ پھر معاویہ کے پاس پہنچے اور پھر کہا:

"تم امیر المومنین عثمان کے عامل ہو، ان کے ابن عم بھی ہو اور ہم لوگ مومنین ہیں۔ اگر تم نے علیؑ اور قاتلین عثمان سے جنگ کی اور اس وقت تک لڑتے رہے جب تک کہ ہم یا تو مقتول خلیفہ کا بدلہ لے لیں یا پھر ختم ہو جائیں، تب تو ہم تمہیں عامل باقی رکھیں گے ورنہ تمہیں معزول کر دیں گے اور جس کو چاہیں گے اس کو عامل بنا کر اس کے ساتھ قاتلین عثمان سے جنگ کریں گے، یہاں تک کہ ہم لوگ عثمان کا انتقام لے لیں یا پھر ہلاک ہو جائیں۔"

معاویہ تو یہی چاہتے بھی تھے۔ انہوں نے ایک جو اکھیلا تھا اور اس میں کسی حد تک کامیاب رہے۔ اب ان کی تدبیریں رنگ لانے والی تھیں۔ شرجبیل اپنے وطن جا رہے تھے جہاں ان کے قوم وقبیلہ کی بہت بڑی تعداد تھی، جہاں کی آبادی ان کی اطاعت کا دم بھرتی تھی۔ شرجبیل وہاں پہنچنے پر یقیناً اپنے خیالات کی تبلیغ کریں گے اور ان کی آواز گوشہ گوشہ میں پہونچ جائے گی۔ اس طرح سارے علاقے حمص کی حمایت یقینی تھی۔ مگر اس کے بعد بھی معاویہ طے نہ کر سکے کہ جریر کو کیا جواب دیا جائے۔ جریر کو آئے بھی

مہینے ہو چکے تھے اور اب مزید تاخیر کی گنجائش نہ تھی۔ وہ اب تک جریر سے مہلت لیتے جا رہے تھے۔ اس توقع میں کہ عمرو عاص کی سازشیں کامیاب ہوں۔ جان بچنے کی کوئی راہ پیدا ہو جائے۔ شرجبیل پھندے میں آ چکے تھے۔ اب اتنی دیر تھی کہ شرجبیل وہاں پہونچ لیں اور وہاں کے قبائل کو جا کر ہمنوا بنالیں۔ جریر ان کے پاس بیٹھے امیر المومنین کا وہ خط سنا رہے تھے اور معاویہ بت بنے خط سن رہے تھے:

"امابعد میرا خط پاتے ہی معاویہ کو صاف جواب دینے پر مجبور کر دو۔ پکی ٹھوس بات اس کے سامنے رکھ کے جواب طلب کرو۔ کہو کہ بربادکن جنگ اور رسواکن امن میں سے ایک کو اپنے لئے پسند کر لے۔ جنگ پسند کرے تو اس سے لڑا جائے۔ امن پسند کرے تو اس سے بیعت لے کر واپس چلے آؤ۔"

معاویہ کے کان جریر کی آواز پر لگے ہوئے تھے مگر ذہن شرجبیل کے پیچھے پیچھے تھا۔ شرجبیل اب حمص پہنچے ہوں گے۔ وہاں لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا رہے ہوں گے۔ ان کا دل شرجبیل کے ساتھ تھا اور آنکھیں شرجبیل کے نقش قدم پر تھیں اور دھیان اس خط پر لگا ہوا تھا جو شرجبیل کے جانے کے بعد ہی انہیں معاویہ نے لکھا تھا۔ معاویہ کی تدبیر یہ تھی کہ شرجبیل حمص پہنچنے کے بعد صرف علیؑ کے مخالف ہو کر بیٹھ نہ رہیں بلکہ اپنی مخالفت اور غیظ وغضب کی ہر جگہ تبلیغ کریں اور جس جس کو بھی برگشتہ کرنا ممکن ہو کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔ معاویہ نے اپنے اس خط میں لکھا تھا:

"یہ بات جسے تم اچھی طرح سمجھ چکے ہو، اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی جب تک عوام بھی راضی ہوں، لہٰذا تم شام کے ہر ہر شہر میں جاؤ اور اعلان کرو کہ علیؑ ہی نے عثمان کو قتل کیا ہے۔ تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ عثمان کے خون کا انتقام لیں۔"

جریر، امیر المومنینؑ کا تازہ خط سنا رہے تھے اور معاویہ کا دھیان شرجبیل کی طرف لگا ہوا تھا۔ ایک مرتبہ وہ چونکے۔ جریر حضرتؑ کا یہ فقرہ پڑھ رہے تھے:

أَرَاكَ قَدْ وَقَفْتَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ كَأَنَّكَ تَنْتَظِرُ شَيْئاً فِي يَدَيْ غَيْرِكَ۔

"میرا خیال ہے جریر! کہ تم حق و باطل کے درمیان کھڑے ہو گویا تم ایسی چیز کے انتظار میں ہو جو تمہارے غیر کے ہاتھوں میں ہے۔"

معاویہ نے ایک لمحہ کے لیے گھبرا کے جریر کو دیکھا پھر بولے:

آئندہ صحبت میں مَیں آخری فیصلہ سے تمہیں آگاہ کردوں گا۔[1]

مگر اس نشست کی نوبت اس وقت آئی جب شرجیل نے حمص پہنچ کر کام پورا کرلیا اور معاویہ کی تجویز کے مطابق لوگوں کو علیؑ کے مخالف اور ان کے خلاف صف بستہ کرچکے تھے۔ یہ ضرور ہے کہ شرجیل کی کچھ خدا پرستوں نے مخالفت بھی کی مگر ان کی آواز نقارخانہ میں طوطی کی آواز تھی۔ شرجیل نے ہر جگہ زہر پھیلا دیا اور شام میں کوئی شہر ایسا نہ رہا جو ان کا ہمنوا نہ ہوگیا ہو۔ ہر جگہ انہوں نے یہی تبلیغ کی کہ علیؑ نے عثمان کو قتل کیا ہے۔ اس پر کچھ لوگ غضبناک ہوئے۔ علیؑ نے انہیں بھی قتل کردیا اور سب کو شکست دے کر تمام ملک پر قابض ہوگئے اور وہ تلوار کاندھے پر رکھ کر تمہاری طرف آنے ہی والے ہیں۔ ہمارے خیال میں معاویہ کے علاوہ کوئی ایسا نہیں جو ان سے ٹکر لے سکے لہٰذا تم لوگ تیار ہوجاؤ اور معاویہ کی مدد کے لیے چل کھڑے ہو۔

جب شرجیل شہر شہر کا دورہ کرکے فارغ ہوچکے اور دیکھا کہ میری کوشش بارآور ہورہی ہے تو انہوں نے سوچا کہ معاویہ کا صرف امیر ہونا کافی نہیں۔ انہیں خلیفہ ہونا چاہیے کیونکہ عثمان کے خون کا بدلہ بغیر کسی خلیفہ کے ساتھ ہوئے لینا ممکن نہیں۔ انہوں نے معاویہ کو لکھا:

"آپ نے یہ لکھ کر کہ میں آپ کے امیر ہونے پر بیعت کروں بڑی زبردست غلطی کی ہے۔ آپ عثمان کے خون کا بدلہ لینا چاہتے ہیں اور آپ خلیفہ نہیں اس لیے میں نے اور میرے ساتھ کے لوگوں نے آپ کی خلافت پر بیعت کرلی ہے۔"

معاویہ اس خط کو پڑھ کر بہت خوش ہوئے۔ لوگوں کو بلایا۔ منبر پر گئے اور انہیں شرجیل کا خط پڑھ کر سنایا اور پھر شام والوں سے بھی تحریک کی کہ تم بھی میری خلافت پر بیعت کرلو۔ جب بیعت ہوگئی اور معاویہ استوار ہوگیا، تب معاویہ نے جریر کو بلا کر کہا: اب تم خط کا جواب لے کر جاسکتے ہو۔

(کتاب صفین ابن مزاحم، ص 49 تا 50 / کامل ابن اثیر، ج 3، ص 119 / شرح ابن ابی الحدید، ج 1 ص 129، 249، 250 / استیعاب حالات شرجیل، ج 1، ص 589 / اسد الغابہ، ج 2، ص 392 / الامام علی ابن ابی طالب، ج 3)

---

[1] کتاب وقعۃ الصفین النص، ص 44 پر یہ روایت اس طرح موجود ہے: فِي حَدِيثِ مُحَمَّدٍ وَصَالِحٍ بْنِ صَدَقَةَ قَالَ او كَتَبَ عَلِيٌّ إِلَى جَرِيرٍ بَعْدَ ذَلِكَ۔ أَمَّا بَعْدُ فَإِذَا أَتَاكَ كِتَابِي هَذَا فَاحْمِلْ مُعَاوِيَةَ عَلَى الْفَصْلِ وَخُذْهُ بِالْأَمْرِ الْجَزْمِ ثُمَّ خَيِّرْهُ بَيْنَ حَرْبٍ مُجْلِيَةٍ أَوْ سِلْمٍ مُخْزِيَةٍ فَإِنِ اخْتَارَ الْحَرْبَ فَانْبِذْ لَهُ وَإِنِ اخْتَارَ السِّلْمَ فَخُذْ بَيْعَتَهُ. فَلَمَّا انْتَهَى الْكِتَابُ إِلَى جَرِيرٍ أَتَى مُعَاوِيَةَ فَأَقْرَأَهُ الْكِتَابَ فَقَالَ لَهُ: يَا مُعَاوِيَةُ إِنَّهُ لَا يُطْبَعُ عَلَى قَلْبٍ إِلَّا بِذَنْبٍ وَلَا يُشْرَحُ صَدْرٌ إِلَّا بِتَوْبَةٍ وَلَا أَظُنُّ قَلْبَكَ إِلَّا مَطْبُوعاً أَرَاكَ قَدْ وَقَفْتَ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ كَأَنَّكَ تَنْتَظِرُ شَيْئاً فِي يَدَيْ غَيْرِكَ قَالَ مُعَاوِيَةُ: أَلْقَاكَ بِالْفَيْصَلِ أَوَّلَ مَجْلِسٍ إِنْشَاءَ اللَّهُ۔

تیسری فصل

سرد جنگ

جریر کی واپسی میں جتنی تاخیر ہوتی جارہی تھی اتنا ہی کوفہ کے مسلمانوں کا پیچ وتاب بڑھتا جارہا تھا۔معاویہ کی سرکشی اب حد سے گزر چلی تھی۔مسلمانوں سے زیادہ امیرالمومنینؑ مکدر تھے۔معاویہ کی زیادتیوں نے آپ کا کلیجہ خون کردیا تھا مگر غم وغصہ کے تحت نہ آپ کوئی اقدام کرنا چاہتے تھے نہ اس کے روادار تھے کہ لوگ مشتعل ہو کر قابو سے باہر ہو جائیں۔دن پر دن گذرتے جاتے۔ہر دن یہی انتظار رہتا کہ آج جریر جواب لے کر آتے ہونگے مگر جریر آج آتے ہیں نہ کل۔لوگ دانت پیس پیس کر رہ جاتے اور امیرالمومنین سے کہتے: آپ ایک وقت جریر کے لیے معین کیجیے کہ پھر اس کے بعد وہ شام میں نہ رکیں۔

مگر آپ نرمی اور ملائمت سے سمجھا بجھا کر انہیں ٹھنڈا کر دیتے۔حضرتؑ کا منشاء فقط یہ تھا کہ اتمام حجت کی جتنی صورتیں ہیں، وہ سب پوری ہو جائیں۔تلوار کھچے بھی تو اس وقت جب عذر ومعذرت کا کوئی موقع باقی نہ رہے۔بالآخر اتمام حجت کی تمام کوششیں ناکام رہیں۔جریر خائب وخاسر واپس آئے۔معاویہ نے جواب کے بجائے یہ دھمکی دی:

''اپنی جان کی قسم! آپ کی بیعت جن لوگوں نے بھی کی ہو، آپ عثمان کے خون سے پاک وصاف ہوتے تو آپ مثل ابوبکرو عمر اور عثمان کے ہوتے۔مگر آپ نے تمام مہاجرین کو عثمان کے خلاف بھڑکایا اور انصار کو ان کی مدد سے روکا۔جاہلوں نے آپ کی اطاعت کی اور ضعیف آپ کی وجہ سے قوی ہو گئے۔اہل شام آپ سے لڑے بغیر مانیں گے نہیں جب تک آپ قاتلین عثمان کو ان کے حوالہ نہ کردیں گے۔پھر اس کے بعد خلافت کا معاملہ مسلمانوں کے شوریٰ سے طے کیا جائے گا۔''

یہ اصل جنگ سے پہلے کی اعصابی لڑائی اور سرد جنگ تھی یعنی پروپاگنڈے کی لڑائی، جس میں بلاشبہ میدان معاویہ کے ہاتھ تھا۔وہ اس سرد جنگ میں ہر قسم کے حربے استعمال کر سکتے تھے۔جائز یا ناجائز کی انہیں پروا نہ تھی۔وہ سازش بھی کر سکتے تھے، غداری بھی، جھوٹے دعووں میں بھی انہیں کوئی تامل نہ تھا۔ان کا مطمع نظر تو بس یہ تھا کہ جیت ہماری ہو، چاہے دین ومذہب کی دھجیاں ہی کیوں نہ اڑیں اور اخلاقی اقدار کا ستیاناس ہی کیوں نہ ہو جائے۔ہر حرام ان کے لیے مباح اور ہر گمراہی ان کے لیے حلال تھی۔حق اگر ان سے ٹکراتا ہے تو وہ حق نہیں، باطل ہے اور باطل جب تک ان کا مؤید ہے وہی حق ہے۔اس بنا پر ظاہر ہے کہ

معاویہ کی جیت کے امکانات زیادہ تھے۔ امیر المؤمنینؑ کی پوزیشن اس جنگ میں محض دفاعی تھی۔ کوئی بھی نہیں بتا سکتا کہ اس جنگ میں پہل امیر المؤمنینؑ کی طرف سے ہوئی ہو بلکہ آپ کی تمام تر توجہ دفاع پر رہی۔ خود امیر المؤمنینؑ نے اس حقیقت کا انکشاف کیا ہے:

وَاللهِ مَا مُعَاوِيَةُ بِأَدْهٰى مِنِّي وَلٰكِنَّهُ يَغْدِرُ وَيَفْجُرُ وَلَوْلَا كَرَاهِيَةُ الْغَدْرِ لَكُنْتُ مِنْ أَدْهَى النَّاسِ۔

"معاویہ مجھ سے زیادہ عقلمند نہیں، لیکن اس کو کیا (کیا) جائے کہ وہ غداری کرتا ہے اور گناہ بھی۔ اگر غداری سے کراہتک نہ ہوتی تو میں سب سے زیادہ عقلمند ہوتا۔"

معاویہ نے اپنی سازشوں کا جال تمام پھیلا دیا۔ ہر ہر شہر میں جاسوس متعین کیے۔ مکہ اور مدینہ میں بھی مصر میں بھی اور خود شام کے شہروں میں بھی، جہاں کے حکام و عمال پر انہیں سب سے زیادہ بھروسہ ہونا چاہیے تھا بلکہ کوفہ میں بھی کچھ لوگ ایسے ہاتھ لگ گئے جو جاسوس کا کام کرنے پر آمادہ تھے۔ معاویہ سمجھتے تھے کہ میرا سب سے بڑا موثر حربہ یہ ہوگا کہ علیؑ کی خلافت ہی مشکوک کر دی جائے۔ لوگوں میں یہ پروپاگنڈا کیا جائے کہ شرعی حیثیت سے ان کی خلافت منعقد ہی نہیں ہوئی۔ انہوں نے حضرتؑ کی خلافت کی تنقیص اور اسے ناجائز ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ نت نئے پروپاگنڈے کیے۔ ایک تہمت لگاتے اور بار بار اسی کو دہراتے اس امید میں کہ حضرتؑ کے جو طرفدار ہیں وہ کبھی نہ کبھی تو متاثر ہو ہی جائیں گے اور جو دشمن ہیں وہ دشمنی میں اور سخت ہو جائیں گے۔ جریر کے ذریعہ انہوں نے جو پیغام بھیجا تھا وہ پہلا اور آخری جھوٹ نہ تھا بلکہ ایسی ایسی بے حد وحساب تہمتیں انہوں نے لگائیں مگر انہوں نے جب بھی کوئی بہتان تراشا، امیر المؤمنین نے اپنی حقانیت سے اس کا مقابلہ کیا اور ان کے بہتان کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے۔ اگر امیر المؤمنین سکوت اختیار کرتے اور ان کے تہمت بھرے خطوط کا جواب نہ دیتے تو ایک جویائے حقیقت کو حضرتؑ کی بیگناہی سمجھنے میں ذرا دشواری ہوتی۔ حضرتؑ لوگوں کی فطرتوں سے پوری طرح واقف تھے۔ جانتے تھے کہ میری خاموشی ممکن ہے عامۃ الناس کو غلط فہمی میں مبتلا کر دے۔ یہی سبب تھا کہ معاویہ نے جو تہمت بھی حضرتؑ پر لگائی آپ خاموش نہ رہے، نہ ان کے کسی بہتان بھرے خط کے جواب دینے سے گریز کیا۔ جریر کے آنے پر حضرتؑ نے معاویہ کو لکھا:

"میرے پاس ایسے شخص کا مکتوب آیا ہے جسے نہ سمجھ بوجھ ہے جو اسے راہ دکھائے نہ کوئی رہبر ہے جو اس کی رہبری کرے۔ ہوا و ہوس نے اس کی اپنی طرف بلایا اور وہ دوڑ پڑا۔ خواہش نفسانی نے اپنی طرف کھینچا اور وہ اس کے پیچھے ہو گیا۔ تم کہتے ہو کہ

عثمان کے بارے میں میں نے جو کوتاہی کی اس نے میری بیعت فاسد کر دی حالانکہ میں مہاجرین کی ایک فرد تھا۔ جو انہوں نے کیا وہ میں نے کیا اور جو انہوں نے نہیں کیا وہ میں نے بھی نہیں کیا اور یہ ظاہر ہے کہ مہاجرین سب کے سب گمراہی پر مجتمع نہیں ہو سکتے۔ میں نے نہ عثمان کو قتل کرنے کا حکم دیا کہ حکم دینے کا گنہگار ٹھہروں، نہ خود قتل کیا کہ مجھ سے قصاص ضروری ہو۔ رہ گیا تمہارا یہ کہنا کہ قاتلین عثمان کو میرے حوالہ کر دیجیے، تو تمہیں عثمان سے کیا سروکار؟ تم بنی امیہ کی ایک فرد ہو اور عثمان کے خود فرزند موجود ہیں۔ وہ تم سے زیادہ حقدار ہیں قصاص کے۔ اگر تم یہ کہو کہ تم فرزندان عثمان کی بہ نسبت قصاص لینے پر زیادہ قدرت رکھتے ہو تو پہلے تمہیں میری بیعت میں داخل ہونا چاہیے۔ بیعت کرنے کے بعد قاتلوں کے خلاف میرے یہاں استغاثہ دائر کرو۔ میں حق و انصاف کے مطابق تم دونوں کا فیصلہ کر دوں گا۔ میری بیعت عام بیعت تھی اس پر نہ نظر ثانی ہو سکتی ہے نہ کسی کو بیعت واپس لینے کا اختیار حاصل ہے۔

(الامام علی ابن ابی طالب، جلد سوم، طبع مصر)

(2)

معاویہ نے منصوبے کے مطابق جہاں دوسرے صوبوں میں سازش کا جال پھیلایا وہاں حجاز کے لوگوں کو بھی ورغلانے کی کوشش کی۔ معاویہ نے عمرو عاص سے کہا:

"ہماری رائے یہ ہے کہ ہم لوگ مکہ و مدینہ کے لوگوں کو بھی خط بھیجیں اور انہیں عثمان کا انتقام لینے کی ترغیب دیں۔ دو ہی نتیجہ ہوگا یا تو وہ سب لوگ ہمارے ساتھ ہو جائیں گے یا کم سے کم نہ ہماری طرف ہوں نہ علی کی طرف۔"

عمرو عاص نے مخالفت کی اور کہا:

"تم جن لوگوں کو خط لکھو گے وہ تین ہی قسم کے ہوں گے: یا تو وہ علیؑ سے راضی ہوں گے تو اس صورت میں تمہارا خط بیکار ہوگا۔ وہ علیؑ کی حمایت پر اور مستعد ہو جائیں گے۔ یا دوستداران عثمان سے ہوں گے، تب بھی بیکار ہے کیونکہ وہ تو بہر حال اپنی طرف ہیں ہی۔ یا وہ غیر جانبدار ہوں گے تب بھی فضول ہے کیونکہ تم ان کے نزدیک علیؑ سے زیادہ بھروسے کے قابل نہ ہو گے۔"

معاویہ نے عمرو عاص کے مشورہ کی پرواہ نہ کی۔ انہیں یقین تھا کہ ہماری یہ تدبیر رائگاں نہ جائے گی۔ مکہ اور مدینہ کے کئی مشہور اور سر برآوردہ افراد نے امیر المؤمنینؑ کی بیعت سے کنارہ کشی اختیار کی تھی اور گھروں میں گوشہ نشین ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ ان

سے بہتر ورغلانے کے لیے کوئی اور نہیں ہوسکتا تھا؛ چنانچہ معاویہ نے سعد بن ابی وقاص کو لکھا:

''عثمان کی نصرت سب سے پہلے ممبر الشوریٰ پر لازم تھی کیونکہ انہوں نے اپنے انتخاب سے عثمان کو خلیفہ منتخب کیا تھا۔ طلحہ و زبیر، عثمان کی نصرت انجام دے چکے ہیں۔ وہ دونوں آپ ہی کی طرح شوریٰ کے ممبر تھے اور آپ ہی جیسے اکابر مسلمین، خود ام المومنین عائشہ بھی ان کے انتقام کے لیے اٹھ چکی ہیں۔ لہٰذا طلحہ و زبیر و عائشہ نے جن باتوں کو پسند کیا اسے تم ناپسند نہ کرو اور جسے انہوں نے قبول کیا اسے تم نہ ٹھکراؤ۔''

عبداللہ بن عمر اور محمد بن مسلمہ کو بھی خطوط لکھے۔ عبداللہ ابن عمر کو خلافت کا لالچ دلاتے ہوئے لکھا:

''عثمان کے قتل ہونے کے بعد تمام مسلمانوں میں تم سے بڑھ کر مجھے کوئی دوسرا خلافت کے لیے پسند نہیں۔ میں خود خلیفہ بننا نہیں چاہتا بلکہ یہ ساری کوششیں میری تمہارے لیے ہیں۔''

محمد بن مسلمہ کے خط میں معاویہ نے ملامت کی تھی کہ جس طرح تمام قوم یعنی قبیلہ انصار نے عثمان کے جیتے جی مدد نہ کی، تم نے عثمان کے مرنے کے بعد ان کی مدد سے پہلوتہی کی۔ ان کے قاتلوں سے انتقام لینے کے لئے نہیں اٹھے بلکہ جان بچا کے گوشہ نشین ہو گئے ہو۔

جب ان اکابر مسلمین نے معاویہ کے خطوط پڑھے تو انہیں اس جسارت پر بڑی حیرت ہوئی۔ ہر ایک نے بڑی سختی سے جواب دیا حتیٰ کہ مدینہ و مکہ کے عوام نے بھی معاویہ کے دعوے کو متفقہ طور پر ٹھکرا دیا۔ عبداللہ ابن عمر نے جواب میں لکھا:

''میری اور علی کی کوئی برابری نہیں؛ نہ ایمان میں، نہ ہجرت میں، نہ رسولؐ سے قربت و منزلت میں، نہ مشرکین سے جہاد کرنے میں، لہٰذا مجھے تو معاف ہی رکھو۔''

محمد بن مسلمہ نے جواب میں لکھا:

''اپنی زندگی کی قسم! تم صرف دنیا کے طلبگار ہو اور صرف ہوا و ہوس کے پرستار۔ عثمان کے مرنے کے بعد تم ان کی جتنی بھی حمایت کرو۔ زندگی میں تو تم نے خبر نہ لی۔''

سعد بن ابی وقاص نے جواب میں لکھا:

''عمر نے شوریٰ میں قریش کے انہیں لوگوں کو رکھا جن کے خلاف حلال تھی۔ ہم چھ آدمیوں میں کسی کو کسی پر فوقیت حاصل نہ تھی سوائے اس کے کہ ہم نے متفقہ طور پر جس کو منتخب کرلیا (تو ہمارے متفقہ انتخاب سے البتہ اسے فوقیت حاصل ہوگی۔) مگر یہ کہ علی کو

وہ تمام فضائل حاصل تھے جو ہمیں حاصل تھے لیکن بعض خصوصیات انہیں ایسے حاصل تھے جو ہم میں نہ تھے۔ رہ گئے طلحہ وزبیر تو وہ اگر گھر میں بیٹھے رہتے تو یہ ان کے لئے زیادہ بہتر تھا اور حضرت عائشہ نے جو کچھ کیا، خدا انہیں معاف کرے۔"

مسور بن مخرمہ نے اہل مدینہ کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھا:

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے جو تم نے یہاں سے مدد کی توقع کی۔ تمہیں خلافت سے کیا سروکار۔ تم آزاد کردہ ہو، تمہارا باپ سردار مشرکین تھا۔ تم ہمیں معاف ہی رکھو۔ ہمارے یہاں تمہیں کوئی دوست اور مددگار نہیں ملے گا۔"

(الامام علی بن ابی طالب جلد دوم مطبوعہ مصر/ الامامۃ والسیاسۃ جلد 1 ص 86 تا 87)

مگر ان سب کے باوجود معاویہ نے امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ سازشی کارروائیوں کے لئے ابھی وسیع میدان پڑا تھا۔ اگر اکابر مہاجرین وانصار پر یہ ترکیب کارگر نہ ہوسکی تو وہ مٹھی بھر آدمی تھے۔ ان کے علاوہ بے شمار افراد تھے جن کے لیے جال پھیلایا جاسکتا تھا۔ وہ تروتازہ شاخ جیسے تھے، جس طرف چاہو گھمادو۔ نئے مسلمانوں میں اکثریت ان بدوعربوں کی تھی جو صحراؤں میں پھیلے ہوئے تھے۔ وہ اپنی سادہ مزاجی کے سبب بآسانی بیوقوف بن سکتے تھے۔ معاویہ نے انہیں کو تاکا اور اب ان کا سارا زور ان بدوعربوں پر صرف ہونے لگا۔ انہیں ترغیب دی جانے لگی کہ وہ مقتول خلیفہ کا انتقام لینے میں معاویہ کی مدد کریں۔ پروپاگنڈے کے لیے موسم حج سے بہتر کوئی اور وقت نہیں تھا، جب کہ چاروں طرف سے ہزاروں حجاج مکہ میں اکٹھا ہوتے۔ ان میں بدوعرب بھی ہوتے جو پہاڑوں اور بیابانوں سے آتے۔ تجارت پیشہ بھی ہوتے اور دور دراز مقامات کے مسلمان بھی۔ معاویہ کے آدمی حاجیوں کو ورغلاتے۔ کچھ لوگ قافلوں کے ساتھ ہوکر ان کے شہروں تک جا پہنچتے اور وہاں جاکر آگ لگانے کی کوشش کرتے۔

امیر المومنینؑ سے یہ اندرونی ریشہ دوانیاں مخفی نہ تھیں۔ آپ نے مکہ کے عامل قثم بن عباس کو لکھا:

"مغربی ممالک (مراد شام) میں متعین میرے جاسوسوں نے خبر دی ہے کہ موسم حج میں شام کے بھی کچھ لوگ شریک ہوں گے۔ فساد پھیلانے کے لیے انہیں بھیجا گیا ہے۔ یہ لوگ دل کے اندھے کانوں کے بہرے اور آنکھوں سے پٹ ہیں۔ باطل کی راہ سے حق تلاش کرتے ہیں۔ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت کرتے ہیں۔ دین بیچ کے دنیا کی گائے دوہتے ہیں۔ ابرار واتقیا کو آخرت میں ملنے والے ثواب پر دنیا کے فوری فائدوں کو ترجیح دیتے ہیں۔ یاد رہے، بھلائی اسی کو ملتی ہے جو نیکی کے کام کرتا ہے اور شر اسی کے حصہ میں آتا ہے جو بدی سے آلودہ رہتا ہے۔ تم ہوشیار رہو۔ اپنے منصب کے فرائض اس آدمی کی طرح

پورے کرو جو تدبر کے ساتھ مضبوط رہتا ہے، خیر خواہی کے ساتھ عقل سے کام لیتا ہے، اپنے حاکم کا حکم بجالاتا ہے اور اپنے امام کی اطاعت کرتا ہے۔ خبر دار! ایسا کوئی کام نہ کرنا کہ معذرت کی ضرورت پڑے۔ خبر دار! ایسے نہ ہو جانا کہ خوشحالی میں اتراؤ اور جب مشکل پیش آئے تو ناکارہ ثابت ہو۔"

(ترجمہ نہج البلاغہ جلد دوم مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی)

امیر المومنینؑ کے اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ معاویہ کی سازشی کارروائیوں کی کاٹ کرنے کے لئے آپ پہلے ہی سے متوجہ تھے۔ خود شام کے اندر آپ کے جاسوس متعین تھے جو معاویہ کے مقاصد سے حضرتؑ کو آگاہ کرتے رہتے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ معاویہ کے جاسوس بھی کوفہ کے اندر کام کر رہے ہوں۔ ہر حریف اپنے حریف کی نقل و حرکت کی ٹوہ میں رہتا ہے۔ حضرتؑ کے لشکر میں بہت سے ایسے عناصر تھے جو معاویہ کے لیے کام کر رہے تھے؛ چنانچہ جس وقت امیر المومنینؑ نے شام پر حملہ کرنے کی تحریک کی اور تقریر کرتے ہوئے کہا:

"دشمنانِ خدا کی طرف کھڑے ہو۔ حدیث و قرآن کے دشمنوں کی طرف روانہ ہو۔ کفار مشرکین کی بقیہ جماعت کی طرف چلو، جو مہاجرین و انصار کے قاتل ہیں۔"

تو اسی وقت ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا:

"آپ چاہتے ہیں کہ ہم شامی بھائیوں پر چڑھائی کریں اور آپ کے لئے انہیں قتل کر ڈالیں، جس طرح آپ ہمارے بصرہ کے بھائیوں کی طرف ہمیں لے گئے اور ہم نے انہیں قتل کیا۔ ہم ایسا کرنے پر تیار نہیں۔"

اگر مالک اشتر عجلت سے کام نہ لیتے تو غالباً اسی وقت فتنہ کھڑا ہو جاتا۔ اشتر نے چیخ کر کہا: "پکڑو اسے۔"

سارا مجمع اس پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی مگر لوگوں نے ہاتھوں سے، تلواروں کی نیاموں سے اور ٹھوکروں سے اتنا مارا کہ دم نکل گیا اس کا۔

اشتر نے امیر المومنینؑ سے عرض کی:

حضور آپ اس واقعہ سے پریشان خاطر نہ ہوں اور نہ اس بدبخت کی بات سن کر ہماری امداد سے مایوس ہوں، مگر امیر المومنینؑ کا دھیان اور طرف تھا۔ آپ اس خدا کی موت کے متعلق سوچ رہے تھے۔ پوچھا: "کس نے اسے قتل کیا ہے؟"

لوگوں نے بتایا کہ قبیلہ بنی ہمدان نے قتل کیا ہے۔ ان کے ساتھ اور بھی بہت سے لوگ شریک تھے جن کا پتہ نہیں۔

امیر المومنینؑ نے فوراً اس مقتول کی دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: پتہ نہیں اس کو کس نے قتل کیا۔ اس کی دیت بیت المال سے ادا کی جائے۔

اسی قسم کی اور بہت سی سازشیں امیر المومنینؑ کے خلاف کی جا رہی تھیں۔ کوفہ میں کئی سازش کا جال پھیلا ہوا تھا اور کوفہ سے جب لشکر روانہ ہوا ہے تو وہاں سے صفین پہونچنے اور جنگ شروع ہونے تک ہر قدم پر سازشیں عمل میں آتی رہیں۔ حضرت جس سرزمین پر پہونچے وہاں کوئی نہ کوئی معاویہ کا جاسوس ضرور موجود تھا، یا ایسا منافق ساتھ ہو جاتا جو بظاہر نصرت وحمایت پر کمر بستہ دکھائی دیتا مگر باطن پر غداری اور عداوت چھپائے ہوتا۔ جب آپ اپنی فوجوں کے ہمراہ شام کی طرف روانگی کی تیاری کر رہے تھے اس وقت قبیلہ بنی غطفان و بنی تمیم کے کچھ لوگ حاضر خدمت ہوئے۔ ان میں نے حنظلہ بن ربیع نے سامنے آ کر کہا: امیر المومنینؑ! ہم ایک نصیحت لے کر آپ کی خدمت [میں] حاضر ہوئے ہیں۔ آپ یہیں قیام کیجیے اور معاویہ سے خط وکتابت فرمائیے۔ اہل شام سے جنگ کرنے میں عجلت نہ کیجیے کیونکہ جنگ کی صورت میں نہ آپ ہی کو معلوم نہ ہمیں کو پتہ کہ کسے کامیابی نصیب ہوگی اور کسے شکست اٹھانی پڑے گی؟

معلوم ہوتا ہے پوری پارٹی متفق ہو کر آتی تھی۔ حنظلہ کے چپ ہوتے ہی ابن معتم نے کھڑے ہو کر وہی بات دہرائی۔ پھر اس کے بعد تیسرا کھڑا ہوا، چوتھا کھڑا ہوا۔ سبھوں نے اسی پر زور دیا کہ ابھی روانگی ملتوی کی جائے۔ مطلب یا تو یہ تھا کہ حضرتؑ کے سپاہیوں میں سستی پیدا ہو جائے یا اتنی دیر ہو جائے کہ معاویہ کو جنگی تیاریاں کرنے کی پوری مہلت مل جائے۔ حضرتؑ نے ان لوگوں کی باتیں صبر وسکون سے سنیں۔ اس کے بعد آپ نے تقریر کرتے ہوئے کہا:

”خداوند عالم تمام بندوں اور کل زمینوں کا وارث ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے بادشاہ بنا دیتا ہے جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ بد انجامی گمراہوں اور نافرمانوں ہی کے لئے ہے، چاہے وہ جیتیں یا ہاریں۔ خدا کی قسم! میں یہ باتیں جو سن رہا ہوں ایسے ہی لوگوں کی ہو سکتی ہیں جو نہ معروف کو معروف سمجھنا چاہے ہیں اور نہ منکر کو منکر۔“

آپ کے سرداران فوج میں سے ایک سردار معقل بن قیس نے چیخ کر کہا:

”حضور! خدا کی قسم! یہ بات ان لوگوں نے از راہ نصیحت نہیں کہی بلکہ فریب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ حضور ان سے ہوشیار رہیں۔

پولیس آفیسر مالک بن حبیب نے عرض کی:

امیرالمومنینؑ! مجھے اطلاعات ملی ہیں کہ حنظلہ معاویہ سے خط وکتابت کرتا رہتا ہے۔

عیاش بن ربیعہ نے کہا:

”یہ عبداللہ بن معتم بھی خفیہ طور پر معاویہ سے خط وکتابت کیا کرتا ہے۔ اسے قید کر دیجئے ورنہ ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اسے قید رکھیں، جب تک لڑائی سے فرصت نہ ہو جائے۔“

ان جاسوسوں کی انہیں کی قوم والوں نے اپنے پاس مقید رکھا۔ کچھ دنوں کے بعد موقعہ پا کر راتوں رات یہ سب بھاگ نکلے اور معاویہ کے پاس جا پہنچے۔ ان کے بھاگ کر معاویہ سے جا ملنے کی وجہسے امیرالمومنینؑ کا کوئی نقصان نہ ان کے مل جانے کی وجہسے معاویہ ہی کچھ فائدے میں رہے۔ اگر وہ غدار تھے تو غداروں سے آپ کی سپاہ پاک ہوگئی۔ اگر مذبذب تھے تو پہلے ہی سے مذبذب اور کنارہ کش چلے آرہے تھے۔ جنگ جمل کی اموقع پر بھی انہوں نے حضرتؑ کی مدد نہ کی بلکہ گھروں میں خاموش بیٹھے رہنے کو ترجیح دی تھی۔ ان کی شان ایسی ہی ہے جیسے پیغمبرؐ کے زمانے میں مدینہ کے منافقین تھے۔ (الامام علی ابن ابی طالب، جلد سوم)

(3)

انتقام خون عثمان کا جادو اکابر مہاجرین وانصار پر تو اثر انداز نہ ہوا البتہ کچھ ایسی شخصیتیں معاویہ کے ہاتھ ضرور لگ گئیں جن سے شام کے باشندوں کو مرعوب بنانا ممکن تھا۔ یہ مشاہیر اسلام کے نوجوان فرزند تھے، جو دولت وجاہ کی لالچ میں معاویہ سے جا ملے تھے اور معاویہ نے ان کے لیے خزانوں کے منہ کھول دیے تھے۔ ایک دن معاویہ نے عمرو عاص سے کہا:

”عبداللہ بن عمر کے آنے سے گویا خدا نے عمر بن الخطاب کو زندہ کر کے شام میں بھیج دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان سے تقریر کراؤں جس میں وہ علی کو برا بھلا کہیں اور ان پر قتل عثمان کا الزام عائد کریں۔“

عبداللہ بن عمر نہ ہاتھ لگ سکے تھے تو اب ان کی تلافی عبیداللہ بن عمر سے ہوگئی تھی۔ دونوں ہی حضرت عمر کے صاحبزادے تھے اور عوام کی نظر میں جیسے عبداللہ بن عمر ویسے ہی عبیداللہ بن عمر۔ معاویہ نے عبیداللہ کا بلا کر کہا: ”تم بڑے باپ کے بیٹے ہو جو کہو گے لوگ اس کی تصدیق کریں گے۔ تم منبر پر جاؤ اور علی کو برا بھلا کہو اور اس کی گواہی دو کہ علی ہی نے عثمان کو قتل کیا ہے۔“

عبیداللہ نے تردد بھرے لہجے میں کہا:

ا۔ ”کے“ ہونا چاہیے۔ حفظ امانت کے تحت ”کی“ کو باقی رکھا گیا ہے۔

"علی کو برا بھلا کیا کہوں گا؟ وہ علی ابن ابی طالب ہیں، ان ماں فاطمہ بنت اسد بن ہاشم تھیں لہٰذا ان کے حسب کے متعلق تو کچھ کہنے کی گنجائش نہیں رہ گئی۔ ان کی شجاعت تو دنیا جانتی ہے کہ وہ شجاعوں کے شجاع ہیں۔ تم ان کے معرکوں سے واقف ہی ہو، البتہ میں ان پر قتل عثمان کا الزام لگاؤں گا۔"

جب عبید اللہ واپس چلے گئے تو معاویہ نے عمرو عاص سے کہا:

"خدا کی قسم! اگر یہ عبید اللہ ہرمزان کو قتل نہ کیے ہوتے ہیں اور نہ علی کی طرف سے انہیں اپنی جان کا اندیشہ ہوتا تو کبھی ہمارے پاس نہ آتے۔ دیکھتے ہو علی کی کیسی مدح کر رہے تھے؟"

عمرو عاص نے اطمینان دلایا اور کہا:

"اگر سیدھے طریقے سے کام نہ چل سکے تو مکر و فریب سے کام لو۔"

معاویہ یہی چاہتے بھی تھے۔ وہ عبید اللہ بن عمر سے جھوٹی گواہی دلوا کر باشندگان شام کے یقین کو اور پختہ کرنا چاہتے تھے کہ علی ہی عثمان کے قاتل ہیں۔ ان کا فرزند عمر ہونا ہی بڑی بات تھی۔ ان کے لب و دہن سے نکلی ہوئی بات پتھر کی لکیر بن جاتی۔ حرات عمر کے صاحبزادے اور جھوٹی گواہی دیں؟ شام کے سرپھرے اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

یہ عبید اللہ بن عمر وہی مجرم ہیں جن کی وجہ سے عدالت اسلامیہ ہمیشہ کے لئے ذلیل ہوگئی۔ ان کی داستان، حق و انصاف کی شہادت کی داستان ہے جب کہ جانبداری قانون پر غالب آگئی تھی اور مسلمانوں نے اپنے پروردگار سے خیانت کی تھی۔

حضرت عمر ابولولو کے ہاتھوں سے زخمی ہوئے اور زخم اتنا کاری پہونچا کہ بچنے کی امید باقی نہ رہی۔ عبد اللہ کو جب معلوم ہوا کہ میرے باپ کو کسی نے قتل کر دیا ہے تو تلوار کھینچ کر گھر سے نکلے اور جاتے ہی ہرمزان کو مار ڈالا۔ ابولولو کی ایک کمسن بچی تھی، اسے بھی بے قصور قتل کر دیا۔ اسی کے ساتھ جفینہ نام کے ایک عیسائی کو بھی ہلاک کر دیا، جو مدینہ کے بچوں کو تعلیم دیا کرتا تھا۔ اگر صحابہ ان پر ٹوٹ نہ پڑتے اور سعد بن وقاص نے لپک کر ان کی تلوار نہ چھین لی ہوتی تو نہ معلوم کتنے مہاجرین و انصار اور قیدیوں کو وہ مار ڈالے ہوتے۔

حضرت عمر کو جب ہرمزان کے قتل کی اطلاع ملی تو انہوں نے پوچھا کہ عبید اللہ نے آخر کس سبب سے ہرمزان کو قتل کیا۔ لوگوں نے بتایا: اس خیال کی بنا پر کہ ہرمزان ہی نے آپ کو زخمی کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا: ہمیں اس کا کچھ پتہ نہیں۔ دیکھو جب میں مرجاؤں تو تم لوگ عبید اللہ سے ثبوت طلب کرنا کہ ہرمزان ہی میرا قاتل ہے۔ اگر وہ ثبوت پیش کر دیں تو اس کا خون میرے خون

کا بدلہ ہو جائے گا اور اگر وہ ثبوت نہ پیش کر سکے تو عبید اللہ سے ہرمزان کا قصاص ضرور لیا جائے۔

ثبوت پیش کرنا آسان کام نہ تھا کیوں کہ کوئی ثبوت تھا ہی نہیں۔ نہ تو ہرمزان نے حضرت عمر پر خنجر کا وار کیا نہ اس نے قاتل کا ساتھ ہی دیا نہ اس نے قاتل کو کوئی ترغیب ہی دلائی تھی۔ عبید اللہ سے صرف کسی نے اتنا کہہ دیا کہ ہرمزان اور ابولولو ایک جگہ اکٹھا بیٹھے دھیرے دھیرے باتیں کر رہے تھے۔ جب وہ دونوں علیحدہ ہوئے تو وہ خنجر گر پڑا، جس سے کچھ دنوں کے بعد عمر مارے گئے۔ حضرت عثمان نے جو ابھی تک خلیفہ نہیں ہوئے تھے پھر کر عبید اللہ سے کہا تھا: ''خدا تمہیں قتل کرے، تم نے ایک ایسے شخص کو مار ڈالا جو نماز پڑھتا تھا۔ ایک کمسن بچی کو قتل کر ڈالا اور ایک ایسے آدمی کو جو رسول اللہؐ کی پناہ میں تھا۔ تمہیں تو کسی طرح نہ چھوڑنا چاہیے۔ بتاؤ تو ابولولو کی لڑکی کا کیا قصور تھا، جو تم نے اسے مار ڈالا۔''

سعد ابن ابی وقاص اور ان کے علاوہ بہت سے صحابہ بھی برہم تھے۔ سب کا تقاضہ تھا کہ عبید اللہ کو قرار واقعی سزا دی جائے اور حضرت عمر کی وصیت پوری کی جائے لیکن جب عمر مر گئے اور عثمان خلیفہ منتخب ہو گئے تو اب ہوا پلٹ گئی اور عمرو عاص نے حضرت عثمان سے آکر کہا:

''امیر المومنینؑ! اگر آپ کے خلیفہ ہونے کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہوتا تو آپ اس کا عبید اللہ سے مواخذہ کر سکتے تھے مگر یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آپ کو کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔''

معلوم ہوتا ہے حضرت عثمان کو شرم معلوم ہوئی کہ ابھی عمر نے انتقال کیا ہے اور ابھی ان کے فرزند سے قصاص لیا جائے۔ کچھ لوگوں نے کہا بھی کہ کل عمر قتل ہوئے ہیں آج ان کے فرزند قتل کیے جانے والے ہیں۔ جتنے منہ اتنی باتیں ہونے لگیں۔ کوئی کہتا تھا کہ عبید اللہ کو بے داغ چھوڑ دینے میں قانون کا خون ہوگا۔ بہت سے لوگوں نے اصرار بھی کیا کہ حضرت عمر نے عبید اللہ کے متعلق جو وصیت کی اسے آپ پورا کیوں نہیں کرتے۔ فضا ایسی مکدر ہوئی کہ حضرت عثمان کو یکسوئی حاصل کرنے کے لئے فیصلہ پر مجبور ہونا پڑا۔ وہ مسجد میں بیٹھے مہاجرین و انصار کو بلایا اور مجرم بھی لایا گیا۔ حرہت عثمان نے لوگوں سے کہا: ''اس جوان کے متعلق آپ لوگ مشورہ دیجئے، جس نے ایسے جرم کا ارتکاب کیا ہے۔''

اکابر صحابہ نے متفقہ طور پر کہا اس سے ضرور قصاص لیا جائے۔ حضرت علی نے کہا: ہماری رائے یہ ہے کہ آپ اسے قتل کر دیجئے۔ عمرو عاص نے پھر اپنی وہی بات دہرائی کہ یہ واقعہ آپ کی خلافت کے زمانہ کا نہیں۔ موافقت و مخالفت کی آوازوں سے ایک ہنگامہ مسجد میں اٹھ کھڑا ہوا۔ آخر حضرت عثمان منبر پر گئے اور تقریر کرتے ہوئے بولے:

''لوگو! خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ عبیداللہ بن عمر نے ہرمزان کو مار ڈالا۔ ہرمزان مسلمانوں سے تھا۔ اس کا کوئی وارث نہیں۔ مسلمان ہی اس کے وارث ہیں اور میں تمہارا امام ہوں۔ میں عبیداللہ کو معاف کرتا ہوں۔ تم لوگ بھی معاف کرتے ہو؟''

عام پبلک نے کہا: ''ضرور، ضرور۔''

علی ابن ابی طالب بگڑ گئے۔ آپ نے دیکھا کہ خدا کا حق وہ چھینے لے رہا ہے جسے کوئی حق حاصل نہیں۔ اگر حدود الٰہی لوگوں کے جذبات ہی کے حوالے ہوئے تو اس طرح نظام شریعت ہی درہم و برہم ہو جائے۔ آپ نے فرمایا:

''اس فاسق سے قصاص لیجئے۔ اس نے انتہائی ہولناک جرم کیا ہے۔ مسلمان کو بغیر قصور کے مار ڈالا۔''

حضرت عثمان نے کینہ توز لہجہ میں کہا:

ہرمزان کے خون کا ولی میں ہوں۔ میں نے اسے خدا اور عمر کے لئے ہبہ کیا اور عمر کے خون کے بدلہ میں رائگاں جانے دیا۔

مقداد بن عمرو پیغمبرؐ کے جلیل القدر صحابی اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے غصہ میں بھر کر کہا:

''ہرمزان خدا اور رسولؐ کا غلام تھا۔ تمہیں یہ حق نہیں کہ خدا اور رسولؐ کی چیز کسی کی ہبہ کر دو۔''

جب امیرالمومنینؑ نے دیکھا کہ عثمان بالکل طے کر چکے ہیں کہ عبیداللہ سے کوئی مواخذہ نہ کریں گے، انہوں نے جذبات کے مقابلہ میں شریعت سے کنارہ کشی کر لی تو آپ نے عبیداللہ کو دھمکاتے ہوئے کہا:

''اے فاسق! کبھی بھی اگر میرا قابو تجھ پر چل گیا تو تجھے ہرمزان کے بدلہ میں قتل کر کے رہوں گا۔''

حضرت عثمان نے عبیداللہ کو بے داغ چھوڑ دیا مگر اس شدید غیظ و غضب اور انتہائی ناراضی و برہمی کو نظر انداز کرنا ان سے ممکن نہ ہوا جو اکابر مہاجرین و انصار میں اس واقعہ سے پھیل چکا تھا۔ انہوں نے نرمی اور ملائمت کے لہجہ میں کہا: ''اچھا آپ لوگ بھی سوئنے ا، میں بھی سوچوں گا۔''

لیکن افسوس کہ اس کا موقع نہیں آیا۔ حضرت عثمان نے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے کی بجائے کہ کیا کہ اپنی پہلی ہی رائے پر جمے رہے۔ انہوں نے عبیداللہ کو مدینہ سے باہر بھیج دیا اور کوفہ میں اسے جاگیر بھی عنایت کر دی تا کہ لعنت و ملامت سے محفوظ رہ کر مزے سے زندگی بسر کرتا رہے۔

معاویہ کے مجبور کرنے سے عبیداللہ منبر پر گئے۔ سارا مجمع گوش برآواز ہے۔ معاویہ کان لگائے بیٹھے ہیں۔ انتظار ہے کہ اب عبید اللہ گھن گرج تقریر شروع کرتے ہیں۔ اب ان کی آواز بجلی کی طرح کڑکے گی مگر یہ سب کچھ نہ ہوا۔ جتنی امیدیں معاویہ نے قائم

کی تھیں وہ سب خواب وخیال ثابت ہوئیں۔ عبید اللہ نے ادھر ادھر کی کچھ باتیں کیں، منبر سے اترے، گھر روانہ ہو گئے۔ معاویہ نے اٹھ کر دامن پکڑ لیا اور دانت پیستے ہوئے کہا:

”یا تم گونگے ہو یا دل میں تمہارے کھوٹ ہے۔“

عبید اللہ کچھ دیر معاویہ کو گھورتے رہے پھر صاف صاف لفظوں میں کہا:

”میں ایسے شخص کے خلاف کیسے گواہی دیتا جس نے عثمان کو قتل کیا ہی نہیں۔“

اور کوئی ہوتا تو نہ معلوم عبید اللہ کے ساتھ کیا سلوک کرتا مگر معاویہ نے پھر بھی انہیں ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ خوبی قسمت نے ایسے لوگوں کو ان کی راہ پر لا ڈالا تھا جن سے بڑے بڑے کام نکل سکتے تھے۔ کچھ دیر تک تو وہ ضرور کچھے کچھے رہے مگر پھر وہی آؤ بھگت شروع کر دی۔ انہوں نے اسی کو کافی سمجھا کہ عبید اللہ ایسے اشخاص ہماری جمعیت میں داخل ہیں۔ اصحاب رسولؐ نہ سہی ان کی اولاد تو ہمارے ساتھ ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کل یہ اپنے باپ کو بھی نہ کھینچ لائیں۔

جنگ صفین کے بعد سعد بن ابی وقاص حکمین کا ٹوہ لینے کے لئے نکلے۔ ابو موسیٰ اور عمرو عاص اس وقت دومتہ الجندل میں تھے۔ وہاں خفیہ میٹنگ ہو رہی تھی۔ سعد ان کے آس پاس ہی کہیں جا کر مقیم ہوئے۔ عمر سعد کو جب معلوم ہوا کہ میرے باپ یہاں آئے ہیں تو دوڑا ہوا آیا۔ اس طمع میں کہ باپ کو راضی کر کے غیر جانبداری چھوڑنے پر مجبور کرے اور معاویہ کی حمایت پر راضی کرے۔ اس نے اپنے باپ سے کہا:

”ابا جان! صفین میں آپس میں دونوں جماعتیں نبرد آزما ہوئیں اور ہزاروں ہزار موت کے گھاٹ اترے۔ پھر لوگوں نے دو حکم مقرر کیے۔ عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعری) اور عمرو بن عاص۔ اس وقت قریش کے بہت لوگ وہاں آپہونچے ہیں۔ آپ پیغمبرؐ کے اصحاب میں سے ہیں اور ممبران شوریٰ میں سے ہیں، ان لوگوں میں سے جن کے متعلق پیغمبرؐ نے فرمایا تھا: ”ان کی دعاؤں سے بچتے رہو۔“ آپ نے ابھی تک کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کو مسلمانوں نے ناپسند کیا ہو۔“

سعد نے کہا: ”مطلب کیا ہے تمہارا؟“

”آپ دومتہ الجندل تشریف لے چلیں کل یقیناً آپ ہی خلیفہ بنائے جائیں گے۔“

سعد نے کہا: ”بیٹا جب میں اس قصہ کے شروع میں نہ شریک ہوا تو آخر میں بھی شریک نہ ہوں گا۔“

دونوں میں دیر تک بحث ہوتی رہی۔ عمر ابن سعد نے بڑا زور لگایا کہ باپ ہماری بات مان لیں مگر سعد کسی طرح تیار نہ

ہوئے۔ آخر سعد نے جھڑک کر کہا:

"بیٹا! اگر میں اس معاملہ میں ہاتھ ڈالوں گا بھی تو میں علی ہی کا ساتھ دوں گا۔"

معاویہ اسی پر خوش رہے کہ عبید اللہ بن عمر ان کے پاس مقیم رہیں چاہے وہ امیر المومنینؑ پر قتل عثمان کا الزام لگائیں یا نہ لگائیں۔ یہی کیا کم بات تھی کہ وہ حضرت عمر کے فرزند تھے اور معاویہ کی رفاقت میں تھے۔ اسی طرح عمر سعد کو انہوں نے اپنی طرف ملا لیا۔ عبد الرحمٰن بن خالد بن ولید کو اپنی طرف کر لیا اور انہیں جنگ صفین میں اپنی فوجوں کا سپہ سالار بھی مقرر کیا۔ یہ سب بڑے باپ کے بیٹے اور مشہور افراد تھے۔ ان کی معیت دوسروں پر ضرور اثر انداز ہوتی۔

بیروت کا مشہور ادیب و مؤرخ عمر ابو النصر لکھتا ہے:

"ایک مؤرخ کے لئے ان اسباب کا معلوم کرنا کوئی مشکل نہیں ہے جو حضرت علیؑ اور حضرت معاویہ کے درمیان خصومت و عداوت کا موجب بنے۔ اسی طرح وہ اسباب ظاہر و باہر ہیں جن کی بنا پر عرب کے قبائل اور جماعتوں نے امام وقت اور خلیفۃ المسلمین حضرت علیؑ کے مقابلہ میں حضرت معاویہ کا ساتھ دیا، جنہیں علم و فضل تقویٰ اور پرہیزگاری میں حضرت علیؑ سے کوئی نسبت نہ تھی۔

وہ جماعتیں جو اسلامی فتوحات کی کثرت اور مغلوب قوموں کے خزانوں کے عرب میں منتقل ہو جانے کے بعد عیش و عشرت کی زندگی گزارنا اور غلبہ و اقتدار حاصل کرنا چاہتی تھیں وہ حضرت علیؑ میں اپنے لئے کوئی کشش نہیں پاتی تھیں۔ حضرت علیؑ ان کی خواہش اور آرزوؤں کو پورا نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ آپ کا مطمع نظر حق و انصاف قائم کرنا تھا۔ آپ کسی کمزور و بیکس کو غریب جان کر اس کے حقوق کی طرف سے پہلوتہی نہ کرتے تھے اور نہ بڑے آدمیوں اور امیر کبیر انسانوں کے متعلق یہ برداشت کر سکتے تھے کہ وہ دولت و ثروت کے نشہ میں چور ہو کر کسی قسم کی بدعنوانی کریں۔ عام انسانوں کے ساتھ ہی آپ کا یہ حال نہ تھا بلکہ اپنے بیٹوں، رشتہ داروں، دوستوں اور مددگاروں کے ساتھ بھی آپ کا سلوک اسی قسم کا تھا۔ ظاہر کہ جو شخص اس سیرت کا مالک ہو، اس کی طرف لالچی اور صاحب اغراض لوگ جنہیں صرف دنیا کمانے سے غرض ہوتی ہے توجہ نہیں کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس قسم کے تمام لوگ حضرت معاویہ سے جا ملے اور ان کی مدد کرنے، ان سے مل کر حضرت علی کے خلاف جنگوں میں شریک ہونے لگے۔ اس کے بدلے میں معاویہ نے داد و دہش کی بارش شروع کر دی اور انہیں آپ کے پاس سے وہ کچھ حاصل ہوا جو امیر المومنینؑ حضرت علی سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

(خلفائے محمد ترجمہ مولوی محمد احمد پانی پتی مطبوعہ لاہور)

امیر المومنینؑ عدل و انصاف کا مجسمہ تھے۔ مساوات آپ کا وطیرہ تھا، آپ کے نزدیک تمام مسلمان برابر برابر تھے، لہٰذا ہر ایک کے وظائف و عطایا بھی برابر ہی کے ہونے چاہیے تھے۔ چھوٹے بڑے قوی وضعیف میں آپ کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ خود اپنے نفس پر آپ کی سختیوں کا یہ عالم تھا کہ کھانے میں روکھا کھاتے اور پہننے میں موٹا پہنتے۔ مسلمانوں کے مال سے ایک پیسہ بھی اپنی ذات میں خرچ کرنا حرام سمجھتے تھے۔ لوگ کہتے بھی: "امیر المومنین! خداوند عالم نے اس میں آپ کا اور آپ کے اہل وعیال کا بھی حصہ قرار دیا ہے، پھر بھی آپ اپنے نفس پر ایسی سختی کرتے ہیں۔"

حضرت جواب دیتے:

"میں نے تمہارے بیت المال سے اپنی ذات پر کچھ نہیں خرچ کیا۔ میرے پاس بس یہی چادر ہے جو میں مدینہ سے لے کر چلا تھا۔"

اپنے نفس پر حضرت کی یہ سختی ضرور تھی مگر حضرت کو یہ گوارا نہ تھا کہ دوسرے بھی ہمارے دیکھا دیکھی اپنے نفس پر ایسا ہی تشدد کرنے لگیں اور اہل وعیال اور اپنے نفس کے حقوق سے غافل ہو کر حد اعتدال سے گذر جائیں؛ چنانچہ آپ نے عاصم بن زیاد کو نصیحت فرماتے ہوئے کہا:

وَيْحَكَ[1] إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ فَرَضَ عَلٰى أَئِمَّةِ الْعَدْلِ أَنْ يُقَدِّرُوا أَنْفُسَهُمْ بِضَعَفَةِ النَّاسِ كَيْلَا يَتَبَيَّغَ بِالْفَقِيرِ فَقْرُهُ۔

"تم پر حیف ہے۔ میں تمہارے مانند نہیں ہوں۔ خدا نے ائمہ حق پر فرض کیا ہے کہ وہ اپنے کو مخلص و نادار لوگوں کی سطح پر رکھیں تاکہ مفلوک الحال اپنے فقر کی وجہ سے پیچ و تاب نہ کھائے۔"

اپنے عمال کے متعلق حضرت کی یہ کوشش تھی کہ ان کا طور و طریقہ بھی آپ ہی جیسا ہو اور مسلمانوں کے اموال میں وہی طریقہ اختیار کریں جو خود حضرتؑ کا تھا۔ جبراً کسی سے زکوٰۃ نہ وصول کریں، نہ خدا کے معین کیے ہوئے مقدار سے زیادہ حاصل کریں۔ جو مال خراج میں وصول کیا جائے اسے وہیں کے مستحقین میں خرچ کیا جائے اور اگر کچھ بچ رہے تب مرکز کو بھیجا جائے۔ انہیں متنبہ کرتے رہتے کہ خبردار امانت میں خیانت نہ ہونے پائے اور جو کچھ قبضہ میں آئے اس میں بیجا تصرف نہ ہو۔

ایک زکوٰۃ کے کارندے کو لکھتے ہیں:

---

[1] متن کتاب میں ویحک کے بعد یا عاصم لکھا ہے، مگر سافٹویئر میں موجود احادیث میں یہ لفظ نہیں ملا۔ وہاں عبارت یوں ہے: ویحک ان اللّٰہ۔۔۔۔

"اللہ وحدہ لا شریک کا خوف دل میں لئے ہوئے چل کھڑے ہو اور دیکھو! کسی مسلمان کو خوفزدہ نہ کرنا اور اس کے املاک پر اس طرح سے نہ گزرنا کہ اس کو ناگوار گزرے اور جتنا اس کے مال میں اللہ کا حق بنتا ہو اس سے زائد نہ لینا۔ جب کسی قبیلہ کی طرف جانا تو گھروں میں گھسنے کے بجائے پہلے ان کے کنوؤں پر جا کر اترنا۔ پھر صبر، سکون و وقار کے ساتھ ان کی طرف بڑھنا۔ یہاں تک کہ جب ان میں جا کر کھڑے ہو جاؤ تو ان پر سلام کرنا اور آداب و تسلیم میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھنا۔ اس کے بعد ان سے کہنا کہ اے اللہ کے بندو! مجھے اللہ کے ولی اور اس کے خلیفہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے۔ اگر تمہارے مال میں کا کوئی حق نکلتا ہے تو اسے وصول کروں۔ لہٰذا تمہارے مال میں اللہ کا کوئی واجب الادا حق ہو کہ جسے اللہ کے ولی تک پہونچاؤ؟ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ نہیں تو پھر اس سے دہرا کر نہ پوچھنا اور اگر کوئی ہاں کہنے والا ہاں کہے تو اسے ڈرائے دھمکائے یا اس پر سختی کیے بغیر اس کے ساتھ ہو لینا اور جو سونا یا چاندی (درہم و دینار) وہ دے لے لینا اور اگر اس کے پاس گائے، بکری یا اونٹ ہوں تو ان کے غول میں اس کی اجازت کے بغیر نہ داخل ہونا کیونکہ ان میں زیادہ وہ حصہ تو اسی کا ہے اور جب اجازت کے بعد ان تک جانا تو یہ انداز اختیار نہ کرنا کہ جیسے تمہیں اس پر پورا قابو حاصل ہے۔ دیکھو نہ کسی جانور کو بھڑکانا نہ ڈرانا اور نہ اس کے بارے میں اپنے غلط رویہ سے مالک کو رنجیدہ کرنا۔ جتنا مال ہو اس کے دو حصے کر دینا اور مالک کو یہ اختیار دے دینا (کہ وہ جو سا حصہ چاہے پسند کرلے) اور جب وہ کوئی سا حصہ منتخب کرلے تو اس کے انتخاب سے تعرض نہ کرنا۔ پھر بقیہ حصہ کے دو حصے کر دینا اور مالک کو یہ اختیار دے دینا (کہ وہ جو حصہ چاہے لے لے) اور جب وہ ایک حصہ منتخب کرلے تو اس کے انتخاب سے معترض نہ ہونا۔ یوں ہی ایسا ہی کرتے رہنا جب تک کہ بس اتنا رہ جائے جتنے سے اس مال میں جو اللہ کا حق ہے وہ پورا ہو جائے۔"

(ترجمہ نہج البلاغہ جلد سوم مفتی جعفر حسین مطبوعہ لاہور)

مالک اشتر کو مصر بھیجتے وقت آپ نے یہ ہدایات دیں:

"دیکھو محکمہ خراج کی نگرانی میں کوتاہی نہ ہو۔ خراج کے ٹھیک رہنے ہی میں سب کی بھلائی و خوش حالی ہے۔ سب کے رزق کا دارومدار خراج پر ہے اور خراج کے تحصیلداروں پر لیکن خراج سے زیادہ ملک کی آبادی پر توجہ رہنا چاہیے کیونکہ خراج بھی تو خوش حالی سے حاصل ہوتا ہے۔ جو حاکم تعمیر کے بغیر خراج چاہتا ہے اسکی حکومت یقیناً چند روزہ ثابت ہوگی۔ اگر کاشتکار خراج کی زیادتی کی، کسی آسمانی آفت کی، آب پاشی میں خلل پڑ جانے کی، رطوبت میں قلت کی، سیلاب یا خشکی کے سبب فضا کے خراب ہو جانے کی شکایت کریں تو ان کی سننا اور خراج کم کر دینا کیونکہ کاشتکار ہی تمہارا اصل خزانہ ہے۔ ان سے جو رعایت بھی کرو گے اس سے ملک کی فلاح ہوگی۔ حکومت کی رونق بڑھے گی نیز شہروں سے مال کے خراج کے ساتھ تعریف کا خراج بھی وصول کرو گے۔

(ترجمہ نہج البلاغہ جلد دوم مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی)

اشعث بن قیس والی آذربایجان کو آپ نے لکھا:

"تمہارا یہ عہدہ کوئی خوان نعمت نہیں ہے بلکہ تمہارے گلے میں امانت ہے اور تم بالا دست حاکم کے سامنے جواب دہ ہو۔ تمہارے ہاتھ میں جو مال ہے خدا کا ہے۔تم اس کے خزانچی ہو۔ یہاں تک کہ اسے میرے پاس پہنچا دو۔۔۔"

(ترجمہ نہج البلاغہ جلد دوم مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی)

اپنے عمال کی حرکات وسکنات پر کڑی نظر رکھتے۔ان کے قبضہ میں جو مال ہوتا اس کا سختی سے حساب لیتے۔اپنا نمایندہ بھیج کر ان کے عمال وافعال کی چھان بین کرتے۔وہ نمایندہ وہاں جا کر تحقیقات کرتا۔رعایا کے ساتھ جو عامل کا سلوک ہوتا یا مال کے ساتھ جو اس کے تصرفات ہوتے وہ حضرت کو لکھ بھیجتا۔ایک مرتبہ آپ نے کعب بن مالک کو یہ ہدایات دے کر روانہ کیا:

"تم اپنی جگہ پر کسی کو نائب مقرر کر دو اور اپنے کچھ ساتھیوں کو لے کر عراق کے شہروں میں جاؤ اور ہمارے عاملوں کے متعلق پوچھ گچھ کرو اور دیکھو کہ رعایا کے ساتھ ان کا سلوک کیسا ہے۔"

مصقلہ ابن ہبیرہ شیبانی کے نام جو آپ کی طرف سے اردشیر خرہ کا حاکم تھا لکھا:

"مجھے ایک ایسی بات کی خبر ملی ہے کہ اگر واقعی تم اس کے مرتکب ہوئے ہو تو تم نے اپنے خدا کو ناراض اور اپنے امام کو خفا کر لیا ہے۔تم مسلمانوں کے مال غنیمت کو جو ان کے نیزوں اور گھوڑوں نے حاصل کیا ہے اور جس پر ان کا خون بہا ہے اپنی قوم کے بدووں میں بانٹ رہے ہو۔قسم اس ذات کی جس نے بیج پھوڑا اور جاندار کو پیدا کیا ہے۔اگر یہ خبر صحیح نکلی تو میری نظر میں ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا پلہ میرے سامنے ہلکا ہو جائے گا۔خبردار اپنے پروردگار کے حق کو معمولی نہ سمجھو۔دین برباد کر کے دنیا آباد نہ کرو۔کرو گے تو اخسرین اعمالا میں سے ہو جاؤ گے۔"

(ترجمہ نہج البلاغہ مولوی عبدالرزاق)

ایک دن آپ کو خبر ملی کہ آپ کے قاضی شریح بن حارث نے اپنے لیے ایک گھر خریدا ہے۔آپ نے انہیں بلا کر تنبیہ کی اور سخت باز پرس کرتے ہوئے کہا:

مجھے معلوم ہوا کہ تم نے کوئی گھر 80 دینار میں خریدا ہے اور اس کے لیے تم نے دستاویز بھی لکھی ہے اور گواہوں کی گواہیاں بھی تحریر کی ہے۔"

شریح نے عرض کی: "امیر المومنینؑ! ہوا تو ایسا ہی ہے۔"

آپ نے افسوس بھرے لہجے میں فرمایا:

''اے شریح! جلد ہی تیرے پاس وہ آپہونچے گا جو تیری دستاویز دیکھے گا نہ تیرے گواہوں ہی کو پوچھے گا۔ وہ بس گھر سے بیک بینی و دوگوش نکال باہر کر کے سیدھا قبر میں پہنچا دے گا۔ اے شریح! اب تجھے سوچ لینا چاہیے کہ یہ گھر تو نے غیر کے مال سے تو خریدا نہیں ہے (اس کی قیمت حرام کی کمائی سے تو ادا نہیں کی ہے)۔ ایسا ہوا تو دنیا کا گھر بھی تو نے کھو دیا۔ خریداری کے وقت تو میرے پاس آتا تو میں ایسی دستاویز لکھ دیتا کہ ایک درہم میں بھی تو یہ گھر خریدنا گوارا نہ کرتا۔ وہ دستاویز یہ ہے:

''یہ ہے وہ گھر ایک عاجز بندے نے چل چلاؤ والے بندے سے خریدا ہے۔ اس گھر کی چوحدی اس طرح ہے: پہلی حد آفتوں کے اسباب پر ختم ہوتی ہے۔ دوسری حد مصیبتوں کے اسباب پر ٹھہرتی ہے۔ تیسری حد منہ کے بل گرا دینے والی خواہشوں پر رہتی ہے اور چوتھی حد گمراہ کرنے والے شیطان تک پہونچتی ہے اور اسی حد میں گھر کا دروازہ کھلتا ہے۔ آرزو کے جال میں پھنسے ہوئے اس آدمی نے گھر کا سودا اس آدمی سے کیا ہے جس کا پیچھا موت کر رہی ہے اور قیمت یہ دی ہے کہ قناعت کی عزت تج کر خواہش طلب کی ذلت اوڑھ لی ہے۔

اب اگر اس سودے میں خریدار کو کوئی نقصان پہونچے تو بادشاہوں کے جسم کو تہ و بالا کرنے والے، گردن کشوں کی جان لینے والے اور کسریٰ قیصر و تبع وحمیر ایسے فرمانرواؤں کی سلطنتیں الٹ دینے والے اور مال سمیٹ سمیٹ کر اسے بڑھائے اونچی اونچی محل بنانے، سنوارنے، انہیں فرش و فروش سے سجانے اور اولاد کے خیال سے ذخیرے فراہم کرنے اور جاگیریں بنانے والوں سے سب کچھ چھین لینے والے کے ذمہ ہے کہ وہ ان سب کو لے جا کر حساب و کتاب کے موقف اور عذاب و ثواب کے محل میں کھڑا کرے۔ اس وقت کہ جب حق اور باطل کا دوٹوک فیصلہ ہوگا اور باطل والے وہاں خسارے میں رہیں گے۔

عقل اس تحریر کی گواہ ہے۔ جب خواہش کی قید سے باہر اور غلامی دنیا سے آزاد ہو۔''

(ترجمہ نہج البلاغہ جلد دوم مولوی عبدالرزاق ملیح آبادی و مفتی جعفر حسین صاحب)

جس کا کیرکٹر اس قسم کا ہو اس سے کیونکر ممکن تھا کہ مسلمانوں کے مال کو خوشامد پسندوں اور جی حضوری کرنے والوں میں لٹا دیتا۔ اور کوئی کرتا یا نہ کرتا مگر علیؑ سے تو یہی بات قطعاً ناممکن تھی۔ جانب داری اور ناانصافی تو آپ کی فطرت کے خلاف تھی۔ عبداللہ بن زمعہ جو آپ کی جماعت میں محسوب ہوتا تھا، کچھ مال طلب کرنے آپ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا:

''یہ مال ہے، میرا ہے نہ تمہارا بلکہ مسلمانوں کا حق مشترک اور ان کی تلواروں کا جمع کیا ہوا سرمایہ ہے۔ اگر تم ان کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے ہوتے تو تمہارا حصہ بھی ان کے برابر ہوتا ورنہ ان کے ہاتھوں کی کمائی دوسروں کے منہ کا نوالہ بننے

کے لیے نہیں۔"

(ترجمہ نہج البلاغہ مولوی عبدالرزاق)

عزیزوں تک کے قدم ڈگمگا گئے مگر آپ ان کو ان کے حق سے زیادہ دینے پر تیار نہ ہوئے چاہے ان کی احتیاج کتنی ہی قابل رحم کیوں نہ رہی ہو۔ کوفہ میں آپ کے بھائی عقیل آئے۔ ایک تو بڑھاپا دوسرے مفلسی و تنگدستی۔ چھوٹا بھائی شہنشاہ عالم تھا۔ انہیں توقع تھی کہ اس پریشان حالی میں ان سے جو ممکن ہوگا مدد کریں گے۔ امیر المومنینؑ نے انتہائی عزت و تکریم سے ان کا استقبال کیا۔ بھائی کی خستہ حالی دیکھ کر آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ بھتیجوں کی غیر حالت دیکھ کر دل تڑپ گیا، مگر حضرتؑ نے اپنے رنج و اندوہ کو ضبط کرتے ہوئے پوچھا:

"بھائی جان! خوش آمدید! کہیے، کیسے تشریف آوری ہوئی؟"

عقیل نے جواب دیا: "میں بہت مقروض ہو گیا ہوں اس لئے آیا کہ تم صلہ رحم کرو۔"

امامؑ نے فرمایا: "اب کی تنخواہ سب آپ کے لئے ہے۔"

لیکن عقیل جو اپنے بچوں کو لے کر اتنا بڑا طویل سفر کر کے کوفہ پہونچے، وہ صرف اس لئے نہیں کہ تھوڑا سا مال لے کر رہ جائیں، جس سے نہ قرضہ ہی چکنا ممکن تھا اور نہ ہی معاشی حالت ہی سدھر سکتی تھی۔ ان کا خیال تو یہ تھا کہ میرا بھائی اس طویل و عریض سلطنت کا مطلق العنان حاکم ہے۔ وہ بیت المال کا دروازہ کھول دیں گے اور ہم سے جتنا سمٹ سکے گا سمیٹ لینے دیں گے۔

عقیل نے کہا: "تمہارے مشاہرے سے ہمارا کیا کام چلے گا؟"

امیر المومنینؑ نے فرمایا: "تو اس کے علاوہ ہمارا کوئی اور مال ہو تو بتائیے؟"

ایک رات عقیل امیر المومنینؑ کے پیچھے پڑ گئے۔ جتنا بس چلا آپ کو سرزنش بھی کی کہ میں اس حال میں ہوں اور تم ترس نہیں کھاتے۔ امیر المومنینؑ پہلے تو سنتے رہے اور دلجوئی کرتے رہے، پھر آپ نے جلتی ہوئی سلاخ اٹھا کر ان کے قریب کر دی۔ عقیل چیخ پڑے کہ تم مجھے جلائے دے رہے ہو۔ امیر المومنینؑ نے جھڑک کر کہا:

"آپ اس معمولی گرم سلاخ سے جسے انسان نے گرم کیا ہے چیختے ہیں اور خود مجھے اس آگ میں ڈھکیلنے کے لئے تیار ہیں جسے قہار و جبار خدا نے اپنے غیض و غضب کے اظہار کے لئے بھڑکایا ہے؟" (صواعق محرقہ / اسد الغابہ)

ان واقعات سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ امیر المومنینؑ خدا کی امانتوں میں خیانت کرنے والے نہ تھے۔ آپ نہ کسی کو انعام و اکرام نہ کسی کو جاگیر دیتے نہ مسلمانوں کے مال کو ہیر پھیر کے ایک ہی طبقہ کے لوگوں کو دیتے، چاہے وہ آپ کے دوست احباب

ہوں یا عزیز واقارب۔

آپ ایسا نہیں کرتے تھے۔ دوسرے لوگ البتہ کرتے تھے۔ معاویہ بھی کرتے اور جسے چاہتے اس کا گھر بھر دیتے۔ جسے چاہتے دانے دانے کو ترساتے۔ مسلمانوں کا مال ان کے خیال میں اپنا مال تھا جسے ان کی خواہش ہوتی دیتے جسے چاہتے نہ دیتے نہ کوئی نگراں تھا نہ مانع۔

(الامام علی بن ابی طالب جلد سوم)

عبد اللہ بن زمعہ بھی معاویہ کے پاس چلا گیا۔ عقیل بھی چلے گئے۔ معاویہ کی مسرتوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ معاویہ نے سوچا یہ دونوں ہمارے لئے بیش بہا نعمت ہیں۔ ابھی تو شروعات ہوئی ہیں۔ ان کے بعد تو تانتا بندھ جائے گا۔ درہم و دینار کے بندے بے شمار ہیں۔ نصیبہ یاوری کر رہا ہے۔ انہوں نے بڑے اہتمام سے منبر پر جا کر تقریر کی اور عقیل کی طرف مجمع کو متوجہ کرتے ہوئے کہا:

"شام والو! یہ قریش سردار ہیں۔ سردار کے فرزند ہیں۔ اپنے بھائی کی گمراہی وضلالت دیکھ کر ہم لوگوں کے پاس چلے آئے ہیں۔"

عقیل یہ فقرہ سن کر بھڑک اٹھے۔ معاویہ کی اس زیادتی کو پی جانا ممکن نہ ہوا۔ انہوں نے بپھر کر کہا:

"میں نے اپنے بھائی کے لشکر کی چھان بین کی۔ جتنے بھی مہاجرین وانصار تھے سب علیؑ کے لشکر میں موجود تھے اور خدا کی قسم معاویہ کے لشکر میں پیغمبر کے ایک بھی صحابی نہ دیکھا۔"

پھر جو ان کے منہ میں آیا کہتے چلے گئے۔

معاویہ رنگ بگڑتے دیکھ کر نرمی کی باتیں کرنے لگے۔ پھر انہیں تین لاکھ دینار دیے، جو اس میں شک نہیں، بہت بڑی رقم تھی۔ اس توقع میں کہ اب تو ضرور راضی ہو جائیں گے، کان میں عقیل کے کہا:

"میں تمہارے لیے تمہارے بھائی سے بہتر ہوں۔"

عقیل نے برجستہ کہا:

"سچ کہتے ہو۔ میرے بھائی نے اپنی دنیا پر دین کو ترجیح دی اور تم نے اپنی دنیا کو دین پر مقدم کیا۔"

معاویہ نے کوئی جواب نہ دیا اور عقیل کا جواب ہو بھی کیا سکتا تھا، جو دندان شکن جواب دینے کے ماہر تھے۔ معاویہ کا ذہن

کسی اور طرف لگا ہوا تھا۔ دماغ اسلامی دنیا کا چکر لگانے میں مصروف تھا۔ کبھی حجاز کی طرف سے کبھی مکہ و مدینہ کی طرف کبھی بصرہ و کوفہ کی طرف۔ ان کی نگاہ جس سرزمین کی طرف جاتی مطمئن ہو کر پلٹتی۔ ان ممالک کے بڑے بڑے لوگ ایک ایک کر کے ان کے پاس آتے جا رہے تھے۔

وہ سوچ رہے تھے کہ دنیا جب تک اپنے قابو میں ہے مکروفریب، وسیلہ طلا و نقرہ اپنا حیلہ ہے میرا کام بگڑے گا نہیں۔"

(الامام علی بن ابی طالب جلد سوم)

چوتھی فصل

مصر کی ولایت پر قیس بن سعد کا تقرر

معاویہ دیگر اسلامی شہروں کی طرف سے مطمئن ہو چکے تھے۔ ہر شہر میں تقریباً سازش کا جال بچھ چکا تھا اور بڑے بڑے لوگ اس جال میں پھنستے جا رہے تھے۔ اگر اب تک کسی سرزمین پر زور نہ چل سکا تو وہ مصر کی سرزمین تھی جو شام سے بالکل ہی قریب تھی مگر قابو سے بالکل ہی باہر اور انسانوں میں اگر کسی سے عاجز تھے تو وہ قیس بن سعد کی ذات تھی جو انسانوں میں جن اور جنوں میں بشکل انسان تھے۔ جن کی طول قامت دیکھ کر نشہ ہرن ہو جاتا اور جن کی تدبیروں کے آگے ساری چالیں اکارت تھیں۔ جن کے احساس برتری سے کلیجہ خون ہو جاتا۔ ان کی قامت کے لیے بس یہی کہہ دینا کافی نہیں کہ وہ بہت دراز تھی بلکہ وہ جیسے تو وہ تھے پہاڑ کا۔ جب کھڑے ہوتے تو مینار معلوم ہوتے۔ جب چلتے تو لوگوں کے سراں کے سینہ اور کمر کے درمیان ہوتے۔ جب گھوڑے پر بیٹھتے تو ایسا معلوم ہوتا جیسے پیدل چل رہے ہیں۔ ان کی تدبیروں سے شیطان پناہ مانگتا تھا اور ان کا احساس برتری! تو وہ اس وجہ سے تھا کہ وہ اپنی طاقت وقوت میں بھی اپنی نظیر آپ تھے اور اس کے باوجود وہ مغرور نہ تھے۔

جس چیز نے معاویہ کا کلیجہ خون کیا وہ یہ تھی کہ کریلا خود کڑوا دوسرے نیم چڑھا۔ مصر پر کسی کا تقرر ہوا بھی تو قیس کا جو اینٹ کا جواب پتھر سے دینے والے آدمی تھے۔ جس دن سے انہوں نے سرزمین مصر میں قدم رکھا وہاں کا سارا ہیجان کافور ہو گیا اور ساری آبادی نے بغیر کسی دباؤ کے اطاعت قبول کر لی۔ نہ انہوں نے زبردستی قبضہ کیا نہ تلوار اٹھائی نہ کسی کو دھمکی دی۔ وہ آئے تو صرف سات آدمیوں کے ساتھ آئے اور مصر میں یوں داخل ہوئے جیسے کہیں سے کوئی مہمان آئے اور مصر والوں نے مہمان ہی کی طرح ان کی آؤ بھگت بھی کی۔ معاویہ نہ مصر سے غافل تھے نہ مصر کے عامل قیس بن سعد سے، نہ مصر کے بے حساب آمدنی ہی ان کے دل و دماغ سے نکل سکی تھی۔ محمد ابن حذیفہ کو قتل کرا کے وہ یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ اب مصر کی طرف سے ہمیشہ کے لئے اطمینان ہو گیا لیکن باوجود اتنی کامیابی کے وہ اب بھی ناقابل تسخیر تھا۔ امیر المومنینؑ کی ابھی تک اس پر حکومت تھی اور حضرتؑ ہی کا سکہ چلتا تھا۔ اگرچہ حضرت عثمان کے حواخوں[1] کی ایک جماعت ایک چھوٹے سے گاؤں میں یوں دبکی بیٹھی تھی جیسے لومڑی بھٹ میں چھپی ہو۔

معاویہ کو صدمہ اس کا تھا کہ اگر امیر المومنینؑ کی طرف سے قیس بن سعد فوراً نہ پہونچ گئے ہوتے تو مصر پر اب تک قبضہ قائم ہو

1۔ یہاں پر لفظ "ہواخواہوں" ہونا چاہیے، مگر حفظ امانت کے تحت "حواخوں" کو باقی رکھا گیا ہے۔

چکا ہوتا۔ فوج ایک مرتبہ جا کر کامیابی حاصل کر چکی تھی۔ محمد بن حذیفہ قتل کر ڈالے گئے تھے۔ اب ضرورت دوبارہ فوج بھیجنے کی تھی جو جا کر پورے مصر پر تسلط حاصل کر لیتی مگر امیر المومنینؑ نے اس کا موقع ہی نہ دیا بلکہ ایسے شخص کو آپ نے وہاں کا حاکم مقرر کر کے بھیج دیا جو ان کے مکر و فریب کو خاطر میں لانے کے بجائے بچوں کا کھیل سمجھتا تھا۔

عرب میں یوں تو اور بھی بہت سے زیرک و دانا افراد تھے مگر پانچ آدمی کر وتزویر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ انہیں میں عمرو بن عاص بھی تھے، معاویہ بھی اور قیس بن سعد بھی۔ مگر قیس سب کے استاد تھے۔ اگرچہ ان کی تدبیر و چالاکی گناہ کی حد تک نہیں پہونچتی تھی وہ مگس کی طرح بیدار اور سانپ کی طرح چکنے تھے۔ امیر المومنینؑ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ بس نہیں چلتا تھا کہ اپنے کو حضرتؑ پر قربان کر دیں۔

حضرتؑ کی عزت و تکریم کا یہ عالم تھا کہ قیس ہر وقت حضرتؑ کا کلمہ پڑھتے رہتے تھے۔ جب امیر المومنینؑ نے سرزمین جنت نظیر مملکت مصر کی حکومت کے لئے ان کا انتخاب کیا، جس کی خشکی و تری پر قبضہ کرنے کے لئے معاویہ دن رات بے چین تھے، تو قیس نے اس منصب کو اس لئے قبول نہ کیا کہ وہ اس کے طلب گار یا حکومت و اقتدار کے خواہشمند تھے بلکہ صرف اس لئے کہ وہاں پہونچنے پر دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملے گا اور دشمن کا قلع قمع کرنے میں آسانی ہوگی۔

امیر المومنینؑ نے مصر بھیجتے وقت ان کو نصیحت کی:

”میں نے تمہیں مصر کا عامل بنایا ہے تم فوراً روانہ ہو جاؤ اور اپنے ساتھ چند قابل اعتماد آدمیوں اور فوج کا ایک دستہ لے جاؤ تا کہ تمہارے مخالفین پر تمہارا رعب قائم ہو اور وہ تمہارے خلاف کوئی منصوبہ بندی اور شرارت نہ کر سکیں۔ جب تم مصر پہونچ جاؤ تو وہاں کے عوام و خواص سے نرمی و محبت کے ساتھ پیش آؤ۔ جو لوگ سرکشی دکھائیں ان پر سختی کرو اور ضرورت پیش آنے پر طاقت استعمال کرنے سے بھی دریغ نہ کرو۔“

مگر قیس کی غیرت نے گوارا نہ کیا کہ اپنے ساتھ کوئی فوجی دستہ لے جائیں، جب کہ وہی فوجی دستہ بصرہ کی گھمسان کی جنگ میں جب کہ لوگ پروانہ وار اپنی جانیں دے رہے تھے اور عائشہ کے ہودج کا یوں طواف کر رہے تھے جیسے مجوسی آگ کا طواف کرتے ہیں۔ زیادہ کار آمد ہو سکتا تھا۔ انہوں نے اپنے آقا سے عرض کی:

”امیر المومنینؑ! خدا آپ پر رحم کرے جو کچھ آپ نے فرمایا اس کو میں اچھی طرح سمجھ گیا لیکن آپ نے فوج کا دستہ ساتھ لے جانے کے لئے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے، مجھے اس سے اتفاق نہیں۔ میں اپنے ساتھ فوج لے کر نہیں جانا چاہتا۔ اس وقت آپ کو ایک ایک سپاہی کی ضرورت ہے۔ اگر میں فوج کو اپنے ساتھ لے گیا تو آپ کی طاقت و قوت میں فرق آجائے گا۔ اس لئے میں صرف اپنے اہل و عیال سمیت مصر جاؤں گا۔ باقی آپ نے وہاں کے باشندوں سے نرمی محبت اور احسان کا سلوک کرنے کی جو ہدایات فرمائی ہیں ان پر میں انشاء اللہ حتی المقدور عمل کروں گا۔“ (خلفائے محمد عمر ابو النصر/ الامام علی جلد سوم وغیرہ)

چند ہی دنوں میں قیس مصر پہونچ گئے۔ان کے ساتھ صرف سات آدمی تھے اور ان کے ہاتھ میں امیرالمومنینؑ کا پیام بیعت تھا۔فسطاط پہونچ کر مسجد جامع کے منبر پر گئے۔پہلے وہ خط پڑھ کر سنایا، جو امیرالمومنینؑ نے ان کے نام لکھا تھا۔خط سنانے کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر تقریر کی:

''خداوند عالم کا شکر جس نے حق کو زندہ اور باطل کو مردہ کیا اور ظالموں کو کچل کر رکھ دیا۔اے لوگو! ہم نے ایسے شخص کی بیعت کی ہے جسے ہم اپنے نبی محمد مصطفیٰؐ کے بعد سب سے بہتر سمجھتے ہیں۔تم لوگ اٹھو اور کتاب خدا اور سنت نبویؐ پر ان کی بیعت کرو۔اگر ہم نے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت پر عمل نہ کیا تو پھر یہ بیعت تمہاری گردن میں نہ رہے گی۔''

معاویہ اب بھی مایوس نہ تھے۔مصر والوں نے اگرچہ بیعت کرلی تھی مگر ان کے جاسوس مصر میں ہر طرح محفوظ اپنی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے۔عثمانی جماعت جو دمشق کو اپنا قبلہ بنائے ہوئے تھی، قیس نے اس پر کسی قسم کی تشدد نہیں کیا۔ان کے اطاعت نہ کرنے کے باوجود قیس نے ان کے ساتھ مہربانی کی۔وہ ایسے ہی محفوظ رہے جیسے حرم کے طائر۔قیس نے ان کو لکھا:'' میں تمہیں بیعت پر مجبور نہیں کرتا تمہیں تمہارے حال پر چھوڑتا ہوں۔'' یہ مصالحت کی فضا تھی جو قیس نے مصر پہونچنے کے بعد قائم کی، یہاں تک کہ جنگ جمل انجام کو پہونچی۔امیرالمومنینؑ کی فوجوں نے دشمن کی سپاہ کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

معاویہ کی پریشانیوں کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ایک طرف یہ دھڑکا لگا ہوا کہ نہ جانے کب فوجوں کا سیلاب ہماری طرف امنڈ آئے، دوسری طرف یہ آس بھی لگی ہوئی کہ شاید علیؑ ہمیں شام کی حکومت پر باقی رہنے دیں۔شاید کچھ دنوں تک تعرض کرنے کی ضرورت نہ سمجھیں۔اگرچہ یہ امیدیں بعد میں غلط ہی نکلیں مگر وہ عرصہ تک اس کے لئے کوشاں ضرور رہے۔مگر قیس بن سعد انتہائی سکون و اطمینان سے مصر میں دن بسر کرتے رہے۔انہوں نے نہ کسی قسم کی فوجی تیاری کی نہ شام کی طرف کوئی لشکر بھیجا۔معاویہ حیران تھے کہ آخر یہ قیس کیوں چپکے بیٹھے ہیں۔جنگ جمل میں شاندار کامیابی کے سبب اسلامی دنیا کے طول وعرض میں ان کی دھاگ[1] جم چکی تھی۔موقع سے فائدہ اٹھائے ہوئے قیس کوئی پیش قدمی کیوں نہیں کرتے۔انہیں انتظار کس بات کا ہے؟ یہ بات تو ہے نہیں کہ ان کی ہمت میں سستی آگئی ہو یا وہ غافل ہوں یا جنگی تدبیریں انہیں نہ آتی ہوں یا فوجی ساز و سامان کی کمی ہو۔پورا مصر ان کے قبضہ میں ہے، سوا ایک معمولی سے گاؤں خربتا کے۔بے حد وحساب خراج وصول ہو رہا ہے بغیر کسی محنت مشقت یا جھگڑا تکرار کے۔اگر وہ فوجی تیاریاں کرتے تو بآسانی کر سکتے۔فوجیں جمع کرنے پر متوجہ ہوتے تو بہت بڑی فوج اکٹھا ہو جاتی۔قریہ خربتا کی طرف دھمکی کے طور پر ایک انگلی بھی اٹھا دیتے تو پورا گاؤں غلام بن کر حاضر خدمت ہو جاتا اور انکار کی صورت میں منٹوں میں وہ گاؤں تباہ و برباد کر دیا جاتا، مگر پھر بھی قیس ڈھیل دیتے رہے۔انہوں نے وہی مصالحت کی فضا قائم رکھی جو اول دن آ کر قائم

---

[1] ''دھاک'' ہونا چاہیے۔حفظ امانت کی خاطر ''دھاگ'' کو باقی رکھا گیا ہے۔

کی تھی۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ قیس کو اپنی قوت پر بروسہ تھا۔ اپنی تدبیروں پر بھی انہیں یقین کامل تھا کہ کبھی ناکام نہ رہیں گی۔ انہوں نے جو منصوبے دل میں بنائے تھے اس میں اتنی احتیاط برتی اور مخفی رکھنے میں اس درجہ سختی کی کہ دشمن نے تو ان کی نیت کے متعلق دھوکا کھایا ہی، جو اپنے تھے وہ بھی دھوکا کھا گئے۔ جب خطرے کا موقع تھا تب تو قیس بغیر سپاہ ولشکر مصر میں جا داخل ہوئے اور جب مصر پہونچنے کے بعد ہر طرح اقتدار حاصل ہوگیا، ساری آبادی اطاعت گذار ہوگئی تو انہوں نے خربتا کے لوگوں کی طرف سے آنکھیں بند کرلیں جو اب تک حلقہ بیعت میں داخل ہونے تیار نہ ہوئے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ قیس کا یہ طرز عمل بہت ہی بعید از فہم تھا۔ کسی کو بھی پتہ نہ چل سکا کہ ان کے منصوبے کیا تھے؟ کون سالائحہ عمل انہوں نے اپنے دماغ میں مرتب کر رکھا تھا حتی کہ معاویہ کی چالاکی بھی دھوکا کھا گئی۔ انہیں پتہ ہی نہ چل سکا کہ قیس کے ارادے کیا ہیں؟

(2)

معاویہ نے اسی کو غنیمت سمجھا کہ مصر میں مصالحت کی فضا قائم رہے۔ اور تو کوئی بس نہ چلا، معاویہ نے اسی مصالحت کی فضا سے فائدہ اٹھانا چاہا جو قیس نے مصر پہونچنے کے بعد قائم کررکھی تھی اور جس پر اب تک کاربند چلے آرہے تھے۔ انہوں نے حضرت عثمان کے فدائیوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا نہ بیعت کیلئے زبردستی کی۔ معاویہ نے یہ تدبیر کی کہ اپنے اعوان وانصار اور بھروسے کے کچھ لوگوں کو فلسطین میں اس مقصد سے متعین کردیا کہ اگر قیس دمشق پر حملہ کا ارادہ کریں تو وہ دیوار بن جائیں۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے خربتا کے لوگوں سے ساز باز بھی شروع کردی کہ موقع پیش آنے پر وہ کارآمد ثابت ہوں۔ انہیں مخفی طریقہ پر بڑی بڑی رقمیں بطور رشوت بھیجیں۔ انہیں اطمینان دلایا کہ ہم تمہاری پشت پر ہیں۔ کامیابی کی صورت میں تمہارا گھر بھر دیں گے۔ معاویہ کو یہ اطمینان تو تھا ہی کہ قیس ان لوگوں سے غداری نہ کرینگے۔ وہ بات کے پکے ہیں، وعدہ کرکے پھر وعدہ خلافی کے مرتکب نہ ہوں گے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی حیرت انگیز نہیں کہ معاویہ نے یہ پتہ چلانے کی کوشش کی ہو کہ قیس کی یہ مصالحانہ پالیسی ضرورت کے تحت اور وقتی ہے یا وہ کچھ کررہے ہیں۔ اپنی شریفی النفسی کے تحت واقعاً وہ کوئی تشدد کرنا نہیں چاہتے۔ انہوں نے ایسی تدبیریں کرنے میں دیر نہ کی جن کی وجہ سے قیس کھل کر سامنے آجائیں۔ انہوں نے قیس کو ایک خط لکھا:

"سلام علیک! اگر تم لوگ جانب داری اور اعزہ پروری، یا ضرب وتادیب، یا کسی شخص کو برا بھلا کہنے یا کسی کو جلاوطن کرنے کی وجہ سے عثمان سے ناراض ہو، نوجوانوں کو حکومت دینا جرم قرار دیا تو یہ سب ہی مگر یہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ان امور کے سبب ان کا خون تمہارے لئے مباح نہیں ہے۔ تم نے سنگین جرم کا ارتکاب کیا۔ امر مکروہ وناپسند وحرام پر عمل کیا تو اے قیس! اللہ کے دربار میں توبہ کرو۔ تم ان لوگوں میں سے ہو جو حضرت عثمان پر بلوہ کرکے آئے تھے۔ تمہاری ہی ذات سے یہ ہنگامہ ہوا تھا۔

تمہارے علی ابن ابی طالب کے نسبت ہم کو یقین کامل ہے کہ انہیں نے لوگوں کو بھڑکایا اور انہیں عثمان کے قتل پر آمادہ کیا۔ یاد رکھو کہ یہ خون تمہارا پیچھا نہ چھوڑے گا اور تمہاری قومی شرافت وعزت کا کچھ لحاظ و پاس نہ کرے گا۔ اگر تم کو اپنی جان کی فکر اور اسکی حفاظت مطلوب ہے تو حضرت عثمان کے قصاص طلب کرنیوالوں میں مل جاؤ۔ اس امر میں ہمارے تابع ہو کر معین ومددگار ہو۔ بروقتِ فتح ہم تم کو مصر وعراق دونوں کی حکومت دیں گے اور اپنی زندگی تک تمہاری قوم میں سے جس کو تم چاہو گے، حجاز کی حکومت دینگے اور جو تمہاری خواہش ہوگی جلد پوری کریں گے۔ اپنی رائے سے جلد اطلاع دو۔"

قیس کے پاس جب یہ خط پہونچا۔ وہ خط پڑھ کر یہ سوچے کہ ابھی معاویہ کو باتوں میں ٹالنا چاہیے۔ اپنے ذاتی خیالات کا اظہار مناسب نہیں۔ فی الحال ان سے ظاہر داری کرنا اور جنگ سے بچنا مناسب ہے چنانچہ خوب اچھی طرح سے ہر پہلو پر نظر کر کے یہ خط لکھا:

"بعد حمد ونعت کے جو تم نے لکھا ہے مجھے معلوم ہوا میں خوب سمجھا۔ حضرت عثمان کی شہادت کے بارے میں جو لکھتے ہو وہ محض تمہارا خیال ہے۔ مجھ کو اس واقعہ سے دراصل کوئی تعلق نہ تھا نہ میں اس میں کسی طرح شریک تھا بلکہ اس کام کے پاس تک نہ گیا۔ نہ مجھ کو حضرت علی کی شرکت اس ہنگامہ میں محسوس ہوئی ہیں۔

جہاں تک غور کرتا ہوں وہ بھی بالکل اس سے بے لوث ہیں۔ باقی رہی تمہاری اطاعت، یہ معمولی بات نہیں کہ میں اس کا جواب فوری دے دوں۔ اس معاملہ میں بھی غور وتامل کر رہا ہوں۔ یہ عجلت کا کام نہیں ہے۔ حالانکہ میں ہر طرح تمہارے لئے کافی ہوں تاہم میری طرف سے کوئی ایسا امر نہ ہوگا جو تم کو ناگوار وشاق گزرے اس کو سوچ بوجھ کر انشاء اللہ جواب دوں گا۔"

معاویہ نے یہ خط پڑھ کر پھر دوسرا خط اس مضمون کا لکھا۔

"میں نے تمہارا خط پڑھا۔ اس میں کوئی بات صاف نظر نہیں آتی۔ تم میری خواہش کے قریب نہیں ہوتے کہ میں تم کو صلح خواہ خیال کروں اور تمہارے اس خط سے دوری اور خلاف ظاہر ہوتا ہے کہ میں تم کو اپنا دشمن سمجھ لوں۔ تم کو صلح کے لئے بلاتا ہوں۔ تم اس سے نہ بھاگو۔ میں تمہیں لڑائی سے بچاتا ہوں۔ میرا کہنا مانو اور جعل وفریب کی باتیں مجھ سے نہ کرو۔ مجھ سا شخص ہرگز تمہارے دام تزویر میں نہیں آسکتا اور نہ تم ایسوں کے فقرے میں آکر کسی حیلہ میں گرفتار ہو سکتا ہے۔"

قیس نے یہ خط دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب معاویہ حیلہ وحوالہ سے نہیں مانیں گے اور نہ ٹالنے سے ٹلیں گے۔ جو کچھ دل میں تھا اس کو صاف الفاظ میں تحریر کر دیا اور نہایت طعن آمیز خط معاویہ کو لکھا:

"مجھ کو سخت تعجب ہے کہ تم مجھ کو کس قدر فریب دے رہے ہو۔ مجھ سے اطاعت کی طمع رکھتے ہو۔ تم نے مجھ کو بالکل حقیر وکمزور سمجھ لیا ہے۔ کیا تم مجھ کو مستحق امارت وخلافت کو اطاعت سے نکالنا چاہتے ہو؟ وہ شخص بہت عالی مرتبہ ہے۔ سب لوگوں میں امارت کے

لائق، سب میں حق بات کہنے والا، راہ حق کے ہادی آنحضرتؐ سے باعتبار تعلقات سب سے قریب۔ تم مجھ سے اپنی اطاعت کے لئے کہتے ہو۔ تم اپنی حقیقت بھولے ہوئے ہو۔ تم ایسے ہو جو اس امارت میں سب لوگوں سے دور، سب مکاروں سے زیادہ مکار، آنحضرتؐ سے باعتبار تعلق بہت بعید اور گمراہ کرنے والے کی اولاد ایک شریر شیطان ابلیس کی جماعت سے ہو۔ بخدا! اگر میں تم کو مجبور اور اپنی لڑائی میں مصروف نہ کر دوں کہ تم کو اپنی جان کے لالے پڑ جائیں تو سمجھنا کہ تم بڑے خوش نصیب ہو۔"

جب معاویہ کو قیس کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی تو انہوں نے لکھا:

"اما بعد تم یہودی ہو اور یہودی کے بیٹے ہو۔ اگر دونوں فریق میں تمہارا محبوب فریق کامیاب ہوا تو تمہیں معزول اور تبدیل کر دے گا اور اگر وہ فریق کامیاب ہوا جو انتہائی مبغوض ہو تو وہ تمہیں مار ڈالے گا اور انتہائی اذیت پہونچائے گا۔ تمہارے باپ نے اپنی کمان چڑھائی، غلط نشانہ تاکا، خطا ہی خطا کی، اس وجہ سے اسے زمانے نے بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور اس کی موت نے اسے آدبوچا اور وہ جلاوطنی کے عالم میں بمقام حوران جان بحق ہوا۔"

اس کے جواب میں قیس نے لکھا:

"اما بعد! تم بت پرست ہو اور بت پرست کے بیٹے ہو۔ اسلام میں جبراً قہراً داخل ہوئے اور خوشی خاطر باہر ہو گئے۔ تمہارا ایمان پرانا نہیں اور تمہارا نفاق نیا نہیں۔ میرے باپ نے اپنی ہی کمان چڑھائی اور صحیح نشانہ تاکا۔ ان پر یورش ان لوگوں نے کی جو ان کے ٹخنوں تک بھی نہ پہونچتے تھے۔ ہم خدا کے اس دین کے انصار ہیں جس سے تم باہر ہو گئے ہو اور اس دین کے دشمن ہیں جس میں تم داخل ہو گئے ہو۔ والسلام۔"

(کامل للمبرد جلد 1 ص 309 / البیان والتبیین جلد 2 ص 68 / تاریخ یعقوبی جلد 2 ص 168 / عیون الانباء، ابن قتیبہ جلد 2 ص 213 / مروج الذہب جلد 2 ص 62 / مناقب خوارزمی ص 173 / شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ ص 15 / سیرۃ علویہ حافظ محمد علی حیدر کاکوروی / الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم / علامہ جاحظ نے اپنی کتاب التاج کے ص 109 پر اس خط کو ان لفظوں میں ذکر کیا ہے:

"اے بت پرست یا بت پرست کے بیٹے! تم مجھے خط لکھ کر اس امر کی طرف دعوت دے رہے ہو کہ میں علی سے جدا ہو جاؤں اور تمہاری اطاعت میں داخل ہوں۔ تم مجھے اس سے ڈراتے ہو کہ علیؑ کے اصحاب ان کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں اور تمہارے پاس ٹوٹ ٹوٹ کر آ رہے ہیں۔ خدائے وحدہٗ لا شریک کی قسم! اگر علیؑ کے پاس سب لوگ بھی چلے جائیں اور سوائے میرے کوئی باقی نہ رہے اور میرے لیے ان کے سوا کوئی باقی نہ رہے تو جب تک تم ان سے برسر پیکار رہو گے میں کبھی تم سے مصالحت نہ کروں گا اور

ہرگز ہرگز تمہاری اطاعت میں نہ داخل ہوں گا، جب تک تم ان کے دشمن رہو گے۔ میں خدا کے ولی اور دوست کو چھوڑ کر دشمن خدا کو اختیار نہیں کر سکتا نہ خدا کی جماعت چھوڑ کر شیطان کی جماعت میں داخل ہوں گا۔"

معاویہ یہ خط پڑھ کر قیس کی طرف سے ناامید ہو گئے اور سمجھ لیا کہ قیس دم میں نہ آئیں گے۔ یہ جناب امیر کے سچے ہمدرد اور مطیع ہیں۔تب دوسرا جال پھیلایا۔ اہل شام پر یہ ظاہر کیا کہ قیس ہمارے مطیع ہو گئے ہیں۔ انہوں نے اہل شام کے سامنے تقریر کی:

"شام والو! قیس تمہارے ساتھ ہو گئے ہیں۔ ان کے لئے خدا سے دعا کرو اور انہیں برا بھلا نہ کہو۔ ان سے لڑنے کی تیاری نہ کرو۔ وہ ہمارے طرفدار ہو گئے ہیں۔ ان کے خطوط اور خیر خواہی کے پیام ہمارے پاس مخفی طور پر آتے ہیں۔ ان کے معاملات اور برتاؤ سے بخوبی سمجھ سکتے ہو کہ وہ کس طرف ہیں! دیکھو تمہارے ہم خیال بھائیوں موضع خربتا کے دوستداران عثمان کے ساتھ کس طرح پیش آ رہے ہیں۔ ان کے وظائف وعطایا پابندی سے دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی احسانات کرتے رہتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ در پردہ ہم لوگوں کے رفیق ہیں۔" (سیرہ علویہ حافظ محمد علی حیدر کاکوروی)

پھر ایک فرضی خط قیس کی طرف سے اپنے نام تصنیف کیا:

بسم اللہ الرحمان الرحیم

"امیر معاویہ بن سفیان کے نام، قیس بن سعد کی طرف سے۔ آپ پر سلام ہو۔ میں خدائے وحدہ لا شریک کی حمد بجالاتا ہوں۔ امابعد جب میں نے اپنے نفس اور اپنے دین کے متعلق غور کیا تو ہمیں مناسب نہ معلوم ہوا کہ ہم ایسے لوگوں کی پشت پناہی کریں جنہوں نے امام (عثمان) کو قتل کیا حالانکہ وہ مسلمان تھے۔ ان کا خون بہانا حرام تھا۔ نیکو کار تھے، پرہیزگار تھے۔ میں اپنے گناہوں پر خدا سے استغفار کرتا ہوں اور دست بہ دعا ہوں کہ ہمارے دین کو سلامت رکھے۔ میں آپ کی اطاعت قبول کر رہا ہوں اور قاتلین عثمان سے جنگ کرنے پر تیار ہوں جو ہدایت کے امام اور مظلوم تھے۔ فوج سپاہ اور مال متاع کی جس قدر آپ کو ضرورت ہو، لکھیے۔ میں فوراً ہی آپ کے پاس روانہ کروں گا۔"

(تاریخ کامل جلد 5 ص 229 / کامل ابن اثیر جلد 3 ص 117 / شرح ابن ابی الحدید جلد 2 ص 24 / الامام علی ابن ابیطالب جلد 3 / سیرہ علوی وغیرہ)

کذب وافتراء وجعل وفریب جسکی فطرت میں داخل ہو اس سے اس قسم کی چھچھوری حرکتیں بعید بھی نہیں۔ معاویہ ہی کے زمانہ سے ان خود ساختہ اور خانہ ساز حدیثوں کی شروعات ہوئیں، جن میں بنی امیہ کے فضائل اور بنی ہاشم خانوادۂ رسالت ونبوت کے نقائص بیان ہوتے تھے۔ ہم اس سوانح عمری کی پہلی جلد اعجاز الولی میں بہت تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ معاویہ نے جھوٹی حدیثوں کے اختراع اور اشاعت میں کتنا اہتمام کیا اور ان کی خوشنودی کے لئے پیغمبرؐ پر الزام لگانے والے کتنی کثرت سے پیدا ہو گئے اور کس قدر بے حد وحساب ایسی حدیثوں کا انبار لگ گیا۔ حد ہوگئی کہ انہوں نے اپنے زمانے کے مشہور تابعی اور راوی

حدیث سمرہ بن جندب کو ایک لاکھ درہم پیش کیے اس شرط پر کہ وہ قرآن مجید کی آیت: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ کی شان نزول، ابن ملجم قاتل امیر المومنینؑ کے لئے روایت کریں اور آیہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللَّهَ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ کے متعلق یہ روایت کریں کہ یہ علی ابن ابی طالب کی شان میں نازل ہوئی۔ سمرہ نے جب انکار کیا تو انہوں نے رقم بڑھا کر دو لاکھ کر دی۔ انہوں نے پھر بھی انکار کیا تو تین لاکھ پھر انکار کیا تو چار لاکھ کر دی اور آخر سمرہ راضی ہو گئے۔ اس قسم کی اور بھی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ تو جو شخص پیغمبرؐ کے متعلق اس حد تک افترا و بہتان کر سکتا تھا، علیؑ ابن ابی طالب اور خاندان اہلبیتؑ کی طرف ایسی باتیں منسوب کر سکتا تھا تو اس کا قیس کے متعلق ایسا خط تصنیف کر لینا کیا مشکل تھا؟

مگر سادہ لوحی کا برا ہو۔ کسی نے نہ سمجھا کہ یہ معاویہ کا مکرو فریب ہے، جسے بھی مصر کی خبریں پہونچیں اور معلوم ہوا کہ قیس شام پر چڑھائی اور خربتا والوں پر تشدد کرنے سے پہلوتہی کر رہے ہیں، وہ قیس کی طرف سے غلط فہمی کا شکار ہوا بلکہ وہ لوگ جو معاویہ کے طرفدار نہیں بلکہ اس کے دشمن اور خون کے پیاسے تھے، انہوں نے بھی شام والوں کی طرح قیس کی طرف سے غلط خیالات ہی قائم کیے۔ طرفداران امیر المومنینؑ میں عوام کا ذکر نہیں، خواص افراد اور حضرتؑ کے مخلصین کی اکثریت بھی شک و شبہ میں پڑ گئی۔

امیر المومنین اپنی فوجوں کو لے کر نخیلہ کی طرف روانگی کا قصد کر رہے تھے کہ ان لوگوں نے حضرتؑ کی خدمت میں آ کر اپنے خدشات ظاہر کیے۔ حضرتؑ نے سنتے ہی کہا:

"خدا کی قسم! قیس کے متعلق میں کبھی بھی اس بات کو صحیح تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔"

عبداللہ ابن جعفر نے عرض کی: "امیر المومنینؑ! جس امر سے آپ کو قلق و اضطراب ہو یا کسی شخص کی نسبت شک و تردد ہو، اسے چھوڑ کر جو سبب اطمینان و تسلی قلب کا ہو اسے اختیار فرمائیے۔ قیس کو مصر سے معزول کیجئے۔"

لوگ اصرار کر رہے تھے اور امیر المومنینؑ کا دل ماننے پر تیار نہیں ہوتا تھا۔ قیس کی ہستی ہر قسم کے شک و شبہ سے بلند و بالا تھی۔ ان کی طرف سے کس بدگمانی کو دل میں جگہ دی ہی نہیں جا سکتی تھی۔ وہ دلی دوست، پورے وفادار اور حضرتؑ کے قدموں پر جان چھڑکنے والے تھے۔ ان کے متعلق جتنی باتیں مشہور ہو رہی تھیں وہ سب معاویہ کے جاسوسوں کی پھیلائی ہوئی تھیں۔ عبد اللہ ابن جعفر نے بات جاری رکھتے ہوئے عرض کی:

"امیر المومنینؑ! قیس کو معزول کر دیجئے۔ خدا کی قسم اگر وہ حق پر ہوں گے تو اس معزولی پر آپ کی ملامت نہ کریں گے۔"

معاویہ نے قیس کی طرف سے جو خط تصنیف کیا تھا، معاویہ کے زرخرید، حضرتؑ کے ساتھیوں میں اس کا اشتہار کرتے پھر رہے

تھے اوراس کی وجہ سے عام ہیجان پھیلا ہوا تھا۔سبھی حیران تھے کہ قیس ایسا آدمی دشمن سے کیسے مل گیا۔

مؤرخین کی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس موقع پر بھی بعینہ وہی صورت پیدا ہوگئی تھی جو جنگ صفین میں تحکیم کے متعلق پیش آئی۔حضرت امیرالمومنینؑ جس طرح تحکیم پر ہرگز آمادہ نہیں تھے اسی طرح قیس کو مصر کی حکومت سے ہٹانا بھی آپ کو منظور نہ تھا مگر جب ساتھ والے ہی اڑ جائیں تو ایک اکیلے امیرالمومنینؑ کیا کر سکتے تھے؟ جنگ صفین میں فتح یقینی ہو جانے کے بعد ہمراہیوں کی ضد نے تحکیم پر مجبور کیا۔اسی طرح قیس کی معزولی میں ان کی ضد کے آگے حضرتؑ کی ایک نہ چلی۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:

فعرف معاویه ان اسر قیس لم یستقمله بالکید الرقیق وله بالنذیر العنیف فلم یکد له فی مصر و انما کاد له فی العراق کتب علی لسانه کتابا اظهر فیه انحرافه عن علی و غضبه لعثمان و مطالبته بدم الخلیفة المظلوم و دس الکتاب الی اهل کوفه فاما علی فلم یصدق ما جاء فی الکتاب ولم یزد علی انقال لاصحابه انّی اعلم بقیس منکم و انما هی فعلة منفعلات هولکن اصحابه صدقوا وثاروا و الحوا فی عزلقیس وتریث علی مع ذلك و کتب الی قیس یأمره ان ینأجز القوم الّذین اعتزلوا و لا یقبل منهم الا البیعة فاجابه قیس متعجبا من اسراعه الی حرب هؤلاء القوم الوادعین طالبا الیه ان یخلی بینه و بین اقلیمه کما یری لانّه قریب و علی بعید، و لانّه یخشی ان هاج هؤلاء الناس ان یفسد علیه الا مروان یجدوا من قومهم من ینصرهم، و ان یستعینوا معاویة فیعینهم.

و لم یشك اهل الکوفه بعد ان عرفوا ذلك من امر قیس فی انه قد اضمر الشر و الخلاف عن امر امامة فالحوا فی عزله و ما زالوا یلحون حتی عزله علی و ولی مکانه محمد بن ابی بکر.

(الفتنۃ الکبیر جلد دوم ص130)

معاویہ سمجھ گئے کہ قیس ہمارے جال میں پھنسنے کے نہیں، نہ تو نرمی و چاپلوسی کی پالیسی ان پر اثرانداز ہوسکتی ہے، نہ سختی و درشتی اور تخویف و تحدید، لہٰذا انہوں نے مصر میں داؤں کرنے کے بجائے عراق میں ان پر داؤں کیا۔قیس کی طرف سے اپنے نام ایک فرضی خط لکھا جس میں ظاہر کیا کہ قیس علیؑ سے برگشتہ ہو چکے ہیں، عثمان کے قتل پر غضبناک اور ان کے انتقام کے طالب ہیں۔اس خط کو انہوں نے اپنے جاسوسوں کے ذریعہ کوفہ والوں میں مشہور کیا۔علیؑ نے تو اس خط کی تصدیق نہ کی۔انہوں نے اپنے اصحاب سے صرف اتنا کہا کہ میں تو لوگوں کی بہ نسبت قیس کو زیادہ جانتا ہوں اور سمجھتا ہوں۔یہ معاویہ کی چالوں میں سے ایک چال ہے۔لیکن آپ کے اصحاب نے اس خط پر یقین کرلیا اور بگڑ کھڑے ہوئے اور حضرتؑ سے شدید اصرار کیا کہ آپ قیس کو

فوراً معزول کر دیجیے۔ علیؑ نے شدید اصرار کے باوجود توقف سے کام لیا اور قیس کو خط لکھا کہ جن لوگوں نے بیعت سے کنارہ کشی کی ہے، ان سے بزور بیعت لے، اور سوا بیعت کے کوئی چیز قبول نہ کرو۔ قیس کو اس خط سے بڑی حیرت ہوئی۔ انہوں نے حضرت کو دیکھا کہ جلد بازی مناسب نہیں اور نہ ان لوگوں کو ابھی چھیڑنا ٹھیک ہے جو خاموش، صحیح وسلامتی کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ مصر کا انتظام میرے اوپر چھوڑ دیں اور مجھے اپنی مرضی کے موافق یہاں کرنے دیں۔ آپ یہاں سے دور ہیں، صحیح حالات آپ کے پیش نظر نہیں اور میں انہیں لوگوں کے درمیان میں موجود ہوں۔ ہمیں ڈر ہے کہ اگر ان لوگوں کو چھیڑا گیا تو بنی بنائی بات بگڑ جائے گی۔ یہ لوگ لڑنے بھڑنے پر تل جائیں گے اور بہت سے مددگار بھی ان کے پیدا ہو جائیں گے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لوگ معاویہ سے مدد کے طالب ہوں اور وہ ان کی مدد کرے۔ قیس کے اس جواب سے کوفہ والوں کو اور یقین ہو گیا کہ قیس کے دل میں کھوٹ ہے اور وہ در پردہ امام کے مخالف ہیں۔ وہ لوگ پیچھے پڑ گئے کہ قیس کو فوراً معزول کر دیجئے۔ اتنا اصرار ان کا بڑھا کہ آخر حضرتؑ نے مجبور ہو کر قیس کو مصر سے معزول کر لیا اور ان کی جگہ پر محمد ابن ابی بکر کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔

تمّت بالخیر